

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

تذکرہ حضرت مسعود

مرتبہ
پروفیسر محمد مسعود احمد

منہ پبلشنگ کمپنی بندر روٹی
کراچی

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

حضرت خورشید محمد حسن جان پوری علیہ السلام ص ۲۲۰

حضرت مولانا محمد باقر صاحب پوری علیہ السلام ص ۲۲۱

تذکرہ

مظہر مسعود

(۱۷)

پروفیسر محمد مسعود احمد

میں پشاور

بندر روڈ — کراچی

پروفیسر محمد مسعود احمد	—	مؤلف	①
مولانا عبدالباقی	—	کاتب	②
مدینہ پیشنگ کمپنی کراچی	—	طابع و ناشر	③
مشہور آفسٹ پریس، کراچی	—	مطبع	④
اول	—	اشاعت	⑤
۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۹ء	—	سنہ طباعت	⑥
ایک ہزار	—	تعداد	⑦
~~مکمل طور پر~~	—	قیمت	⑧
۱۲			

فہرست

حصہ اول

۱- مقدمہ

سوانح اعلیٰ حضرت شاہ محمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۱	ابتدائی حالات	۱- پہلا باب
۳۲	شیخ طریقت	۲- دوسرا باب
۴۳	امامت و خطابت	۳- تیسرا باب
۵۱	مسجد جامع فقہوری	۴- چوتھا باب
۶۷	کرامات و وصال	۵- پانچواں باب
۷۳	اولاد و انجاد	۶- چھٹا باب
۹۱	خلفا و کبار	۷- ساتواں باب
۱۱۹	تصانیف	۸- آٹھواں باب

حصہ دوم

سوانح حضرت مفتی اعظم عظیم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز

۱۴۷	ابتدائی حالات	۱- پہلا باب
۱۶۳	اتباع شریعت	۲- دوسرا باب
۱۸۳	مقام عزیمت	۳- تیسرا باب
۲۰۷	پاکستان میں آمد	۴- چوتھا باب
۲۲۳	معاملات و اخلاقیات	۵- پانچواں باب
۲۴۴	سیاسیات	۶- چھٹا باب
۲۴۹	عادات شریفیہ	۷- ساتواں باب

Click For More Books

صفحہ
۲۶۳
۲۷۳
۳۰۳
۳۱۵
۳۲۹
۳۲۹
۳۶۵
۴۰۳
۴۳۵
۴۷۱
۵۱۵
۵۲۹
۵۴۷
۵۶۱

سخن فہمی سخن سنجی
کرامات
آخری آیام اور سانحہ ارتحال
تعمیریت نامے
اخبارات و رسائل
مناقب شریفہ
اولاد امجاد
خلفاء و سفراء
معاصرین علماء و صوفیہ
تصانیف
فتاویٰ
شجرہ ہائے طریقت
شجرہ ہائے نسب

۸۔ آٹھواں باب
۹۔ نواں باب
۱۰۔ دسواں باب
۱۱۔ گیارہواں باب
۱۲۔ بارہواں باب
۱۳۔ تیرہواں باب
۱۴۔ چودہواں باب
۱۵۔ پندرہواں باب
۱۶۔ سولہواں باب
۱۷۔ سترہواں باب
۱۸۔ اٹھارہواں باب
۱۹۔ انیسواں باب
۲۰۔ بیسواں باب
۲۱۔ کتبایات

انتساب

قدوة السالكين زبدة العارفین حضرت سیدنا مام علی شاہ
قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے نام نامی سے جس نے کے فیضان
تربیت سے پاک و ہند میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ
کی اشاعت ہوئی اور جگہ جگہ چراغ روشن ہوئے
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے لبوں میں ہے بیچوں

احقر محمد مسعود احمد

اظہار شکر

منعم حقیقی کا فضل عظیم ہے کہ اس نے رانم کو بہت توانائی عطا فرمائی اور یہ تذکرہ پایہ تکمیل تک پہنچا، بعض غلصین و حبین اور مشفقین نے خاص کرم فرمایا اور سچ تو یہ ہے کہ ان حضرات کے تعاون کے بغیر تدوین کا کام مشکل ترین ہو جاتا، مندرجہ ذیل حضرات کا خصوصی طور پر ممنون ہوں،

حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب، چودھری عبد العزیز صاحب، سید بشیر علی صاحب، مشفق خواجہ صاحب، شیخ سلطان احمد صاحب، شیخ محمد سعید صاحب، شیخ محمد رفیع صاحب، شیخ محمد فاروق صاحب، قاضی محمد جمایت اللہ صاحب، حکیم محمد تقی صاحب، ڈاکٹر محمد احمد صاحب، قاری محمد ظفر احمد صاحب، حکیم محمد نذیر احمد صاحب، صوفی فضل احمد صاحب (کراچی)۔ حضرت مولانا مفتی محمد ثناء صاحب، صاحب ادہ ابوالخیر محمد زبیر،۔

پروفیسر عبدالرشید صاحب (حمید آباد)۔ مکرم حسین صاحب (جام شورو)۔ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب، سید محمد طاہر صاحب (بھاؤل پور)۔ صغیر علی صاحب، کوان حکیم سید شوکت علی صاحب (ملتان)۔ محمد احمد صاحب قریشی، حکیم محمد عمر صاحب قریشی (لاہور)۔ حاجی صغیر علی صاحب (الٹکپور)۔ صاحبانہ میل احمد صاحب (شرقپور)۔ حضرت مولانا محمد عارف اللہ صاحب، حاجی رفیق الدین صاحب (راولپنڈی)۔ پروفیسر سید محمد عارف صاحب (شکار پور)۔ مولانا عبدالباقی صاحب (کوئٹہ)۔ حضرت مولانا زید صاحب علامہ اخلاق حسین دہلوی، صاحبزادہ مستحق فاروقی خواجہ حسن ثانی نظامی، جناب مسلم احمد نظامی، ڈاکٹر محمد سعید احمد، مولانا محمد میاں، مولانا مکر احمد (دہلی)۔

قاضی محمد محبوب احمد صاحب (امروہہ)۔ سید رضا محمد صاحب حضرتی (گوالیار)۔ مدیر رسالہ "توری کرن" (بریلی)۔

بکثرت احباب نے مکاتیب مظہری کی جمع و تدوین میں تعاون فرمایا ہے ان سب حضرات کا ممنون ہوں، چوں کہ مکاتیب علیہ شائع ہوئے اس لیے ان مجنبن کا اس میں مفصل ذکر کیا جائیگا

آقہ محمد سعید احمد

مقدمہ

علامہ اخلاق حسین دہلوی کا ایک مقالہ ”مفتی اعظم“ کے عنوان سے ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی) کے جولائی و اگست ۱۹۶۷ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، مقالہ کے آخر میں فاضل موصوف نے تحریر فرمایا تھا :-

یہ اور اس قسم کے دیگر حقائق مفصل بیان چاہتے ہیں اور یہ کام سوانح نگار کا ہے کہ وہ ہر پہلو کا تفصیل سے جائزہ لیکر سرچا مل لکھے یہ کام ہم انہیں کیلئے چھوڑ دیتے ہیں ہمیں امید ہے کہ آپ کے لائق فرزند اور آپ کے خلفاء آپ کی مبسوط سوانح حیات لکھنے کی طرف توجہ فرمائیں۔
العاقل تکفیدہ الاستقامۃ ہمارا اس خامہ فرمائی سے مقصود صرف یہی ہے کہ
علامہ موصوف کی اس تحریر نے ترغیب و تشویق کا کام کیا اور راقم الحروف پہلی بار ۱۹۶۴ء میں اس طرف متوجہ ہوا، حضرت قبلہ شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز کے حالات کی تدوین کے ساتھ ساتھ آپ کے جراحہ حضرت مولانا شاہ محمد مسعود رحمۃ علیہ کے حالات مرتب کرنے کی طرف توجہ ہوئی، لیکن ۵

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے و فتر کو

ورق اس کا جب اڑا لے گئی ہوا ایک ایک

حضرت قبلہ مفتی صاحب کے حالات کچھ تو خود دیکھے مگر وہ راقم کی زندگی کا بالکل ابتدائی دور تھا، خیال بھی نہ تھا کہ جو کچھ دیکھ رہے ہیں پھر اس کیلئے نگاہیں ترسیں گی، ۱۹۴۸ء میں نو عمری میں پاکستان آگیا، اور قریب حضوری دیکھتے ہی دیکھتے فراق و دوری میں بدل گئی، اس لئے جب سوانح کی تدوین کی طرف متوجہ ہوا تو خود کو ضروری حالات سے بھی باخبر نہ پایا، اس کے علاوہ ۵

یسرے کسے دیدار اس کا

کہ ہے وہ رونق محفل کم آئینہ

حضرت جراحہ علیہ الرحمہ کے حالات کے متعلق تو بالکل لاعلم تھا چنانچہ حضرت قبلہ کی خدمت میں عرض کیا، سال کیا، اپنی بچیوں کے ساتھ ساتھ کچھ استفسارات بھی پیش کئے، حضرت ممدوح رحمہ نے بہ نیک فطرتی

انکساری کی وجہ سے حالات لکھنے سے اعراض فرمایا لیکن دعاؤں سے نواز ابو مقبول و مستجاب ہوئیں حضرت کا جواب قابل مطالعہ ہے اس لئے مکتوب گرامی پیش کیا جاتا ہے :-

الذی الشلخ الحرز والکھف الشلخ العیز و اکثر آف فلا سنی سلمہم
وعلیکم اسلام ورحمۃ ربکم المنعم مولیٰ تعالیٰ تمہیں اس دگری میں کامیاب فرمائے، جدا مجد صاحب
کے حالات لکھنے میں توفیق تمہیں رفح القدس سے مولیٰ تعالیٰ مرحمت فرمائے، فقیر کے جملہ
حالات خاندان مسعودیہ کیلئے باعث شرم ہیں، بعض لوگوں نے اس کی اجازت چاہی تھی،
ان کو بھی لکھ دیا تھا، حضرت مجد و صاحب متعالہ دل چاہتا ہے کہ زندگی میں دیکھ لوں، مولیٰ تعالیٰ
تمہیں ترقی پر ترقی عطا فرمائے، فقیر دعا گو ہے وہ تعالیٰ اپنے کرم سے قبول فرمائے،
فقط والسلام محمد منظر اللہ غفرلہ الامام

یہ حضرت مرحوم کا کمال عجز و انکسار تھا کہ اپنے لئے یہ جملہ تحریر فرمایا :-
”فقیر کے جملہ حالات خاندان مسعودیہ کے لئے باعث شرم ہیں“
یہ حضرات تو وہ ہیں

کمال صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
حضرت مرحوم کے مکتوب گرامی نے مطمئن نہیں کیا، چناں چہ دوبارہ عرضہ ارسال کیا گیا، حضرت نے
جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ صداقت و دیانت کی تاریخ نہیں اپنی مثال آپ ہے، مکتوب گرامی نقل کیا جاتا ہے
الرشید السعید والاویب المجید رفع اللہ قدرہ

وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم المنعم ————— اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ (کے حالات
لکھنا تم کو اور اہل بوطن کو مبارک ہو، لیکن فقیر تو سب کچھ بھول گیا ————— اگر حافظہ
پر کچھ زور دوں تو سب لکھوا سکتا ہوں لیکن اس خوف سے کہ کچھ غلطی نہ ہو جلتے نہیں

۱۔ راقم نے پی۔ ایچ۔ ڈی کیلئے ایک مہیٹو مقالہ ”اردو میں قرآنی ترجمہ و تفسیر“ پر لکھا تھا، اس کے متعلق دعا
کی درخواست کی تھی، یہاں اس طرف اشارہ ہے۔

۲۔ راقم نے حضرت مجد الف ثانیؒ پر ایک طویل مقالہ قلمبند کیا تھا، جو معارف (اعظم گڑھ) میں نو قسطوں میں
شمارہ ۱۹۱۱ میں شائع ہوا تھا، بعد میں مریدانہ فہم کے کتابی صورت میں شائع کرنے کا خیال تھا
اس کے متعلق حضرت کو لکھا تھا، یہاں اس طرف اشارہ ہے۔

لکھوا سکا، اسی طرح اپنے حالات کا حال ہے ————— فقط والسلام
(مسلہ ۳۲ مارچ ۱۹۶۶ء) محمد مظہر احمد غفرلہ

بعض غلطی کے احتمال سے حضرت مرحوم نے نہ اپنے حالات میں اور نہ جدا جدا علیہ الرحمہ کے حالات میں ایک سطر بھی تحریر نہیں فرمائی، یہ مثالی تقویٰ ہے اسی حرم و احتیاط اب کہاں !
سولخ کی تدوین و ترتیب کے لئے بظاہر اسباب مسدود نظر آتے تھے اور یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس موضوع پر اتنا کچھ لکھ سکوں گا جو آج آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرحوم کی دعاؤں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی اور بالآخر منزل تک پہنچایا، فلہذا علیٰ حق کہ جہذا کثیراً ۱۹۵۶ء میں برلور محترم حضرت مولانا مفتی محمد شرف احمد صاحب نے حضرت مرحوم کی سولخ مرتب کرنے کی طرف توجہ فرمائی تھی، خیال تھا کہ انہوں نے بہت کچھ لکھ لیا ہوگا، چناں چہ ان کی خدمت میں عرضیہ ارسال کیا گیا، جو اب انہوں نے تحریر فرمایا :-

حضرت کی حیات بابرکات میں بیشک اکثر نے غیر معمولی جذبات کے ساتھ حالات طلیبات، قلب بند کرنے شروع کئے تھے اور بعض احوال بصیرت فال خود حضرت علیہ الرحمہ سے استفادہ کئے تھے زیادہ استفادہ سے اکثر ادب مانع رہا، وہ مجموعہ علامہ صاحب (علامہ اخلاق حسین دہلوی) کو بھی اس لئے دکھایا تھا کہ ان کو حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں قدرے بے تکلفی نصیب تھی اور انشاء اللہ مورخانہ طبیعت بھی پائی ہے، ان کے ذریعہ یہ کام حسن و خوبی انجام پذیر ہوگا، مگر انہوں نے غالباً علیم الفرستی کے سبب اس طرف توجہ نہ فرمائی، نیز حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے معلوم ہوا کہ کوئی مولانا قاری صاحب ہیں جو یہ ارادہ رکھتے ہیں، ان کی جستجو کی مگر ملاقات نہ ہو سکی ————— انشاء اللہ الرحمن المستعان وہ مجموعہ اور دیگر حالات طلیبات جتنے بھی میسر آئے ضرور بھیجے جائیں گے خدا کرے کہ یہ شاندار سہرا آپ کے سر بندھے آمین !

(موصولہ ۲۲ مارچ ۱۹۶۶ء) محمد شرف احمد غفرلہ

لیکن برادر موصوف بعض مصروفیات کی وجہ سے نہ کوئی مجموعہ ارسال فرما سکے اور نہ حالات تحریر فرمائے اس لئے اتم نے اللہ تعالیٰ پر کمال بھروسہ کر کے آغاز کار کیا اور قدم آگے بڑھایا ع
کرتا ہے ہر راہ کو روشن چراغ آرزو

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں حضرت مرحوم کی مشفقانہ دعاؤں کے ثمرات نہیں ہیں
۱۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم کے پوتے اور شاہد احمد دہلوی مرحوم کے چھوٹے بھائی جناب مسلم احمد صاحب نظر الہی حضرت مرحوم کی مختصر سوانح تحریر فرما رہے ہیں۔

اور تائید الہی کی جلوہ ریزیاں ہیں

بہیں در آئینہ جام نقش بند می غیب

۱۹۶۴ء میں مواد کی فراہمی کا آغاز کیا جو ۱۹۶۶ء تک جاری رہا، ۱۹۶۷ء میں تسوید توفیق کا کام مکمل ہوا اور ۱۹۶۸ء میں مبیضہ کی کتابت شروع ہوئی، امید ہے کہ ۱۹۶۹ء میں یہ کتاب طبع ہو کر منظر عام پر آجائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ کتابوں کی تدوین کوئی خاص کمال نہیں، اصل کمال ایسی سیرت کی تعمیر ہے کہ لوگ اس پر کتابیں لکھیں، بشیک ع علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب حضرت شیخ ابی سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خادم شیخ عبدلکریم علیہ الرحمہ سے خوب فرمایا :-

”یا عبدلکریم! حکایت نویس مباشش، چناں باش کہ از تو حکایت کنند“

لیکن اولیاء اللہ کی سوانح لکھنا بھی کچھ کم خوش عنایت کی بات نہیں ہے، پروفیسر مارگولیوس نے اہل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر نگاروں کیلئے لکھا ہے :-

”ان سیرت نگاروں میں جگہ حاصل کرنا عزت کی بات ہے“

میں تناصاف کروں گا کہ اہل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور محبوبوں کے سیرت نگاروں میں جگہ حاصل کرنا کچھ کم سعادت نہیں، مولیٰ تعالیٰ راقم کی اس ناچیز کوشش کو مشکور و مقبول فرمائے، اور حضرات اہل اللہ کے صدقے میں کاروان حیات کو منزل مقصود تک پہنچا کر اپنی رضا و خوشنودی کی دولت لائیزال سے سرفراز فرمائے آمین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سوانح نگاری کے ان اصول و شرائط کو بیان کر دیا جائے، جو کتاب کی تدوین کے وقت ہمارے پیش نظر رہے۔ سوانح نگار کیلئے سب سے پہلے موضوع یعنی شخصیت کا انتخاب ہے، اس کیلئے مشہور یونانی فلسفی ارسطو کا ترجمان دل معلوم ہوتا ہے ”اس کے نزدیک موضوع سنجیدہ، با عظمت اور مکمل ہونا چاہیے“ راقم نے ایسے ہی موضوع کا انتخاب کیا ہے جس میں یہ تینوں صفات پائی جاتی ہیں۔

۱۔ محمد بن منور بن ابی سعید: اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید مرتبہ ڈاکٹر ذریع اللہ صفاء، مطبوعہ تہران ۱۳۳۳ھ

۲۔ ڈی۔ ایس۔ مارگولیوس: محمد اینڈ دی رائٹز آف اسلام، مطبوعہ لندن، ۱۹۳۱ء، دیباچہ، ص۔ ۳

۳۔ ڈاکٹر سیار کیمہ ہلی: اردو میں سوانح نگاری، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء، ص۔ ۱۳

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

موضوع کے انتخاب کے بعد سوانح نگار کو تین منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، مواد کی فراہمی، انتخاب اور ترتیب۔ — مواد کی فراہمی میں یہ چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں، خود موضوع کی اپنی ذات، خود موضوع کی تحریریں، دوست و احباب، اخبارات و رسائل، وہ کتابیں جو موضوع کے زیر مطالعہ ہیں خصوصاً وہ جن کے حواشی پر موضوع نے اپنے افکار و خیالات کا اظہار کیا ہے۔ — مواد کی فراہمی میں پہلے اور پانچویں ذریعہ کے علاوہ باقی ذرائع سے کام لیا گیا ہے، پہلے ذریعہ سے غرومی کے متعلق، عرض کیا جا چکا ہے، پانچویں ذریعہ سے غرومی بعد مکانی کی وجہ سے ہوئی۔ — انتخاب ترتیب میں چوں کہ سوانح نگار کے ذوق کا پورا پورا دخل ہے اس لئے راقم نے اپنے ذوق سے کام لیا ہے۔

مندرجہ بالا منازل سے گزر کر سوانح کے مختصر یا طویل ہونیکا سوال سامنے آتا ہے جو ان شرائط کے وجود و عدم سے متعلق ہیں۔ موضوع کی اہمیت، دست یاب شدہ مواد کی جملہ مقدار، دستاویزی سے شہادت کی حقیقی قدر و قیمت اور خود سوانح نگار کی دلچسپی۔ — حسن اتفاق سے یہاں یہ چاروں شرائط موجود ہیں، اس لئے فطری طور پر سوانح کو طویل ہونا تھا مگر قارئین کے قوت خرید کے پیش نظر بعض ابواب حذف کر دیئے گئے ہیں اور بعض کو مختصر کر دیا گیا۔

واقعات کو بیان کرنے کیلئے کوئی خاص طے شدہ اسلوب نہیں بلکہ سوانح نگار آزاد ہے چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے :-

”سوانح نگار کیلئے کوئی اسلوبی اصول نہیں بلکہ شاعر و ناول نگار، نقاش و سنگتراش کی طرح وہ بھی اسلوب اظہار کے معاملے میں آزاد ہے“ لے

قارئین کرام اسلوب بیان کے معاملے میں کتاب کے دونوں حصوں میں تین فرق پائیں گے، یہ فرق وہی ہے جو سن کر اور پٹھان کر کے اور خود دیکھ کر اور محسوس کر کے کہنے میں ہے۔

بالعموم دیکھا گیا ہے کہ بزرگان دین کے سوانح نگاران کی کرامات پر اتنا زور دیتے ہیں کہ اصل سیرت گم ہو کر رہ جاتی ہے، اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی سوانح پڑھنے والا اتھوڑی دیر کیلئے تمہید ہو کر رہ جاتا ہے، مگر اس کو عمل کیلئے راہیں مسدود نظر آتی ہیں، روشن مینار نظر آتا ہے، زینہ نظر نہیں آتا،

سوانح کا مقصد مبہوت و مسحور کرنا نہیں ہے بلکہ نمونہ عمل پیش کرنا ہے وہ نمونہ عمل جس پر عمل کر کے انسان خود ایک زندہ کرامت بن جائے اس لئے راقم نے اس کتاب میں بالخصوص دوسرے حصے میں نجی اور مجلسی حالات و واقعات پر زیادہ زور دیا ہے قارئین کے شوق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چند کرامات بیان کر دی گئی ہیں جو حقوق مستند ہیں مگر پھر عرض کروں گا کہ یہ کرامات اعمال نہیں نتائج ہیں اور ضرورت اصل میں عمل کی ہے نتیجہ خود بخود حاصل ہو جاتا ہے، اور پھر سبذہ آزاد، خود اکتانہ کرامات بن جاتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کتاب کے دوسرے حصے میں نجی حالات پر زیادہ زور دیا گیا ہے اس سلسلے میں معمولی سے معمولی واقعہ کو بھی بیان کر دیا گیا ہے کیوں کہ بسا اوقات یہی معمولی واقعات اصل سیرت کو سمجھنے میں بڑے مہین و مددگار ثابت ہوتے ہیں، یونان کے مشہور سوانح نگار حکیم پلو تارک نے لکھا ہے :-

”کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک معمولی سا واقعہ، قول یا چہل۔ عظیم معرکوں سے زیادہ ایک شخصیت کو واضح کر دیتا ہے“ ۱۷

جیمز باسول نے بھی یہی بات کہی ہے وہ کہتا ہے :-

”ایک شخصیت کی سوانح میں صرف یہی نہیں کہ عظیم واقعات کو بیان کر دیا جائے بلکہ ان باتوں کا ذکر بھی ضروری ہے جو اس نے نجی طور پر لکھیں کہیں یا سوچیں۔ اس طرح پڑھنے والے ایک زندہ انسان کو دیکھ سکیں گے، اس صورت کے علاوہ میرے ذہن میں سوانح نگاری کا تصور ہی نہیں آتا“ ۱۸

انسان کی اصلاح کیلئے انسان سے بڑھ کر اور کوئی چیز موش نہیں، عظیم انسانوں کی سوانح عمریوں کا مطالعہ نہایت عمدہ اور مستحسن جذبات پیدا کرتا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مشاہیر عالم نے سلاف کی سوانح عمریوں کے مطالعہ سے اپنی سیرتوں کو روشن و تابناک بنایا ہے، مولوی عبدالحقؒ نے بجا طور پر لکھا ہے :-

”مذہب ہو یا دنیاوی معاشرت سیاست ہو یا دینیات بغیر اخلاق کے چارہ نہیں، جب تک کہ ان کی تہ میں اخلاق نہ ہو کامیابی ممکن نہیں، لیکن قابل غور اور اہم سوال ہے

۱۷ پلو تارک : سکندر اعظم، بحوالہ لائف آف سیمول جانسن، ص - ۳۳

۱۸ دی لائونڈ آف دی نوبل گریشنز اینڈرومٹر، مطبوعہ چکاگو، ۱۹۶۲ء

جیمز باسول : لائف آف سیمول جانسن، مطبوعہ چکاگو، ۱۹۵۲ء، ص - ۲ (دی گریٹ کبھی سیرز، جلد - ۴۴)

کہ اعلیٰ اخلاق کی تعلیم کیوں کر دی جائے کہ نوجوانوں کے دلوں میں اگلی اور پاکیزہ خیالات اس طرح
ممکن ہو جائیں کہ ذہنی لالچ خود غرضانہ خواہشات، دوستی اور مروت انہیں ڈانواں ڈول نہ
کر سکے؟ ————— اب صرف ایک ہی طریقہ باقی ہے جو موثر بھی ہے و لکش بھی ہے
اوپر بیوقوفوں میں لولہ اور جوش بھی پیدا کرتا ہے اور وہ یہ کہ ان لوگوں کے حالات پر ٹھہرنے کیلئے
دیئے جائیں جنہوں نے دنیا میں ایسے بڑے بڑے کام کئے جو کبھی مٹنے والے نہیں بشرطیکہ ان
کا کھنڈہ والا اس گھر سے اقف ہو۔ ۱۷

لیکن یہ ہماری موجودہ سوانحی اور تاریخی دنیا کا المیہ ہے کہ حقیقی عظیم شخصیتوں کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے
کسی نے صحیح لکھا ہے :-

”یہ فن سوانح نگاری کی ستم ظریفی ہے کہ جہاں جو سب زیادہ بڑھی جانے اور یاد رکھی جانے کے قابل
ہیں ان کا مطالعہ اور مطالعہ سب سے کم کیا جاتا ہے۔“ ۱۸

مگر عظیم شخصیت کے اظہار کیلئے عظیم شخصیت کی ضرورت ہے، ایمرسن نے خوب کہا ہے :-
ایک عظیم آدمی کی ضرورت ہے کہ ایک عظیم تراجمی کی تشریح کر سکے“ ۱۹

شخصیتیں قسم کی ہوتی ہیں ایک جو ذاتی اصولوں پر کار بند ہیں اور دوسری جن کے اعمال و اقوال اصول فطرت
اور قانون خداوندی کے مطابق ہیں اس دوسری قسم کی زندگی کیلئے اقبال نے کہا تھا :-

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن : قاری نظر آتا ہے حقیقت میں قرآن
انہیں مقدس ہستیوں کیلئے قرآن کریم میں رشاد ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ
أَحْسَنَهُ وَاللَّيْلِ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ أُولَى الْأَلْبَابِ (پارہ ۲۳ سورۃ زمر) — شخصی آئین
و اصول و رہنما آئین و اصول میں بڑا فرق ہے ایک اپنی صداقت و افادیت کیلئے طویل تجربہ مشاہدے کا محتاج
ہے اور دوسرا محتاج نہیں کیوں کہ خالق حیات نے منضبط کیا ہے اور اس سے بڑھ کر کون نباض حیات ہوگا
اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے حضرت مفتی اعظم شاہ محمد ظہیر اللہ قدس سرہ العزیز کی حیات مقدسہ کے
مختلف پہلوؤں کو قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اجاگر کر نیکی کو شمش کی ہے یہ
اس لئے کہ ان کی نظر قرآن اور حال قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائوں پر تھی جن کے متعلق قرآن کریم میں رشاد ہوتا ہے
مَا لَكُمْ أَلَّا تَتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسْتَعِينُونَ وَمَا تَسْأَلُونَ لَعْنَةً وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (پارہ ۲۸ سورۃ حشر)

۱۷ حکیم پلوتارک : مشاہیر یونان در دورہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۳۳ء، جلد اول (مقدمہ مولوی عبدالحق) ص ۱۲، ۱۳

۱۸ ڈاکٹر مسد شاہ علی : اردو میں سوانح نگاری، ص ۱۶۔

۱۹ ”، ص ۵۲۔

اور نہ صرف یہ بلکہ :-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

سوانح کا یہ حصہ مذہبی سوانح کے ذیل میں نہیں بلکہ قرآنی سوانح کے ذیل میں آئے گا، جو اپنی جگہ ایک منفرد چیز ہے لفظ مذہبی سے بالعموم قاری کا ذہن معاملات سے قطع نظر کر کے عبادات کی طرف متوجہ ہوتا ہے گویا سانس ہونا چاہیے، لیکن لفظ قرآنی میں دنیا و آخرت دونوں کی سعادتیں شامل ہیں، خود حضرت مفتی اعظم شاہ محمد ظہیر اللہ قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ آیت کریمہ ”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً“ میں دنیاوی سعادت کو آخروی سعادت پر مقدم رکھا گیا ہے اس لئے کہ پہلے سعادت دنیوی کے حصول کیلئے جدوجہد کرنی ہے اور اسی پر سعادت آخروی کا انحصار ہے،

انسان کی زندگی آرزو اور عمل سے مرکب ہے، آرزو کی تحدید اور عمل کی تہذیب ہر مذہب کا اور سب سے بڑھ کر مذہب اسلام کا کام ہے اور یہی چیز تصوف ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو حسین ترین شکل میں انسان کے سامنے پیش کرنا اور دل کیلئے مرغوب و محبوب بنانا تصوف کا مقصود و مدعا ہے، تصوف کے اعمال و اشغال کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عبادات اور معاملات انسان کی نظر میں ہمیشہ خوفناک نہیں رہتے حسین و محبوب بن جاتے ہیں ان پر عمل کرنا گراں نہیں گزرتا بلکہ جس کو عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، جی چاہئے لگتا ہے، لیکن اس سے انسان کی زندگی کے کسی مرحلے میں کسی شغل، کسی آرزو، کسی مقصد میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اس کی مثال موجود ہے، شہادت مسلمان ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام سے بڑھ کر کون صوفی ہو سکتا ہے لیکن یہ بزرگ تمام لوازم حیات اور مشاغل زندگی پر فعال تھے پس ان کی اتباع کرنا اور اسی طرح دنیا میں عمل کرنا اور پیہم عمل کرتے رہنا اسلام بھی ہے اور تصوف بھی ۔۔

”انسان کو اس زمین میں خلیفہ بنایا گیا ہے، اسے اس زمین میں خلافت کرنی ہے، سب سے پہلے یہ عالم اور یہ زندگی ہے، دوسرا عالم اور دوسری زندگی اس کے بعد کی بات ہے اور وہ بھی حقیقت میں اسی زندگی کیلئے ہے، اسی زندگی کے سبب سے ہے اسی زندگی کا نتیجہ ہے، قیامت اور اس کا حساب کتاب بالکل برحق لیکن وہ اسی زندگی کا عکاس ہے، اسی زندگی کا عکس ہے، اسی زندگی کی مثال، اسی زندگی کے بننے یا

قرآن کریم، پارہ ۳، سورۃ ال عمران

قرآن کریم

Click For More Books

بگڑنے کی تصویر ہے، بلکہ اسی زندگی کا ساختہ و پرداختہ ہے، اسی زندگی کے ساندھوں سے آراستہ ہے وہاں کے گلزار و خارستان کیلئے پھول اور کانٹے ٹھہریں سے لے جاتے ہیں۔ (مولانا حسن قادری، حیا بان اقبال، ص-۲۲۸)

لیکن یہ بھولنا چاہیے مادی اسباب کی بنا پر شخصیت کو جو عظمت حاصل ہوتی ہے وہ حقیقی نہیں عارضی ہے کیوں کہ اساس عظمت سیرت سے خارج ہے، اصل عظمت وہ ہے جس کی بنیاد خود انسانی سیرت میں موجود مروج صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے !

کامیاب وہ نہیں جس نے عیش فراواں کے سامان مہیا کئے، تاریخ کے اوراق عیش سامانیوں کے متحمل نہیں بلکہ کامیاب وہ ہے جس نے سرکار و عالم علی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے اپنی سیرت کو کنڈن بنایا اور اس طرح چمکا کہ اس کی روشنی سے دوسرے بھی چمکنے لگے۔

بمصطفیٰ برسوں خوش را کہ دیں ہمہ دست : اگر ہاوند رسیدی، تمام بولہبی است

پاک ہند میں بیشمار عظیم ہستیاں گزری ہیں، کتب سوانح پرچہ کر ایک نیا جہان نظر آتا ہے کس کس کتاب کا نام گنا گنائے، گلزار ابرار، اخبار الابرار، مجمع الاولیاء، سقیۃ الاولیاء، خزانۃ الاصفیاء، سمحۃ الرحمن، البحر العلوم، نزہۃ الخواطر وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک کتاب میں ایک نیا عالم ہے ان کتب سوانح کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی میں کس کثرت سے علماء و صوفیہ موجود تھے، واقعی دہلی علم و دانش کا مرکز تھی،

تقسیم ہند کے بعد بھی قناعت، خطابت، سیاست وغیرہ سب ہی میں کوئی نہ کوئی ممتاز شخصیت دہلی موجود تھی مگر رفتہ رفتہ صرف انیس سال کے مختصر عرصہ میں مجلس سونی ہو گئی، کس کس کا نام لیا جائے مولوی۔ سید احمد شاہ کرار حسین، خواجہ حسن نظامی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولوی حفظ الرحمن، مولوی احمد سعید، مولوی حبیب الرحمن، مولانا عبدالغفار، مولانا عبدالسلام نیازی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ پھر دہلی سے پاکستان آنیوالے علماء بھی رفتہ رفتہ راہی ملک بقا ہوئے مولوی نسیم احمد، مولانا طاہر حسین، مولانا زاہد القادری، مولانا ناصر جلالی، مولانا محمد طاہر شرف علیہم الرحمہ

یاران رفتہ ہم سے منہ اپنا چھپا گئے

معلوم بھی ہوا نہ کہ صرکار و ال گیا

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی ذات بابرکات ٹوٹے دلوں کا سہارا تھی، افسوس ملذوسل وہ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

بھی رہی ع اک شمع رہ گئی تھی سودہ بھی خوش ہے ۔

اسلاف اٹھتے جا رہے ہیں اور اب یہ کیفیت نظر نہیں آتی جس کیلئے مولانا حالی نے کہا تھا ع

کر دیا مر کے پگانوں نے یگانہ ہم کو

خلوص محبت کی وہ بات ختم ہوتی جا رہی ہے علم و فضل کا وہ دور ختم ہو رہا ہے جس میں دماغوں کے تھام

دل بھی جلا پاتے تھے بارون مسندیں بسد فوق ہو رہی ہیں، یہ بے رونق کیوں ہے ؟ ع

کہ جذب اندر دل باقی نہیں ہے

خدا کرے کہ محفل عشق و محبت کی رونقیں برقرار رہیں اور شہنہ کاموں کو خانقاہوں سے بھی

کچھ کچھ ملتا ہے ع

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ

تو سے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی

احقر محمد سعید احمد

صلی

شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج

کوئٹہ (مغربی پاکستان)

۱۰ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹۹۸ء

۱۱

حصہ اول

پہلا باب

Click For More Books

شاہ محمد مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ

سرزمین دہلی تقریباً ایک ہزار سال تک علماء و صوفیہ کا مرکز رہی ہے، اس خطہ پاک میں جس قدر گوہر آبدار مدفون ہیں شاید اتنی کثیر تعداد میں پاک ہند کے کسی شہر میں نہ ہوں گے۔
چپے چپے یہ ہیں یاں گوہر کیا تہہ خاک!
دفن ہو گا نہ کہیں ایسا خزانہ ہر گسزا!

جن علماء و صوفیہ کے اسماء گرامی معلوم ہیں وہ تو معدودے چند حضرات ہیں جو آفتاب ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں لیکن ہزاروں وہ ہیں جو اب تو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں یا زینت اوراق بن کر رکشے ہیں سب کہاں، کچھ لالہ و گل ہیں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صوفی ہوں گی کہ یہاں ہو گئیں

دلوں کی بستیاں آباد تھیں تو ول والوں کی یاد تازہ تھی، اب جو باد خزاں چلی ہے اس نے نگشتن دل کو ایسا اجاڑ لیا ہے کہ ایسا تو کبھی نہ اُبڑا تھا، جو یادیں مٹ گئیں سو مٹ گئیں، رہی سہی بھی مٹتی نظر آرہی ہیں لیکن ہزار سٹیں فروغ انجمن برآپ نہ نہیں آ سکتی۔

فروغ انجمن تو قائم رہے گا روزِ محشر تک!
مگر محفل تو پڑانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

سرزمین دہلی میں غضب کی کشش و جاذبیت ہے، جو ہے کھینچتا چلا آرہا ہے، باہر سے جو حضرات آئے وہ تو آئے ہی لیکن اس خطہ پاک سے بھی جو گوہر آبدار نگشتیں ان کی چمک نے بہتوں کو خیر کر دیا ہے، انہیں حضرات میں اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو انیسویں صدی عیسوی کے آخر کے عظیم علماء و صوفیہ میں سے تھے، جنہوں نے اپنے علم و فضل و روحانیت سے دہلی کی فضاؤں کو تقریباً چالیس سال تک منور و مستنیر رکھا

خانہ | اعلیٰ حضرت محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ مولد اولوی، نسباً فاروقی، مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب متعدد واسطوں سے حضرت شیخ جلال الدین تھانی سری رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے جہاں چہ رسالہ نور العرفان میں تحریر فرماتے ہیں: اما بعد می گوید مسکن شیخ حیم بنش غاروقی دہلوی ملقب بہ محمد مسعود نقشبندی مجددی امالی بن شیخ ۱۵ اعلیٰ حضرت نے بعض تصانیف میں "صلی" بھی لکھا ہے۔ شادۃ الیقین فی قرآن العظیم (۱۲۸۵ھ) قدر ثانیہ ۱۵

Click For More Books

ابو بخش بن شیخ احمد دہلوی از اولاد صاحب اسرار الہی مخدوم جلال الدین تھانیسری کابلی فاروقی قدس سرہ
الغزیر کہ روضہ مبارک آل و شہر تھانیسری زیارت گاہ مخلوقات است صانہا اللہ عنہا لافات و البلیا
حضرت جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ چشتیہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ العزیز کے
مرید اور خلیفہ تھے، آپ کے اجداد میں محمود شاہ رحمۃ اللہ علیہ سلطان شمس الدین اہمیش کے زمانے میں ہندوستان
تشریف لائے اور تھانیسری میں مستقل سکونت اختیار کی، حضرت ممدوح کی ولادت باسعادت ہی شہر
میں ہوئی

عبدالکبریٰ کے مشہور مورخ علامہ ملا عبدالقادر بدایونی نے حضرت ممدوح کی دو مرتبہ زیارت کی
جس کی کیفیت موصوف نے اس طرح لکھی ہے :- (ترجمہ و تلخیص)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ تھے، علوم ظاہری اور باطنی کے جامع، ہر صے تک علوم دینیہ
کی تدیس فرماتے رہے لیکن آخر عمر میں خلوت گزری ہو گئے، تلاوت و نوافل وغیرہ میں وقت گزرتا، ۹۳۰
سال کی عمر ہو گئی تھی۔ بہت ضعیف و کمزور ہو گئے تھے، ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا تھا، بیٹھنے اور
ہلنے تک کی قوت نہ تھی، کمزوری کی وجہ سے ہر وقت تکیہ سرانے کھتے تھے اور سوتے رہتے لیکن جوں ہی
اذان کی آواز آتی بغیر کسی سہارے اٹھ بیٹھتے، جوتیاں پہنتے، ہاتھیں عصا لیتے اور اپنے پوش و حواس میں
مسبحہ تشریف لے جاتے، آداب طہارت کے کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے، اس کے بعد حسب معمول گھر جا کر
سوتے۔

فقیر نے دو مرتبہ حضرت کی زیارت کی ہے۔ ایک دفعہ ۹۶۹ھ میں جب کہ آپ تھانیس کے املا کی،
سفارش کیلئے اگر تشریف لائے تھے اور دوسری مرتبہ ۹۸۱ھ میں حین خاں کے ساتھ شرف نیاز حاصل
کیا، اس وقت حضرت کا جسم مبارک تودہ نور معلوم ہو رہا تھا ۵۴

مفتی غلام سرور لاہوری نے بھی حضرت ممدوح کے حالات و تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں انہوں نے
لکھا ہے :- (ترجمہ و تلخیص)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے اعظم خلفاء میں ہیں، طرفین سے فاروقی ہیں، آپ کے اجداد بلخ کے رہنے والے
تھے، والد بزرگوار کا اسم گرامی قاضی محمود تھا، سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور ستر سال

۳۰ سالہ جدید (مکتوبہ ۱۳۱۱ھ) میں ۵۴ محمد سعید شاہ : نور العرفان (قلمی) ص ۵۴ ۵۴ برکات الاولیاء

ص ۵۴ ۵۴ عبداللہ فاروقی : سوانح شیخ جلال الدین تھانیسری، مطبوعہ دہلی میں ۱۳۱۲ھ ۵۴ ۵۴

عبدالقادر بدایونی : منتخب التواریخ (فارسی)، جلد سوم، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۹ء، ص ۲۳

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

کی عمر میں مقولات و منقولات سے فارغ ہو کر دس دینے لگے تھے، تحقیقاً وہ عالمانہ فتوے دیتے تھے، سلسلہ
چشتیہ صابریہ کے متاخرین مشائخ میں کوئی بزرگ آپ کے مرتبہ تک نہیں پہنچا۔ آپ کے بہت سے مکاتیب
ہیں جو آپ نے اپنے شیخ کے مکتوبات کے جواب میں لکھے ہیں۔ آپ کا وصال ۱۴ مئی ۱۹۸۹ء کو ہوا۔ عمر شریف
۹۵ سال تھی۔ مزار مبارک تھانیس میں ہے۔

قطعة تاریخ وفات

پچیس سال ترحیل آن ذی کمال
وگر بہت مہتاب عزت جلال
۵۹۸۹

جلال از جہاں چوں رجبت رسید
بچے شیخ پاکیزہ دل شاد عیاں
۶۹۸۹

اعلیٰ حضرت محمد محمود شاہ کے والد شیخ الہی بخش (م۔ ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء) کے تفصیلی حالات معلوم
نہ ہو سکے، اتنا معلوم ہے کہ ترکی واللہ۔ دہلی میں آپ کی حویلی تھی، دہلی میں آپ کے عہد میں حضرات ہم نام ملتے ہیں
جن کا ذکر معات یار خاں رنگین نے اپنی کتاب اخبار رنگین (۱۲۳۹ھ) میں کیا ہے، ممکن ہے کہ ان دونوں
حضرات میں کوئی آپ ہی ہوں، نمبر ۳۶ اور ۸ پر متذکرہ بالا دونوں حضرات کا ذکر ملتا ہے۔
(۳۶) خبر گزری کہ شاہ جہاں آباد میں الہی بخش خاں نے عجب کام کیا کہ کسی یار و دوست سے کچھ مشوہ نہ لیا
اور اپنے اپنے بڑے ثروت سے ہاتھ اٹھا کر ترک لباس کیا، اور جے پور میں جا کر حضرت مولوی ضیاء الدین صاحب
قدس سرہ کی خدمت میں بیٹ کر کے گوشہ نشینی کمال بجا ہونے کے ساتھ اختیار کی، حق تو یہ ہے کہ اس پر اللہ کی بڑی مہربانی
ہے بلکہ یہ بتایا ہے کہ اسے کہتے کہ یہ ادبِ ثانی ہے۔

۱۵ مفتی غلام سرور لاہوری بدخترنیہ الاصفیاء مطبع ہوپ پریس۔ لاہور ۱۲۸۳ھ ص ۶۳۶ ۵۲
سعادت یار خاں رنگین: اخبار رنگین مخطوطہ انڈیا آفس لاہور سری، لندن (۱۲۷۹ھ) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۲ء
مرتبہ اکبر سید معین الحق، ص ۲۷۵ حضرت مولانا ضیاء الدین جے پوری مہاراجہ سوامی جگت سنگھ کے ہاں ملازم
تھے، شاہ فخر الدین دہلوی کے سرمد خلیفہ تھے، آپ نے جے پور میں تلقین و ارشاد کا کام کیا، ضیاء العالم کے نام سے
ایک مہینہ قائم کیا، اور بیرون شہر ایک کتب خانہ اور خانقاہ بھی بنائی۔ ملاحظہ ہو "وقائع عبدالقادر خانی"
جلد اول اور واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم۔

(۸۲) خبرگزاری کہ شاہ جہاں آباد میں ممالک الہی بخش اور میاں خدائش دونوں بھائی سفید پانی کے سوداگر سعادت یار خاں رنگیں کے نہایت دوست ہیں چنانچہ خان موصوفایک نے ان کے پاس جو ملنے گئے تو ان کے سامنے کئی ایک تھان دھرے ہوئے تھے کہ جن کے بیچ میں کف دست سے کم اور روپیہ کچھ بڑا دھبیہ پانی کا وار پار تک تھا، جب بوجھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس سال زکوٰۃ کی رقم میں ایک روپیہ کم دیا گیا تھا، اس غلطی پر خدا کی طرف سے تنبیہ کی گئی،

شیخ الہی بخش دہلی کے متمول حضرات میں شمار کئے جاتے تھے، اس کا اندازہ اس فتویٰ سے ہوتا ہے جو موصوفایکی وفات کے بعد ترکہ کی تقسیم کے سلسلہ میں لیا گیا ہے۔ اس فتویٰ میں ۱۸۵۷ء سے قبل جائداد کی مالیت کا تخمینہ چودہ ہزار روپیہ لگایا گیا ہے، اصل الفاظ یہ ہیں،

”کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ الہی بخش صاحب مرحوم نے اتمقال فرمایا اور اپنے ترکہ میں یہ مکان قیمتی چودہ ہزار روپیہ (۱۴۰۰۰) کا چھوڑا“

۱۸۵۷ء سے قبل کے ایک روپیہ کی قدر قیمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب عمائدین بہادر شاہ ظفر کے دربار میں حاضر ہوتے تھے تو بطور نذرانہ ایک روپیہ دیا کرتے تھے، اس لئے اندازہ ہے کہ جو جائداد شیخ الہی بخش مرحوم نے چھوڑی تھی وہ اس سے ملنے کے لئے دولاکھ سے کم نہ ہوگی،

شیخ الہی بخش کی حویلی قاضی حوض (۱۲۶۲ھ) سے مسجد جامع فتحپوری (۱۰۶۰ھ) آتے ہوئے بائیں طرف بازار سرکی والاں میں تعمیر شدہ ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۳۲ء علی حضرت کی ولادت باسعادت ہوئی، بازار لال کوتل گلی مردھانی میں شیخ الہی بخش کی ایک اور حویلی تھی، اعلیٰ حضرت نے ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۱ء میں یہیں وصالی فرمایا،

تحصیل علم | اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل معاصرین علماء سے کی اور ۲۲ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے، یہ اعلیٰ حضرت کے کمال و کاوت پر

وال ہے، رسالہ فیوض محمدی میں خود تحریر فرماتے ہیں،

بعمربست و دو سال از تحصیل علوم عربیہ و فنون ریاضیہ فراغت حاصل کردہ

یعنی ۱۲۸۷ھ/۱۸۶۱ء علوم و فنون سے فارغ ہو گئے تھے۔ اعلیٰ حضرت کی یہ کاوت و

فطانت نسل بعد نسل منتقل ہوئی تھی آری ہے اور بفضلہ تعالیٰ خاندان مسعودیہ کے اکثر چراغ بیسین سال کی عمر میں روشن ہوئے ہیں۔

۱۵ سعادت یار خاں رنگیں و اخبار رنگین ص ۶۷ ۱۲ میرزا احمرت دہلوی و چراغ غریبی مطبوعہ ۱۹۰۹ء

کرین پریس دہلی ۱۳۵۷ھ مسعود شاہ، فیوض محمدی و سلوک مسعودی مکتوبہ ۱۳۵۷ھ ص ۱

اعلیٰ حضرت کا سلسلہ محدث و اسطورہ شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ بمطابق ۱۷۶۱ء) کے آگے اساتذہ گرامی میں مولانا نواب قطب الدین خاں (۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی (۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) قابل ذکر ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے علم و فضل کا اس سے بھی اندازہ لگا یا جاسکتا ہے کہ صاحب مرآۃ المحققین حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۲ھ) نے اپنے صاحبزادے صاحب تفسیر صدیقی حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۷ھ) کو آپ کا تلمیذ رشید بنایا۔ حضرت امام علی شاہ اعلیٰ حضرت کے شیخ طریقت تھے اور ممدوح ہی سے آپ کو سبب خلافت و اجازت بھی حاصل تھی۔

اعلیٰ حضرت کے اساتذہ گرامی نواب قطب الدین خاں اور مولوی نذیر حسین صاحب اپنے عہد کے جید علما میں شمار کئے جاتے تھے، ان دونوں حضرات کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) کے ناموں سے حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۲ھ) شرف تلمذ حاصل تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے محب حالات قلم بند کر دینے جائز ہیں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ دہلوی اور علمی پس منظر ظاہر و باہر ہو جائے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اکثر تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے، مثلاً ان حضرات نے سرسید احمد خاں، فقیر محمد جلیلی، ابوبحی امام خاں نوشہروی وغیرہ وغیرہ

نواب قطب الدین خاں رحمۃ اللہ علیہ وصال سے ۱۸۷۲ء/۱۲۸۹ھ میں ہوا۔ سرسید احمد خاں

کی تالیف آثار الضادہ کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۳ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں نواب صاحب مرحوم کے تفصیلی حالات قلم بند کیے ہیں یہ حالات نواب صاحب کی وفات سے ۲۶ سال قبل تحریر میں آئے، ہم آثار الضادہ سے سرسید خاں کا بیان من و عن نقل کر رہے ہیں۔

جانب مولانا نواب قطب الدین خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ

تحصیل علم و فضل، خیر و فقیہ و حدیث، خدمت بابرکت مولانا اسحاق صاحب مرحوم و مغفور ممبر سے کی، اتباع شریعت میں سب پیش رو ان مساکین سے آپ کا قدم آگے بڑھا ہوا ہے، وضع و لباس میں اپنے استاد عالی نہاد سے ایسے مشابہت میں جس نے ان کو نہ دیکھا ہو، ان کو دیکھے، اخلاق سے سرسید احمد خاں، آثار الضادہ مطبوعہ دہلی، ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۷ء میں - ۱۰۴ - فقیر محمد جلیلی۔

حالات الخفیہ مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء، ص - ۴۷ - ابوبحی امام خاں، تراجم علماء فقیر محمد جلیلی، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء، جلد اول میں - ۱۱۹ -

فقیر مجذبی نے حقائق الحقیقیہ میں ان تصانیف کا ذکر کیا ہے، اس کثرت کو صاحب مرحوم کے
تحریر علمی و رفوت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے،

(۱) مظاہر حق (۲) جامع التفاسیر (۳) قطر جلیل (۴) مظہر جمیل (۵) مجمع البحرین (۶) جامع المحتسبات
(۷) خلاصہ جامع صغیر (۸) ہادی الناظرین (۹) تحفہ سلطان (۱۰) معدن الجواهر (۱۱) وظیفہ مسنونہ
(۱۲) تحفہ الزوجین (۱۳) احکام النبی (۱۴) فلاح دارین (۱۵) تنویر الحق (۱۶) توقیر الحق (۱۷)
تحفہ العرب والعجم (۱۸) احکام العیدین (۱۹) رسالہ مناسک (۲۰) خلاصۃ النصلح (۲۱) گلزار حبیب
(۲۲) تبنیہ النساء (۲۳) حقیقۃ الایمان (۲۴) مراد المعاد (۲۵) تذکرۃ الصیام (۲۶) تذکرۃ الریاء
وغیر ذلک — مولانا رحمان علی نے بھی ان تصانیف کا ذکر فرمایا ہے، سید عبد العزیز سلہی نے بھی
حالات تصانیف کا ذکر کیا ہے، نواب صاحب مرحوم کی وفات ۱۲۹۹ھ میں تکرہ مظہر میں ہوئی مولانا
سید سید احمد خاں، تذکرہ اہل ہلی مرتبہ اختر جو ناظمی مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء میں - ۸۳۲ ھ فقیر محمد علی
حدائق الحقیقہ مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء ص - ۲۸۸ ھ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند مطبوعہ لکھنؤ
۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء ص - ۱۶۹ ھ ابو محمد سید عبد العزیز، آثار دہلی، ۱۹۱۱ء، مطبوعہ دہلی،
ص - ۲۷

رحمان علی آپ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں :-

نواب قطب الدین خاں بہادر محدث دہلوی دروازہ صد نور و بحری (۱۲۱۹ھ) ولادت یافتہ ،
فقہ و محدث و مفسر جامع شریعت بود ، علوم دینیہ خصوصاً حدیث و اصول از مولوی محمد اسحاق دہلوی حاصل فرمود نیز
از فیض علمائے حرمین شریفین مشرف گشتہ ، در دروازہ صد ہفتاد و نہ (۱۲۷۹ھ) ہجری بمکہ معظمہ وفات یافتہ

مولانا سید حسین محدث دہلوی

مولانا سید حسین محدث دہلوی کے حالات زندگی مولانا محمد ابراہیم میر سیال کوٹی نے مفصل بیان کیے ہیں
ہم ان کی کتاب تاریخ اہل حدیث سے مجملہ بیان کرتے ہیں :-

حضرت مولانا کا وطن مالوف قصبہ سورج گڑھ ضلع منگیرہ صوبہ بہار تھا ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں ولادت
باسعادت ہوئی ، ۱۲۳۶ھ میں عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لائے یہاں ترجمہ قرآن پاک اور مشکوٰۃ شریف پڑھی

۱۲۳۷ھ میں ہلی کیلئے عازم سفر ہوئے ، راستہ میں غازی پور میں قیام فرمایا ، اور مولوی محمد علی چمر کوٹی
سے کچھ کتابیں پڑھیں اس کے بعد الہ آباد میں چند ماہ قیام فرمایا ، اور صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں آخر کار ۱۲ رجب
المہرب ۱۲۴۳ھ کو مدلی رونی افروز ہوئے ، اور پنجابی گروہ میں سجاد اور گنگا بادی میں مولانا عبدالحق سے استفادہ کیا
ان کے علاوہ اور علماء سے بھی پڑھا ، ۱۲۴۶ھ میں علوم تفسیر فقہ و حدیث کی تکمیل کیلئے شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ
کارخ کیا اور وہاں کتب تفسیر حدیث کی تکمیل کی ، تیرہ برس کی طویل مدت تک حضرت شاہ صاحب سے مستفیض ہوتے رہے
۱۲۴۸ھ میں استاد گرامی مولانا عبدالحق کی صاحبزادی سے عقد ہوا ، شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ
کفالت فرمائی اور شامی کا پورا پورا اہتمام کیا ، اس برادران موصوف کی حضرت سید صاحب الفتن و محبت کا اندازہ
ہوتا ہے ، ۱۲۵۸ھ میں جب شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہ معظمہ ہجرت فرمائی تو سند درس و تدریس کا حقیقی جانشین
حضرت سید صاحب کسرا اور کوٹی نہ ہو سکا ، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سرگروہ خاندان کو الہ آبادی میان صاحب کہتے
تھے ، چنانچہ خاندان ولی الہی سے نسبت قوی کی بنا پر حضرت سید صاحب کے میان صاحب کہلاتا ، اسی عرف سے مشہور ہوئے
مولانا شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت کر جانے کے بعد آپ نے انگریز گنگا بادی میں مستقل طور پر حلقہ درس

قائم کیا اور ۱۲۷۰ھ تک فنونِ درستیہ کی ہر شاخ اور تفسیر کی کتابیں بلا استثناء پڑھاتے رہے لیکن بعد میں صرف علومِ دین، فقہ اور حدیث پڑھانے لگے۔ اور زندگی کا باقی حصہ جو نصف صدی کا طویل باز ہے، غرضِ خدمتِ دین، اور اشاعتِ علومِ دین میں بسر کر دیا۔ آپ کے کتب خانہ کا قیمتی حصہ ۱۸۵۷ء میں تلف ہو گیا پھر بھی جو کچھ باقی رہ گیا وہ بھی کچھ کم نہیں، آج کل دہلی میں جو جملہ ہاڑی پر شیخ فتح علی گرویزی کے مزارِ مبارک کے قریب کتب خانہ منتقل ہو گیا ہے اور نذیر پبلک لائبریری کے نام سے مشہور ہے، ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۵ء کے درمیان جبٹ ہائیت کا مقدمہ ہندوستان میں چلا یا گیا تو حضرت سید صاحب بھی راولپنڈی میں نظر بند کر دیئے گئے اور ایک سال تک سنت یونی کی تکمیل فرماتے رہے جیل میں بھی درسِ تدریس کا سلسلہ جاری رہا اور سنت امام اعظم بھی ادا فرمائی، ۱۳۰۰ھ میں حج بیت اللہ شریف کیلئے تشریف لے گئے۔ جون ۱۸۹۷ء مطابق محرم ۱۳۱۵ھ کو حکومتِ برطانیہ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب دیا گیا مگر آپ نے ان دنیاوی خطابات کی مطلق پڑاء نہ کی اور فقیرانہ بسر کی،

۱۰ رجب المرجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء سو برس کی عمر طویل پا کر دہلی میں وصال فرمایا، آپ کی تصانیف میں معیار الحق قابلِ ذکر ہے۔ آپ کے فتاویٰ سے آپ کے سعادت مند پوتوں سید عبدالسلام اور سید ابوالحسن نے دو جلدوں میں شائع کر دیئے ہیں، اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مسائل بھی متناظر و متماثل ہوئے ہیں، زیادہ وقت میں تدریس میں گزرا۔

آپ کے تلامذہ میں حضرت شاہ محمد محمود شاہ، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی، مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی، مولانا محمد حیدر زبان حیدر آبادی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، لے

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی بانیس سلسلے کے تھے یہ یتیم و سیر ہو گئے چنانچہ

ملازمتِ بیعت

تاش مانش کے سلسلے میں ۱۲۷۲/۱۸۵۵ء کے اوائل میں دہلی سے پنجاب تشریف لے گئے، ملتان میں کچھ عرصہ بحیثیتِ تحصیل دار اپنے فرائض انجام دیتے رہے، اسی زمانے میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخِ کامل حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۲ھ)، کا شہر سہاواں وقت مکان شریف (موضعِ ترچہتر) ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب (بھارت) میں فیض بخش غلامِ عام تھے، چنانچہ شوقِ آستانِ لوی نے مجبور کیا اور کشاں کشاں مکان شریف پہنچ کر شرفِ قدم پوی حاصل کیا، حضرت امام علی نے بیعت فرمالیا اور بغیر ریاضتِ مجاہد کے ایک سال کے اندر اندر خلافت سے نوازا اور سندِ اجازہ عطا فرمائی۔ اعلیٰ حضرت نے یہ تمام حالات و واقعات رسالہ فیوضِ محمدی (۱۲۸۰ھ) میں مفصل طور پر بیان فرمائے ہیں،

یہاں متعلقہ اقتباس نقل کیا جاتا ہے :-

بہرست و سال (۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء) ار تحصیل علوم عربیہ فنون ریاضیہ فراغت حاصل کر کے بعد از وفات الدین بیاعت احتیاج و تعلقات نبوی بلکہ پنجاب فتنہ لازمست و سیاحی نمود حتی کہ بر اوفیق الہی و بجز بہر حیمی با سماع اوصاف حمید حضرت سید مولانا و مرشدان و دنیا خواجہ سید امام علی صاحب حسنی السامری المنقش بندی المجدی افاضل الدفینہ علی الطالبین و ادام اللہ ضوہ حیاتہ علی الغلین ————— کرویں یا م مثل خود نظیر سے نہ دارند و قائم مقام خواجہانند و بواسطہ حصول درجات ولایت النبویہ ہر کسے کہ خواہند تہجد کمال تکمیل می سازند و درین ماں پرستانہ ملک کثرت ایشاں کویں شد و ہدایت می توازند و جوق جوق مرغان زراہ و دروازہ مثل بدشتان ہند و روم و غیرہ بخدمت عالیہ شہرہ مستفیض می شوند و علم بختائی را بر سر فلک فلک قائم کرده وصیت شد و ہدایت بر الیہاں شرق و غرب سائزہ مضیوہ حوالیہ من کل فہر عمیق بر سر طغیان است ہر کسے کہ خواہش دامن گیر باشد بخصوہ فیض گنج حاضریہ و از فیض ہمیش بہر مند گردد و وقدرت کردگار را معائنہ کند کہ ہر کسے از سرفراہ عام ہا نصیب می گردد و مطلب دین و دنیا حاصل کردہ شکر گزار می گردد و وفاء القضاء در قبضہ الیشاں است کشف کرامات در تحت تصرف اوشاں جد و کثرت و یک نظر اجراء و کربیک بصر مقامات علیا و بر نسبت بچونی و بر طالبان از ولایت صغری خالی و نہ از ولایت کبری عاری نسبت ایشاں نسبت محمدی مشرب اوشاں مشرب محمدی نہ قرب طہنی را نہایت نہ تصرف ظاہری را غایت از خلق عظیم آراستہ و از حلم عمیم پر است شفق بر خاکساراں چشم پوشی از خطا کاراں حبیب حبیب العالمین منیب سید خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کانون اشتیاق بپوشش آمد و آرزو پسند و دامن گیر شد و بجز بہر جاویدہ صلی منجذب گردیدہ مقبول بندگان الاکشت و توجہ بیانیہ و پرورش فرزندان و عنایت بہر باہاں بریں فقیر گماشتہ شد کہ حد سپاس دل از احاطہ تحیر فقر رسیدن است و ظلال فیوض حضرت رشادینا ہی ام اقبالہ و مریضی افروز حتی کہ بغیر عایدہ و یا ضاات بصر ہمت خود و توجہ نظر کیمیا اثر از فیوض عمیم بعد از یک سال بجزہ تکمیل اودہ بہمت دہلی برائے ارشاد طالبین فرستادند

۱۳۱۱ھ

۱۳۱۱ھ شاہ محمد مسعود فیوض محمد و سلوک مستوی (تحفۃ السالکین مستوی ۱۲۸۰ھ) مکتوبہ عظیم گوہر الموی شہنا المعظم

تکلیفیں ترجمہ

بائیس سال کی عمر میں علوم عربیہ و فنون ریاضیہ سے فارغ ہو کر جب والدین کا سایہ بھی سر سے اٹھ چکا تھا ضرورت احتیاج اور ذہنی علائق کی وجہ سے پنجاب چلا کر ملازمت سیاحت کی، یہاں تک کہ توفیق الہی حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حمیدہ سماعت میں آئے، آپ قیامیہ میں اپنی نظیر نہیں دیکھتے، ہر شے اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے حق و برحق لوگ آکر مستفیض ہوتے ہیں، آپ کے قبضہ میں قیام الفناء ہے، صاحب کشف و کرامات ہیں، ایک نگاہ میں لکھنے لیتے ہیں، ایک چشم کرم سے قلب جاری فرما دیتے ہیں، مقامات علیا و نسبت سچونی کے حامل ہیں ان کے حضور جو طالب آتا ہے وہ نہ ولایت پھری سے خالی جاتا ہے اور نہ ولایت کبریٰ سے آپ کی نسبت نسبت ملتی ہے، آپ کا شرب مشرب محمدی ہے نہ آپ کے قرب باطنی کی کوئی انتہا اور نہ تصرفات ظاہری کی، خلق عظیم اور علم عظیم سے آراستہ و پیراستہ ہیں، خاکساروں پر شفقت فرماتے ہیں خطا کاروں سے درگزر فرماتے ہیں، جلیب اہیں، منیب مصطفیٰ ہیں۔ ان اوصاف حمیدہ کو سن کر دل میں شوق پیدا ہوا اور قدم بوسی کی، آرزوئے دل میں کروٹیں ملیں، چنانچہ کشش باطنی نے کھینچا اور ان کے غلاموں میں شریک ہو گیا، مہربانہ توجہ اور فرزندانہ پرورش فرمائی کہ اس کے علاوہ عنایات بے پایاں اس فقیر کو فوازا کہ جس کا شکریہ تحریر و تقریر سے ممکن نہیں، یہاں تک کہ بغیر مجاہد ریاضات کے اپنی ہمت اور حضرت کی نظر کیمیا اثر سے ایک سال کے اندر اندر درجہ تکمیل عطا فرمایا اور طالبین کی شدہ ہدایت کیلئے دہلی جانے کی ہدایت فرمائی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بغیر مجاہد ریاضات کے صرف چوبیس سال کی عمر شریف میں خلافت حاصل کرنا کمال و حانیت کی دلیل ہے، فی الحقیقت یہی وہ حضرات ہیں جن کے سینوں میں مولیٰ تعالیٰ نے قیامت کی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے آفتاب ہتاب بن کر چمکنے لگتے ہیں۔

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے

انہیں کی خاک میں لچ شیدے وہ چمکاری

دہلی تشریف لے جانے سے پہلے حضرت امام علی شاہؒ نے اعلیٰ حضرتؒ کو اجازت نامہ مرحمت فرمایا اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ طریقت کی نگاہ میں آپ کا کیا مقام تھا؟ — یہ اجازت نامہ حضرت امام علی شاہؒ کے مطبوعہ مکتوبات شریف (۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء لاہور) میں شامل ہے (ص ۱۹) ہم یہاں من و عن نقل کرتے ہیں، قارئین کرام کی سہولت کے لئے حواشی میں مصلحات تصوف کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

الحمد لله على نواله الصلوة والسلام على رسولہ محمد وآلہ

خلافت نامہ

اما بعد۔ برضاہ مصفوت نظام ارباب علم و عرفان
مکشوف و مبرن باد کہ جامع فضائل عقلی و نقلی مولوی محمد مسعود دہلوی زاو اللہ انوار قبولہ ہر گاہ
کہ بداعیہ سلوک طریق اہل اللہ داخل طریقہ نقشبندیہ مجدیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار الیہا
گردیدہ پورزش نامورہ مشغولی و رزیدہ درمباوی احوال غایت زلی متکفل حال و گشت نسبت
جذیبہ ویر اور یافت، و انوار و اسرارہ لطیفہ از لطائف پنج گانہ برداش یافت و از سیر
در اصول آن ہادر تجلیات آشکاری و افعالی و صفاتی مستہلک گردید تا آن کہ بقوت امداد

(سردل بران ص ۳۲۱)

۱۰ خدا تک رسائی کا راستہ بطریق پیکرشی عیانی نہ کہ بطریق استدلال۔ اس راستہ پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں

۱۱ وہ لکھنا سیکھنا معمولہ چار سالک اکثبات سے حاصل کرتا ہے اور جو اس کی روح کو صحیح جہات سے احاطہ کر لیتا ہے اور

اس کی صفت لازمی بن جاتا ہے اس کا مرنا جینا اسی پر واقع ہوتا ہے (سردل بران ص ۳۵۴)

۱۲ ہر اشارہ دقیق المعنی جو عبارت کے ذریعہ آسانی سمجھ میں آسکے جس طرح علوم ذوقی عبارت سے سمجھ میں نہیں

آسکتے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انسان دس لطائف سے مرکب ہے پانچ عالم امر سے متعلق ہیں

اور پانچ عالم خلق سے۔ لطائف پنجگانہ عبارت ہیں لطائف عالم امر سے جس کی تفصیل یہ ہے۔ قلب، روح

نفس، خفی اور اخفی اور عالم خلق کے لطائف نفس اور آربعہ عناصر شامل ہیں۔ (سردل بران ص ۳۶۸)

۱۳ سالک کا ایک حال سے دوسرے حال، ایک فعل سے دوسرے فعل، ایک تجلی سے دوسری تجلی، ایک مقام سے

دوسرے مقام میں منتقل ہونا، جب کشف و کرامات کی راہ سے یہ سلوک طے کیا جاتا ہے تو اسے سیر کہتے ہیں سردل بران

۱۴ یہ تجلی صوری ہے، وجود جسمانیات کی صورت میں تمثیل ہوتا ہے اور جس پر تجلی پڑ جاتی ہے وہ جان لیتا ہے اور اس

کے دل میں سن بات نکال پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ حضرت حق کو اس صورت تمثیلی میں دیکھ رہا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام

پر ابتدا میں تجلی بصورت نامرہول پھرا نہ ہوتے یہ بھی پہچان لیا کہ اس صورت میں کون متجلی ہے (سردل بران ص ۱۳۱)

۱۵ اس تجلی میں سالک صفات فعلیہ بویہ میں سے کسی صفت کے ساتھ حق تعالیٰ کو تجلی پاتا ہے اس مشہد بین

سے حول و فعل و ارادہ سلب ہو جاتا ہے اور ہر چیز میں قدرت کو جاری و ساری دیکھتا ہے (سردل بران ص ۱۳۲)

۱۶ اس تجلی میں سالک حق تعالیٰ کو امہات صفات میں متجلی پاتا ہے، امہات صفات حیات، علم، قدرت،

ارادہ، سمیع، بصر، کلام میں، جنہیں مقامات سبعہ کہتے ہیں (سردل بران ص ۱۳۲)

جذبات بساط نفی و دائرہ امکانی را کہ عبارت از سیرالہند است طے کر وہ از معارف حقینی
و مدایج روحی بعالم کشف مسمیان سید و بشاہد انوار حقائق فناء و معائنہ اسرار و قائل بقا

۱۔ توحید کی دو جہتیں ہیں نفی اور اثبات۔ اور کلمہ طیبہ مرکب ہے نفی اور اثبات سے ذات باری تعالیٰ ان
اوصاف ناقص سے منزہ ہے جو اس کی شان کے شایاں نہیں ورا نہیں و صاف ناقص سے اس کی نفی کی جاتی ہے اور
جوں کہ وہ اپنی ذات سے کامل ورا اپنی صفات سے مکمل ہے اس لئے ان اسمائے حسنیٰ اور ان صفات کاملہ سے جن کو
اس نے خود اپنی شان میں بیان فرمایا ہے اس کا اثبات کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں خدا کے عزوجل نفی اور اثبات
دونوں سے منزہ و ماوری ہے (سرولبراں، ص۔ ۳۶۰)

۲۔ دو امر کے متعلق تفصیلات سرولبراں، ص۔ ۲۲۲ اور ص۔ ۳۸۰ پر ملاحظہ کی جائیں۔

۳۔ انسان کا جو کہ خلاصہ تعینات تکثرات ہے سیر شری و رجوی کے ساتھ بجانب کی جو کہ احاطہ ہے یعنی بمقام
ایجاد و حصول یا بہرہ سیرالہند ہے، (سرولبراں، ص۔ ۲۵۲)

۴۔ لغت میں کشف پردہ اٹھانے کو کہتے ہیں، اصطلاح صوفیہ میں مورخہ و معانی حقیقی پر سے حجابات کا اٹھانا و
حقیقت وراے حجاب پر جو خداوند اطلاق پانا کشف ہے، اس کے دو اقسام ہیں کشف صوری و کشف معنوی،
(سرولبراں، ص۔ ۳۱۲)

۵۔ فنائیت عدم شعور کو کہتے ہیں ذات احدی میں وجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے
ہستی میں رفت و خیال نہ ماند
ایں کہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

اس ہوش نہ رہنے کا بھی ہوش نہ رہے تو اس کو فنا الفناء کہتے ہیں، فنا کی کئی منازل ہیں۔ فنا فیہ افعالی یعنی اپنے افعال
اور خلق کے افعال کو افعال حق میں فنا کر دینا۔ فنا فیہ صفاتی یعنی اپنی صفات کو اور خلق کی صفات کو ذات حق
میں فنا کر دینا۔ فنا فیہ ذاتی یعنی اپنی ذات کو اور خلق کی ذات کو ذات حق میں فنا کر دینا، (سرولبراں، ص۔ ۳۴۰)
۱۔ وہ بقا جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ فنا فیہ صفاتی کے جو بقا حاصل ہوتی ہے اسے قرب الخاقی کہتے ہیں، یعنی بند
کی صفات اور بندے کے افعال کا فنا ہو جانا اور ان کی جگہ خدا کی صفات و خدا کے افعال کا قائم ہونا، فنا فیہ ذاتی کے
بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے اسے قرب فرائض کہتے ہیں۔ یعنی بندے کی ذات کا خدا کی ذات میں گم ہو جانا۔ اس مرتبہ
میں بندہ اپنی ذات سے غائب اور ذات حق سے حاضر ہو جاتا ہے،

(سرولبراں، ص۔ ۳۰۴)

Click For More Books

و مقام سیر فی شد پیوست چنان کہ از اوصاف بصفات بسنن سرمدیت و منظریت و
 کلیت از خود صفات بشریت این شد سرایان این شد در دو حانیہ مجسمانیہ از اوصاف طبیعت
 بر آورده فانی مطلق ساخته و این فنا محض مہربان است فرجوع از مہربان لایق بجناب قدسہ تعالیٰ
 پس دریافت تمکین او در مقام تکمیل و اجازت کردہ طالبان را بحیثیتی دعوت نماید بہ
 تربیت مستعدان پر واز و چون طریق ارشاد و مقامات بنظر عیاں دیدہ بجز بہ عنایت تصرف
 اولیہ رسید کہ مد او اے علیان بستر غفلت تواند کردن، طریق طالبان آن کہ اور اور
 کمالات مرقومہ اتق و النہ صحت کثیر البرکت اور مقتنم الکار ند کہ بواسطہ صحبت آثار
 تصرفات الہی و اسرار جذبات نامتناہی و ربوای خود مایافتہ و زمر احدیت مستہلک و متلاشی
 خواهند بود وصیت کردہ شد بہ کتاب سنت و عمل بعزیمت اجتناب بدعت و التزام
 در ع و تقوی و احراز از صحبت اغنیاء، امید آرز کرم او سبحا آن کہ اور واسطہ احیاء سنن
 رسول انس و جان و ذریعہ بقائے نسبت حضرات خواجگان عالی شان گرداناد بہ بحریت
 کمال ولیائے من الا بدال والا واد۔ ربنا انتامن لدنک مرحمتہ وھی لنا من امرنا
 رشد ۳۰

اعلیٰ حضرت کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
 حضرت امام علیؑ تک مندرجہ ذیل اسطوح فیض پہنچا ہے :-

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (۱۱۰ھ) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۳۳ھ)
 حضرت امام قاسم (۱۰۸ھ)، حضرت امام جعفر صادق (۱۴۸ھ) حضرت بائیر بدیسطامی
 (۲۹۹ھ)، حضرت ابوالحسن خرقانی (۳۲۵ھ)، حضرت بوعلی فارمدی (۴۷۷ھ)، شیخ
 یوسف ہمدانی (۵۳۵ھ)، حضرت عبدالقادر غجدانی (۵۷۵ھ) حضرت خواجہ عارف
 ریوگری (۷۱۵ھ)، حضرت ابو الخیر محمد بن غزوی (۷۱۷ھ)، حضرت شاہ علی رشتینی (۷۲۱ھ)
 بابا سماسی (۷۵۵ھ)، خواجہ سعید کلال (۷۷۷ھ)، حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبند
 (۷۹۷ھ) حضرت یعقوب چرخانی (۸۵۱ھ)، شاہ عبید اللہ (۸۹۵ھ) خواجہ محمد زاہد (۹۳۶ھ)

۱۰ آئینہ ظہور دینی اعتبارات اربعہ جن سے جو مطلق ظہور پایا (ایضاً ص - ۳۲۲)

۱۱ نام حق تعالیٰ باعتبار اس کے وہ مظہر ہے جماد مظاہر کا (ایضاً ص - ۳۱۸)

۱۲ امام علی شاہ - مکتوبات شریف، مطبوعہ لاہور، ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء، ص - ۱۲۷ تا ۱۲۸

خواجہ محمد درویش (۵۹۷۰ھ)، خواجہ امکنی (۱۰۰۸ھ)، حضرت خواجہ باقی باللہ (۱۲۰۱ھ)،
 حضرت مجدد الف ثانی (۳۴۲ھ)، خواجہ محمد معصوم (۱۰۷۹ھ)، خواجہ عبداللہ (۱۱۳۷ھ)،
 شاہ محمد حنیف (۱۱۳۳ھ)، شاہ محمد کی رازواں (۱۱۴۳ھ)، خواجہ محمد مظہری (۱۱۴۹ھ)، خواجہ
 محمد زماں (۱۱۸۸ھ)، خواجہ محمد تقی (۱۱۸۸ھ)، حضرت حاجی شاہ حسین (۱۲۴۲ھ)، حضرت
 شاہ امام علی (۱۳۰۹ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

رشد و ہدایت

دہلی تشریف لائے کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد جامع فتحپوری دہلی
 (۱۰۶۰ھ) میں خانقاہ مسعودیہ کی بنیاد رکھی اور علمی روحانی فیض جاری فرمایا، دور
 و نزدیک لوگ آکر بہت ہوتے تھے الحمد للہ کہ اعلیٰ حضرت کے نامور پوتے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی
 مسجد جامع فتحپوری دہلی، قدس سرہ العزیز نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجزیہ مسعودیہ کو وہ عروج بخشا کہ باوجود شاید آپ
 نے ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک فیض روحانی کے دریا بہائے اور تشنگان راہ طریقت کو سیراب فرمایا،
 اس کتاب کے دوسرے حصے میں آپ کے تفصیلی حالات بیان کیے جائیں گے۔

دہلی میں سلسلہ رشد و ہدایت جاری فرمانے کے بعد اعلیٰ حضرت، شیخ طریقت کی خدمت میں مکان شریف
 تشریف لاتے رہے اور مراسلت بھی فرماتے رہے، ایک صدی قبل کا ایک مکتوب دست بردمان سے محفوظ رہ گیا
 ہے جو اعلیٰ حضرت ایک جلال الدین نے قصبہ دوسوبہ ضلع ہوشیار پور سے اس وقت مکان شریف کے پتے پر ارسال
 کیا جب شیخ طریقت کی خدمت میں دہلی سے حاضر ہوئے تھے، یہ خط اکرم غورہ ہے، جو کچھ سمجھ سکیں تاہی تحریر
 کیا جاتا ہے۔

بجانب فضیلت و طریقت آپ حضرت مخدومنا و مطاع عامولانا محمد مسعود صاحب دہلی ام اللہ
 مکرمین نیاز مندان داب تسلیم دست بستہ مہر مہر منقشہ ملتسول خیر خیر مقدم بالسنہ
 جناب عالی صاحب الیٰ بنکالہ شریف شیدہ بسا عروزد کذا، شدم، خواستم کہ بشرف
 زیارت رسم۔ الا درود سوہ پہنا ہستم کہ عمر نسوں موجود نیست مولوی صاحب نے جا
 بہ حضرت نور شہر تبدیل شد مذہب و مذہب، اگر الطاف اخلاق فرماید تاہنگام رخصت تمت فکرت
 سرازیرین او تشریف فرما شود علام سبیل کرایہ سواری از مکان شریف تاج اللہ دھر بر خود
 المزم خواہد دانست دل بر ملاقات سالی نہایت مشتاق است اگر خلاف مزاج والا نہ شود
 ضرور تشریف آندا داخل انعام اگر ام خواہد بود و نیز از خیر و عافیت حضرت قبلہ و کعبہ و ام اللہ
 گاہ گاہ طلاع بخشند بحضور جناب صاحب ادہ صاحب الاما قیام

Click For More Books

مرضی دایرہ کترین جلال الدین لہ

مکتوب شیخ طریقت

منظر صفات باقی، مورد اخلاق سبحانی، صد مسند ارشاد و ہدایت، جامع نعوت و لایبت فضائل و کمالات مرتبت مولوی محمد مسعود سلمہ اللہ تعالیٰ و بابرک فیما اعطاہ۔

دل ترمای طلبِ دین ترمای خواهد

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

لیکن باید کہ شوق تعلق خود را فراموش و محبت فقراء و نیازمندان کرد پس نسبت آن
فضیلت پناه را نصحت کرده بواسطہ زیادہ پیدا شدن علاقمندی نسبت سابق خاطر بدان
صوب متوجہ است پس ضرورتی شاید کہ آن چہ در اصل کائن بود آثار آن فروع پیرایہ و ضروب بوجہ
حسن اشیاء باشد فی الجملہ ہر چند کہ تعلق و محبت بصاحب الطہ بر مزید بود و برکات فتوحات بیشتر
روحی و دینی ہمہ امیڈاری است کہ از دوست نسبت بھی کہ سائر نسبتہا و رجب آن متلاشی
اند بمصدق الیوم رسید دکل نحوۃ الاخوۃ ابی بکر خط کمال بہر شال حاصل شود
در استقامت مروانہ و از غیر بگمانہ و در محبت پیران و یارانہ باشند و شکر بجا آرند کہ بتربیت طفلی و
مرامی مربی ساختہ در پرورش لطف احسان پرورش دادہ کہ شکر بر نعمت بیحد و قیادہ و قائل فراموشی
گذار و نصیب کر نہ گرد و وظاہر او باطن او از تنگی دل تنگ نباشند کہ سے سے ترے از اسرار است و
در کار فقر و فاقہ مستقیم بوند تا حسن جمال فقر کہ عبارت از عدم اسباب صبر رضا بلکہ التذاد و
باطن از عدم آرزو و عدم التقاس بخیر و ثوق بر حال و توجہ حضرت فنو الجلال کما نکت تراۃ است
متکلف گرد کہ ہمہ اغنیائے عالم چون فردا دولت لغت اہل فقر و فاقہ معائنہ کنند از زبیر و گویند
اے کاشکے عمر را در دنیا بفقر و فاقہ گزشتہ، انقل است کہ در شب معراج ملک ملکوت ہر چہ بود در نظر حضرت
رسالت نہاد و در گوشہ نزدیک گفت الفقیر مخفی - غایت در ویش آن بود کہ اورا فاقہ افتاد معراج
اولود

ہر کہ او از دار دنیا پاک شد
نور مطلق گشت گر چہ خاک شد

ہر کہ در حق سبحانہ و تعالیٰ از فراغت چیز ندیدہ بیند اند کہ از آفت آن نگذارد و طوطی نشود کہ ماورد
فی الحدیث عن سلطان ان اللہ اشد حمیۃ المؤمن واللہ اشد تعبد المؤمن
باللہ من الوالد بولدہ بالخیر بلکہ آن را موجب تی و رجاست اند اذ احب اللہ عبدا
خلق علیہ امور الدنیا و فتم لہ امور الآخرۃ - با آن خلقت و جلالت حضرت رسالت
پناه را دعایں بود اللهم احیی منی مسکینا و امستی مسکینا و احشرنی فی زمر المساکین
دیگر چوں نیاز دار بلا و محنت است کہ ممکن نیست کہ یکم بہر بلا و یک حکم بہر محنت تواند روزانہ
آن کہ

آدمی بہر محنتی نیست

مقولہ فی محمد مرآۃ انبیاء است یا لیت رب محمد لم یخلق محمدًا وَاَلَا کہ صفوۃ بشر و انبیاء
است نالہ اوست یا لیتی گنت و سرقہ شجرۃ یا کل لاناہ۔ پس و توجہ باشیم و چہ گوئیم،
بہر حال بر بلا و محنت مر باید ساخت و بہر چہ سد گردن باید نہاد زیرا کہ گرفتار مرادات خود بہ ہوا و ہوس
خود فریفتہ و بندہ خود است بند باید کہ مطلب غیر از مولا و خود جل سلطانہ پیچ نہ بود، و ہمز مراد مولا مراد
بند پیچ نہ بود و جلال و جمال و ایلام و انعام را مساوی دانند کہ مقام بندگی است بندگی با مراد ضیئہ
است، والفضلان لا یجتمعان ۵

نرود بر مراد ما کار سے

بند بودن ہمیں بود آن سے

امودین و دنیا را بجناب الہی تعویض نمودن بجاری احوال استقدیر کار ساز دیدن و از اسواء
نا امید بودن و بوعزائم حقہ الہیہ مستقیم بودن و بریق مضمرن اور ساختن طریق دوستان خدا
است، بران لازمست رزق و ترویج اس طریقہ انیقہ و احیاء سنت معطوف علی اللہ علیہ وسلم
کوشند کہ توجہ ایشان لہا از غفلت پاک و بہ جاوید صحبت کثیر البرکت انوار مشاہدہ بزرگوار و خوشین
گیرد۔ دیگر عذرناوشتن جواب دے میں مدت کثرت اشتغال بحال اردین است آن اصل بر سلال
خاطر فقر آنکہ نہ کہ فقیر ہر گونہ ازال فضیلت پناہ خوش است اللہ تعالیٰ در و جہاں خوش دارد و
قبل طالبان خود سازد و بعونہ و لطفہ ۵

ترجمہ و تلخیص

بعد عوات کمال ستقامت عافیت معلوم ہو کہ اس طرف خیریت ہے۔ آپ کے صحائف شرافت متواتر پہنچ
رہے ہیں، آپ کی خیریت معلوم ہو کہ فقیر مسرور ہو، اللہ تعالیٰ محبت و معارف اور اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں روز بروز
ترقیات عطا فرمائے۔ آمین،

بیشک عاشق صادق وہ ہے کہ بغیر محبوب مطلوب کے اس کو چین نہ ملے، بیکل ہی ہے بغیر کے ساتھ کوئی انس و محبت
بھی ہوا و ہمیشہ زبان بے زبانی کہتا رہے ۵
بچہ مشغول کم دیدہ دل را کہ دلم ۵
دل ترائی طلبد دیدہ ترائی خواہد

هر که از دار و دنیا پاک شد نور مطلق گشت گریه خاک شد

”بیشک اللہ تعالیٰ مومن کا سب سے زیادہ محافظ ہے، کوئی باپ اپنے بیٹے کی مصیبت میں سکا تنا خواہاں نہیں ہوتا، جتنا پروردگار عالم مصیبت میں اپنے غمزدہ بندے کی خیر خواہی فرماتا ہے“

”اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں کے زمرے میں میرا حشر فرما“ دوسرے چونکہ خدا آزمائش و مصیبت کا گھر ہے کسی کیلئے ممکن نہیں کہ ایک لمحہ بغیر مصیبت کے اور ایک قدم بغیر آزمائش کے رکھ سکے۔ کیوں کہ

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے :-

”کاش کہ متد کے دب نے ٹٹو کو نہ پسید کیا ہوتا !“

ایک مرتبہ فرمایا :-

”کاش میں درخت کا پتہ ہوتا جس کو چوہے کھا لیتے!“

پس ہم اور آپ کس شمار میں ہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ ————— ہر حالت میں بار و مصیبت کے ساتھ

نبائی لکھنا چاہیے۔ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچے اس کے سامنے تسلیم خم کرو دنیا چاہیے کیوں کہ جو اپنی خواہشات میں گرفتار رہے وہ اپنی ہوا و ہوس میں پھنسا ہوا ہے اور خدا کا نہیں پناہی غلام ہے حالانکہ بندہ تو مہ ہے کہ اپنے مولا کے سوا کئی رزوقی غیر سے وابستہ نہ ہو اور مولیٰ تعالیٰ کے علاوہ اس کی کوئی خواہش ہی ہو۔ جلال جمال و ایلام و انعام کو برابر سمجھئے کہ مقام بندگی ہی ہے بندگی و خواہش میں ضد ہے اور ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

نزد ویر مرادو کار سے بند بودن ہمیں بود آ رہے

دین و دنیا کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور اپنے حالات کو تقدیر الہی کے تابع دیکھنا، ماسوا اللہ سے ناامید ہونا اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر استقامت کے ساتھ دل لگائے رکھنا، یہ خدا کے دوستوں کا شیوہ خاص ہے۔ اس پر پابند رہنا اور اس طریقہ انبیاء (نقشبندیہ مجددیہ) کی ترویج اور احیاء سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوشاں رہیں کہ آپ کی توجہ خاص سے طالبین کے دل غفلت سے پاک ہو جائیں گے۔ اور ان کے دل انوار الہی کی چمک سے چمکنے لگیں گے۔

اسے مدت طویل میں خط نہ لکھنے کا باعث یہ تھا کہ نور دین کی طرف توجہ میں مشغول تھا اس کو ملا خاطر پر محمول نہ کریں کیوں کہ فقیر اس فضیلت پناہ سے ہر طرح خوش ہے۔ اللہ تعالیٰ دو جہاں میں خوش رکھے اور طالبین کا مرکز نگاہ بنائے۔ آمین !

دوسرا باب



شیخ طریقت

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

بعض تذکرہ نگاروں نے حضرت امام علی شاہؒ اور اعلیٰ حضرتؒ کا ذکر بڑی عزت و احترام کے ساتھ کیا ہے مثلاً مولانا محمد ہدایت علی جے پوری تحریر فرماتے ہیں :-

بڑے عالم فاضل آپ کے (حضرت امام علی شاہ) حلقہ میں حاضر ہو کر نور باطن اخذ کرتے تھے چنانچہ حضرت مولوی مفتی مسعود صاحب پیش امام مسجد فتحپوری واقع دہلی آپ ہی کے خلفاء اعظم ہیں اور مفتی صاحب کے بھی جو خلفاء ہوئے وہ بھی بفضلہ تعالیٰ بابرکت صاحب نسبت بزرگ ہوئے حضرت مفتی صاحب کے خلفاء میں خاص خلیفہ حضرت مولانا رکن الدین صاحب لوری مدنیو ضہ ہیں جن کا فیض بل بصیرت سے پوشیدہ نہیں علاوہ القائے انوار باطن کے اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت و کلام میں نہایت عنایت فرمائی ہے کہ اکثر سیویں غیر مذاہب کے لوگوں نے اسلام قبول کر کے اپنے دلوں کو نور باطن سے منور کر لیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور ارشاد میں در ترقی عطا فرمائے، حضرت مولوی مسعود صاحب کی تعریف کیا کی جائے کہ جن کے مرشد سید صاحب (امام علی شاہ) جیسے ہوں اور ان کے خلیفہ اور طالب مولوی رکن الدین صاحب جیسے ہوں۔

اسی طرح صوفی مجدد ابراہیم نے بھی اپنی تالیف خزانۃ معرفت (۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) میں حضرت امام علی شاہؒ کا مفصل ذکر کیا ہے اور صفحہ ۱۲۲ پر جہاں خلفاء کا ذکر کیا ہے وہاں ساتویں نمبر پر اعلیٰ حضرتؒ کا بھی ذکر کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علی شاہؒ اور ان کی اولاد و اجداد کے حالات مختصر ایاں کر دیئے جائیں تاکہ ان کی عظمت شان کا صحیح اندازہ ہو سکے، خاندانہ امامیہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا منظور احمد صاحب منسلک العالی اہل حق و سادہ ہوا میں مقیم ہیں، ممدوح کے کتب خانے میں حضرت امام علی شاہؒ سے متعلق بڑا نامور ذخیرہ موجود ہے، فاسوس ہاں نکتہ سانی نہ ہو سکی۔ سیرت تذکروں سے حالات اخذ کر کے نقل کئے جاتے ہیں۔

بسیا کہ عرض کیا گیا مختلف تہذیبی نو پسوں و رسولؐ نگاروں نے حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و سوانح پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔ امام بخش بن پیر بخشؒ، صوفی ابراہیمؒ، محمد ہدایت علی جے پوری، محمد امین شرف پوری اور حاجی فضل محمدؒ

خاندان ولادت

۱۔ محمد ہدایت علی، معیار السلوک و دافع الاہام والفسوک مطبوعہ کراچی (تالیف قبل ۱۳۳۶ھ) ص ۱۰۱ (بقیہ در صفحہ ۱۰۲)

Click For More Books

حضرت امام علی شاہؒ ہاشمی حسینی تھے آپ کے اسلاف حرمین شریفین سے سامرہ نواح بغداد تشریف لائے
پھر ۸۳۶ھ/۱۴۱۸ء میں آپ کے مورث علی حضرت دانیال رحمۃ اللہ علیہ ہاں سے ہندوستان تشریف لائے
اور یہاں فروکش ہو گئے صاحب حقیقۃ الاسرار نے حضرت امام علی شاہؒ کی سیات و ولادت کا اس طرح ذکر کیا ہے
اس کا ملکہ کاملی حضرت سید امام علی شاہؒ کہ از سادات کرام حسینی و حسینی قدس سرہ العزیز و نور قدس
ولادت با سعادت حضرت بابرت فقیہ و جت دوازده صدر دوازده ۱۲۱۲ھ ۲۰

اور صاحب معیار السلوک تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت سید حبیب علی بختیاری صاحب مقام برتر چھتر کہ جس کو مکان شریف بھی کہتے ہیں و شہر اتر سے
قریب اور پانچ راوی کے کنارے پر ہے۔۔۔۔۔ پیدا ہوئے، آپ کی ذات والا صفات
خدا کی رحمتوں میں سے بڑی رحمت اور آپ الہی ہیں سے ایک آپت تھی جس نے دیکھا ہے وہ خوب
جانتا ہے ۳

صاحب خزینہ معرفت نے حضرت امام علی شاہؒ ابتدائی تعلیم اور تکمیل کے بارے میں تحریر کیا ہے
آپ کے والد میر سید حیدر علی شاہؒ آپ کے بچپن میں فوت ہو گئے، ابتدائی فارسی کتابیں
ان سے پڑھیں پھر مولوی فیض الدین کوئی سے پڑھا، چوں کہ فن طب آپ کے اجداد
کا شغل خاص تھا اس لئے آپ نے فن طب کا پھر رضا صاحب مولانا نور محمد صاحب حقیقی سے حاصل کئے درس و تدریس کے

تحصیل علم و بیعت

(بقیہ صفحہ ۳۴) ۱ امام بخش : حقیقۃ الاسرار فی اخبار الامراء ۱۳۱۵ھ، ڈیر غازی خان، جن پنجم، ص ۱۸۳

۲ مولانا ابراہیم : خزینہ معرفت، مؤلفہ ۱۳۵۰ھ

۳ محمد ہدایت علی : (۱) معیار السلوک و دفع الامور مشکوک دہ جن التقریم، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء

نوٹ :- حضرت مولانا محمد ہدایت علی جمہوری، حضرت مراد علی شیر دم ۱۳۲۸ھ) جمہوری سے بیعت تھے

حضرت موصوف حضرت شیر محمد خان (م ۱۳۲۷ھ) شرقپوری سے بیعت تھے اور موصوف حضرت امام علی شاہ علیہ الرحمۃ کے

اجلہ علماء میں سے تھے۔

۴ محمد بن شرقپوری : تذکرہ اولیاء نقشبند، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۳ھ

۵ حاجی فضل احمد : قیوم العالم حضرت مرشدنا سید امام علی شاہ صاحب مقالہ مطبوعہ رسالہ سلسبیل (لاہور) جلد ۴، شمارہ ۲، فروری ۱۹۶۵ء

(بقیہ صفحہ ۳۵) ۱ رسالہ سلسبیل فروری (۱۹۶۶ء)، لاہور، ص ۷ (ملخصاً)

۲ امام بخش : حقیقۃ الاسرار، ص ۱۸۳ ۳ محمد ہدایت علی : معیار السلوک، ص ۱۱۳

زمانے میں بھی آپ کا دل عشق کی طرف مائل تھا اور اشعار پر پورے پڑھتے تھے۔

عشق خدا اور کی جذب کشش نے راہ پر لگا دیا اور منزل تک پہنچا دیا، حج رحمت ہی بہانہ ہی بود، بیعت کے راہ میں جو منزلیں پیش آئیں صاحب نے کمرہ اولیائے عشق بندنے اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

حضرت امام علی شاہؒ اپنے ہی خاندان کے ایک صاحب دلی بزرگ حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ

سے بیعت تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب کی نظر حضرت امام علی شاہؒ پر پڑی تو دریافت فرمایا

کہ صاحب! دے کوئی کتاب پڑھتے ہو؟ ————— ابھی جواب دینے پائے تھے کہ خود ہی

فرمایا "مثنوی شریف پڑھا کرو، اس کے مطالعہ سے عمل میں اصلاح، اعتقاد میں سچائی، قلب میں روشنی

اور روح میں قوت پیدا ہوتی ہے" ————— اگلے روز حضرت شاہ صاحب نے خود طلب

فرما کر مثنوی شریف کے اشعار کی تشریح کچھ اس انداز سے کی کہ حضرت امام علی شاہؒ کے دل میں

عشق کی لگن پیدا ہو گئی اور آپ حضرت شاہ صاحب سے بیعت ہو گئے۔

گاہ بھیلہ می برو گاہ بزور می کشد!

عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب

حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کی کیا اثر میں کہ چند سالوں میں جو مرتبہ حاصل کر لیا جو سالہا سال

ریاضات و عبادات کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا۔

خاک کے ٹوہیر کو اکسیر بنا دیتی ہے

یا اثر رکھتی ہے خاکستر پر وائے دل

اس میں شک نہیں کہ یہ کمال روحانی ایک شخصیت مرشد کے کمال تربیت کا غماز ہے تو دوسری طرف حضرت

امام علی شاہؒ کی فطری استعداد و روحانی قابلیت کا ترجمان ہے :-

خود مہیت، خدا مہیت سے ملتی ہے حضرت امام علی شاہؒ نے مرشد کی خدمت میں محبت کا حق ادا

کر دیا، کیا خوب ہے روح عاشقی جیست؟ فدا در رہ جانان بودن۔ واقعی راہ جانان میں خود کو فنا کر کے

ہی بقا ملتی ہے اور بقا بھی کیسی، سدا بہار ————— حاجی فضل محمد نے حضرت امام علی شاہؒ کی

خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

حضرت امام وقت امام علی شاہ صاحب اپنے شیخ کے گھوڑے کا بال بل براہی زمین پر پڑنے دیتے

۱۔ رسالہ سلیمیل (فروری ۱۹۶۶ء) لاہور، ص ۷۰ (مختصاً)

۲۔ مغلین: تذکرہ اولیاء، نقشبندیہ، ص ۱۵۷ (مختصاً)

اور اٹھا کر شہر کی جڑوں سے باہر لے جاتے، خدمت کے دن تھوڑے ہوتے ہیں اور اس کا پھل نہایت شیریں و ربانہ ہے۔ حضرت مرشد فرماتے ہیں: ”یہ صاحبِ اودھ جو کج ہمارے گھوڑے کا مسلا اٹھا تا ہے کلاں کا بول براڑا اٹھا تا لوگوں کیلئے باعثِ فخر ہوگا۔ اس قسم کی باتیں بلِ عقل کیلئے عجیب و غریب ہو سکتی ہیں، اصل حال جب کھلتا ہے جب کوئی میدانِ عشق و محبت میں قدم رکھتا ہے یہ دنیا ہی دہے۔ ان حضرات کی مرشد کمال سے محبت و عقیدت ان حضرات علیہ السلام کے ساتھ صحابہ کرام کی محبت و عقیدت کا پادری ہے، اسی محبت کی جھلک جوان حضرات کے ہاں نظر آتی ہے۔“

حضرت امام علی شاہؒ خدمتِ شیعہ میں معروف ہے، حتیٰ کہ ایک روز دہلی سے رحمت جوش میں آیا، نواز کا کسی کو تھا، لیکن وہی نواز آگیا جس کے مقدس یہ سعادت روز ازل ہی لکھی جا چکی تھی، — تفصیلی واقعہ حاجی فضل احمد نے اس طرح بیان کیا ہے :-

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب موضع مونڈھ میں تشریف لے گئے، گاؤں کے باہر قیام فرمایا، آپ نے کچھ وقت تخلص کیفیت میں قرآن کریم اور منشی مولانا روم پڑھا کرتے تھے، ایک ات کسی خاص حال میں ایک غلام غلام محمد کو یاد فرمایا، وہ بے نصیب غیر حاضر تھا، حضرت امام علی شاہؒ صاحب نے جواب دے یا حضور غلام محمد نہیں ہے اور یہ غلام ماضی ہے۔ آپ نے تین مرتبہ غلام محمد کو طلب فرمایا اور ادھر سے ہی جواب ملا، حضور نے فرمایا :-

”جسے خدا دے اسے کون روکے“

فرمایا تم ہی آ جاؤ۔ حضور نے حضرت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور دیر تک توجہ فرماتے رہے، ادھر حضرت پر بخودی کا عالم طاری تھا۔ طلوعِ سحر تک توجہاتِ عالیہ شامل حال ہیں و فیض کے اس دریا سے ایک اور دریا پیدا ہو گیا جس نے اپنی طوفانی موجوں سے ایک نیا کوہِ سیراب فرمایا۔

جب کمالِ محبت و عشق ہو تو مجرب کا ہجر و فراق قیامت ہے، اسی کا دل جانتا ہے جس پر گزری ہو۔

عاشقِ زندہ شدی و محنتِ الفت نہ کشیدی

کسی نہیں تو غمِ نامہ ہجراں چہ کشاید؟

حضرت امام علی شاہؒ آخر وقت تک شیخ کی خدمت میں حاضر رہے، جب وقتِ وداع و فراق آیا تو آپ کی

۱۔ فضل احمد: ماہ نامہ سلسبیل، ص ۸۔

۲۔ فضل احمد: ماہ نامہ سلسبیل، ص ۸۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

عجب کیفیت ہو گئی۔

”یہ حدیث آپ پر سید شاق گزرا اور آبادی چھوڑ کر ویرانوں میں رہنا شروع کر دیا، دو سال متواتر یہی حالت رہی ایک رات حضرت (شاہ حسینؒ) نے خواب میں فرمایا کہ آپ کو یہ دولت تقسیم کرنے کی خاطر عنایت ہوئی تھی، اس طرح محفوظ رکھنا مطلوب تھا، اسی اتنے پتے دو غلاموں سید بہادر شاہ اور میاں حبیب اللہ کو بھی خواب میں فرمایا کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اس ارشاد پر شد سے حضرت مکان تشریف لائے اور ان ہر دو کو بیت فرمایا، سلسلے کی شاعت شروع ہو گئی اور ہندوستان بھر میں آپ کا چہرہ چاہو گیا۔“

شیخ کمال ہی ہے جس کی صحبت جلیلہ میں دل و باغ عین یک انقلاب برپا ہو جائے اور وہ مولیٰ تعالیٰ کے رضا کے تابع ہو جائیں حضرت امام علی شاہؒ کی ہی کیفیت تھی کہ وہ ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور کسی لمحہ اس کے خیال سے غافل نہ رہتے جس نے دل کی دنیا بسائی تھی۔ پابندی اوقات کا اتنا خیال تھا کہ زندگی کی گھڑیاں تسبیح کے دانوں کی طرح پری ہوئی تھیں۔

”نماز پنج گانہ کا وقت رونق اور برکت کا وقت ہوتا، تمام نمازی محویت کے عالم میں ہوتے، حضرت ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے، رمضان المبارک میں خاص تمام ہوتا، ہر وقت انوار برستے تھے اور مکان شریف کا عالم دنیا سے نرالا عالم ہوتا۔“

عبادت در ریاضت و خلق خدا کی خدمت میں زندگی گزری، بالآخر وہ وقت آگیا،
عمر خزانہ موت | مرغل موت کا آغاز ہوا :-

دو سال سے پانچ سال پہلے حضور کو وجع الفواد (درد دل) شروع ہوا، ہر چند حاذق طبیبوں نے علاج کیا مضر زخم گئی ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرزند ارشد حضرت قیوم ثانی میر صادق علی شاہ صاحب کو امام مقرر فرمایا اور خود تکلیف کی حالت میں بھی مسجد تشریف لائے، رمضان المبارک میں تکلیف نے یادہ ہو گئی، لیکن آپ صبر و جماعت پڑھتے، عید کی نماز بھی تکلیف میں پڑھی، پھر دولت خانے میں تشریف لے گئے، اور پھر بام تشریف لائے، خاص غلاموں کو خطرہ لکھ گئے، پہلا شعر لکھوایا :-

نماز فرض خدا را قضا بود لیکن نماز صحبت ما را قضا نہ خواہد بود

عظیم پریم چونہ ہوں گے تو بہت یاد کرے گے

۱۔ فضل احمد: بابا مہ سہیل، ص - ۹

۲۔ ایضاً، ص - ۹ و ۱۱

Click For More Books

جب تکلیف بڑھ جاتی تو آپؐ آیت تلاوت فرماتے :-

مَنْ يَشْفَعْ عِنْدَ الرَّبِّ اِذْ ذُنُوبُهُ

وصال سے دور و پہلے طبع مبارک میں کچھ افاقہ تھا، خدام نے الحاج وزاری سے عرض کیا کہ مشتاقانِ ویرار منتظر ہیں اگر حضورؐ ٹھوڑی دیر کے لئے باہر تشریف لے چلیں تو وہ مقصود کو پہنچ جائیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا :-
"انشاء اللہ پر رسول صبح باہر چلیں گے"

پرسوں صبح کا وہ دن تھا کہ ادھر آسمان کا سورج غروب ہو رہا تھا ادھر ہمارے شہداء ایت کے آفتاب نے اپنا منہ چھپالیا اور جدائی کا وہ داغ دے گئے جس کا نشان زندگی زمیں سے گھا، اپنا وعدہ پورا فرمایا اور پرسوں آپ کا جنازہ باہر آیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

حضرت امام علی شاہؒ کا وصال ۱۲ ماہ شوال المکرم ۱۲۸۲ھ میں ہوا، صاحبِ حقیقۃ الاسرار۔
وصال | کھینچیں :-

وفات الاصفات بابرکات فیاض بے نہایت تاریخ سیر و ہم ماہ شوال بسال دوازد

صد ہشتاد و دو ۱۲۸۲ھ بوقوع آمد و است

کسی نے مادہ تاریخ وفات کیا خوب نکالا ہے :-

"اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَاِنَّہُمْ یَخْشَوْنَ اللّٰہَ" (۱۲۸۲ھ)

جب ۱۲ شوال المکرم ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء کو حضرت امام علی شاہؒ کا وصال ہوا تو اعلیٰ حضرت دہلی ہی میں تھے، خانقاہ

الامیہ مکان شریف سے اس عارضہ جان کا کی اطلاع دی گئی جس اتفاق سے یہ مکتوب جس کو آج ایک سو پانچ برس گزر چکے

ہیں، اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کاغذات میں سے دستیاب ہوا۔ یہ ناو مکتوب

پیش کیا جاتا ہے :-

مور و تجلیات الہی، مصدقہ تفصیلات نامتناہی، معدن معارف، مخزن

عوارف، مولوی صاحب مولانا محمد مستور و امام اللہ

بعد تخاف و محوات تجلیات فراوان حضرت ایں کہ اگر خبر خوشی موجب تالم خواطر و موجب ضمایہ راست اما
بحکم ضرورت اخباری نہاید کہ تقدیر ملک وقت حیات قطب لاقطب قدس سرہ تاریخ سیر و ہم ماہ

شوال المکرم ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء

والسلام

حاجی فضل محمد نے بھی خلافت اور یدین کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں :-

حضرت حکیم احمد علی صاحب دے سر کوئی وغیرہم تھے۔ ۷۵

۱۰ محمد ہدایت علی : معیار السلوک ص ۲۸۳

فی فضل احمد : ماہنامہ سلسبیلی، ص۔

۱۲۳۔ موفیٰ ابراہیم، خزینۃ معرفت، ص ۱۲۳

(بقیہ دو صفحے مفقود)

[Click For More Books](#)

حضرت امام علی شاہ کے مریدین و خلفاء نہ صرف پاکستان میں تھے بلکہ بیرونی ممالک میں بھی پھیلے ہوئے تھے
جہاں چہ حاجی فضل احمد لکھتے ہیں :-

افغانستان، بلخ، بخارا، ترکستان اور عرب سے لوگ آتے اور فیوضِ برکات سے مستفیض
ہوتے اور ہر طبقے کے لوگ سلسلہ غلامی میں داخل ہوتے امراء، وزراء، عالم، مفتی — سب سلسلہ
مبارک داخل ہوئے اور ظاہری فرق سب اٹھ گئے اور ایک ہی رنگ میں رنگ گئے۔
خود اعلیٰ حضرت نے بھی اپنی تصانیف میں حضرت امام علی شاہؒ کی ہمہ گیر اور عالم گیر شہرت کا ذکر کیا ہے۔
مشایخ طریقت کے سامنے مریدین کے اصلاح حال کے لئے چند زرین اصول ہوا کرتے
تھے جن کے تحت وہ طالبین کی تربیت فرمایا کرتے تھے، حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ
کے ملفوظات سے ان اصولوں کا پتا چلتا ہے، یہاں چند ملفوظات تمینا پیش کئے جاتے ہیں :-

۱۔ مریکے دل میں شیخ کا ادب اس درجہ ہو کہ پیر کے سامنے بغیر اجازت بات نہ کرے، پیر کی طرف بے باکانہ
نہ دیکھے، پیر کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دے، طریقت ادب کا نام ہے بے ادب بین دنیا کی نعمتوں
سے محروم رہتا ہے۔

۲۔ شیخ کا کلام ہمہ تن گوش ہو کر سنا، کیوں کہ ان اشارات کا سننا ہزاروں کتابوں کے مطالعہ سے
بڑھ کر ہے،

۳۔ مرید وہ ہے جس کی نفسانی خواہشات کو محبت و رشتہ الہی کی آگ نے جلا کر راکھ کر دیا ہو،
جب صبح سویرے اٹھے حسرت، افسوس کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوں عاجزی
اور ناکامی اس کا شعار ہو، گزشتہ اعمال پر اذم ہو اور آئندہ کے لئے ہماہانگنا ہونیکی کاموں کے لئے
ادفات کا پابند ہو، جو مصیبتیں، تکلیفیں و سختیاں پہنچیں صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور انہیں

(بقیہ) لکھ محمد امین : تذکرہ اولیاء نقشبندیہ ص

نوٹ :- محمد امین نقشبندی نے لکھا ہے کہ حضرت بابا امیر الدین (۱۲۰۷ھ — ۱۳۳۱ھ) کے خلیفہ حضرت شیر محمد خان
(۱۳۲۸ھ — ۱۳۴۷ھ) تھے اور محمد علی نے خلیفہ حضرت محمد علی شہرچہ پوری (م۔ ۱۳۲۸) مگر مولانا ہدایت علی نے
لکھا ہے کہ حضرت شیر محمد خان شہرچہ پوری، حضرت امام علی شاہ کے خلیفہ تھے، اور حضرت محمد علی شیر محمد خان کے خلیفہ
تھے جن سے خود مولانا ہدایت علی کو شرف بیعت حاصل تھا۔
(نوائے صفحہ ہذا) لکھ حاجی فضل احمد : ماہنامہ سلسبیل

خدا تعالیٰ کی طرف سے جانے اپنے قصو کا اقرار کرنا ہے شاید پھر دم کا انا ہو یا نہ ہو۔

۴۔ پیر پر جو فیوض و انوار الہی نازل ہوتے ہیں مرید پر بھی وہی انوار چمکتے ہیں مرید کو باری تعالیٰ کی بارگاہ سے براہ راست اس لئے فیض حاصل نہیں ہوتا کہ مرید کی ترقی میں اربعہ عناصر اور شہوانی جذبات حائل ہوتے ہیں، پیر چونکہ ان بندھنوں سے آزاد ہو چکا ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے وابستہ ہوتا ہے اس لئے مرید بھی اس سے فیض پاسکتا ہے۔
۵۔ ہر حالت میں متوکل اور کام کاج میں مشغول رہنا چاہیے، بیکار نہ بیٹھے، اور رزاق پروردگار کو سمجھے وہ بندے کو ہر حالت میں رزق پہنچاتے ہیں، البتہ مقسوم سے زیادہ ملنا محال ہے اس کی شکایت سے حق سبحانہ کی نافرمانی نہ کرے کیوں کہ اس میں وجہاں کی خرابی ہے زیادہ لاپحہ حرام ہے۔

ترجمہ نمونہ

حضرت امام علی شاہؒ کی متعدد تصانیف ہیں جو ان کے اخلاف میں حضرت مولانا۔ منظور احمد صاحب مدظلہ العالی کے پاس ساہیوال میں محفوظ ہیں، یہیں تذکرہ اولیائے نقشبند سے ایک تصنیف ملاۃ المحققین کا کچھ حال معلوم ہوا ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے ایک حصہ میں اپنے شیخ طریقت حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھے ہیں اور دوسرے حصہ میں خود حضرت امام علی شاہؒ کے ملفوظات ہیں جن میں سرار و معارف پوشیدہ ہیں۔ تمنا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) حق سبحانہ و تعالیٰ جل شانہ اور بندہ کے درمیان اس موجودات کی صورتیں جو دل پر نقش ہیں، بہت بڑا حجاب ہیں و نقوش لوح دل پر بری صحتیں اختیار کرنے، سیر سپاٹے کرنے اور طرح طرح کے نیگوں و درصوتوں کے دیکھنے سے اور گہرے ہوتے ہیں و دل میں گھر لیتے ہیں اور گلو خلاصی پانے کے لئے پوری محنت و مشقت سے ان کی نفی کرنی چاہیے۔ ان نقوش میں مرید ترقی کی بڑی وجوہ اخلاق بگاڑنے والی کتابوں کا مطالعہ اور ادھر ادھر کی بیکار باتیں و درراگنگ کی محفلوں میں شرکت کرنا ہے، یہ سب مشاغل حق سبحانہ و تعالیٰ سے مودی اور غفلت کی باعث ہیں، جو حیر میں ان نقوش کو تقویت دینے والی ہیں ضرورت ہے کہ ان سے پیر کیا جائے اور صفائی قلب کے ساتھ ساتھ خداوند کریم کی طرف بھی رجوع ہو کیوں کہ قانون قدرت ہی ہے کہ بغیر محنت و مشقت اور ترک لذت اور تمام شہوتوں کے یہ مراد حاصل نہیں ہوتی۔

(ب) اے عزیز آرام تو آخرت میں ہے چند روزہ اس سرائے فانی میں بیچ اٹھانا کہ تجھے ہمیشہ کا آرام ہو پس تمام احوال میں بزرگان قدیم کی پیروی کر اور طریقہ اہل سنت و الجماعت کو لازم پکڑ، فقہ اور حدیث کا علم حاصل کرو، ہمیشہ نماز یا جماعت ادا کر، شہرت سے اجتناب کر کیوں کہ شہرت حاصل کرنے میں آفت ہے، مرتبہ پر غرور نہ کر بلکہ گناہ مرہ لے

۱۔ محمد امین شرفپوری : تذکرہ اولیائے نقشبند، ص ۱۶۶ و ۱۶۷

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

تیسرا باب



امامت و خطابت

امامت خطابت

اعلیٰ حضرت کی پہلی شادی عنفولان شباب ہی میں ریاست جھڑ کے ایک مشہور و معروف خاندان میں، مولانا حیدر شاہ خان رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ شاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی کی صاحبزادی عائشہ خانم رحمہا اللہ تعالیٰ سے ہوئی، موصوفہ کے لطن سے حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۸۹ء) تولد ہوئے جو حضرت قبلہ مفتی اعظم محمد ظہیر اللہ قدس سرہ (م ۱۹۶۶ء) امام شاہی مسجد جامع فتحپوری کے الدبیر گوار تھے۔

مولانا حیدر شاہ خان کی دوسری صاحبزادی فاطمہ خانم رحمہا اللہ تعالیٰ مولوی فرزند علی کے صاحبزادے دہلی سید اکبر علی صاحب (دہلی کلکٹر) سے منسوب تھیں، سید صاحب موصوف کا انتقال ۱۸۹۲ء کے قریب ہوا، سید صاحب موصوف علی حضرت محمد مسعود شاہ کے ہم زلف ہونے کے ساتھ ساتھ برادر طریقت بھی تھے، دونوں حضرات حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۸۲ھ) سے بیعت تھے اور انہیں سے سند خلافت حاصل تھی، سید صاحب کو ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ سند خلافت ملی،

مولانا حیدر شاہ خان کی اولاد مجاویں دو صاحبزادیوں کے علاوہ ایک صاحبزادے بھی تھے جن کا

۱۔ شہر جھڑ، ضلع ریتھک، مشرقی پنجاب کی تحصیل جھڑ کا ہیڈ کوارٹر تھا، جس سے ۱۴ میل دور دہلی سے مغربی جانب ۵۳ میل پر واقع ہے، یہ ہر محمد غوری نے تباہ کر دیا تھا، اس کے بعد ایک جاٹ خاندان نے اس کو دوبارہ آباد کیا، جاٹ سردار سورج پل سے فرخ نگر کے نوابین نے یہ ریاست لے لی۔ اس کے بعد یہ والٹرین ہارٹ کے قبضے میں چلی گئی، ۱۹۴۷ء میں جاریج تھامس کے سپرد کر دی گئی۔ الحاق ۱۹۴۷ء کے بعد یہ ریاست نواب نجابت خاں کو دے دی گئی، ۱۸۵۷ء میں یہ ریاست ضبط کر لی گئی کیوں کہ اس کے حکمران نواب عبدالرحمن خان پر بغاوت کا الزام تھا۔ نواب صاحب موصوف کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اس کے بعد تھوڑے عرصہ کے لئے بھجراپنے نام ہی کی ایک تحصیل کا ہیڈ کوارٹر بن گیا لیکن ۱۸۶۰ء میں یہ حیثیت ختم کر دی گئی۔ اس کی خاص عمارات میں نوابین ریاست کا پرانا محل درجہ محل بارخیر جہاں آج قابل دیدہ تھے۔ (امپیریل گزٹیر آف انڈیا، جلد ۱۷، آکسفورڈ، ۱۹۰۸ء، ص ۱۰۸)

۲۔ منوئی فرزند علی کے اہلداد غزنی سے ہندوستان آئے تھے اور گورکھ پور میں بس گئے تھے، موصوف کے والد سعید کاب علی گورکھ پور میں مقیم ہو گئے، مگر مولوی فرزند علی وہاں سے دہلی تشریف لائے اور غالباً شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث حاصل کی، ۱۸۵۲ء کے قریب ۶ سال فرمایا۔ مولوی فرزند علی کے چار صاحبزادے تھے (بقیہ آگے)

اسم گرامی مولانا غلام مصطفیٰ خاں رحمۃ اللہ علیہ تھا، موصوف اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد مسجد فتحپور کے منصب امامت و خطابت پر فائز ہوئے۔ ان کے بعد کوئی جانشین نہ تھا، ان کے ایک صاحب نے ارے دوست محمد خاں تھے جن کا اوائل عمری میں انتقال ہو گیا تھا چنانچہ مولانا غلام مصطفیٰ خاں کے بعد منصب امامت و خطابت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض کیا گیا جو مولانا حیدر شاہ خاں شاہی امام مسجد فتحپور کے فرزند نسبتی تھے اور انہی منصب جلیلہ کی پوری پوری اہلیت رکھتے تھے۔

مسجد جامع فتحپور میں سلسلہ امامت و خطابت اعلیٰ حضرت کی سسرال میں شاہان تعلیم کے عہد سے چلا آیا تھا، اعلیٰ حضرت کی تصنیف فتاویٰ سودیہ (۱۲۹ھ تا ۱۳۰ھ) کے ایک قباہ سے خمننا چندائے کرام کا پتا چلتا ہے ایک فتوے کے جواب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

وستور سابق حجرہ ہائے مسجد فتحپور کے سکونت قاری قرآن کے اور وار دین مساکین مغرب کے تھے، پہلے فقیر کے مصطفیٰ خاں مرحوم، اور قبل ان کے حیدر شاہ خاں و قبل ان کے اسد خاں و حافظ عبد الکرم تاعمر قاری سے کہ بوقت بادشاہ محمد شاہ تھے آج تک یہی دستور رہا (۱ جہاد کا ثانی ۱۳۳ھ / ۱۸۸۵ء)

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد شاہ بادشاہ کے عہد (۱۱۳۱ھ تا ۱۱۴۸ھ) سے لیکر بہادر شاہ ثانی ظفر کے عہد (۱۱۳۴ھ تا ۱۱۵۴ھ) تک مندرجہ بالا حضرات نے امامت کے فرائض انجام دیے، یہ حضرات جن بادشاہوں کے زمانے میں امامت فرماتے رہے ان کی تفصیل یہ ہے :-

- ۱۔ بولفتح ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی و لیجہاں شاہ ابن شاہ عالم بہادر شاہ، ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۴۰ھ
- ۲۔ مجاہد الدین محمد ابوالنضر احمد شاہ بہادر بادشاہ غازی ابن محمد شاہ بادشاہ، ۱۱۴۱ھ تا ۱۱۴۶ھ
- ۳۔ عزیز الدین محمد عالم گیر ثانی ابن معز الدین جہان ارشاہ ابن شاہ عالم بہادشاہ، سال جلوس ۱۱۴۷ھ
- ۴۔ ابوالمنظر جلال الدین شاہ عالم بادشاہ غازی و لد عزیز الدین عالم گیر ثانی، سال جلوس ۱۱۴۸ھ
- ۵۔ ابوالنضر محسن الدین محمد اکبر شاہ ثانی ابن شاہ عالم بادشاہ غازی، سال جلوس ۱۱۴۹ھ
- ۶۔ ابوالمنظر سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی ابن محمد اکبر ثانی بادشاہ غازی، ۱۱۵۳ھ تا ۱۱۵۷ھ

(بقیہ) سب کا سب اعلیٰ اہل علم پر فائز تھے، مولوی سید اکبر علی (ڈپٹی کلکٹر)، سید امیر علی (ڈپٹی کمشنر فیروز پور) و سید (وزیر اعظم ریاست ایچا اور سید اعظم (سپرٹنڈنٹ حکمہ نمک) ۳ راقم السطور کی اہلیہ مولوی سید اکبر علی (ڈپٹی کلکٹر) کی اولاد اجماعاً سے ہیں، ڈپٹی صاحب مرحوم کے اخلاف حیدر آباد کن، دہلی، کراچی، ملتان، لائل پور، راولپنڈی وغیرہ ہیں

مسجد جامع فتح پوری سنہ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۷ء میں عہد شاہ جہانی میں نواب فتح پوری بگیم زوجہ شاہ جہاں بادشاہ نے تعمیر کرائی۔ اسی سنہ میں جامع مسجد و دہلی بھی پایہ تکمیل تک پہنچی۔ ان دونوں مساجد میں سلسلہ امامت عہد شاہ جہانی ۱۰۳۸ھ تا ۱۰۶۹ھ کے خلائے میں ہے، اس طرح تعمیر مسجد فتح پوری (سنہ ۱۰۶۹ھ) سے لیکر عہد شاہ جہاں ثانی کے عہد (۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۸ء) تک جو ستر سال کا خلا ہے اس میں مگر کرام کے متعلق تحقیق نہ ہو سکی۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ ۱۰۶۹ھ سے مولانا حیدر شاہ خاں کے خانوادے میں شاہی امامت و خطابت کا سلسلہ چلا آ رہا تھا جو بعد میں اعلیٰ حضرت کے خانوادہ میں منتقل ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت مسیحۃ اللہ علیہ بائیس سال کی عمر میں ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء کے قریب الدین کی وفات کے بعد تلاش معاش کے سلسلے میں ملک پنجاب تشریف لے گئے جہاں حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور سند اجازہ حاصل کی، تقریباً ڈیڑھ سال بعد دہلی مراجعت فرمائی، یعنی انقلاب ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ انقلاب ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل یا فوراً ہی بعد، منصب امامت پر فائز ہوئے۔ اعلیٰ حضرت ہی ہے کہ انقلاب سے قبل یہ منصب جلیلہ آپ کو مل گیا تھا، کیوں کہ انقلاب کے وقت اعلیٰ حضرت دہلی میں موجود تھے، چنانچہ اعلیٰ حضرت کی بھانجی محذومہ بیچ النساء بنت افضل النساء رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتی تھیں کہ انقلاب کی بے پناہ شورشوں و رینگاموں سے مجبور ہو کر اعلیٰ حضرت اپنے براہر نسبتی حافظ عبدالعزیز خاں کے ہمراہ فرید آباد تشریف لے گئے تھے،

(بقیہ صفحہ ۴۷) ۱۔ محمد مسعود شاہ: فتاویٰ مسعودیہ (دہلی) (۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء)، ص ۱۲۰۔

(جواہر صفحہ ۱۷۱) ۲۔ مسجد فتح پوری ۱۰۶۰ھ میں تعمیر ہوئی۔ اس کے تقریباً آٹھ سال بعد شاہ جہاں بادشاہ تخت سے دست بردار ہو گئے، ان کے بعد جو بادشاہ محمد شاہ بادشاہ کے عہد تک تخت نشین ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۶۸ھ تا ۱۱۱۸ھ
۲۔ شاہ زادہ محمد عظیم شاہ خلف سوم عالم گیر بادشاہ	۱۱۱۸ھ تا ۱۱۱۹ھ
۳۔ قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہ خلف دوم عالم گیر بادشاہ	۱۱۱۹ھ تا ۱۱۱۹ھ
۴۔ معز الدین محمد جہاں دار شاہ ابن شاہ عالم بادشاہ	۱۱۲۰ھ - ۱۱۲۰ھ
۵۔ معین الدین محمد فرخ سیر و عظیم الشان ابن شاہ عالم بہادر شاہ	۱۱۲۲ھ - ۱۱۲۲ھ
۶۔ سلطان فیح الدجبات ابن شاہ زادہ رفیع الشان ولد بہادر شاہ	۱۱۳۱ھ - ۱۱۳۱ھ
۷۔ شمس الدین رفیع الدولہ محمد شاہ جہاں ثانی برادر کلان فیح الدجبات	۱۱۳۱ھ - ۱۱۳۱ھ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

درسِ حدیث

اعلیٰ حضرت مہتمم عالم اور شیخِ کامل تھے، ۱۸۵۷ء کے بعد اپنے سجدہ جامع فتحپوری میں درسِ حدیث کا آغاز کیا۔ درسِ حدیث کے وقت پورا پورا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھتے تھے، جو فی زمانہ اس قدر معدوم ہو چکا ہے، مولانا عزیز الحسن زیدی، حضرت مولانا ارشد علی صاحب (میرداد علی حضرت) کے حوالہ سے بتاتے تھے کہ اعلیٰ حضرت درس کے وقت مقبلاً ہو کر تشریف رکھتے تھے درسِ حدیث بڑے کیف و سرور کے ساتھ دیتے تھے، کبھی کبھی رقت کا عالم طاری ہو جاتا تو مراقب ہو جاتے پھر کیف کا اور ہی عالم ہوتا۔ یہ اعلیٰ حضرت کا فیض روحانی ہے کہ مسجد فتحپوری میں برسہا برس سے تعلیمِ حدیث کا سلسلہ جاری ہے مدرسہ عالیہ عربیہ سے ہزاروں تشکالِ علم مستفیض ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔

جب ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دیوبند میں ارا العلوم کی بنیاد رکھی تو وہاں بھی اس کا پیر چاہوا، کچھ طلبہ کا خیال ہوا کہ ہاں جاکر داخلہ لے لیں کیوں کہ وہاں کھانے اور کپڑے وغیرہ کی سہولتوں کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اسی زمانے میں ایک ن درس سے پہلے اعلیٰ حضرت نے طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :-
”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دیوبند جا کر پڑھیں وہاں کھانا بھی ملتا ہے اور کپڑا بھی۔ بھٹی فقیر تو معنی بھٹا والی کے لئے پڑھا تا ہے جس کا جی چاہے وہاں جا سکتا ہے۔“

طلبہ یہ سن کر حیران رہ گئے کیوں کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے سامنے اس خیال کا اظہار نہیں کیا تھا، حضرت بذریعہ کشف ان کے ارادوں پر مطلع ہو گئے تھے، سبحان اللہ یہ روشن ضمیری !

تعلیمِ تدریس میں اعلیٰ حضرت کا مسلک، مسلکِ الہی تھا کیوں کہ اسی خاندان سے فیض پایا تھا، وہ تمام موجودہ مکاتبِ فکر جن کا تعلق حاصل واروث ہے، بعد میں قائم ہوئے، مثلاً ارا العلوم دیوبند ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں قائم ہوا جب کہ اعلیٰ حضرت کو فارغ التحصیل ہونے سے تیرہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا اور دس سال سے درسِ حدیث دے رہے تھے، اسی طرح بریلی میں مولانا احمد رضا خاں (د) ۱۳۲۷ھ کے بعد میں مدرسہ منظر الاسلام قائم کیا۔ پھر ۱۸۷۵ء میں سرسید احمد خاں نے علی گڑھ اسکول قائم کیا۔ ۱۸۹۸ء میں مولانا شبلی نعمانی نے لکھنؤ میں ندوۃ العلماء قائم کیا۔ ان اداروں سے جو مکاتبِ فکر نکلیں وہ یا تو نظریاتی تصادم کے نتیجے میں نکلیں یا عصری تصادمات کے تحت معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے اپنے اپنے حلقوں میں انہوں نے خدمتیں کی ہیں مگر باہمی فروعی اختلافات نے ملتِ اسلامیہ کی فکری وحدت کو جو صدمہ پہنچایا ہے وہ ایک الم ناک سانحہ ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک معتدل کی جن علماء نے پیروی کی ہے وہ ہمیشہ اختلافات سے بالاتر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت انہیں علماء ہیں تھے، انہوں نے غلطانہ اور بے لوث طریقہ پر دین کی خدمت کی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد فتحپوری میں درسِ حدیث ہی کی داغ بیل نہیں ڈالی بلکہ دارالافتاء قائم

کیا اور فتویٰ نویسی کے فن میں وہ مہارت حاصل کی کہ بایں و شاید آپ کے چند فتوے قلمی صورت میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کی تحقیق و جستجو اور تبصر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، تصانیف کے ذیل میں ان فتووں پر سیر حاصل کر کیا جائیگا، انشاء اللہ تعالیٰ،
ہم آئندہ باب میں مسجد فتحپوری کی تاریخی اہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے کرامات وغیرہ کا ذکر کیا جائیگا۔

چوتھا باب

مسجد جامع فتنپوری
دہلی

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

شاہی مسجد فتحپوری دہلی

مسجد جامع فتحپوری، دہلی کی عظیم مساجد میں شمار کی جاتی ہے۔ جامع مسجد کے بعد ہی سب سے بڑی مسجد ہے مختلف مورخوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً سر سید احمد خاں، محمد عبدالغفور، منشی بلاقی واسی، میراجیرت دہلوی مولوی سید احمد دہلوی، محمد عالم شاہ، بشیر الدین احمد دہلوی، رکن الدین نظامی وغیرہ اور مغربی مورخوں میں ان حضرات نے ذکر کیا ہے فانس گارڈن رزلے ہرن اور سر سہری شاہ وغیرہ وغیرہ۔

مسجد فتحپوری اپنی ساخت کے اعتبار سے جامع مسجد شاہ جہانی (۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء) سے قدیم تر معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وسطی محراب پر قدیم طرز کا اندر دھسا ہوا ایک بڑا گنبد ہے۔ گنبد کے سامنے دو اونچے اور چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں، مغربی دوہرے والا نوں کے کنارے دونوں جانب بلند مینارے ہیں۔ آگے وسیع و عریض صحن ہے جس کے دونوں جانب شمالاً و جنوباً اکھرے والاں ہیں، ان کے وسط میں دو بڑے دروازے ہیں، مشرق کی طرف بھی اکھرے والاں ہیں اور وسط میں ایک دروازہ ہے جو چاندنی چوک کی طرف کھلتا ہے بازار چاندنی چوک لال قلعہ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

دہلی کی قدیم مساجد میں مسجد فتحپوری کی طرح ایک گنبد ملتا ہے۔ اور جامع مسجد شاہ جہانی کی طرح تین گنبد بھی ملتے ہیں۔ مثلاً پراگنے قلعے کی مسجد جو ۹۴۸ھ/۱۵۴۱ء میں شیر شاہ سوری نے تعمیر کرائی تھی اس کے اوپر ایک بڑا گنبد ہے۔ مسجد سی خاں (۹۵۴ھ/۱۵۴۷ء) میں تین گنبد ہیں مگر کل جامع مسجد کے گنبدوں سے مختلف ہے، مقبرہ مہالوں جو ۹۷۳ھ/۱۵۶۵ء میں مہالوں کی اہلیہ حمیدہ بانو نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے اوپر ایک بڑا گنبد ہے، چاروں طرف برجیاں ہیں۔ جامع مسجد کے گنبد اس کے گنبد سے اور مسجد فتحپوری کی برجیاں، اس کی برجیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ مورخین نے دہلی کی ان چار مساجد کا سنہ تعمیر ایک ہی لکھا ہے:-

۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء

۱۔ مسجد فتحپوری

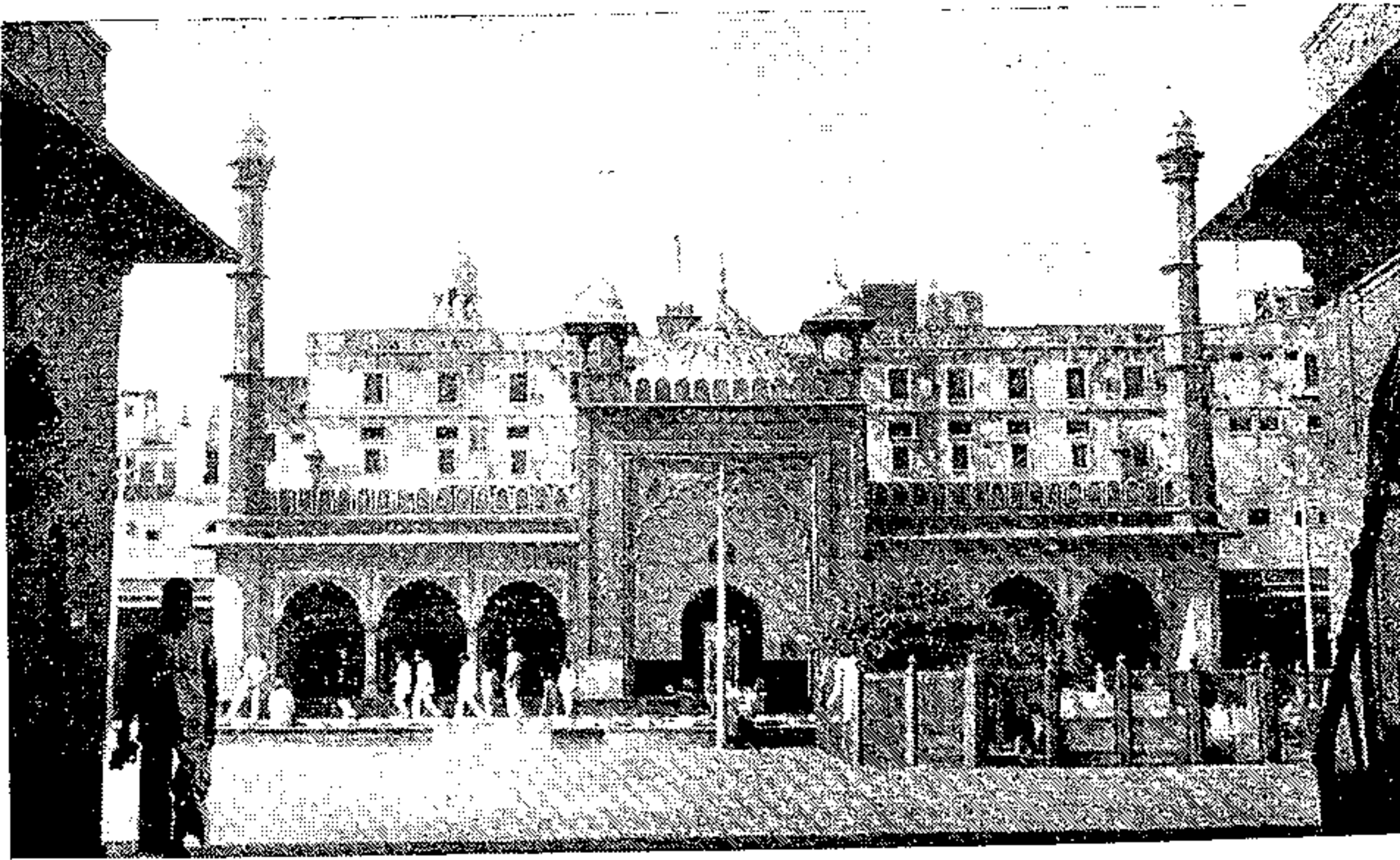
۲۔ مسجد سرسندی لکھ

۳۔ مسجد اکبر آبادی لکھ

۴۔ مسجد جامع لکھ

ان مساجد کے طرز تعمیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں مسجد فتحپوری پہلے پایہ تکمیل کو پہنچی۔ عرض کیا جا چکا ہے کہ مسجد فتحپوری کی وسطی محراب پر ایک بڑا گنبد ہے۔ لیکن باقی تین مسجدوں میں تین تین گنبد ہیں۔ جو طرز تعمیر کے

مسجد جامع فتحپوری دہلی



شرقی دروازے سے مسجد جامع فتحپوری (۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء) کا ایک اندرونی
منظر۔ سامنے صحن مسجد میں داہنی طرف درگاہ حضرت میراں شاہ نانورح کی
سنگی جالیوں سے حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمہ اللہ علیہ کا
مرقد انور صاف جھلک رہا ہے

Click For More Books

مسجد فتح پور کی سے زیادہ حسین و رعنا نظر آتے ہیں۔ مگر مسجد فتح پوری بعد میں تعمیر ہوئی تو زیادہ حسین و جمیل ہوئی کیوں کہ نقش و نگار ہمیشہ نقش اول سے زیادہ بہتر ہوا کرتا ہے، مگر یہاں ایسا نہیں، جامع مسجد کے بعد دہلی میں جتنی مساجد تعمیر ہوئی ہیں ان میں تین گنبد اور دو مینارے جامع مسجد کی طرز پر موجود ہیں۔ مثلاً یہ مسجدیں :-

(۱۔ ۱۰۰ھ/۶۰-۶۵ھ میں ورنگ پور کے سلطان قلعہ میں تعمیر کرائی، اس

۱۔ مولیٰ مسجد

میں میناروں کے بجائے چار چھوٹے چھوٹے مینارے ہیں۔)

(۲۔ ۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں دہلی کے شاہ بہادر شاہ بادشاہ کے زمانے میں تعمیر

۲۔ زینت المساجد

ہوئی۔)

(۳۔ ۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء میں محمد الدین محمد جہاں ار کے عہد میں جمیری دروازہ،

۳۔ مسجد سہ غازی الدین

دہلی کے باہر تعمیر ہوئی۔)

(۴۔ ۱۳۴ھ/۱۷۲۱ء میں محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں، دہلی کے مشہور

۴۔ سنہری مسجد

بازار چاندنی چوک میں فوارے کے قریب تعمیر ہوئی۔)

(۵۔ ۱۳۵ھ/۱۷۲۲-۲۳ء میں محمد شاہ بادشاہ کے عہد حکومت میں، دریہ

۵۔ مسجد شرف الدولہ

کلاں دہلی میں تعمیر ہوئی۔)

(بقیہ صفحہ ۵۴) ۱۔ فانس شاہ، دہلی پارٹائیٹڈ پرنٹ ۱۹۰۲ء

۲۔ گارڈن دروازے ہرن، وی سیلون سٹیز آف دہلی، لندن، ۱۹۰۶ء

۳۔ سرمنری شارب، دہلی، آکسفورڈ، ۱۹۲۸ء

۴۔ یہ مسجد لاہوری دروازہ کے قریب واقع ہے، شاہ جہاں بادشاہ کی اہلیہ سرمندی بیگم نے تعمیر کرائی تھی۔

۵۔ یہ مسجد فیض بازار میں واقع تھی، شاہ جہاں بادشاہ کی دوسری اہلیہ اعزاز النساء نے تعمیر کرائی تھی،

گردش زمانے سے یہ مسجد معدوم ہو چکی ہے۔ اس جگہ ایڈورڈ پارک بنا ہوا ہے۔ یہ مسجد اپنے زمانہ میں

علم و فضل کا مرکز رہی ہے۔

۶۔ یہ مسجد جہان آباد میں ہے جو شاہ جہاں بادشاہ نے بنوائی تھی، تفصیلات کے لئے شاہ جہاں نامہ، جلد سوم

صفحہ ۵۲ ملاحظہ فرمائیں۔

۷۔ محمد علی کنوئہ نے شاہ جہاں نامہ میں لکھا ہے کہ جامع مسجد دہلی کی بنیاد ۱۰۶۰ھ کو رکھی گئی اور چھ سال

بعد یعنی ۱۰۶۳ھ میں یہ تکمیل تک پہنچی۔ اس لئے ہمارا قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے کہ مسجد فتح پوری پہلے تعمیر ہوئی اور پھر

(بقیہ آگے)

۶۔ فخر المساجد

کے باہر تعمیر ہوئی۔

(۱۱۲۵ھ/۱۷۱۱ء میں محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں لالہ علی کے نیچے

۷۔ سنہری مسجد

تعمیر کی گئی)

ظاہر شاہ (شاہ افغانستان) کے شیخ طریقت مشہور و معترف بزرگ ملا شہر بازار رحمتہ اللہ علیہ کے صاحب دے صد المشائخ مولانا فضل عثمان صاحب مظلہ العالی فرماتے تھے کہ ان کے پاس ایک قدیم تاریخ ہے جس میں مسجد فتحپوری کو جامع مسجد سے بہت قدیم بتایا گیا ہے، چوں کہ یہ کتاب کابل میں ہے اس لئے راقم اس سے استفادہ نہ کر سکا، ممکن ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہمارے اس نظریہ کی توثیق ہو جائے کہ مسجد فتحپوری جامع مسجد شاہ جہانی سے قدیم تر ہے

جیسا کہ عرض کیا گیا مسجد فتحپوری کے متعلق مختلف مورخوں نے اپنے اپنے بیانات قلم بند کئے ہیں، یہاں ان بیانات کو ترتیب وار پیش کیا جاتا ہے۔

سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں مسجد فتحپوری کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

یہ مسجد اس بازار (چاندنی چوک) کی انتہا پر واقع ہے، بہت تحفہ اور نہایت نفیس، اور ایسی نیک نیتی سے بنائی ہے کہ اب تک اس میں بہت کار خیر ہوتے ہیں، اس مسجد میں صد ہا لوگ حافظ قرآن مجید ہوئے الحمد للہ علی ذلک۔ طول اس مسجد کا پینتالیس گز کا ہے اور عرض بائیس گز کا، اور سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ گنبد کے دونوں طرف ایوان در ایوان ہیں۔ تین تین در کے۔ اور، کرسی در اجارہ میں منبت کاری کی ہوئی ہے اور فرش بھی سنگ مرمر کا ہے اور دونوں کونوں پر دو مینارے ہیں جن میں تالیس گز کے اونچے۔ نہایت خوشنما مگر اس کی برجیاں ٹوٹ گئی ہیں، صرف مینار باقی ہیں اور اس مسجد کے آگے چبوترہ ہے۔ سنگ سرخ کا پین تالیس گز کا لمبا، اور پین تیس گز کا چوڑا، نر سنگ سرخ کا، اور اس چبوترے کے پائیں حوض ہے، نو آئین سولہ گز سے چودہ گز کا چاندنی چوک کی ہر میل میں سے ہو کر پانی آتا ہے اور گرد و محن کے اور بہتر ایوان ہائے عمدہ طالب علموں کے رہنے کو بنے ہوئے تھے، اور ان ایوانوں کے آگے سترائیں تین گز کے عرض سے چبوترہ، محن اس مسجد کا سو گز سے سو گز کا ہے اس کے عقب میں لاہوری تاورہ

۵۳ (بقیہ) نے جامع مسجد سے پہلے تعمیر شدہ مساجد کا اس طرح ذکر کیا ہے اگرچہ مساجد فراوان بحال فروشان بقاء خیر پیکر ان ساس طاقہ شاہ جہان ۱۱۲۵ھ/۱۷۱۱ء ص ۵۲ (حاشی صغہ ہذا دوسرے صفحہ پر)

Click For More Books

۱۔ اس مسجد کو اب فتحپوری بیگم نے بنایا ہے جو بی بی تھی شاہ جہاں کی (آثار الصنادید ۱۸۴۷ء) کے صفحہ ۵۷ پر فتحپوری کا نقشہ بھی دیا گیا ہے۔

۲۔ آثار الصنادید کے تیسرے اڈیشن (۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) مندرجہ بالا بیان کو کچھ بدل دیا گیا ہے، اس میں مسجد فتحپوری کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے :-

”شہر شاہ جہاں باڑیں اردو بازار اور چاندنی چوک آگے بڑھ کر یہ مسجد ہے، نواب فتحپوری بیگم زوجہ شاہ جہاں کی بنائی ہوئی ہے یہ مسجد بھی ۱۰۶۰ ہجری مطابق ۱۶۵۰ عیسوی کے بنی ہے۔“ (ص ۷۰-۷۱)

۳۔ سرسید حمد خاں کے بعد محمد عبدالغفور نے آثار الباقین (۱۲۹۱ھ) میں اس طرح ذکر کیا ہے :-

”سید شاہ جہاں میں نواب فتحپوری بیگم زوجہ شاہ جہاں بادشاہ نے لاہوری دروازہ شاہ جہاں آباد پاس یہ مسجد بنائی تھی، طول اس کا پین تائیس گز کا ہے اور عرض ۲۲ گز کا، دونوں میناروں کی بلندی پین تیس میں تیس گز کی ہے۔ منشی بلاقی داس، میرزا حیرت دہلوی اور مولوی سید محمد دہلوی نے بھی مسجد فتحپوری کا اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، میرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں :-

گھنٹہ گھر کے آگے فتحپوری بازار ہے، جس کی انتہا پر فتحپوری کی مسجد واقع ہے یہ مسجد شاہ جہاں کی بیوی نواب فتحپوری بیگم نے ۱۰۵۵ھ میں تعمیر کی تھی، اس مسجد کا طول ۲۵ گز کا اور عرض بائیس گز کا ہے، یہ سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اس کا ایک برج جو چوٹی کا دھاریلا

(حاشی صفحہ ۵۴) ۱۔ نہ معلوم سرسید یہ اندازہ کس طرح لگایا ہے، ان کی پیروی میں اور مؤرخوں نے بھی یہی لکھ دیا ہے ہمارے اندازے کے مطابق مسجد فتحپوری کا طول تقریباً ۱۰۰ گز ہو گا اور عرض بھی اتنا ہی ہو گا، ۲۔ سرسید کا یہ بیان صحیح نہیں، فرش سنگ مرمر کا نہیں، سنگ سرخ کا ہے۔

۳۔ یہ برجیاں عرصہ ہوا از سر نو تعمیر ہو چکی ہیں۔

(حاشی صفحہ ۵۴) ۴۔ سرسید حمد خاں: آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی، ۱۲۹۳ھ/۱۸۴۷ء، ص ۵۶۔

۵۔ محمد عبدالغفور: آثار الباقین (۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء)

۶۔ منشی بلاقی داس: غنیۃ عشرت المعترف بہ تحفہ مرغوب، ص ۳۷۔

۷۔ یہ مشہور گھنٹہ گھر جو چاندنی چوک میں میونسپل کارپوریشن کی عمارت کے سامنے تھا، عرصہ ہوا ایک حادثہ میں چانک کر پڑا۔ اب اس کی جگہ بیفوری شکل کا ایک باغیچہ ہے۔

بنا ہوا ہے اور دو مینار سے چونتیس گز بلند ہیں، مسجد کے سامنے محن پینتالیس گز کا لمبا اور
پنیتیس گز کا چوڑا سنگ سرخ کا ہے، محن کے آگے سولہ گز سے چودہ گز کا حوض ہے اس
مسجد کی چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے مکانات بنے ہوئے ہیں، اس کے تین
دروازے ہیں، ایک شمال میں کھاری باؤلی بازار کی طرف ہے، یہ باؤلی اب لوگوں میں ب
گئی ہے یہ شاہ جہاں آباد کی آبادی سے پہلے کی تھی، ۹۵۲ھ میں شیر شاہ کے عہد میں بنی شروع
ہوئی تھی اور چھ سال میں تمام ہوئی تھی (۹۵۷ھ)

دوسرا دروازہ مشرق میں چاندنی چوک کی جانب تیسرا جنوب میں بازار لال چاہ کی طرف ہے
جو کہ چاندنی چوک کی جانب گلاب اس پر دوسری منزل بنادی گئی ہے تاکہ کرایہ کی آمدنی بڑھ جائے
طالب علموں کے مکانات کے سامنے باغچہ تھا، جو اب خراب ہو گیا ہے، ۱۸۵۷ء کے غدار کے
بعد یہ سچر ضبط ہو گئی تھی جب ۱۸۷۶ء میں حضور قیصر ہند دہلی میں بحالت ولیعہد کی تشریف لائے
تو یہ مسجد ان سر نو مسلمانوں کی عبادت کے لئے اگراشت کر دی گئی تھی۔ اب اس کا انتظام ایک
کمپنی کے سپرد ہے۔ فتحپوری کے سامنے سے سیدھی سڑک لے کر اسٹیشن کی سڑک سجائی ہے
اس سڑک کے بائیں طرف کیمبرج مشن کا مکان ہے جو پہلے نواب صفور جنگ کا محل تھا جس جگہ
اب لکھنؤ اسٹیشن ہے ہاں پنجابی کٹرہ میں نواب و رنگ آبادی سکیم کی بنوائی ہوئی بہت بڑی
مسجد تھی۔ یہ خاتون اور رنگے سب بادشاہ کی بیوی تھیں یہ مسجد سرخ رنگ کی بنی ہوئی تھی
چراغ دہلی کے صفحہ ۳۵۲ پر مسجد فتحپوری کا فوٹو دیا گیا ہے۔ اسی مسجد کا حال مولوی سید احمد دہلوی نمبر شاہ
رفیع الدین محدث دہلوی نے اس طرح لکھا ہے۔

یہ مسجد ————— نہایت عظیم و خوبصورت، سنگین سرسے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہے
تمام صحن اور دونوں دالانوں کا فرش بھی سنگ سرخ کا ہے اس مسجد کا طول ۴۵ گز اور عرض
بائیس گز ہے، گنبد کے دونوں طرف تین تین در کے ایوان در ایوان میں کرسی اور اجارہ
میں منبت کاری ہوئی ہے دونوں کونوں پر پین تیس پین تیس گز کے دو مینارے

۱۔ مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں صرف مسجد کی جائداد ضبط ہوئی تھی جو بعد میں ۱۸۹۲ء میں اگراشت
۲۔ آجکل مسجد فتحپوری وقف بورڈ کی تحویل میں ہے جو دہلی کی تمام مسلم وقف املاک کی نگرانی کرتا ہے
۳۔ میراجیرت دہلوی، چراغ دہلی، مطبعہ نثرین پریس، دہلی ۱۹۰۲ء، ص ۳۵۱، ۳۵۲

ہی جو نہایت خوشنما بنے ہیں، صحن کے آگے سولہ گز سے چودہ گز کا حوض ہے، اس میں چاندنی
چوک کی نہر سے پانی آتا تھا، اب چار پانچ سال سے بند ہو گیا ہے، مسجد کے اٹنیں بائیں دالان
الطالب علموں کے رہنے کے حجرے بنے ہیں۔

یہ مسجد نواب فتحپوری محل بیگم زوجہ شاہ جہاں بادشاہ نے بنوائی تھی، اس کے متعلق بہت
سنی کامیں ہیں۔ عذر کیلئے ماننے میں یہ دکانیں ضبط ہو گئی تھیں۔

ابو محمد عبدالعزیز الباہٹی نے بھی آثار دہلی میں مسجد فتحپوری کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

اب آگے مسجد فتحپوری کی سیر کیجئے، یہ مسجد بھی ۵۴ گز طول میں ۲۲ گز لمبائی میں ہے
سر سے پاؤں تک مساح فرش، سنگ سرخ کی ہے، نواب فتحپوری محل بیگم زوجہ شاہ جہاں بادشاہ
کی بنوائی ہے۔ اس کے سامنے کا حوض جو بند ہو گیا تھا دوبارہ کھول دیا
گیا ہے، بہت نفیس ہے، حوض سے متصل دو بزرگ حضرت میراں شاہ نانا اور آپ کے سرپرست شاہ
جلال رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات ہیں۔

رکن الدین نظامی نے بھی حیات دہلی میں مسجد فتحپوری کا اجمالی ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

چوک کے مغربی رخ پر مسجد فتحپوری ہے جسے بیگم شاہ جہاں فتحپوری نے اپنے نام پر بنایا
ہے۔ یہ سنگ سرخ کی بہت خوبصورت بنی ہوئی ہے اس کے دو مینار ۵۴ گز کے ہیں اور اس
مسجد کا طول عرض ۲۵ × ۲۲ ہے اس میں سبکل مسلم ہائی اسکول فتحپوری بھی ہے۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم کے صاحبزادے مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے اپنی کتاب
واقعات دار الحکومت دہلی میں مسجد فتحپوری کا مفصل ذکر کیا ہے، ہم مسجد فتحپوری کی تاریخ کو ان کے بیان پر ختم
کرتے ہیں۔

مسجد فتحپوری

چاندنی چوک کے مغربی سرے پر نواب فتحپوری محل صاحبہ بیگم شاہ جہاں بادشاہ کی بنوائی
ہوئی نہایت عمدہ شاندار خوبصورت، سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی مسجد ہے، اس کے
شہر میں بس ہی مسجد ایک گنبد کی ہے جس کے دونوں جانب اونچی اونچی میناریں ہیں یہ عمارت
نہایت مضبوط ہے جس کا بڑا بھاری گنبد دور سے بہت بھلا دکھائی دیتا ہے، یہ مسجد پہلے ملنے

۱۔ مولوی سید احمد، یادگار دہلی، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، ۱۳۱۲ھ/۱۹۰۵ء، ص ۱۵۴۔

۲۔ محمد عبدالعزیز، آثار دہلی، (۹ دسمبر ۱۹۱۱ء)، مطبوعہ مطبع حقانی، دہلی، ص ۶۴۔ (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

میں بڑی بڑی برفوں تھی اور جس مقام پر بنی ہے وہ بھی شہر کا مرکز تھا، اب بھی اس مسجد کی حالت اچھی ہے اور اس کے گرد و پیش بازار ہے جہاں ہر وقت بھیڑ بھاڑ لگی رہتی ہے مسجد کے تین بڑے بڑے دروازے ہیں جن پر سنگ سرخ کا کنگورہ اور ادھر ادھر برجیاں ہیں، ان میں (سے) ہم مسجد کے وسیع صحن میں داخل ہوتے ہیں جو اسی گز مربع ہے اور جس میں تمام سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، شمال اور مشرق کی طرف دروازے ہیں نیٹ اونچے اور ستائیس فیٹ چوڑے ہیں جنوب کی طرف کا دروازہ ستائیس فیٹ مربع اور صرف اس فیٹ گہرا ہے، اس دروازے کی ڈیوڑھی آٹھ فیٹ چوڑی اور گیارہ فیٹ اونچی ہے مغرب کی طرف اصل مسجد کے فصرے والا ان میں جس کے اٹھ بائیں بڑے بڑے کمرے ہیں، مسجد کی ہر سہ جانب مسلسل دکانیں ہیں جس میں مشرق اور شمال کی طرف علاوہ دکانوں کے دو منتر بڑے بڑے شاندار کمرے بعد میں بنائے گئے ہیں۔ صحن مسجد میں ایک بہت بڑا صحن ہے ۱۶ x ۴۴ گز ہے، حوض اور مسجد کے درمیان کا چوترا ۳۰ x ۹۰ ہے، اب کے سارے صحن میں فرش ہو گیا ہے اور جتنی دکانیں مسجد کے احاطے کے اندر تھیں سب نکال کر کل حصہ مسجد میں شامل کر لیا گیا ہے اصل مسجد ۳۰ x ۱۲۰ اونچے چوترا ہے پر بنی ہوئی ہے جس کے والا سے ۱۳۰ x ۴۰ ہیں، پیش طاق یا صدر محراب بہت اونچی ہے۔ اس پر بھی کنگورہ اور دونوں طرف بڑی بڑی برجیاں ہیں۔ مسجد کا ایک ہی بڑا بھاری گنبد ہے، پیش طاق کے ہر دو جانب بارہ فٹ کے فصل سے دو دو والا تین تین دروں کے سنگری دار محرابوں کے ہیں جو تیس فیٹ اونچے اور دس فیٹ چوڑے ہیں، ان کی چھتوں پر بھی کنگورہ ہے، مسجد کے دونوں مینار اسی ہی فیٹ بلند ہیں جن کی برجیاں پہلے پتھر کی کھلی ہوئی تھیں، بعد میں چوڑے گچی کی بنا دی گئیں، مسجد کی چھت کے تینوں طرف کنگورہ ہے، مسجد کے عقب میں چار مینار سنگ سرخ کے صرف دس فیٹ اونچے ہیں، جن پر کنول بنے ہوئے ہیں، مسجد کے پیش طاق و دروازہ دوسرے دروں کے سلسلے میں تین سیڑھیاں ہیں۔ مسجد کا گنبد پھیلا ہوا کوٹھی دار وضع کا ہے، جو پتھر اور گچی کے چار فیٹ

(بقیہ صفحہ ۵۹) سید رکن الدین نظامی: حیات دہلی، مطبوعہ اورینٹل پبلیشرز، دہلی، ۱۹۳۳ء، ص ۲۷۔
(حوالی صفحہ ۵۸) سید ابے دروازہ صرف و فیٹ گہرا ہے۔ (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

01489

91A6P-14

انقلاب ۱۸۵۷ء میں سجد کی دکانیں حکومت برطانیہ نے ضبط کر لی تھیں اور ۲۹ ہزار روپے میں نیلام کر دیں جس کو ایک ہندو لال چھٹال نے خرید لیا تھا، ۱۸۹۲ء میں ابن رشدین صلح کل اسلامیہ کی طرف سے جامداو

[Click For More Books](#)

کی بازیافت کے لئے کوشش کی گئی چنانچہ ۱۸۹۵ء میں سجدہ کی کل جائداد و اگراشت سہو گئی اور ایک کمیٹی بنادی گئی جس کے سرگراں فٹ پی کمشنر صوفی مقرر کئے گئے، ایک عرصہ بعد جب سنی مجلس وقاف کی تشکیل ہوئی تو اس کے صدر شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم کو بنایا گیا جو اس وقت دہلی میں تھے، شہید ملت کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین (موجودہ صدر جمہوریہ ہند) اس کے صدر منتخب ہوئے، تقسیم ہند کے بعد جب قف بورڈ کی تشکیل ہوئی تو اس کا صدر مولانا حفیظ الرحمن مرحوم (ممبر پارلیمنٹ) کو بنایا گیا، یہ بورڈ اب بھی صلی کے وقاف کی نگرانی کر رہا ہے، اور اس کے صدر نور الدین بیسٹن صاحب ہیں۔

تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کے فوراً ہی بعد فسادات کے زمانے میں دشمنان اسلام نے اس سجدہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، اس پر آشوبہ میں یہاں حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز تشریف لے گئے تھے، اللہ تعالیٰ کی بے پناہ استقامت و عزیمت پسندی نے سجدہ کو دشمنوں سے محفوظ رکھا، ورنہ کیا کچھ نہ ہوا، جمعہ المبارک ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مسجد فتحپوری میں پہلا ایم گرا یا گیا اور ساتھ ہی شمال کی طرف سے شدید حملہ کیا گیا، اس کے بعد ۱۹۵۸ء تک تقریباً آٹھ مرتبہ وقتاً فوقتاً دستبردیں ہوئی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی پوری پوری حفاظت فرمائی مسجد کے باہر جنوب و شمال و مشرق کی طرف مسجد کی دکانیں و مکانات ہیں، تقسیم ہند سے قبل ان کی مدنی تقریباً سو ہزار روپیہ یا نہ تھی، مسلمان اور ہندو مشترکہ طور پر اس کے کرایہ دار تھے، اب ساری عمارات ہندو کے تصرف میں ہیں، ابکے دوکانوں میں مسلمان ہیں۔

مسجد فتحپوری میں زمانہ قدیم سے عرصہ عالیہ عربیہ قائم ہے، جہاں تقسیم ہند سے قبل بیرونی درسیں گاہیں | مالک کے طلبہ بھی بکثرت آتے تھے، مثلاً پاکستان، افغانستان، روس، طایا،

اندونیشیا، چین وغیرہ اور خود ہندوستان کے درواز علاقوں سے بھی آتے تھے مثلاً آسام، بنگال، بہار، پنجاب وغیرہ۔ اس میں تکمیل علوم عقلیہ و نقلیہ کے لئے آٹھ سالہ کورس تھا جواب نو سالہ ہو گیا ہے، ہزاروں طلبہ فارغ ہو چکے ہیں وریسوں زیر تعلیم ہیں، آج کل مندرجہ ذیل ساڈہ کرام تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، مولانا سجاد حسین صاحب (صدر المدین) مولانا عبد اللہ اٹم صاحب جلالی، مولانا عبد الباقی صاحب مولانا نصر اللہ صاحب مولانا محمد میاں صاحب قاری محمد سلیمان صاحب غیرہ وغیرہ۔ زمانہ قدیم میں جن علماء کرام نے یہاں تدریسی فرائض انجام دئے ہیں ان میں سے چند حضرات یہ ہیں :-

مولانا سیف الرحمن افغانی، مولانا محمد عالم پنجابی، مولانا عبد اللہ صافی اور مولانا کاظم علی صاحب

دہلوی وغیرہ حضرات ۱۳۳۰ھ اور ۱۳۳۳ھ سے درمیان مدرسہ میں موجود تھے، مولانا عبدالرحمن صاحب
مولانا احمد علی صاحب مولانا عبدالسبحان صاحب مولانا عطاء الدین صاحب سنبھلی وغیرہ،

۱۳۴۲ھ میں یہاں موجود تھے ۱۳۴۶ھ میں یہ حضرات بھی موجود تھے مولانا محمد حمید اللہ، مولانا عبدالعزیز
اور مولانا عبدالرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ مولانا سلطان محمود صاحب مولانا محمد ابراہیم صاحب،
مولانا ولایت احمد صاحب مولانا شریف اللہ صاحب مولانا اشفاق الرحمن صاحب مولانا عبدالعزیز صاحب مولانا
ناصر خلیق صاحب وغیرہ، ۱۳۵۸ھ سے ۱۳۶۶ھ تک موجود رہے، مولانا ولایت احمد صاحب تقسیم ہند کے
بعد بھی کئی سال تک ریسرچ فرائض انجام دیتے رہے اور بالآخر سنبھلی میں انتقال فرمایا۔

تقسیم ہند سے قبل تک مسجد فتحپوری میں وزیر تعلیم کلج بھی قائم تھا، جس میں علوم شرقیہ کی تعلیم دی جاتی تھی، جو
ساہا سال تک جاری رہی، اس میں مولانا فخر الحسن صاحب مولانا محبوب الہی صاحب در مولانا محمد ادریس صاحب
وغیرہ پڑھا رہے، تقسیم ہند کے بعد یہ کالج ختم ہو گیا،

مسجد فتحپوری میں ساہا سال سے تجوید و قرأت کا مدرسہ بھی قائم ہے، جہاں سے ہزاروں طلبہ حفاظ
و قراء بن کر نکلے ہیں سرسید محمد خاں نے بھی آثار الصنادید (۱۸۴۷ء) میں اس کا ذکر کیا ہے، اس مدرسہ میں تقسیم ہند
سے قبل سید قاری حفیظ الرحمن صاحب (فرزند سیدی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ) وغیرہ تدریسی فرائض انجام دیتے
رہے، آج کل قاری محمد سلیمان اور قاری
یہ فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مسجد کے جنوبی دالان کی بالائی منزل پر فتحپوری مسلم ہائی اسکول کی دو منزلہ عمارت ہے جو پچیس چالیس
سال سے قائم ہے۔ اس عمارت کے نیچے عرصہ سے پرائمری اسکول قائم ہے، مسجد کے شمالی دالان کی بالائی
منزل پر ہندوؤں کا ٹڈل اسکول ہے، خانہ خدا سے وہ بھی محروم نہیں۔

الغرض مسجد فتحپوری علوم قدیمہ اور جدیدہ کی تعلیم و تدریس کا مرکز رہی ہے اور اب بھی ہے، حتیٰ کہ اب
تو ہندی زبان کی بھی تعلیم دی جاتی ہے،

مسجد کے جنوبی دروازہ کے اوپر شنگ سرخ کی ایک عمارت ہے، اس میں تقریباً نصف صدی سے
فتحپوری مسلم لائبریری کے نام سے ایک کتب خانہ قائم ہے جس میں ہر علم و فن پر ہزاروں کی تعداد میں کتابیں موجود
ہیں۔

شمالی دروازہ کے ساتھ ہی بالائی منزل پر ایک مائٹ ہوٹل کی آزادی کے اکی مولانا حبیب اللہ سندھی
نے اپنا دفتر قائم کیا تھا، یہیں پر تقسیم ہند سے بہت پہلے مولوی عبدالغنی مرحوم نے انجمن ترقی اردو کا دفتر
قائم کیا تھا۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

دارالافتاء | اس مسجد میں ایک صدی سے زیادہ عرصہ سے دارالافتاء قائم ہے، جہاں سے پورے پاکستان ہندوستان اور بیرونی مسلم ممالک کے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں، اول اول علی حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً تیس تیس سال تک فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دئے اور اس فن میں بڑی شہرت حاصل کی، موصوف کے بعد ان کے پوتے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ ساٹھ سال تک یہ فرائض انجام دیتے رہے اور اس فن میں وہ کمان ہم پہنچا یا کہ باید و شاید، حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادگان میں حضرت مولانا مظفر احمد صاحب اور حضرت مولانا مشرف احمد صاحب بھی فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیتے رہے اور بڑا کمال حاصل کیا، ابھی حضرت مفتی صاحب کے دو سکر صاحبزادے مولانا مشرف احمد صاحب مسجد فتحپوری میں فرائض فتویٰ نویسی انجام دئے ہوئے ہیں۔

درگاہ حضرت میراں شاہ | مسجد فتحپوری کے مشرقی حدود وازہ سے داخل ہونے کے بعد شمال مغربی سمت حوض سے متصل ایک درگاہ ہے جس کے ارد گرد سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں، اس میں کئی مزارات ہیں، راہنی جانب پہلی قطار میں حضرت میراں شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے اور ان کے ساتھ ان کے خلیفہ حضرت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ حضرت میراں شاہ نانور، شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی (م۔ ۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۸ء) کے صاحبزادے ہیں تھے، وطن مالوف تھانہ سر تھا، نسباً فاروقی تھے اور شیخ جلال الدین تھانہ سری (م۔ ۱۱۵۹ھ / ۱۷۵۷ء) کی اولاد و اجماد سے تھے جو سلسلہ چشتیہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید و خلیفہ تھے۔

درگاہ کے بائیں جانب تھانہ سری قطار ہے جس میں انقلاب ۱۸۵۷ء میں شہید ہونے والے چند شہداء کے مزارات ہیں، ان دونوں قطاروں کے وسط میں جو جگہ خالی تھی وہاں حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری قدس سرہ العزیز کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص عام ہے، بڑی مقبول و محبوب ہے یہ مقدس سرزمین جہاں اہل اللہ اور شہداء کی عقل سچی ہوئی ہے، ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان نفوس قدسیہ پر جن کو اللہ نے اپنے گھر میں یہاں رکھ کر سر بلند و سرفراز فرمایا۔

حضرت میراں شاہ نانور وغیرہ کے حالات پر مختلف تذکرہ نگاروں نے روشنی ڈالی ہے مثلاً سرسید محمد خاں، مولوی سید محمد دہلوی، مولانا محمد عالم شاہ وغیرہ، سرسید محمد خان نے آثار الصنادید (۱۲۶۳ھ) کے صفحہ ۴۸ پر چوتھے باب میں لکھا ہے اور صفحہ ۴۹ پر شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے، تذکرہ اہل اہل بی کے نام سے آثار الصنادید کا حصہ شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے :-
اہل وطن آپ کا تھانہ سر ہے، سلسلہ حضرت کا جناب برکت انتساب سرگروہ اہل اللہ شیخ

جلال الدین تھانیسری علیہ الرحمۃ تک کئی واسطوں سے پہنچتا ہے، بعد تحصیل کمال اور تحصیل فیوض باطنی کے شہر شاہ جہاں آباد میں وارد ہو کر مہر مسجد فتحپوری میں ایک حجرہ واسطے سکونت کے اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ ان کی کرامت اور فیض باطنی کا شہرہ ایسا پڑا کہ، کچھ مہ کو اعتقاد آپ کی خدمت میں ہم پہنچا۔ اکثروں کو آپ کے فیض ہدایت سے فوائد کثیرہ حاصل ہوئے، اسی برس کی عمر کے قریب وفات پائی اور اسی مسجد کے حرم میں مدفون ہوئے۔
عرس آپ آج تک بدستور ہوتا ہے۔ ۱۷

حضرت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں اس کتاب میں لکھا ہے :-

یہ خلیفہ تھے حضرت میراں شاہ نانوا صاحب مغفور کے، اس وفات کا آدمی اس چیز و زمان میں بہت کم یا سب، حضرت میراں شاہ نانوا صاحب کے حجرہ میں مسند خلافت پر بیٹھ کر عجم کی اور نفس اپنی دنیا کی طرف رجوع نہ کی، باوجود توکل کے لشکر شام کے وقت۔ مساکین اور فقراء کو آپ کی طرف سے تقسیم ہوتا تھا، یہ حضرت بھی بعد وفات کے پیر کی قبر کے قریب مدفون ہوئے ۱۸

مولوی سید احمد دلی اللہی نے بھی حضرات میراں شاہ نانوا کا ذکر کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے :-

آپ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی علیہ الرحمۃ کے معاصر ہیں، آپ کا وطن تھانیسریہ اور سلسلہ نسب کئی واسطوں سے شیخ جلال الدین تھانیسری علیہ الرحمۃ سے جاملتا ہے آپ ظاہری اور باطنی کمالات حاصل کر کے شاہ جہاں آباد میں وارد ہوئے اور حرم مسجد فتحپوری میں ایک حجرہ میں سکونت اختیار کی، رفتہ رفتہ آپ کی کرامات اور فیوض باطنی کا یہاں تک شہرہ ہوا کہ چھوٹے بڑے سب آپ کی خدمت میں عقیدۂ حاضر ہو کر فیض یا بے لگے، بہت عرصہ تک برابر فیض جاری رہا، آخر تقریباً اسی برس کی عمر میں وصال ہوا، اسی حاطہ میں مدفون ہوئے، آپ کے بعد آپ کے خلیفہ شاہ جلال علیہ الرحمۃ نے آپ کے حجرے میں مسند خلافت پر بیٹھ کر تمام عمر یاد الہی میں بسر کی اور تا انتقال اہل دنیا کی طرف التفات نہ کی بعد وفات

۱۷ سرسید احمد خاں : تذکرۃ اہل دہلی، مرتبہ قاضی احمد میاں خرمجو ناگڑھی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۵ء، ص ۳۲
نوٹ :- تاریخ دہلی دسید احمد کے صفحہ ۷۵ پر حضرت میراں شاہ کا تفصیلی ذکر موجود ہے

۱۸ ایضاً، ص ۳۲

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

یہ بھی اپنے پیر کی قبر کے برابر مدفون ہوئے۔
مولانا محمد عالم شاہ نے بھی مولوی سید احمد کی طرح سرسید احمد خاں کا بیان نقل کر دیا ہے، مزید یہ لکھا ہے
کہ حضرت میراں شاہ نالو کا وصال محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۰ھ میں وصال العظمیٰ
کو ہوا، اور شاہ جلال کا انتقال ۹ ربیع الاول کو ہوا۔

جیسا کہ سرسید احمد خاں نے لکھا ہے مسجد فتحپوری بازار چاندنی چوک کی انتہا
پر واقع ہے، مسجد کا مشرقی دروازہ اسی بازار میں کھلتا ہے یہ ایک تاریخی اہمیت کا
حامل ہے کسی مانے میں اس کی بڑی شہرت تھی اب اس بازار کی بد حالی کو دیکھ کر حیرت کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

مرے غم خانہ مصیبت کی = چاندنی بھی سیاہ ہوتی ہے
آج سے دوسو برس قبل اس بازار کی جو کیفیت تھی وہ حیدر آباد و کن کے نواب قلی خاں کی زبانی کہتے
جنہوں نے ۱۱۵۱ھ میں اس کی سیر کی تھی، بخوف طوالت تلخیص ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔
تلخیص و ترجمہ

چاندنی چوک (دہلی کے) تمام چوراہوں و درگزر گاہوں سے زیادہ حسین و رعنا ہے، نفاست
پسندوں کے لئے تماشا گاہ اور نازک مزاجوں کے لئے سیر گاہ ہے یہاں ہر قسم کے پار چہرے
اور ساز و سامان موجود ہے، کونے کونے اور گوشے گوشے سے دنیا کی نادر و نفیس چیزیں،
دیکھنے والوں کے دل کھینچ لیتی ہیں۔ اس چوک کے تمام راستے کشادہ و فراخ ہیں ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ آغوش رحمت کھلا ہوا ہے، اس بازار کے بیچوں بیچ ایک نہر رواں ہے
جو اربعین کی طرح صاف و شفاف پانی سے بھری ہوئی ہے، ایک جانب جوہری اپنی اپنی
دکانوں میں بڑے اطمینان سے بے نیازانہ بیٹھے ہیں سامنے لعل گوہر کے انبار لگے ہیں اور
دال سیٹھی میٹھی باتیں کر کے خریداروں کو ترغیب دے رہے ہیں، دوسری طرف تابڑوں
نے قسم قسم کے کپڑے اور ضرورت کی تمام چیزیں کانوں پر بڑے سلیقے سے جاکھی ہیں اور ایک
لگا لگا کر خریداروں کو پھسلارہے ہیں، عطاریوں کے ہاں قسم قسم کے روایح و عطریات

۱۔ سید احمد ولی اللہی: یادگار دہلی، مطبوعہ دہلی، ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء، ص-۱۵۶ و ۱۵۷
۲۔ محمد عالم شاہ: مزارات اولیائے دہلی، مطبوعہ دہلی، ۱۳۲۶ھ، ص-۱۳۸ و ۱۳۹ (طبع اول ۱۳۲۶ھ)

موجود ہیں ان کی چکنب پٹری باتیں، دالوں کی لچھے دار گفتگو خریداروں کا دل لپکائے بغیر نہیں رہتی، ہر چیز ایسی لطیف و نفیس ہے کہ خریدار اس کو دیکھ کر پھسلے بغیر نہیں ہو سکتا، تلواروں کو دیکھتے کہ دیکھتے ہی غبوب کی ابروئے خمدہ نظروں میں پھر جائے، دوسری طرف وضع وضع کی کناریں دیکھتے تو معلوم ہوتا ہے کہ سانپ بائیں نکالے حریف کو دعوت مبارزت دے رہے ہیں جی سامان اس کثرت سے ہے کہ خریداروں کے حوصلے بہت ہوتے جاتے ہیں، رنگ بزرگ مٹلا اور بلوریں صندوقچیاں دکانون پر سلیقے سے سجی ہیں، دل پسند اور رنگین پیالے اس صحن خوبی سے رکھے ہیں کہ ہر صد سالہ بھی شراب کی آرزو کر بیٹھے، قسم قسم کے کپڑے، قریب قریب اس نفاست و لطافت کے ساتھ رکھے ہوئے ہیں کہ شاید امرلہ کے دولت کدوں میں بھی نہ رکھے ہوں گے ان مناظر سے قطع نظر شام کی فضاؤں میں وہ رنگ بزرگ کے جلو سے نظر آتے ہیں کہ اس کو دیکھ کر شفق خون خون ہوئی جاتی ہے، یہاں ہ لطف و سرور ہے کہ سیرچمن میں بھی نہیں اس چوک کے بچوں بیچ ہونے والے ہیں جہاں شعراء اور اہل فن و فنون روزانہ جمع ہوتے اور عطا و سخن لیتے ہیں امرادہلی بھی باوجود اپنی عظمت و شوکت کے چاندنی چوک کی سیر کو آتے ہیں الغرض اس بازار کی دو کدوں میں ایسی سی ناورد نفس چیزیں روزانہ دیکھنے میں آتی ہیں کہ اگر قارون کا خزانہ بھی میسر آجائے تو وہ بھی وفانہ کرے، لے

تقریباً سو برس بعد سرسید احمد خاں نے بازار چاندنی چوک و اس سے متصل یکم باغ کا آنکھوں کیجا حال اس طرح لکھا کہ اس کے آگے چاندنی چوک، یعنی اس مقام کے آگے چار سوائی گز کا لمبا بازار ہے، اور اس مقام پر ایک چوک ہے۔ مٹمن سو گز سے سو گز میں و اس کے نیچ میں بھی مٹمن محض ہے، اس چوک کے چاندنی چوک کہتے ہیں، خوبی اور خوشنمائی اس کی بیان سے باہر ہے، آدمی کی طاقت نہیں کہ بیان کر سکے تیسرے پہر کو اس چوک میں عالم طلسمات ہوتا ہے اکثر جوانان جوان ل و امراء اور شاہ زادے سیر کرتے کو آتے ہیں در سیر کرتے پھرتے ہیں، اس چوک کے گرد و کانیں تین تین سو گز اور خوشنمائی کے ساتھ بنی ہوئی ہیں و ان میں ہر قسم کے سوئے والے بیٹھتے ہیں تمام دنیا کی چیزیں یہاں ہم پہنچ سکتی ہیں و ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ خامہ زبان کو اس کی بیان کی طاقت نہیں لے

چاندنی چوک کے متصل یکم باغ تھا جس کا آنکھوں کیجا حال سرسید احمد خاں نے اس طرح لکھا ہے :- اس چوک کے جانب شمال مکانات دل کشا اور لچپ بنے ہوئے تھے، اور ایک بلوغت خانہ سو گز

لے نواب قلی خاں : مرقع دہلی (۱۱۵۱ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن، ص ۱۹۱ تا ۱۹۲ سرسید احمد خاں : آثار الفسادیہ

گزر کا لمبا اور دو سو چالیس گز کا چوڑا اور اس باغ میں عجیب عجیب دریاں و درگاہیں تھیں اور نہر جاری تھی اور ہر جا حوض و فوارے تھے اگرچہ اب صورت نہیں رہی کثر لوگوں نے اس میں مکانات بنائے ہیں اور ایک سی برنگی ہے لیکن اس پر بھی باغ موجود ہے اور نہر جاری ہے اور لگنے مانے کی کیفیت یاد دلاتی ہے اس چوک کے جنوب کی طرف بھی اس عمارت کے جواب میں عمارت دل کشا بنی ہوئی تھی جہاں چہاب بھی اس کا نمونہ باقی کیا ہے یہ باغ صاحب آباد کریم سوم تھا اور یہ سب عمارت اور باغ جہاں آج تک بنٹ شاہ جہاں بادشاہ کے حکم سے بناتھا جس کے دیکھنے سے نقش عمارت شکستہ خیال میں پھر جاتا ہے، بیت

از نقش و نگار در دیوار شکستہ آثار پیداست صنادید عجم را

کھاری باؤلی مسجد فتحپوری کے شمال مغربی سمت کا پورا علاقہ کھاری باؤلی کے نام سے مشہور ہے یہ علاقہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے، یہ باؤلی سنہ ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء میں سلام شاہ بن شیر شاہ سوری کے عہد میں کنوئیں سے باؤلی بنادی گئی تھی، اس کے متصل ایک مسجد بھی ہے جو ۱۱۵۳۹ھ اور ۱۵۴۵ء کے درمیان تعمیر ہوئی، یہ مسجد آجکل کوچہ نواب مرزا متصل مسجد فتحپوری میں واقع ہے، صاحب متاع التواریخ نے کھاری باؤلی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

ایں باؤلی در عقب جامع مسجد متصل لال کنواں در شاہ جہاں آباد واقع است آں راعما و الملک عرف خواجہ عبداللہ لاؤرقیشی در اول سال جلوس سلام شاہ بن شیر شاہ بنانہادہ بود، در سہ نہ صد چہا و ہشت با تمام رسانید آثار ثانی الی الآن موجود است و عبارتے چند بخط عربی بر دروازہ دیوار آں منقوش است آں چہ کہ بر دروازہ و دیوار آں کندہ است این است :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم - در عہد زماں سلطان السلاطین و الظفر اسلام شاہ بن شیر شاہ

سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانیہ بنا کردہ ایں چاہہ توفیق اللہ و برحق رسول اللہ ملکہ عماد الملک عرف

خواجہ عبداللہ لاؤرقیشی بدار الملک حضرت دہلی فی سنہ اشنی و خمین و تہماۃ - قط - ۳۵

تلخیص و ترجمہ یہ باؤلی جامع مسجد کے عقب میں لال کنوئیں کے قریب شاہ جہاں آباد میں واقع ہے سلام شاہ بن شیر شاہ سوری کے اول سال جلوس میں عماد الملک عرف خواجہ عبداللہ لاؤرقیشی نے اس کی بنیاد رکھی تھی، سنہ ۹۵۸ھ ہجری میں یہ پایہ تکمیل کو پہنچی، اس کے آثار اب تک موجود ہیں، اس کی دیوار پر عربی میں ایک عبارت کندہ ہے :-

۳۵ بشیر الدین احمد واقعات دار الحکومت دہلی، جلد سوم

۳۵ یہ باؤلی جامع مسجد کے عقب میں نہیں بلکہ مسجد فتحپوری کے عقب میں ہے، ۳۵ ولیم ہل، متاع التواریخ

پانچواں باب

کرامات ووصال

کرامات

جو سیرت مقدسہ، سیرت مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار ہو وہ خود ایک بڑا کرامت ہے، عام لوگ اہل اللہ کے حالات زندگی میں کرامات اور خرق عادات کے تلاشی رہتے ہیں، ان کے ذوق کی تسکین اسی سے ہوتی ہے، حالانکہ اگر نظیر غائر دیکھا جائے تو اہل اللہ بذات خود جو کرامات ہیں، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بنفس نفیس ایک کرامت تھی، ایسی کرامت جس سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا، من جملہ ان کرامات کے چند ایک یہ ہیں :-

(۱)

اعلیٰ حضرت کے پڑپوتے حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب (کراچی) فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۹۴۴ء/۱۳۶۴ھ) فرماتے تھے کہ جب اعلیٰ حضرت کا وصال ہونے لگا تو آپ نے فرمایا تجھ کو یکنین فاتحہ وغیرہ میں اگر اخراجات زیادہ ہو جائیں تو میرے انتقال کے تیسرے روز ایک نقاب پوش بزرگ آئیں گے ان کو بتا دینا وہ روپے ادا کریں گے، چنانچہ حسبِ رشا د گرامی انتقال کے تیسرے روز ایک نقاب پوش بزرگ تشریف لائے اور دروازہ پر دستک دی، دروازہ کھولا گیا، آپ نے صاحبزادگان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی چنانچہ مولانا عبدالعزیز صاحب اور مولانا عبدالرشید صاحب (م۔ ۱۹۴۶ء) تشریف لائے اور اخراجات کی تفصیلات بتا دیں آپ نے ہماری رقم ادا کر دی اور تشریف لے گئے، جاتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے ایک مرید ان بزرگ کے پیچھے پیچھے ہوئے، کچھ فاصلہ پر جا کر حقیقت حال معلوم کرنا چاہی تو ان بزرگ نے نقاب الٹ دی، یہ مرید یہ دیکھ کر حیران رہ گئے وہ نقاب پوش خود اعلیٰ حضرت ہی تھے، قدس سرہ العزیز۔

(۲)

پروفیسر سلیم سلطانہ دواش پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ، ایک واقعہ نقل کیا، انہوں نے فرمایا کہ ایک روز اعلیٰ حضرت کی نماز تہجد قضا ہو گئی، آپ اس غم میں الحاح و زاری فرما رہے تھے کہ چنانک چہرہ شریف میں ایک واڑ سنی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا چہرہ،

بقعہ نورین گیا، بجلی کی سی ایک کڑک سنائی دی، پھر کچھ نہ تھا۔

(۳)

مہتمم حکیم احمد حسین صاحب (حیدر آباد سندھ) فرماتے تھے کہ جب اعلیٰ حضرت الود تشریف لائے تو حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب کے ہاں ایک چارپائی پر استراحت فرمائی، آپ کے تشریف لے جانے کے بعد جس مکان میں چارپائی رکھی ہوئی تھی، اتفاق سے اس میں لگ لگائی، مکان کا سارا ساز و سامان جل گیا لیکن اس چارپائی کا بان تک نہ جلا جس پر اعلیٰ حضرت نے آرام فرمایا تھا۔

(۴)

مولانا عبدالعزیز (جام شورو) اعلیٰ حضرت کے مریض خاص مولانا ارشاد علی سے یہ واقعہ نقل کرتے تھے کہ جس گلی میں حضرت کا مکان شریف تھا، وہاں ایک ہندو رہا کرتا تھا، اس دور سے کہہیں آتنا سا منا ہو گیا تو مشرف باسلام ہونا پڑے۔ چھپا چھپا پھر تا تھا، ایک دن اعلیٰ حضرت نے اسے دیکھ لیا، آپ کی نظریں اس پر پڑیں اور کام تمام ہو گیا۔

ایک ہی بار ہوئیں جو گرفتاری دل
النفات ان کی نگاہوں سے دوبارہ نکلا

کسی کو نہیں معلوم کہ اس ہندو کی کایا پٹ چکی ہے، جب اس کا انتقال ہوا اور ار تھی خیم میں جلائی گئی تو حاضرین یہ حال دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نہیں جلا
آخر معلوم ہوا کہ نگاہ محبوب کا شکار ہو چکا ہے چنانچہ اس کی لاش اعلیٰ حضرت کی خدمت میں لا کر رکھ دی آپ مسجد فتحپوری میں پہلے ہی کسی نامعلوم مہمان کے منتظر تھے، معلوم ہوا کہ اس عاشق صادق کا انتظار تھا، چنانچہ اس کو غسل دیا گیا، کھنایا گیا، اعلیٰ حضرت نے نماز پڑھائی اور دفن کر دیا گیا۔

(۵)

حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب (حیدر آباد) فرماتے تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ایک روز مولانا دھار بارش ہو رہی تھی، رات کا وقت تھا اور اعلیٰ حضرت مکان شریف میں استراحت فرما رہے تھے، باہر بارش میں ایک گھوڑا کھڑا ہوا تھا، جو اعلیٰ حضرت کو کسی مریض سے پیش کیا تھا، اعلیٰ حضرت اس کی تکلیف کے خیال سے

Click For More Books

آرام نہ فرما سکے، فوراً دروازہ کھولا، دست مبارک دروازے کی بالائی چوکت پر رکھے ہوئے تھے، مولانا رکن الدینؒ کو یاد فرمایا جو اس وقت خدمت بابرکت میں حاضر تھے، اور فرمایا، کہ گھوڑے کو کھول کر اندر باندھ دو، اس کی تکلیف کی وجہ سے ہم آرام نہ کر سکے۔ چنانچہ اسی وقت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ بابر تشریف لے گئے، اعلیٰ حضرتؒ نے چوکت پر ہاتھ کیا رکھا کہ اچانک بارش رک گئی، مولانا رکن الدین صاحب گھوڑے کو اندر لے آئے اور مطلقاً بارش کا اثر نہ ہوا، جب اندر تشریف لے گئے تو اعلیٰ حضرتؒ نے چوکت سے ہاتھ ہٹا لیے، اچانک موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

وصال اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۰ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء بروز بدھ صبح نویں بجے دہلی میں ہوا، محمد عظیم گوپاموی نے لکھا ہے۔

تاریخ وصال حضرت مرشدی قدس سرہ دسجم رجب ۱۳۰۹ھ یوم پہار شنبہ بوقت نواخت نہ گھنٹہ صبح، و تدفین بوقت نواخت ۳ گھنٹہ بعد و پھر فقد قولوا انا لله وانا الیہ راجعون۔

محمد عظیم گوپاموی نے چند تاریخی مادے بھی نقل کئے ہیں، چننا ایک ہیں۔

حبیب غفور ۱۳۰۹ھ
چراغ ہند الہی ۱۳۰۹ھ
ولی چراغ ہند ۱۳۰۹ھ

یہ مادہ تاریخ کسی نے بہت ہی خوب نکالا ہے
ہے بے بجا ہے چراغ دہلی
۱۳۰۹ھ

ایک قلعہ تاریخ وفات بھی لکھا ہے جو غالباً حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے بہت خوب، :-

معدوۃ فوجہاں ہم شمع بزم عارفان
شان نبی، جاہ علی، ہم نور حق سترایا
عنیت نوازش چارسو من فیضہ لاتنظوا
براشت از عالم قدم پے سال و شش انعدم
محبوب بلم یزل صلو علیہ وآلہ
برہان ایمان و ملل حسنت جمیع خصالہ
بدر الدجی، صدر الاجل، کشف لدجی بمالہ
سعدی بگفتار ازل بلغ اعلیٰ بکمالہ

۱۳۰۹ھ
۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء ص ۸۰- ۸۱ ایضاً ص ۸۰-۸۱

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک درگاہ خواجہ باقی باللہؒ میں شمال مغرب کی طرف ایک ٹما
ہیچ، آپ کے سر پر ایک طویل و عرض سنگ مرمر کا کتبہ لگا ہوا ہے جس پر یہ دو شعر کندہ ہیں :-
حضرت مسعود، غوث وقت، قطب الاولیاء کاشف ستر حقیقت، در شریعت مقتدا
کرد جلالت جہت، تاریخ حلی دل بگفت یا گویش المشائخ، یا حبیب دین ما
۱۸۹۲ء ۱۳۰۹ء

یہ کتبہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ حضرت حیم اللہ صاحبؒ نے لکھا تھا جو فن خطاطی میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا عرس شریف ۱۰ رجب المرجب کو مسجد فتحپوری، دہلی میں باقاعدہ ہوتا ہے
اعلیٰ حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا رکن الدین شاہؒ ۳۰۹ھ سے ۳۵۵ھ تک الور شریف میں بریل عرس
کراتے رہے، اب کراچی و راولپنڈی وغیرہ میں آپ کے پوتے اور میردین و معتدین عرس کرتے ہیں۔
اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا احمد سعید صاحب آپ کے
جانشین ہوئے، جب مدینہ منورہ میں ان کا وصال ہو گیا تو ۱۳۱۱ھ میں اعلیٰ حضرت کے چوتھے صاحبزادے
مولانا عبدالرشید صاحب آپ کے جانشین ہوئے، مسجد فتحپوری کی امامت و خطابت کے شاہی فرائض بھی
ادا کرتے رہے، جب اعلیٰ حضرت کے فرزند اکبر مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مفتی،
اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز سن بلوچ کو پہنچے تو امامت کا کچھ بار آپ کو تفویض کر دیا لیکن جب
علوم عقلیہ و نقلیہ و دفن تجوید قرأت اور حفظ قرآن سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا عبدالرشید صاحب
کوشہ نشین ہو گئے اور امامت و خطابت اور فتویٰ نویسی کی ساری ذمہ داری کلیدیہ حضرت مفتی اعظم
کو تفویض کر دی گئیں، آپ نے تقریباً ۲۰ سال تک یہ فرائض حسن و خوبی ادا فرمائے اور یہ اشہان اعظم
۱۳۸۲ھ کو دہلی میں وصال فرمایا، آپ کی اولاد امجا و اولاد و اولاد ان خویشوں کی مالک ہے جو ان
مناصب جلیلہ کے لئے ضروری ہیں، اس طرح حضرت مفتی اعظم نے نہ صرف یہ کہ آبائی ذمہ داریاں
کو باحسن و جوہ پورا فرمایا بلکہ اپنے اخلاف میں لائق افراد کا ایک طویل سلسلہ چھوڑا ہے۔

لے بشیر الدین احمد دہلوی : واقعات دار الحکومت دہلی، جلد سوم، مطبوعہ آگرہ، ص ۵۲۰۔

Click For More Books

چٹاب

اولاد امجاد

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

Marfat.com

اولادِ امجاد

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شادی مولانا خیر شاہ خاں خلیفہ شاہی مسجد جامع نقیوی، دہلی کے صاحبزادی مخدومہ عائشہ بیگم (علیہا الرحمۃ) سے ہوئی، موصوفہ سے ایک صاحبزادے تولد ہوئے جن کا اسم گرامی مولانا محمد سعید (رحمۃ اللہ علیہ) تھا، یہ حضرت مفتی اعظم محمد ظہار اللہ قدس سرہ العزیز کے والد ماجد تھے، دوسری شادی خاندان سادات میں مخدومہ افضل بیگم (علیہا الرحمۃ) سے ہوئی، ان سے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ مولانا احمد سعید، مولانا عبد المجید، مولانا عبد الرشید، مولانا حبیب اللہ اور محترمہ سعیدہ النساء رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت کے فرزند اکبر تھے، علوم مروجہ کی تحصیل اعلیٰ حضرت سے فرمائی تھی، حضرت ممدوح ہی سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت بھی تھے اور اجازت بھی حاصل تھی، آپ صاحب نسبت بزرگ تھے اور عالم جذب میں ہا کر تھے، طبیعت جلالی پائی تھی، ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کے ایک مرید مولوی نجیب اللہ علیہ الرحمۃ بھو غصہ آیا تو فرمایا کہ تو چھ مہینے تنگ پہر پہرے گا۔ چنانچہ چھ ماہ کے دوران جب کبھی جو تاخیر آ، چوکی ہو گیا۔ ایک روز اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ”نہ معلوم ہمارے تلوے کیوں جلتے ہیں“۔ اللہ اللہ مریدین سے تعلق خاطر ہو تو ایسا ہو! — عرض کیا گیا کہ چھ ماہ سے نجیب تنگ پہر پہر رہے ہیں، آپ نے روپے دئے اور فرمایا کہ جو تاخیر کر پنا دو، چنانچہ پنا دیا گیا، جب حساب لگایا گیا تو اس وز پورے چھ مہینے ہو چکے تھے۔

حضرت مولانا رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت کے خاص مرید اور خلیفہ تھے، ایک روز عالم جذب میں حضرت مولانا محمد سعید صاحب نے ان سے فرمایا۔
”رکن الدین جاؤ ہم نے تم کو اپنا خلیفہ مقرر کیا“

اے اعلیٰ حضرت نے حال کے وقت مولوی نجیب سے فرمایا تھا کہ اب ہمارے بعد تم کو نسبت پہنچانے والا یہاں نہیں ہے گا، تم عرب چلے جانا اور وہاں بیت اللہ سے نسبت حاصل کرنا چنانچہ اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد مولوی نجیب اللہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور غالباً وہیں وصال فرمایا۔

(بحوالہ مکتوب قاضی احمد رضا خاں عمرہ، ۲۷ جون ۱۳۲۶ھ انعام آباد (بھارت))

Click For More Books

یہ شانہ سے قبل کی بات ہے جب حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت نہیں ملی تھی وقت آیا اور شانہ میں اعلیٰ حضرت نے خلافت سے نوازا۔ عالم جذبہ کینف میں جو کچھ فرمایا تھا وہ اسی طرف غمازی کر ہاتھ اہل اللہ کے اسرار وہی خوب جانتے ہیں،

حضرت مولانا محمد سعید کا وصال عین جوانی میں ۱۲ شعبان ۱۲۸۹ھ کو دہلی میں ہوا مزار مبارک درگاہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ میں شمال مغرب کی طرف ایک حاطہ میں اعلیٰ حضرت کے پہلو میں واقع ہے، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اوہ تاریخ وفات اس آیت کریمہ سے کیا خوب نکالا ہے،

”قد فانا فوناً عظیماً“ (۱۳۰۷ھ)

حضرت مولانا محمد سعید کے ہاں دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز آپ شانہ ۱۲۸۳ھ میں تولد ہوئے اور مظہر قیوم رحمۃ اللہ علیہ آپ شانہ ۱۳۰۵ھ میں تولد ہوئے، موخر الذکر نو عمر ہی میں وفات پا گئے تھے۔

اعلیٰ حضرت کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ **مولانا احمد سعید** تھے، آپ نے بھی علوم مروجہ کی تحصیل اعلیٰ حضرت سے فرمائی، آپ ہی بیعتی تھے بیعت کا واقعہ یہ ہے کہ جن مانے میں تحصیل علوم میں مصروف تھے اس وقت اعلیٰ حضرت کی خواہش تھی کہ بیعت ہو جائیں، مگر وہاں علم کی لوگی ہوئی تھی اس طرف توجہ نہ تھی۔ ایک دن اعلیٰ حضرت نے بڑے افسردگی کے عالم میں اپنے خلیفہ حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب فرمایا احمد سعید بیعت نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کیوں کہ ان کے ہم عمر ہی تھے اور بے تکلفانہ راہ و رسم تھی اس لئے بیعت کے ترغیب لائی، اس پر حضرت مولانا احمد سعید نے فرمایا کہ ”تیاں پڑھائی رہ جائیگی۔ پڑھ لوں تو پھر مرید ہوں۔“ جب حضرت مولانا رکن الدین صاحب نے زیادہ اصرار فرمایا تو بیعت ہونے پر راضی ہو گئے، اعلیٰ حضرت کو اطلاع دی گئی تو بہت خوش ہوئے اور بیعت فرمالیا، بیعت کے بعد جب ایک روز مولانا احمد سعید اعلیٰ حضرت سے پڑھنے بیٹھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، اس پر اعلیٰ حضرت نے خفگی کا اظہار فرمایا تو بڑی کوفت ہوئی، ایک دن حضرت مولانا رکن الدین صاحب بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم سے نہ کہتے تھے کہ پڑھ لوں تو پھر مرید ہوں، دیکھو تو یہی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ سب بھول گیا۔“

وآغ نے خوب کہا ہے

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے
چند روز تک خود فراموشی اور غیبت کی یہی کیفیت رہی اس کے بعد جو علوم روحانی کے چشمے لبلنے

لگے تو دل سیر ہو گیا۔ اور وہ مقام حاصل کیا کہ بابر و شاید چنانچہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کے پیر زادے حضرت مولانا صادق علی شاہ اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد مکان شریف سے دہلی تشریف لائے، تو فرمایا :-
”اگر مولانا احمد سعید کی حیات نہ فنا کی تو دہلی کو دوسرا مکان شریف دیکھ لیا۔“
باوجود اس روحانی عظمت کے عجز و انکساری کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت صادق علی شاہ مسجد فتحپوری سے فاتحہ خوانی کیلئے درگاہ خواجہ باقی باللہ تشریف لے گئے تو حضرت پیر زادہ صاحب جس گھٹی میں سوار تھے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر مسجد فتحپوری سے درگاہ شریف تک گئے آگے چلتے رہے، اللہ اللہ کیا ادب و احترام تھا، اسی ادب و خاک فرمایا کہ سہدائش تریا کر دیا تھا۔

آداب فرزند کی کا یہ بڑا نکتہ ہے کہ اللہ مرحوم کو جن جن حضرات سے جیسا جیسا تعلق خاطر ہے اس کی اسی طرح ولداریاں کی جائیں حدیث شریف میں اس کی تائید شدید آئی ہے، اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کا خاص خیال رکھا ہے۔ حضرت مولانا احمد سعید کا حضرت صادق علی شاہ کے ساتھ اس ادب و احترام کے ساتھ پیش آنا اسی نکتہ کی طرف غمازی کرتا ہے، ایک اور واقعہ ہے جس سے صدمہ بھی کہ اس جذبہ محمود پر مزید روشنی پڑتی ہے،

اعلیٰ حضرت کے انتقال کے بعد پہلے عرس میں شرکت کیلئے حضرت مولانا مارکن الدین صاحب الود سے دہلی تشریف لے گئے، عرس شریف میں کمی شخص سے گفتگو کے دوران حضرت مولانا مارکن الدین صاحب کی دل آزاری ہوئی جس کا حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو شدید احساس تھا چنانچہ حیات کو حضرت مولانا نے مدوح مولانا مارکن الدین صاحب کو اپنے ساتھ لے کر دہلی تشریف لے گئے، اللہ اللہ اس قصہ کو گفتگو میں کیا کیف سرور ہوگا، جب صبح ہونے لگی تو فرمایا :-
”کہو اب دل خوش ہے آج سارا رات جگا صرف تمہارے لئے کیا گیا ہے“

اللہ اللہ اب یہ ولداریاں کہاں ؛ — آخر میں فرمایا کہ اب تم کو اجازت دیتے ہیں آؤ میں عرس کیا کرو چنانچہ تقریباً بیس چالیس سال تک آؤ میں عرس ہوتا رہا،
اعلیٰ حضرت کے انتقال کے بعد آپ ہی جانشین ہوئے کیوں کہ سب سے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا احمد سعید کا اعلیٰ حضرت کی حیات مبارکہ میں احوال ہو گیا تھا، مسجد فتحپوری کی خطابت و امامت کے منصب پر اعلیٰ حضرت کے بعد آپ ہی فائز ہوئے، لیکن جب بیات حرمین شریفین اور حج کیلئے تشریف لے گئے تو وہاں مدینہ منورہ میں ۱۲۱۱ھ / ۱۸۹۳ء میں احوال فرما گئے۔

اعلیٰ حضرت کے تیسرے صاحب زادے حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ
مولانا عبد المجید

تذکرہ نگاروں نے ان دونوں حضرات کا عزت و احترام کے ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ مولوی سید محمد نیر شاہ رفیع الدین محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

اس میں دگلی مردھانی (مولوی عبد الرشید امام فتحپوری و مولوی عبد المجید صاحب کامکان سے، دونوں نہایت نیک نعت، خوش خلاق، ذہین، زکی، تیز طبع ہیں، مولوی رحیم بخش، صاحب مرحوم امام مسجد فتحپوری دہلی کے صاحبزادے ہیں جو بہت بڑے عالم اور ورثہ تھے نقشبندیہ خاندان میں بیعت کرتے تھے، فتویٰ نویسی میں مشہور تھے۔ ۱۷

اسی طرح ابو محمد عبد العزیز سلطی نے بھی ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں :-

اس سے (کمہ زینت محل) آگے بڑھ کر گلی مردھانی میں جناب مولانا صوفی عبد الرشید صاحب امام مسجد فتحپوری کامکان سے آپ بڑے عالم، نہایت متقی، پرہیزگار، اپنے والد ماجد مولانا مفتی رحیم بخش مرحوم نقشبندی کے جانشین و خلیفہ ہیں۔ ۱۸

ناصر زبیر فراق دہلوی نے بھی ان دونوں حضرات کا ذکر کیا ہے — حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی محترمہ حیدر بانو فرماتی ہیں :-

”آپ بچپن سے ہی ذہین، نہایت متکلم المزاج، علیم اور برو بار تھے، ہر ایک کی بات درگزر کرنے والے اور رحیم تھے، آپ کی ذہانت کی تعریف یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت داد صاحب جس وقت طالب علموں کو درس دیتے اور کسی سے سوال فرماتے اس سے پہلے کوئی جواب دے آپ فوراً اس کا حل پیش فرما دیتے۔ اپنی تعلیم کرنے مانے میں کبھی غل نہیں ہوئے اکثر ادا صاحب (اعلیٰ حضرت) فرماتے ”یہ میرا بیٹا مادری ولی ہے اور کیوں نہ ہوتے جن کے والد ولی کمال و والدہ حضرت غوث پاک کی اولاد سے نہایت دین دار تھیں“ حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ علی حضرت کے وصال کے چند سال بعد جمیر شریف تشریف لے آئے تھے، حضرت مولانا متوجہ عالم اور فن طب میں مہارت تامہ رکھتے تھے، طبیکہ کالج دہلی کے ٹوسٹس حکیم عبد المجید مرحوم کے تلمیذ رشید تھے انہیں سے سند فراغت حاصل کی تھی، اس فن میں اسی مہارت بہم پہنچائی تھی کہ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی پیشکش چلتی تھی، درگاہ بازار جمیر شریف میں مطب بھی فرماتے تھے، اس فن میں مہارت

۱۷ سید احمد: یادگار دہلی، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء، ص-۱۷۵

۱۸ سید عبد العزیز: آثار دہلی، (۱۹۱۱ء) مطبوعہ دہلی، ص-۷۴

Click For More Books

Marfa <https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

کے سلسلے میں آپ کی صاحبزادی فرماتی ہیں :-

”آپ اعلیٰ درجہ کے حکیم بھی اور ڈاکٹر بھی تھے دونوں میں اتنی مہارت حاصل تھی کہ ڈاکٹر حکیم وغیرہ آپ سے مشورہ لیتے، نباض لیتے کہ آپ نبض دیکھ کر یہاں تک فرما دیتے کہ یہ مریض اگر اتنے روز میں چھا ہو گیا تو اس کی زندگی ہے ورنہ صحت مشکل ہے، آپ جیسے فرماتے ویسا ہی ہوتا۔“

حضرت مولانا رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے :-

”صاحبزادہ صاحب مریض کو نسخہ میں وہ دوا لکھتے ہیں جو ان کو خدا کی طرف سے الہام ہوتی ہے۔“

یہ بھی فرمایا کرتے تھے :-

”آپ لوگ نہیں جانتے کہ یہ کیا ہیں، مجھ کو ان کی قدر ہے۔“

بلاشبہ دل کی حقیقت سے دل ہی واقف ہو سکتا ہے، دماغ والوں کو دل والوں کا حال کیا معلوم؟ حضرت مولانا عبد المجید صاحب عرصہ دراز تک مدرسہ معینہ (درگاہ شریف) میں درس دیتے رہے، اس زمانے میں یہاں کے صد مدرس مشہور فلسفی اور عالم مولانا معین الدین امیری تھے، آپ کے حلقہ درس سے بہت علماء تربیت پا کر نکلے ہیں۔

حضرت مولانا نے اپنی زندگی بے نیازانہ بسر کی، کسی سے کوئی غرض نہ رکھی اور سب کے دوست تھے، شمع غفل کی طرح سب سے جدا سب کے رفیق

ہمیشہ بے لوث خدمت کی، آج کل کے اکثر علماء اور طلباء کی طرح حرص آز سے ان کا دامن رافدار نہ تھا۔ بے غرضانہ بسر کی، بڑی نرمی کے ساتھ گفتگو فرماتے، چھوٹا ہوا بیڑا، بات کرتے جاتے اور فرماتے جاتے ”ابا خیال شریف میں“

پروفیسر عبدالرشید صاحب نے حضرت مولانا کے اخلاق و عادات پر خوب روشنی ڈالی ہے وہ تحریر کرتے ہیں:-

حضرت کے اخلاق و عادات، اخلاق نبوی کا نمونہ تھے، حضرت کا مطلع نظر عمر بھرا اتباع سنت نبوی تھا، آپ کا ظاہر و باطن سوائے پیغمبرِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور کچھ نہ تھا، آپ کی اپنی اولاد کے ساتھ محبت وہ بے پناہ محبت یا در لاتی تھی جو آقائے دو جہاں، (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی بیٹی حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے تھی، حضرت کا شاگردوں کے ساتھ برتاؤ، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے تعلقاً کی عکاسی کرتا تھا، غرض کہ ہر سر قدم پر اتباع سنت حضرت کے پیش نظر رہا۔

حضرت قبلہ کے اخلاق جمیلہ کے متعلق تفصیلی جائزہ لینا اس وقت ممکن نہیں بلکہ تناظر و
کہا جاسکتا ہے کہ حضرت کے اخلاق کے نمایاں خدو و خال آپ کی سادگی، حلم، اولاد کی محبت
شاگردوں کے ساتھ انس و شفقت، کسر نفسی، مسائل کی حاجت روائی، مخالفین کے
ساتھ نرم برتاؤ، میانہ روی، خلوص اور توکل تھے،

حضرت طبیب بھی تھے لیکن اس فن کو حضرت نے کسب معاش کیلئے نہیں بلکہ خدمت
خلق کیلئے استعمال کیا، اس کام کیلئے کوئی وقت مقرر نہ تھا، دن میں یارات میں جب بھی
کوئی مریض آتا، اس پر توجہ فرماتے اور اگر اپنے ساتھ مکان پر لیجا نا چاہتا تو حضرت فی الفور
پلیادہ اس کے ساتھ تشریف لے جاتے،

آپ نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ سائل مستحق بھی ہے یا نہیں ہر ایک کو اپنے ہی جیسا،
نیک و برپا تصور کرتے اور اس کے کہے ہوئے کو یقین فرماتے آپ جو نسخہ تحریر فرماتے
وہ چند معمولی کم قیمت کی ادویہ پر مشتمل ہوتا، اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا۔

مدرسہ سے ریٹائر ہونے کے بعد حضرت نے گزر معاش کے لئے ایک دو خانہ چلانے
کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی، اور کیسے ہوتی حضرت کو آخرت کی کمائی سے
فرصت ہی نہ تھی، یہ کام واقعی ان کے بس کا نہ تھا،

حضرت کی تنخواہ جو مدرسے سے ملتی تھی، بہت قلیل تھی، اور خاندان کے گزر معاش
کیلئے ہر گز کافی نہ تھی، مگر واہ رے توکل کیا مجال کہ چہرے سے پریشانی ظاہر ہو، پورے
سکون کے ساتھ معمولات کی ادائیگی میں لگے رہتے، لیکن بایں ہمہ وہ کونسا کام مقابلاً دینی
کی تعلیل کے سبب پورا نہ ہوا ہو۔

ظ خدا و میر سامان است ارباب توکل را

حضرت کے مزاج میں بید نرمی تھی، اشتعال انگیز حالات میں بھی حضرت کا ضبط و سکون
قابل ستائش تھا، ذاتی معاملات پر تو آپ کو غصہ آتا ہی نہ تھا، البتہ عقائد کے خلاف کوئی
محبت ہوئی اور اشتعال انگیزی بھی ہوئی اس وقت حضرت کسی قدر غصہ فرماتے وہ یہ کہ آواز
میں کچھ تیزی ظاہر ہوتی، لیکن اس حالت میں بھی اخلاق سے گری ہوئی کوئی بات آپ
کے زبان مبارک سے کبھی نہ نکلی۔

کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ حضرت نے باوجود تحریک علمی کے بھی فخر نہیں فرمایا، بزرگوں اور

Click For More Books

عالموں کی ہمیشہ تکمیل فرماتے پھوٹا ہوا بڑا سلام کرنے میں پہل کرتے، مجلسی زندگی کی طرف رغبت نہ تھی، فرصت کے اوقات مطالعہ کتب میں صرف فرماتے، یوں تو آپ کو متفرق علوم و فنون سے دلچسپی تھی لیکن آخر عمر مطالعہ کا ہمیشہ وقت احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔

وصال سے چند ماہ قبل آپ علیل ہوئے، اپنے مرض کی نوعیت اور مدت و وزن کی پیشین گوئی فرمادی تھی لیکن واہ رے اتباع سنت کا نشہ کہ حالت مرض میں بھی اپنے معمولات پر عمل پیرا رہے اور اسی حالت میں اُچی اُجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۱

حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ کے حسن خلق کے بہت سے اقعات ہیں جن جملہ ان کے ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ فرزند نسبتی سے کسی بات پر تلخی ہو گئی اور چند روز کے لئے مطالعہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی، آنا جانا بند ہو گیا، آپ نے اس خیال سے کہ مبادا اس تلخی کا اثر صاحبِ دلی پر نہ پڑ جائے اور اپنے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کر بیٹھیں، ایک نصیحت آمیز مکتوب تحریر فرمایا جس کو پڑھ کر مولانا نے مرحوم کے غفلت کردار کا اندازہ ہوتا ہے فی زمانہ اگر کسی شخص کا داماد اس سے گستاخی کے ساتھ پیش آتا ہے تو وہ ہرگز نہ چاہے گا کہ اس کی بیٹی اپنے خاوند کے ساتھ خدمت گزاری کا حق ادا کرتی ہے لیکن حضراتِ اہل اللہ شریعت کا پورا پورا پاس رکھتے ہیں ان کا کوئی عمل حد و شرعہ سے متجاوز نہیں ہوتا، اس لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی پڑھنے اور سبق حاصل کرنے کے لائق ہے۔
عزیزہ سلکم اللہ تعالیٰ

بعد دعائے خیر عافیت کے معلوم کریں شاید تم کو میرے نہ آنے سے رنج ہو گا، اور یہ خیال کرتی ہو گی کہ اب الدین سے ملنا نصیب نہ ہو گا، ہرگز یہ خیال نہ کرنا، بیٹی داماد ایسی چیز نہیں ہیں کہ ان سے زندگی بھر ملنا ترک ہو جائے، یہ ایک وقتی صورت ہے جو شیطان لعین کے دُاؤں چل جانے سے پیش آگئی ہے، ہم سب کو اھول اور استغفار، زیادہ پڑھنی چاہیے، اور خدا تعالیٰ کی پناہ اس شیطانِ جہیم سے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس ملعون کے ہتھ کنڈوں سے محفوظ رکھے، مانگنی چاہیے، اس وقت تم کو صبر و

۱۔ پروفیسر عبد الرشید، مکتوب محرمہ ۱۳ جولائی ۱۹۶۷ء، از کراچی

Click For More Books

استقلال سے کام لینا چاہیے، اور اس بات کا ضرور خیال ہے کہ خداوند کی اطاعت اور۔
فرمان بڑاری سے قدم باہر نہ ہو جائے، یہ دنیا چند روز ہے اس میں اس قسم کے حوادث پیش
آتے ہی جاتے ہیں، ان کے غم میں نہ پڑنا چاہیے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ہونے والی باتیں سچی
ہیں، جو ہو کر گزر جاتی ہیں اور رفع و دفع ہو جاتی ہیں، فکر آخرت کی رکھنی چاہیے کہ جہاں ہمیشہ
رہنا ہے اور جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے نہ کوئی رنج و غم ہو گا اور نہ کسی قسم کا غم و غصہ۔

الحمد للہ میں تو ایسی باتوں کے غم میں نہیں پڑتا، سمجھتا ہوں کہ ایک بد مزگی کی بات ہو تو الی
تھی ہو کر رہ گئی اور رفع و دفع ہو گئی، اگر ان کے غم میں پڑ جاؤں تو رات دن جو دماغی کام کرنا
پڑتا ہے اس سے بالکل بیکار ہو جاؤں۔ بس اب میں اپنے مضمون

کو ختم کرتا ہوں اور تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ صبر و استقلال سے کام لو اور خدا تعالیٰ کی طرف
مستوجہ رہو، والدین کسی کے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہتے، یہ چند روز دنیا میں ملنا جلتا ہے آخر
ایک دن افتراق کا ضرور آنے والا ہے تو اس دنیا میں ملنے جلنے کا اعتبار ہی کیا، پس خدا
تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صاف رکھنا چاہیے اور اسی صورت میں رکھا جاسکتا ہے کہ خدا
و رسول کی اطاعت اور خداوند کی فرماں برداری سے قدم باہر نہ ہو، اگر ان کی اطاعت
میں میرا کوئی حق ترک ہو تو میں صاف کرتا ہوں، اور تم اس خیال میں بھی پریشان نہ ہونا
کہ مجھ کو کوئی رنج ہے نہیں ہرگز نہیں میں عورتوں کی طرح سے رنج کو نہیں پالتا ہوں
میری طبیعت عجیب قسم کی ہے، اگر کوئی مجھ سے ملتا ہے تو میں اس سے زیادہ غلام اور محبت
کے ساتھ ملتا ہوں اور نہیں ملتا تو مجھ کو اس کی کوئی شکایت نہیں ہوتی، میرا مشغلہ اور
میرا مونس غم غلط کرنے والا خدا تعالیٰ کے فضل سے میرا علم ہے چنانچہ جن دن سے یہ
بدنام صورت پیش آئی ہے اس کے دوسرے دن سے اسی طرح اپنے علمی مشاغل میں
مصروف ہوں اس کا اب تک کوئی ذکر بھی نہیں آیا اگر کیا کہ کوئی بات ہوئی نہیں تھی۔

(مکتوب محرقہ قبل ۱۹۴۴ء)

حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی فراتی ہیں کہ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اپنے
بیتے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز سے بیعت تھے اور ممدوح سے اجازت بھی حاصل تھی،
حضرت موصوف نے اپنے سامنے دو اشخاص کو مرید کر کے اجازت کا عملی آغاز فرما دیا تھا مگر چوں کہ آپ طبعاً
منکسر المزاج واقع ہوئے تھے اس لئے ان کے بارے میں کوئی بات نہ فرمائی۔ ساری عمر میں ہمیں

[Click For More Books](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

اور معالجہ امراض میں گزری۔ حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے بھتیجے اور شیخ طریقت حضرت مفتی صاحب مدوح سے بے پناہ انیت و محبت تھی جب کبھی جمیر شریف سے دہلی تشریف لاتے تو باوجود اس کے آبائی مکان میں دونوں بھائی حضرت مولانا عبد الرشید صاحب اور مولانا حبیب اللہ صاحب موجود تھے، مگر حضرت مفتی صاحب کے ہاں ہمیشہ قیام فرماتے، اور حضرت مدوح کی اولاد سے بھی بے پناہ محبت فرماتے، چنانچہ مولانا منور احمد رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مفتی صاحب کے پونہار صاحب نے اسے تھے جہان کا انتقال ہوا اور آپ تحنوت کیلئے دہلی تشریف لے گئے تو وہاں سے واپس آنے کے بعد جو بیمار ہوئے تو پھر نہ اٹھے، — آپ کی صاحبزادی فرماتی ہیں: —

آپ اپنے پوتے کے انتقال میں دہلی تشریف لے گئے، جانے سے پہلے آپ نے فرمایا کہ میاں منور کے بعد ہمارا بھی پیغام ہے، یہ صدمہ بڑا سخت ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب دہلی سے واپس تشریف لائے اس کے دو چار روز کے بعد ایک دن آپ عشاء کی نماز کیلئے درگاہ شریف تشریف لے گئے، جاتے وقت آپ کوئی مرض یا تکلیف نہ تھی، واپس آئے تو آپ کو بخار ہو گیا تھا، آپ نے اپنی نبض دیکھ کر فرمایا کہ مجھ کو یہ بخار وق کا ہوا ہے اگر یہ بخار اٹھارہ روز میں تر گیا تو سمجھنا کہ اچھا ہو جاؤں گا ورنہ پھر اچھا نہیں ہو سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ بخار نہیں ترا اور آپ چار مہینے دس دن بیمار رہے، سوال کیا گیا تو تاریخ پچھتر سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ —

حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سی کرامات بھی ظہور میں آئیں، یہ چند کرامات آپ کے صاحبزادی مدوح نے بیان فرمائی ہیں: —

(۱) ایک مرتبہ کسی مریض کو دیکھنے رات کے ایک بجے تارا گڑھ پر گئے، لے جانے والا، واپسی میں گھرتا تو نہ چلنے آیا نہیں اسے میں اندر کوٹ تک چھوڑ کر واپس چلا گیا اور والد صاحب تنہا رات کے وقت قبرستان سے گزر رہے تھے کہ اچانک کسی کی آواز آئی: —

”اے اللہ کے نیک بندے مجھ پر رحم فرماؤ“ انہوں نے چاروں طرف دیکھا کہ یہ

آواز کہاں سے آرہی ہے ہر چند تلاش کیا لیکن کوئی کہنے والا نظر نہ آیا، ایک قبر

دیکھی کہ اس کے اندر آگ جل رہی ہے اس کے قریب گئے یہ دیکھ کر پریشان ہوئے

اس قبر کے قریب بیٹھ گئے اور اس کی بخشش کیلئے دعا فرمائے لگے اور فرمایا: —

”اے مولامیری دعا اس کے حق میں قبول فرما اور اس کو اپنے حبیب صدیق بخشہ“

جب تک اس کی طرف سے الطمینان نہ ہوا، گھر واپس تشریف نہ لائے، الطمینان ہونے پر صبح چار بجے گھر تشریف لائے۔ والدہ صاحبہ ناراض ہونے لگیں، آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا کہ اگر کسی میری ذات سے فائدہ ہو تو کیا ہرج ہے اتنا فرمانے کے بعد اس لئے کہ آپ کی طبیعت نہایت نازک و دلطف تھی، وہاں کے منظر کی تاب نہ لا سکے آپ کی طبیعت خراب ہو گئی، عطر وغیرہ لگھایا گیا بڑی دیر کے بعد طبیعت سنبھلی، والدہ صاحبہ نے دریافت کیا تو بتانے سے انکار فرمایا، والدہ صاحبہ کے بڑے اصرار کے بعد فرمایا کہ یہ راز کسی سے کہنا پھر جو کچھ آپ نے دیکھا تھا سب بتا دیا۔

(ب) ایک مرتبہ پھر کسی مرض کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، وراثت بھی قبرستان سے ہی نکلتا تھا، دن کا وقت تھا، مرض کو دیکھ کر واپس تشریف لا رہے تھے، ایک قبر کو دیکھا کہ اس کے اندر ہزاروں مکھیاں بھنبھنارہی ہیں و رخت بدبو آ رہی ہے، وہیں تشریف فرما ہوئے اور وہاں مشغول ہو گئے، جب مکھیاں ختم ہوئیں تب گھر تشریف لائے۔

(ج) آپ کے نواسے محمد احمد کا انتقال ہوا تو اس کی قبر پر روز تشریف لیجاتے، واپسی پر اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لے جاتے، ایک روز انہوں نے عرض کیا کہ آپ قبرستان تشریف لیجاتے ہیں آپ کو تکلیف ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتیں اس کے پاس جا کر میرا دل خوش ہوتا ہے، اچانک نے بان مبارک سے نکل گیا کہ ہم تو اس سے باتیں کر کے آتے ہیں، جب ہم اس کی قبر پر جاتے ہیں تو وہ قبر سے باہر آکر ہم سے باتیں کرتا ہے، اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے، پھر ہر چند پوچھا کہ کیا باتیں کرتا ہے مگر آپ نے نہیں بتایا اور فرمایا کہ یہ معلوم اس وقت کس خیال میں یہ کہہ گیا لیکن یہ بات تم اپنے ہی تک رکھنا۔

(د) علالت کے زمانے میں یہ دیکھا گیا کہ ہر وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بیٹھ رہا ہے اور اٹھ رہا ہے، بلنگ کی حرکت سے نہ جانے والوں کا اندازہ ہوتا، اینوالوں کا سلام تو سنائی نہ دیتا لیکن جب حضرت ان کے سلام کا جواب دیتے تو وہ اہل خانہ سننے لیکن آسنے والے نظر نہ آتے، واللہ اعلم یہ حضرات قوم اجنبہ میں سے تھے یا ملائکہ مقربین تھے۔

اس قسم کی اور بہت سی کرامات ظہور میں آئیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی خود ایک

زندہ کرامت تھی، جو دیکھتا مٹا کر سوئے بغیر نہیں تھا، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے تلمیذ رشید مولانا مفتی محمد صاحب فراتے تھے کہ مدرسہ معینیہ میں جس وقت وہ پڑھتے تھے تو حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ دس دیا کرتے تھے، بہت آہستہ آہستہ نرم لہجے میں مدرسہ کے صدر المدرسین مولانا معین الدین اجمیری نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے مولانا کو برکت کیلئے مدرسہ میں رکھا ہے۔

حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۹۴۴ء / ۱۳۶۴ھ کو اجمیر شریف میں ہوا، تارا گڑھ پہاڑ کے امن میں اندر کوٹ کے قبرستان میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

مثل ایوان سحر مرقد فرزاں ہوترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوترا

آمین

آپ کی اولاد انجاوین تین صاحبزادے مولانا عبد المجید، حبیب الرحمن اور عبدالودود رحمہم اللہ جو ابھی میں وفات پا گئے، دو صاحبزادیاں بقید حیات ہیں، ہنگامہ ۱۹۴۷ء کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ اور سب اہل و عیال ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تھے اور حیدر آباد میں مقیم ہو گئے تھے، چھوٹی صاحبزادگی حیدر آباد میں مقیم ہیں اور بڑی صاحبزادگی جام شوروں میں مقیم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا مبارک سایہ قائم رکھے آمین دونوں شفقت ہمدردی کا پیکر ہیں۔ چھوٹی صاحبزادگی کی اولاد میں چار لڑکیاں اور ایک لڑکا (عزیزہ) بچا رہا ہے سلمہ (اور بڑی صاحبزادگی کی اولاد میں ایک لڑکا (عزیزہ) مکرم حسین سلمہ) اور ایک لڑکی (بغدادہ) تعالیٰ موجود ہیں حضرت مولانا نے مرحوم کی اہلیہ محترمہ بھی جام شوروں میں مقیم تھیں، جون ۱۹۶۴ء میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک دیپے سندھ سے تھوڑے فاصلہ میں جام شوروں میں ہے۔

مولانا عبد الرشید | مولوی سید محمد ولی اللہی اور سید عبد العزیز سلطی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چوتھے صاحبزادے مولانا۔

عبد الرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم فاضل و اہل نحل تھے ۱۳۱۵ھ میں جب اعلیٰ حضرت کے دوسرے صاحبزادے مولانا احمد سعید جو مسجد جامع فتحپوری دہلی کی امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے مدینہ منورہ میں وفات پا گئے تو خانقاہ سعودیہ کی جانشینی اور مسجد فتحپوری کی امامت و خطابت کے لئے اعلیٰ حضرت کے تیسرے صاحبزادے حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا لیکن مرحوم نے اپنی فطری کسر نفسی اور منکسر المزاجی کی وجہ سے ان ذمہ داریوں کو قبول فرمانے سے اعراض کیا، چنانچہ یہ ذمہ داریاں حضرت مولانا عبد الرشید رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض کر دی گئیں۔ آپ نے بحسن و خوبی کئی سال تک ذمہ داریاں پوری

فرمائیں، جب آپ کے بھتیجے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز من بلوچ کو پہنچے تو وہ بھی بہر فقہ پوری میں نماز پنجگانہ میں سے کچھ نمازوں کی امامت فرمانے لگے آخر حضرت مولانا عبدالرشید صاحب گوشہ نشین ہو گئے اور ساری ذمہ داریاں حضرت مفتی صاحب قس سرہ کو تفویض کر دی گئیں۔

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حوٹی واقعہ گلی مردھانی میں رہتے تھے ایک عرصہ گوشہ نشینی میں گزرا، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت بھی فرماتے تھے اور ہر سال اعلیٰ حضرت کاعرس بھی کرتے تھے جس میں بکثرت مریدین و معتقدین شریک ہوتے تھے آپ نے ۱۹۲۶ء/ ۱۳۴۶ھ میں دہلی میں وفات پائی اور دہلی کے مشہور قبرستان قدم شریف میں مدفون ہوئے۔

آپ کی اولاد اچھاڑیں صرف ایک صاحبزادے میں جن کا اسم گرامی محمد ادریس ہے۔ ایک صاحبزادی بھی تولد ہوئیں تھیں مگر وہ اوائل عمر میں فوت ہو گئیں۔

حضرت مولانا عبدالرشید علیہ الرحمہ کا کوئی تحریر نمونہ موجود نہیں ایک فتویٰ دست بر وزمانہ سے رہ گیا ہے سائل نے سوال کیا ہے کہ کیا کوئی شخص اپنے لئے رب مجازی کا لقب اختیار کر سکتا ہے، یہ فتویٰ ہی سوال کے جواب میں ہے اور اصل سے حضرت مجیب علیہ الرحمہ نے خود ہی مختصر طور پر تشریح کر لیا ہے وہ وہاں

واضح رہے کہ مبارکہ رب یہ ہے کہ جو اسمائے صفات بعض ایسے ہیں کہ ان کا مفہوم عام مخلوق میں خاص خدا ہے اور موضوع بھی اس اسم کا خاص خدا ہے تو ایسے غیر اللہ کو نہیں بولنا چاہیے کیوں کہ وہ اسم جب غیر اللہ کو بولا جائیگا تو مفہوم خدا مفہوم ہوگا اور یہ کفر ہے اور جہاں کفر عائد ہوتا ہے وہاں مجاز کو بھی دخل نہیں ہوتا، جیسے اسم رب کہ اس کا موضوع خاص خدا ہی مفہوم ہوگا کیوں کہ قاعدہ ہے کہ کثرت سے جو معنی جنوں اسم و فعل کے ہیں میں ہوتے ہیں وہی معنی اس اسم و فعل کے بولنے سے مفہوم ہوتے ہیں پس جب یہ ہے تو وہ اسم رب اس کے معنی کو بولنا چاہیے نہ غیر کو۔ غیر کے بولنے میں کفر کا احتمال ہوتا ہے اور یہ سنا ہے کہ جہاں کفر کا احتمال ہو وہ موقوف و مقطوع سمجھا جائے ہاں اگر اسم رب بتشدید یا مفتوح یعنی فعل واقع ہو غیر کی طرف منسوب ہو سکتا ہے جیسے راہبانی صغیرا یا مرفوع بتشدید جو مضاف کسی کلمہ کی طرف بہ حرف لام یعنی فعل ہو جائز ہے جیسے راہب

اسم رب سکون باغیر کونا جائز ہے اگر کوئی اپنے آپ کو رب کہلائے اور ساتھ ہی اس کے تعلیم کرے کہ حج کو چو اور میری بھی تعظیم ظاہر و باطناً کرو یہ حرام ہے اور کفر ہے کیوں کہ شرکت باری تعالیٰ ثابت ہوتی ہے، اس پر صاف نص قرآنی سے ممانعت، ثابت ہوتی ہے، مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ وَالنَّبُوءَ لَوْلَا قَوْلُ النَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّمِنْ دُونِ اللَّهِ۔ یہ تکذیب اور رو ہے عیسیٰ علیہ السلام کی اس قوم کا جو عیسیٰ علیہ السلام کو رب کہتے تھے، بعضوں نے کہا کہ جب آیت نازل ہوئی تو ابارہق القرطی اور سید النجری نے کہا یا محمد آپ ارادہ کرتے ہیں کہ عبادت کریں آپ کی اور نبائیں ہم آپ کو رب؟۔ آپ نے فرمایا "معاذ اللہ یہ کہہ منگی، کریں ہم غیر اللہ کی اور حکم کریں ہم ساتھ عبادت غیر اللہ کے پس نہ ساتھ اس کے معبود کیا ہے مجھ کو اللہ نے اور نہ ساتھ اس بات کے حکم کیا ہے"۔ (وقیل ان ابارہق القرطی والسید النجری قال یا محمد ان ترید ان نعبدک و نتخذک رباً فقال معاذ اللہ ان نعبد غیر اللہ وان نافر بعبد عبادۃ اللہ فلذلک بعثنی اللہ ولا یذللک امرائی)۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ کہا ایک شخص نے "یا رسول اللہ سلام کرتے ہیں ہم آپ کو جیسا کہ سلام کرتے ہیں بعض ہمارے اور بعض کے" (یعنی کوئی مخصوص ممتاز بات ہم آپ کے ساتھ نہیں کرتے)۔ آیا پس سجدہ کریں ہم آپ کو؟۔ آپ نے فرمایا نہیں لائق ہے کسی کو یہ کہ سجدہ کرے واسطے کسی کے سوا خدا کے و لیکن اغراز و اکرام کرو تم نبی اپنے کا اور پہچانو تم حق اہل کا نبی کے، (وقیل قال رجل یا رسول اللہ علیکم کہما یسلم بعضا علی بعضا فلا یسجد لک قال لا ینبغی ان یسجدہ احد من دون اللہ ولکن اکرموا نبیکم و اعزوا الحق لا ہلہ)۔ وَلَکِنْ کُونُوا رَبَّانِیِّنَ یہاں، یقول متعد ہے یعنی کہوئے بجائے رب کے ربانین کیوں کہ تم ربانین ہو نہ رب اور ضرور اس کا ربانی ہے منسوب الی الرب بزيادة الالف والنون کالحمیاتی والرقباتی معنی ربانی کے کمال العلم والعلی ہے یہاں کہتم تعلمون الکتاب و یماکنتم تدعون یعنی بسبب اس بات کے کہ ہو تم معلمین کتاب کے اور بسبب ہونے تمہارے کے مدرسین واسطے اس کے معنی آدمی کے تم ربانین ہو نہ رب اور فائدہ تعلیم و تعلم کا معرفت

[Click For More Books](#)

حق اور خیر اور اعتقاد اور عمل ہے، (کذا فی التفسیر البیضاوی) ولایا من کما ان
تتخذ والملائکة والنبین ارباباً۔ یعنی نہیں ہے واسطے آدمی کے یہ کہ بنائے،
ملائکہ اور نبین کو رب (یا اپنے کو رب) ارباب جمع ہے رب کی اور حکم کرے بعبادۃ
نفسہ یعنی ایسا حکم نہ کرے یا خدا ایسا حکم نہیں کرتا ہے تم کو کہ ایسا کرو۔ یہاں رو
ہوتا ہے اس شخص کا جو کہتا ہے کہ میرا رب مجازی کہنا جائز ہے کیوں کہ آیت میں
مطلق رب کہنے کی غیر اللہ کو جس میں نبیوں کو خطاب ہے، ولکن کو نوا بیانین
یعنی ربانین ہونہ رب، مما انت ہے، چہ جائے کہ پیر لوگ یہ کہیں کہ میرا رب مجازی
کہنا جائز ہے، اگر رب مجازی کہنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا ولکن کو نوا
ربانین بجائے ربانین کے رب مجازی فرمایا، یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تصریح
فرماتے، حالانکہ کوئی نہیں فرمائی بلکہ قرآن شریف میں رب کا لفظ خاص خدا کے
معنی میں ہے اس لئے کہ موضوع اس اسم کا خاص خدا ہی ہے جیسے کہ ان اللہ ربی
و ربکم فاعبدوا، هذا صراط مستقیم، فلیللہ الحمد، رب السموت ورب
الارض رب العالمین۔ ہاں اگر اسم صفات ایسا ہے کہ مروج غیر اللہ کو بھی ہے
مثلاً جیسے رحیم بندے کو بھی رحیم کہتے ہیں اور اللہ کا نام بھی رحیم ہے، یہ جائز ہے،
اس لئے کہ بندے کو رحیم کہنے سے خدا مفہوم نہیں ہوتا بلکہ یہ معنی مفہوم ہوتے ہیں کہ یہ
بندہ بہت رحم کرنے والا ہے برخلاف رب کے کہ اگر کسی کو رب کہیں گے تو خدا مفہوم
ہوگا اس لئے کہ عام مطلق کے ذہن میں جو اس کے معنی لغوی تربیت اور اصلاح
کے ہیں مفہوم نہ ہوں گے بلکہ خدا مفہوم ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ عاصی عبد الرشیدی رحمہ اللہ

مولانا جمیل اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے پانچویں اور آخری صاحب اے مولوی

جمیل اللہ رحمتہ اللہ علیہ تھے، آپ حافظ و قاری تھے اور علوم دینیہ سے

پوری واقفیت رکھتے تھے، ایک عرصہ دہلی میں قیام فرمایا، ہنگامہ ۱۹۴۷ء کے بعد جمیر شریف،

قشر فیصلے گئے اور کچھ عرصہ بعد پاکستان ہجرت فرما کر حیدر آباد شریف لے آئے اور ایک عرصہ

مقیم رہے۔ آپ بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید فرماتے تھے، حیدر آباد میں آپ کے

مریدین ہیں، آپ نے ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء کو حیدر آباد میں وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک

Click For More Books

حیدرآباد کے ریوے اسٹیشن کے اُس طرف نہر پھیلی سے قریب ایک قدیم قبرستان میں واقع ہے، آپ کی کوئی اولاد نہیں،

اعلیٰ حضرت کی صاحبزادی محترمہ سعید النساء ایک عرصہ دہلی میں قیام پذیر رہیں پھر اجیر شریف تشریف لے آئیں، آپ کے کئی جوان سالہ صاحبزادے فوت ہو گئے، دو صاحبزادے صاحبزادہ ہیں، محترم محمد سعید الدین اور محترم محمد حید الدین، اولیٰ لڑکا اجیر شریف میں وصال فرما گئے ان کی اولاد اجیر شریف کے علاوہ کراچی اور حیدرآباد میں مقیم ہے، دوسرے صاحبزادے مع اہل و عیال اجیر شریف میں مقیم ہیں۔

سائل و اب

خلفاء کبار

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

خلفاء کبار

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و معتقدین کا سلسلہ پاک ہند کے دو دروازوں تک پھیلا ہوا تھا آپ کے کئی خلفاء ہیں جن کی صحیح تعداد کا علم نہیں ہو سکا صرف چھ خلفاء کے اسماء گرامی معلوم ہوئے ہیں ان میں چند حضرات کے کچھ حالات معلوم ہو سکے،

خلفاء سب سے اسماء گرامی تیرہ ہیں :-

(۱) محبوب یزدان مولانا محمد حمید الدین حیدر شاہ کنوری رحمۃ اللہ علیہ، (سند خلافت ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء)

(۲) حضرت مولوی رحیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اجازت خلافت اور تیسری صلیبی جبری)

(۳) حضرت مولانا صاحبزادہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (اجازت نام قبل — ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۹ء)

(۴) حضرت مولانا کرن الدین شاہ صاحب قلم سرہ العزیز (سند خلافت ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء)

(۵) حافظ قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سند خلافت ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء)

(۶) حضرت امام عبد الغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سند خلافت ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء)

حضرت مولانا محمد حمید الدین حیدر شاہ کنوری رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت کے اجل خلفاء میں سے تھے، آپ کو اعلیٰ حضرت نے بہت بڑا

مولانا محمد حمید الدین حیدر کنوری

کے لقب سے نوازا تھا، حضرت ممدوح کی ایک کتاب اشارات عرفاں (۱۳۴۴ھ/۱۸۸۶ء) حکیم سید وحید الدین نے از سر نو مرتب کر کے مطبع مجتبیٰ، دہلی میں ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء میں چھپوائی تھی، اس میں اعلیٰ حضرت کا قلم اجازت نامہ بھی نقل کیا گیا ہے جو آپ نے ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء کو مولانا حیدر شاہ کو عنایت فرمایا تھا، اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کا ایک فارسی مکتوب گرامی بھی نقل کیا گیا ہے جو آپ نے ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۹ء سے قبل مولانا سے مرحوم کو ارسال فرمایا تھا، اجازت نامے اور مکتوب کے مطالعہ سے مولانا حیدر شاہ کے علو شان کا اندازہ ہوتا ہے، جامع علیہ الرحمہ نے اس کتاب پر جو مقدمہ لکھا ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا حیدر شاہ بلند پایہ ادیب شاعر، عالم اور صوفی تھے، آپ کی متعدد تصانیف انقلاب ۱۸۵۷ء میں تلف ہوئیں جامع کتاب لکھتے ہیں :-

اکثر کلام شاعری وغیرہ مصنف جناب سید مولانا و مرشدنا، قلمب اطوار جہاں و ارشاد

سلطان العارفین، شمس العاشقین، چرخ ہند حضرت محبوب یزدان مولانا محمد حمید الدین،

حیدر شاہ صاحب نقشبندی مجددی معروف فقیر محمدی گنوری دام فیضہم کا ایام غریب تلف
ہو گیا اور باقی کلام راہ راہ و دیگر کلام متعلقہ شریعت و تصوف و شاعری، نظم و نثر فارسی و اردو
جو بطور متفرق پرچہ پرچہ وقتاً فوقتاً واسطہ حصول فوائد خواص عوام بفضل ایزد متعال بہ جستجو
و سعی کمال علیحدہ علیحدہ سلسلہ ازبانی مکتوبات فارسی، و مکتوبات اردو، و ملفوظات فارسی
تصوف و دیوان فارسی و اردو فن شاعری، و چند رسالہ جات متعلقہ تصوف و فتاویٰ متعلقہ
شریعت، و خرق عادات مکاشفات و حالات طہرات وغیرہ اس خاکسار ذریعہ مقدار نے
جمع کیا ہے

اشارات عرفان کا تعارف کراتے ہوئے جامع علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :-
ایک سالہ اشارات عرفان مسمیٰ تاریخی من جملہ کلام اقدس متعلقہ تصوف بہ عبارت
سلیس اردو و در باب سلوک مع نقل اجازت نامہ و کرامت نامہ علیہ حضرتنا، جد المجید میر مولانا، و
مزدوستان، مقنن قوانین شریعت، و مدلل آئین طریقت فرد الافراد، حضرت مولوی رحیم بخش
ملقب بہ محمد مسعود شاہ صاحب نقشبندی مجددی دہلوی، مفتی و امام مسجد فتحپوری قدس سرہ العزیز
مرقوم ہے ۱۰

پھر اہل کتاب کے مقدمہ میں مولانا حمید الدین حیدر شاہ تحریر فرماتے ہیں :-
بندہ کج معجزاں، ژ ویدہ بیاں، فقیر محمد حمید الدین حیدر غاٹب بختاب مجتہد بنواں
یہ چند سطور، ورنہ متعلق مسائل تصوف بیان توحید بہ پابندی طریقی و سلوک سبیل
تعلیم و تعلیم و مراقبات و مکاشفات ضروریات من ابتدائے تا انتہائے فنا و بقاء، و تشریح مستفاد
و تصریح منزل خاص عام لکھا ہے جو کچھ فیض صحبت عالی حضرت فردوس منزلت، مولانا و مرشدنا
شاہ ربیع الاول دہلوی محمد مسعود نقشبندی دہلوی دام فیوضہ نے اس ذرہ کینہ کو پہنچایا اور
جو کچھ انعام حق اور کشف خواص گویا نایاب اور فتوح باب ہوا اور جو علم میرے سینہ میں
و درایت روزگار رکھا گیا وہ بزبان اردو شیرازہ بند کتاب ہوا۔ ۱۱

۱۰۔ محمد حمید الدین حیدر شاہ : اشارات عرفان (۳۰۲۷ھ / ۱۸۸۶ء) مرتبہ حکیم سید حمید الدین بن حکیم سید شمس الدین،
متوطن قصبہ یوٹاری، مطبوعہ مطبع مجتہبی، دہلی، ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء، ص ۲۔
۱۱۔ ایضاً، ص ۳۔ ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۰۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حمید شاہؒ، اعلیٰ حضرتؒ کے خاص تربیت یافتہ تھے اور شعر و سخن اور تصوف میں خاص کمال رکھتے تھے، اعلیٰ حضرتؒ کے اجازت نامے کے مضمون سے مولانا حمید شاہؒ کے علم و فضل و علو شان کا اندازہ ہوتا ہے، یہ اجازت نامہ اشارات عرفاں سے یہاں نقل کیا جاتا ہے

خلافتِ مہدیؑ

الحمد لله الذي تبرز عن وهم الاشتراك في الألوهية وتقدس
عن المناصب في الصفات السلبية والنبوتية والصلوة والسلام على
مظهر الاحديّة واليه واصحابه نحن فيوض لاصمديّة اما بعد
بندہ مسکین شیخ رحیم بخش دہلوی ملقب محمد مسعود نقشبندی مجددی فاروقی براہی لا البصار
وفوی الاختیار کہ باطن ایشان با سرار انور الہی پیراستہ وظاہر ایشان بشریہ مجزا مصطفیٰ
علیہ الصلوٰۃ والسلام آراستہ، اظہار نعم منعم حقیقی می نماید کہ ہر گاہ انجی حقائق مآب معارف
انتساب میاں محمد حمید الدین در ابتداء حال خود باعث کشش ازلی ہدایت سرمدی،
اشتیاق تحصیل حقائق و معارف طریقہ اجداد فاسدی و امن گیر شد، رجوع بہ فقیر آوردہ و خل
طریقہ انیقہ نقشبندیہ مجددیہ گشت، چون کہ غایت ازلی شامل حال اولیود در اول توجہ
نسبت نقشبندی در لطیفہ قلب و سرایت نمود و جذبہ مجددیہ اندرون او جایافتہ نسبت
ارشادی و افرادی ہر دو متحقق گشت و در آخر الامر نسبت افرادی برابر شاوی غالب آمد
الحمد للہ کہ روز بروز ترقی رود و جمیع لطائف بامداد جذبہ ایزدی مثل مرآت میصفی شدند و
سیراں ہا در فروع و اہول اسماء و صفات و شیونات بحشم عیاں دیدہ، و کشف قبو و قلوب
و عالم ناسوت و عالم ملکوت صراحتہ و وضاحتہ نصیب و گردید، حتی کہ بشارت ہائے
خود لکھان ہر چہ سلسلہ و غیر ہم در شان او علی التواتر و التوالی شدن گرفت، پس بعد از
قطع سیر آفاقی و انفسی و دائرہ ولایت کبری و ولایت علیا تمامی سیرلی اللہ فی اللہ
بحقائق فنا و مطلق ہو رسید و از خوف رجوع و عود بے خوف گشتہ بدقائق و معارف
بہ مشرف شد، و در اثنا سلوک سیر جمیع مقامات بکشف صریح اور احاصل شد، و در
عالم کشف اجازت طریقہ قادریہ از حضرت محبوب سبحانی قدس سرارہ واجازت
طریقہ چشتیہ از حضرت خواجہ قطب الدین و خواجہ سلطان نظام الدین واجازت طریقہ

Click For More Books

سہروردیہ از خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یافتہ من بعد اجازت ہر سہ
طریقہ اور از حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاصل شد و اجازت طریقہ نقشبندیہ از پیش کا خواجگان
خواجہ باقی باللہ خواجہ غریبہا والدین نقشبند قدس اللہ اسرارہما و از حضرت ابابکر صدیق
رضی اللہ عنہ میسر شد، و لطافت منہایات حضرات خواجگان و حق او بسیار شدہ خصوصاً حضرت
خواجہ شمس العارفین قدس اللہ سرہ، پس بلحاظ تمکین بدرجہ تکمیل در طریق علیہ نقشبندیہ اور اجازت
داده شد تا کہ ارادۃ طریق ہدایت و توجیہ و القاء نسبت در بواطن طالبان دریں طریقہ نماید
و اگر یکدم مصلحت ذکر و اشغال باقی ہر سہ طریقہ طالبیہ نماید این ہم جواز دارد و
تصرفات افرادوی نہایتے رسیدہ کہ مداوی علیلان ظاہری و باطنی توان کرد، پس منید
است کہ متوسلین او از فیوضات مہربانہ او تعالیٰ حظ وافر و بواطن خود حاصل نمودہ بہ بحر
احدیت مضجک گشتہ، بہ مقصد اعلیٰ و انہی خواهند رسید و وصیت کردہ می شود و باتباع سنت
سنیہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ و السلام و دوام حضور می و آگاہی بحق سبحانہ و بترک
صحبہ انبیاء و حبیب النبییت با فقرار و با جتناب عن الجور و البدعہ و توکل علی اللہ و صبری
البلاء، اللہم اجعلہ من المستقیمین، آمین، لہ

و سہ ماہی الاول ۱۲۸۲ھ ہجری (در دستخط) محمد سعید نقشبندی مجددی دہلوی

اعلیٰ حضرت نے مولانا حیدر شاہ کے نام جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا تھا، اشارات عرفاں میں اس
کی نقل بھی موجود ہے، یہ مکتوب محبت و موافقت خاص کا آئینہ دار ہے، کتابتے کو رہے اس کی نقل پیش کی
جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقت باب طریقت انتساب مصدر فیوض الہی، مورد الوار صدقانی، شاگرد نعماء رحمانی
صابر و موار دہیمی، قانع اعطائے معطی، مشرف لطفائے محبوب یزوانی، مجاہد فی سبیل اللہ
مداوی الطریق الی اللہ، ماضی نقش ماسوا اللہ میاں حمید الدین بارک اللہ فیوضہ۔ بعد از سلام
سنت الاسلام و استدعا استقامت شریعت و طریقت و ادعاء ترقی فیوضات و حرانیۃ
و توجیہ دائمی الی احادیث و سنن و اسواء و اتصہدیت، مرفوع آں کہ چند خطرات آں

حقیقت آب علی لتواتر التوالی موصول گشته کاشف حالات گردیدند از مطالعہ صدقات
در وقوف بصدیق حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام امثلاً لبلاء علی الا نبیاء ثم لا امثل فا
الامثل برآں صابر بلاء دعا خیر خوانده کہ رفع ضرر است امید از او تعالی کہ از محض فضل و کرم خود
شفائے کلی عطا کند آمین ثم آمین ؛ امید از ان طریقت انتساب کہ بفحوائے حدیث شریف بر
من سعاده ابن آدم رضاء بما قضی الله له من رقع سعادت دارین باشد و
رضاء مولی از ہمہ اولی پیش نظر دارند و ترقی درجات و خیریت معاملات بمنطوق حدیث
علیہ الصلوٰۃ والسلام وان اصابہ ضرر و صبر فکان خیر الداء و صبر بلاء دانید و بہر
قرب الی اللہ اور وسیلہ خود تصور نمایند و بیشتر معیت او تعالی حسب متولہ حل جلالہ ان
الله مع الصابین ط باشد و فتح مسروریت و بشارت را توقع داشته فان مع
العصیر یسر ان مع العسر یسر ان خوانده باشند کہ او تعالی یسر را بعد العسر و یسر را
بیان نموده است، البتہ فقیر ترا حضرت ارشاد پناہ قطب عالم قدس سلمہ العزیز بوقت نخست
وصیت صبر کنی میشت و معائب نموده نظیر بمانی حدود اللہ بود و فرمودند کہما قال علی الله
علیہ سلمہ الزهادة فی الدنیا لیست بتحریم المال ولكن الزهادة فی الدنیا
ان لا تكون بهانی بینک و وثق بمانی ید الله و تکی و معیشت را سپر برزاق
نموده ان الله هو الرزاق ذو القوة المتین و نقش کا بجز نمایند پس فقرات
و رزق بلا حساب امیدوار باشند کہ و من یتق الله یجعل له مخرجاً و یزقه
من حیث لا یحتسب فرموده او تعالی است، فقیر نیز تمام رمضان المبارک بدر وقوف
مبتلا مانده کہ یک وزہ نصیب گشته، سواء صبر رضا چه کرده آید بعد از ان از روز عید الفطر
بر خود و از احمد سعید را بخار لاتی حال شد و حتی کہ بہر سہل شدند بفضل الہی الحال صحت کامل
عطا گردید حمد و تعالی بجا آورده شد فقیر الی قدر فرصت دست نداده کہ بحواب متوجہ
شود بحال نیز بریں چند کلمات قلیلہ اکتفا نموده دعا خیر خواهد شد ۳

(دستخط) محمد محمود نقشبندی مجددی دہلوی

۳ حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ ہے جو اعلیٰ حضرت کے پیر و مرشد تھے۔

۳ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحب اوسے تھے ۱۲۸۹ھ میں دہلی میں وصال فرمایا۔

۳ محمد جلیل الدین حیدر شاہ : اشارت عرفان، ص ۵۵

Click For More Books

حضرت مولانا حمید الدین حیدر شاہ کے خلفاء میں حضرت مولانا غلام ابراہیم نقشبندی مجددی کا نام ملتا ہے آپ گنور شریف (تحفیل سونی پت ضلع رھتاک) کے رہنے والے تھے آپ نے اپنے شیخ طریقت کا منجھہ طریقت ترتیب دیا ہے جو روز بازار الیکٹرک پریس امرتسر و بھارت سے شائع ہوا تھا، اس کے آخر میں اپنے شیخ کا وہ اجازت نامہ بھی نقل کیا ہے جو ۱۳۱۵ھ میں ان کو عطا کیا گیا تھا، چونکہ یہ مولانا حمید الدین علیہ الرحمہ کی نشانی ہے اس لئے تمنا یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي تنزه عن وهم الاشتراك في الالوهية تقديس
عن النقائص في الصفات السلبية والثبوتية والصلوة والسلام على
مظهر الاحدية والاله الاطهار واصحابه مخزن الاسرار فيوض الصمد
اما بعد بنو مسكين واحقر محمد حميد الدين حيدر گنوري ملقب بمحبوب نیر وال معروف
فقير محمدی فاروقی نسباً، حنفی مذہباً، نقشبندی مجددی علی طریق محمدی مشرباً برأوی الابصار
وذوی الاختیار کہ باطن ایشان باسرار والوارثی ہیراستہ وظاہر این بشرعہ غرہ مصطفیٰ
علیہ الصلوٰۃ والسلام آراستہ اظہار نعم منعم حقیقی می نماید ہر گاہ ہے کہ انی حقائق آب معارف
انتساب غلام ابراہیم را وراثت سے حال خود باعث کشمکش ازلی و ہدایت سرمدی ،
اشتیاق تحصیل حقائق و معارف طریقہ انیقہ نقشبندیہ مجددیہ دامن گیر شد بتایں خد صفر
۱۳۱۰ھ مقتدر سے جو ع بفقیر آوردہ داخل طریقہ انیقہ نقشبندیہ مجددیہ گشت، چون کہ عنایت
ایزدی شامل حال و بود و را اول توجہ نسبت نقشبندیہ در لطیفہ قلب و معہ لطائف دیگر لیت
نمود و جذبہ مجددیہ احمدیہ اندرون او جایافتہ دامن کش جانب ترقی عروج گشت ،
الحمد لله کہ روز بروز ترقی روداد و جمع لطائف باءاد و جذبہ ایزدی مثل مرآت
مقتفا شد و سیر آل ہاد و فروع و اصول اسما و صفات و ثنونات چشم میاں دیدہ
و کشف قبور و قلوب عالم ناسوت و عالم ملکوت صراحتہ و وضاحتہ نصیب او گردید ،
پس بعد از نقطاع سیر آفاقی و انفسی و دائرہ ولایت صغری و کبری و دائرہ ولایت علیا و اکم
ظاہر و باطن و تمامی سیر الی اللہ فی اللہ بحقائق فناء الفناء رسید و از خوف جمع و
سود بے خوف گشتہ بدقائق و معارف مشرف شد و در اثناء سلوک سیر جمع مقامات ،
مجملاً منکشفاً و را حاصل شد۔ پس لحاظ نمکین بدرجہ تکمیل در طریقہ انیقہ نقشبندیہ اورا

Click For More Books

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اجازت دہے شد تاکہ ایسا طریقہ ہدایت توجہ والقا نسبت در باطن طالبان این طریقہ نیاید
ترصد آن کہ امید از جناب یزدی کہ متوسلین اواز فیوضات و تصرفات موبہ و تعالیٰ حظ
وافر باطن خود حاصل نموده و نہ بکرا حدیث متعمل گشتہ بقصد اعلیٰ خواہد رسید و وصیت کردہ
می شود باتباع سنت سنیہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام و دوام حضور فی اکاہی
بحق سبحانہ و تعالیٰ و ترک صحبت اغنیاء حسب انس بققرار و اجتناب عن الجور و بدعتہ و توکل
علی اللہ و صبر علی اللہ اللہم اجعلہ من المتقین آمین یا رب العالمین فقط

تحریر تاریخ چہارم شہر ذی الحجہ ۱۲۸۵ ہجری، العبد محمد الدین حید نقشبندی مجذبی بخوری گزری تقلم خود

حضرت مولوی رحیم اللہ صاحب | اعلیٰ حضرت کے دوسرے خلیفہ حضرت رحیم اللہ شاہ صاحب
رحمۃ اللہ علیہ تھے آپ بلند پایہ بزرگ فارسی کے اوشناس

اور زبردست خطاط تھے شاہان دہلی کی طرف سے آپ کو خاص خلعت ملا کرتی تھی، آپ کے ہاتھ کے لکھے
ہوئے خطرات دہلی، الور، بھاول پور، خیرہ کے عجائب خانوں میں موجود ہیں، حسن خط کی کیا تعریف کی جائے
معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ہاتھ میں کتنی قدرت کی کار فرمائیاں ہیں، موصوف سہار اکین سلطنت خوشنویسی،
کی اصلاح کیا کرتے تھے، حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدوح کے تلمیذ رشید تھے فن
خطاطی موصوف ہی سے سیکھا تھا اور حق یہ ہے کہ وہ کمال حاصل کیا کہ جس کی نظیر نہیں، مولوی رحیم اللہ صاحب کی
عظمت نشان کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بقول ان کے نواسے بشیر احمد صاحب لہ۔

مولانا رکن الدین صاحب رحیم اللہ صاحب کے سامنے مؤدب بیٹھتے تھے

رحیم اللہ صاحب دہلی میں دریاہ کلان میں مکان تھا جو چاندنی چوک میں واقع ہے، آپ نے وہاں ایک
مسجد بھی تعمیر کرائی تھی، دہلی سے آپ اور تشریف لے گئے اور وہیں مستقل طور پر رہائش اختیار کی، چون کہ
آپ مشہور و معروف خطاط اور مدح کار تھے ہمارا جہ الور نے آپ کی اور آپ کے خاندان کی بڑی قدر و منزلت
کی، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ جب بھی الور تشریف لے جاتے آپ کے ہاں قیام فرماتے، رحیم اللہ صاحب کی صاحبزادی
بھی آپ سے بیعت تھیں یعنی بشیر احمد صاحب موصوف کی والدہ مرحومہ ان کے ہاں بھی تشریف لیجاتے بعد میں
جب حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب کو بیعت و خلافت سے نوازا تو ان کے دولت کردے پر بھی قیام فرماتے تھے
اور الور تشریف ہی میں تھا۔ رحیم اللہ صاحب کی ولادت میں چار صاحبزادے تھے، محمد یعقوب، ضیاء الحسن اور
لے بشیر احمد صاحب، بھگل بھادل پور میں مقیم ہیں رحیم اللہ صاحب کے نواسے ہیں اور ریاست الور کے مشہور مشیر ساز ہیں،
ہمارا بھگان الور کے دربار میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، اس وقت ان کی عمر تقریباً ۹۰ سال ہے (بقیہ دوسرے صفحہ)

حضرت مولانا محمد سعید | اعلیٰ حضرت کے تیسرے خلیفہ حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ تھے، آپ اعلیٰ حضرت کے سب سے بڑے صاحبِ دسے تھے آپ کے اجمالی حالات اولاد و اجار کے ذیل میں بیان کئے جا چکے ہیں، آپ کی ذات گرامی سے خانوادہ مسعودیہ کو بہت فروع حاصل ہوا، اعلیٰ حضرت کے باقی چاروں صاحبِ ادوں کی کوئی نرینہ اولاد اپنے ابا کی علم و فضل و دروہانیت کے ساتھ موجود نہیں حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات کی بدولت اعلیٰ حضرت کا روحانی اور نبی سلسلہ قائم رہا، آپ کے صاحبِ دسے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز سے خاندان مسعودی خوب پیولا پھلا کشتی طیبہ اصلہا ثابتاً و فرعہا فی السماء۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی سے ایک مکتوب گرامی تحریر کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مولانا محمد سعید سفر میں تھے اس مکتوب میں اعلیٰ حضرت نے بیعت کے اجازت مرحمت فرمائی ہے اور طریقہ بیعت کی بھی وضاحت فرمادی ہے یہ مکتوب اردو میں تحریر فرمایا ہے اعلیٰ حضرت کے چند مکاتیب گرامی حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجموعہ کی شکل میں نقل کر رکھا محفوظ کروائے تھے یہ مجموعہ آپ کے صاحبِ دسے حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی کے پاس محفوظ ہے، مکتوب گرامی کی نقل اسی قلمی مجموعے سے پیش کی جا رہی ہے :-

برخوردار، ساح الاطوار، لامع الانوار، محمد سعید طول عمرہ

بعد دعوات مزید کے معلوم ہو کہ پوسٹ کارڈ تمہارا آیا، حالات سے آگہی ہوئی، ہم کو فقیر کی طرف سے اجازت ہے تلقین طریقہ نقشبندیہ کی جیسے کہ حضرت مخدومنا ارشاد پناہی سے فقیر کو پہنچی ہے قدس سرہ العزیز، جو کوئی طالبِ جوع تمہاری طرف کرے اس کو اپنے سامنے دوڑاؤ بٹھا کر اور آپ دوزان قبیلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو، بعد سیدھا ہاتھ اس کا اپنے سید سے ہاتھ میں اور بائیں ہاتھ اس کا اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ کے اول یہ کلمہ معنی تلقین کرو۔ اللہم انی اعوذ بک من ان لا یشک بک شیئاً وانا اعلم بہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بچپن میں زیارت کی ہے اس وقت ان کی عمر ستر ویں سال تھی خاندان مسعودی سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے اگرچہ بیعت حضرت شاہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں جو حضرت شاہ بہاؤ الدین علی رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے خلیفہ تھے،

۱۱ حضرت مجدد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے، آپ کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

واعتقظ لعل لا اعلم به ثبت عنه وتبرأت عن الكفر والشرك
والمعاصي كلها اسلمت وامنت واقول لا اله الا الله محمد رسول الله
معنی ہیں :- اسے بارخدا یا ! پناہ مانگتا ہوں میں شرک سے اور کفر سے جو جانتا ہوں
اور مغفرت چاہتا ہوں میں تجھ سے اس گناہ جسے کو نہیں جانتا میں توبہ کی میں نے اس سے
اور سزا پر ہوا میں کفر اور شرک سے اور تمام گناہوں سے، اسلام لایا میں اور ایمان لایا میں
اور کہتا ہوں میں لا اله الا الله محمد رسول الله قبول کیا میں نے طریقہ نقشبندیہ،

بعدہ اول اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو کے طالب قلب کے اندر خیال جماؤ کہ جو نسبت میرے
قلب میں ہے وہ طالب کے قلب میں پہنچ رہی ہے اور طالب کے کہا جاوے کہ آگے بند کر کے
اپنے قلب کے اندر خیال کرے، دوسری طرف خیال نہ لیجاوے اور اپنا خیال بھی اور طرف
نہ لیجانا چاہیے، اگر شاید آجی جائے اس کو ذکر اسم ذات سے یا ذکر کلمہ سے دور کرنا
چاہیے، اور جب طبیعت الگ ہو جاوے ہاتھ چھوڑ دینا چاہیے، مگر تم کو مناسب ہے کہ
زیادہ اپنے قلب پر زور نہ دینا کیوں کہ قلب تمہارا بہت ہی ضعیف ہے، اور اپنے حال
کے عمل اسلحہ دو اور یہاں سب خیریت سے ہیں وروعا کہتے ہیں، احمد سعید علیہ السلام
عبدالرشید آداب کہتے ہیں، اور سب فیہ وستوں کو سلام علیک کہہ دینا اور حافظ قمر الدین،
امام جی کے سوا دوسروں کو اس سے اسلحہ نہ کرنا اور جواب اس کا سکندر آباد بھیجنا
فقط الداعی بالخیر محمد سعید نقشبندی دہلوی (ازدہلی)

حضرت مولانا محمد سعید کا وصال ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء میں ہوا اس لئے یہ مکتوب گرامی
نوٹ :- سنہ مذکور سے پہلے لکھا گیا ہوگا۔

حضرت مولانا کریم الدین شاہ صاحب حجتہ اللہ علیہ،
اعلیٰ حضرت کے جلیل القدر خلفاء میں ہیں آپ کی ذات گرامی
عقلمت مرشد کی آئینہ دار ہے مولوی ہدایت علی جے پوری نے خوب تحریر فرمایا ہے :-

۱۔ حضرت مولانا کریم الدین کو اعلیٰ حضرت نے ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۹ء میں سند خلافت عطا فرمائی تھی،

۲۔ امام جی مولانا محمد سعید کو بھی ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۴ء میں سند خلافت عطا کی۔

۳۔ محمد سعید شاہ : مکتوب شریف رقلی، ص - ۱۸۸ - ۱۸۹

حضرت مولوی مسعود صاحب کی کیا تعریف کی جائے کہ جن کے مرشد سید عبدالامام علی شاہ

جیسے ہوں اور ان کے خلیفہ اور طالب مولوی رکن الدین صاحب جیسے ہوں۔

حقیقت یہ ہے مطلوب کی عظمت کا اندازہ طالب سے ہوتا ہے، طالب ہو تو ایسا اور مطلوب ہو تو ایسا،

حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب جب طلب صادق لے کر آلود سے دہلی پہنچے تو عرصہ دراز تک

اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر رہے اس زمانہ میں فقیرانہ بسر کرتے تھے کہ شاہی لینے آئے تھے جبے شد

کال نے طلب شوق کا اندازہ فرمایا تو ایک روز فرمایا: ”آؤ آج تم کو بیت کریں گے“ چناں چہ بیت

فرمایا اور جلد ہی تمام منازل روحانی طے کر کے بام عروج پر پہنچا دیا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آپ پر خاص نظر کرم تھی جب بھی الود تشریف لیجاتے آپ کے ہاں بھی

قیام فرماتے ایکے وز حضرت مولانا رکن الدین صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے، بڑی خوشی میں فرمایا:-

”رکن الدین تمہاری تو پانچوں نگلیاں گھی میں ہیں جو چاہے لکھ دیا کرو“

اعلیٰ حضرت نے حضرت مرحوم کے مخفی جواہر کا مشاہدہ فرمایا تھا، اسی لئے فرمایا کرتے تھے:-

جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی سے اسلام کی اشاعت ہوئی ہے

اسی طرح مولوی رکن الدین صاحب سے ہمارے سلسلے کو فروغ ملے گا۔“

چناں چہ آپ کی ذات گرامی سے سلسلہ نقشبندیہ مسعودیہ کی اشاعت ہوئی کہ دوسرے علماء سے اس کا

عشر عشر بھی دیکھنے میں نہیں آیا، پاک ہند میں سینکڑوں مریدین ہیں، بشمار ہندو نے آپ کے دست حق پرست

پر اسلام قبول کیا، اور نہ صرف قبول کیا بلکہ بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو گئے۔

خاک کے ڈھیر کو اکیسیر بنا دیتی ہے

یہ اثر رکھتی ہے خاک تر سیر و طہ دل

حضرت مرحوم کے تفصیلی حالات آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی نے

مصباح السالکین فی احوال رکن الملت والدین میں تحریر فرمائے ہیں جو عرصہ ہوا ۱۳۵۵ھ کے قریب دہلی

سے شائع ہوئی تھی، ہم کتاب مذکور سے حضرت مرحوم کے مختصر حالات زندگی بیان کرتے ہیں:-

حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب کا سلسلہ نسب میزبان مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم حضرت شیخ

عبداللہ الفخاری مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے آپ کی ولادت موضع کھنڈر ضلع گرگانہ

لے محمد ہدایت علی، معیار السلوک دوافع الاوامر والاشکوک مطبوعہ کراچی، ۲۰۱۱ء

Click For More Books

Marfa <https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

میں ہوئی جو دہلی سے قریب ایک قصبہ ہے، آپ بھی چھ سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا چنانچہ آپ اپنے نامور شیخ فیر الدین مرحوم کے پاس ریاست الوریہ گئے شیخ صاحب مرحوم فارسی کے استاد و کامل تھے مرزا اسد اللہ خاں غالب سے بھی آپ کی مراسلت تھی، کتب خانے میں بہت سے خطوط محفوظ تھے انہوں نے وہ سب ہنگامہ نگار کی نذر ہو گئے۔

حضرت مرحوم نے فارسی کی تکمیل الوریہ میں کی، فن خطاطی میں مشہور خطاط اور بزرگ حضرت رحیم اللہ صاحب (جو اعلیٰ حضرت کے خلفاء میں سے تھے) تحصیل کی اور کمال حاصل کیا، فن تجوید اور علوم عربیہ کی تحصیل کے بعد شیخ کامل کی لگن لگ گئی چنانچہ اعلیٰ حضرت سے شرف بیعت حاصل کیا، صاحب مصباح السالکین تحریر فرماتے ہیں الحمد للہ ایسے ہی مرشد کامل حضرت کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا جن کی ذات گرامی ان

تمام انوار الہی سے روشن تھی، جو علم ظاہر اور علم باطن میں بلند پایہ کہتے تھے وہ کون؟
سید الاصفیاء، بیربان الاتقیاء، امام العارفین، قدوة المحققین، حضرت مولانا شاہ رحیم بخش صاحب الملقب بہ محمد سعود شاہ صاحب مفتی شہر دہلی و خلیف مسجد شاہی جامع فتحپوری دہلی ہیں اور
میں آپ کی آمد آمد کا شامانہ غلطہ بلند ہوا، حضرت زیارت کے لئے حاضر ہوئے، انوار الہی
استانہ بیعت ہو گئے۔

بیعت نے بن حضرت مرحوم کی ایک مجذوبہ ملاقات ہوئی، آپ نے اعلیٰ حضرت سے بیعت ہونے کے متعلق اس سے دریافت کیا۔

اس وقت وہ اپنی دھن میں بیٹھا مٹی اڑھراؤ دھر کر رہا تھا، اس کو چھوڑ دیا اور کہا۔ ہو جا
ہو جا — الف کو مد کے ساتھ کھینچتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا
ایک اور مجذوبہ ملاقات ہوئی، اس سے جب حضرت مرحوم نے دریافت فرمایا تو اس نے کہا۔
یہ وہ ہیں کہ اگر نقاب رخ سے اٹھادیں تو بارہ کوس تک نیا سجدہ کرے (یعنی انوار الہی کہہ)
جس زمانے میں حضرت مرحوم بیعت ہوئے اسی زمانے میں اعلیٰ حضرت کے ایک قوی الاستعداد میر کا انتقال
ہو گیا تھا جس کے فراق میں اعلیٰ حضرت بہت غمگین تھے، جب حضرت مرحوم کو بیعت فرمایا تو ارشاد فرمایا۔
الحمد للہ جو رنج تھا، دور ہو گیا وہ تمام نسبت اور فیض منتقل ہو گیا حق تعالیٰ نے نعم البدل عطا فرمایا

۱۔ مفتی محمد محمود: مصباح السالکین فی احوال زکین الدین، مطبوعہ دہلی، ص ۶۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

بیعت کے پانچ سال بعد اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا گویا یہ بیعت ۳۰۷ھ کے اہل میں ہوئی ہوگی۔
۳۰۹ھ میں اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا تھا۔

وصال سے چند ماہ قبل اعلیٰ حضرت نے سند اجازہ خلافت سے نوازہ اسد کا مضمون اعلیٰ حضرت نے خود تحریر فرمایا اور اس کی کتابت حضرت صاحب مرحوم نے کی، سطر میں معلوم ہوتا ہے کہ سلک مروارید میں صاحب مرحوم نے اپنے دست مبارک خود اور خلفاء کی سندات تحریر فرمائیں یعنی حافظ قمر الدین صاحب آپ کے استاد گرامی رحیم اللہ صاحب کے بھائی تھے اور امام علیہ الغفور صاحب۔ حضرت صاحب مرحوم سند خلافت چوں کہ دیکھنے دکمانے کی چیز ہے اس لئے اس کا قوٹو بھی پیش کیا جا رہا ہے، اسی کے ساتھ اس کی نقل بھی تحریر کی جاتی ہے :-

محمد نقشبندی دہلوی دال
(مہر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمدؐ و نصلیٰ و نسلم علی سید الطائفة الصوفیة الصافیة الکرام البررة محمد
والہ واصحابہ اجمعین اما بعد پس می گوید فقیر شیخ رحیم بخش بلقیہ محمد حو نقشبندی
دہلوی وقتے کہ مجذبہ الہی و داعیہ سرمدی سہی شیخ زکریا الدین الوری بانی دیر و رحبت خود
رجوع بغیر آورده داخل طریقہ انیقہ علیہ نقشبندیہ شد، و تا عرصہ پنج سال مجاہدہ و ریاضات
کشیدہ درین ضمن نسبت قلبیہ لطائف ستہ با حسن و جہ نصیب او گردیدہ حتی کہ مجذبہ این طریقہ بقام
صحو و سکر رسید و بقا و اصل گردید، و تصرف قویہ این قدر حاصل گشتہ کہ در صحبت او ہر کہ
آمد بہدایت ابدی آمدہ و سبب ہدایت یافتہ، ناچار اور انظر انتشار فیضان محمدی علیہ الصلوۃ
والسلام برائے ہدایت طالبین اجازت دادہ شد تا کہ بسعی تمام برآں تصرف توجہ نمودہ،
بوصل خدائے تعالیٰ رسانند و ثواب عظیم و اجر غنیم حاصل کنند منہ و فضلہ تعالیٰ۔ وصیت
کردہ می شود بحسن سہی بطالبین خدا و محبت با فقر و انبیت و شفقت با غربا و تقرب بہ محبت اغنیاء
دال دنیا و اتفاق و محبت با یاران طریقت و اتحاد و محبت با اہل طریقت و حقیقت و صلی
اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمدؐ و آلہ و اصحابہ و سلمہ فقط تحریر فی تاریخ دوم
جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ ہجرت النبویۃ القدسہ۔

نسبت نقشبندیہ اعلیٰ حضرت سے حاصل فرمائی از نسبت چشتیہ امیر شریف جاکر بذریعہ شف برادر است
حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، پھر جب حج بیت اللہ شریف کیلئے تشریف

نقشہ امامی
مسعودی



بسم الرحمن الرحیم

محمد و آلہ وسلم علی سید الطائفة الصوفیة الصافیة کرام البررة محمد و آلہ و اصحابہ
اما بعد پس گوید فقیر شیخ رحیم بخش لقب محمد مسعود نقشبند دہلوی قنکیہ
الہی و احمد سرمد سہمی شیخ رکن الدین الوری بشوق و غایت رجوع بقصیر آورد
و فل طریقہ نقیہ علیہ شبنم شد ماہ صفر سال مجاہدہ و بانساکشید دین مندرج
و غایت با حسن و بعبیب و گردید و منی کہ مجذوبہ طبع بقہ مقام محو و کمر سید و بنا
و بقا و اہل گردید و تصرف و ابرق را مسلک شد کہ در صحبت او ہر کہ آمد بہدیت بدی آمد
و بسا ہدیت یافتند نامہ او را بنظر تشاریفنا مجمع علی طریقت الصلوۃ والسلام ارجی الطاہرین
اجازت داشتہ تا کہ بتعلیم بران حق و نور و نور تعالیٰ تہذیب و تہذیب عالم حاصل کنند
بنہ فہمکہ تعالیٰ و صیت کرد و بشود و بحسب بطالہ الخیر و بحسب با فقر و شہیت و شفقت با غرا
و غر بصفت اول و بنا و اتفاق و بحسب با طریقت و بحسب با طریقت و بحسب با طریقت و بحسب با طریقت
محمد و آلہ و اصحابہ وسلم فقط تحریر فی الیاریع و ہم جاہ و الی ثانی سنۃ ۱۳۰۹ ہجری النبویۃ المقدسہ

عکس خلافت نامہ حضرت مولانا شاہ رکن الدین الوری رحمہ اللہ علیہ جو
اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمہ اللہ علیہ نے ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ
کو عنایت فرمایا - خود حضرت شاہ صاحب الوری رحمہ نے اس کی
کتابت فرمائی

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

لے گئے تو وہاں حضرت خواجہ ضیاء مصحوم رحمۃ اللہ علیہ نے پشتیہ قادریہ، نقشبندیہ اور اویسیہ چاروں
فلسفوں سے سرفراز فرمایا اور اجازت نامہ عنایت فرمایا۔

حضرت مولانا کرن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و معتقدین پاک ہند میں پھیلے ہوئے ہیں، آپ کا
وصال ۱۲ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ کو رات ۲ بجکر دس منٹ پر ہوا جس کی آپ نے پہلے ہی پیشین گوئی فرمادی تھی،
آپ کے آخری وقت کے حالات ایسے پر کیف ہیں کہ اس طرح دنیا سے جانے کو جی چاہتا ہے۔

دل تو جاتا ہے اس کے کوچہ میں

جامری جاں، جا خدا حافظ

ان حضرات کا جانا، حقیقت میں جانا نہیں ان کی راتیں طلوع سحر کی تہید ہیں۔

جہاں ہیں اہل ایمان صورت نور شید جیتے ہیں

ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

حضرت مرحوم، اعلیٰ حضرت سے فیض پانے کے بعد نصف ہدی تک (۲۰ ۱۲ھ تا
۱۳۵۵ھ) غلوک الہی کو فیض پہنچاتے رہے اور جن چراغوں کو روشن فرمایا وہ اب تک
فیض کے دریا بہا رہے ہیں آپ کے خلفاء اور سفراء میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا ارشاد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آپ اعلیٰ حضرت سے بیعت تھے لیکن سند خلافت حضرت
صاحب مرحوم سے حاصل تھی)

۲۔ حضرت مفتی عظیم محمد مظہر خلیف شاہی مجدد آپ اعلیٰ حضرت مرحوم کے پیرو مشد کے صاحبزادے
جامع فقہوری، دہلی قدس سرہ العزیز حضرت صادق علی شاہ سے بیعت تھے لیکن خلافت،
حضرت صاحب مرحوم سے ملی تھی)

۳۔ حضرت مولانا الحاج مفتی محمد رفیع صاحب، (آپ حضرت صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں آپ کو
حضرت مفتی صاحب سے بھی خلافت حاصل ہے)

۴۔ مولانا صوفی اخلاق محمد رام پوری (آپ ایک عرصہ جھالا وار رہے اب بکھل احمد آباد میں مقیم ہیں)
قاضی علی اکبر صاحب (آپ جھالا وار میں مقیم رہے)

۵۔ حافظ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آپ بھٹنڈہ میں مقیم رہے)
صاحب خاں، قاضی شجاع الدین، حاجی بشیر وغیرہ کو سفارتاً اجازت حاصل تھی۔

حضرت مولانا رکن الدین شاہ علیہ الرحمہ کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابیں قابل

تصانیف

ذکر ہیں :-

یہ رسالہ سوال و جواباً نماز کے مسائل کے بارے میں ہے فقہ کا مقبول عام رسالہ ہے نہ صرف پاک ہند بلکہ بیرون ہند میں بھی اس کے کئی ورژن

۱۔ رسالہ رکن الدین

شائع ہو چکے ہیں۔

اس رسالے میں نماز کے طریقوں سے بحث کی ہے اور اس کی حقیقت کو آشکاف کیا ہے حق یہ ہے کہ اس کے مطالعہ کے بغیر نماز کی حقیقت

۲۔ روح الصلوٰۃ

نگاہوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔

اس رسالے میں عقائد اہل سنت و الجماعت کو نہایت تحقیق و کاوش کے بعد سوال و جواباً مفصل بیان فرمایا ہے، غیر مذاہب کی کتابوں

۳۔ توضیح العقائد

سے استفادہ کر کے اسلام کی حقانیت کو ظاہر فرمایا ہے۔

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مستند احادیث و روایات کو جمع کر کے سلاک و ارید کی طرح جمع کر دیا ہے بڑی جامع تصنیف ہے

۴۔ مولود محمود

یہ تمام رسالے دہلی سے عرصہ ہوا شائع ہو چکے ہیں۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں طاعون کے متعلق حکامات تحریر فرمائے ہیں اس کے بعد ادویات و ادویات تحریر فرمائی ہیں۔ یہ

۵۔ رسالہ دافع طاعون

رسالہ لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔

حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے اور اکل عثر سے

اولاد و مجاد

وفات پا گئے، دوسرے صاحبزادے بقید حیات ہیں، یعنی حضرت علامہ مولانا

مفتی الحاج محمد محمود شاہ دامت برکاتہم العالی، آپ کی ولادت باسعادت ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء، شنبہ جمعہ المبارک التوہب ہوئی، آپ نے ابتدائی تعلیم گھری پر والد محرم حضرت مولانا رکن الدین شاہ، اور بعد از حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، فارسی میں گلستان اور بوستان اور عربی میں طہ البیہ تک پڑھا، اس کے بعد اجمیر شریف تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ معینہ عثمانیہ میں قلمی، شرح جامی، اور شافعی وغیرہ کتب عربیہ پڑھیں، پھر دہلی شریف لے گئے اور وہاں مدرسہ عالیہ محمد فاضل میں مولانا بابر شاہ

Click For More Books

[illegible]

”میری تنہا یہ ہے کہ میری زندگی میں آپ حضرات اس فن و علم توقیت میں مہارت
 پیدا فرمالیں۔“

پھر ۱۶ مئی ۱۹۳۳ء کو موصول شدہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”میں کب تک بیٹھا رہوں گا، طبیعت چاہتی ہے کہ اپنی زندگی میں اس میں (علم و تقویت) میں مہارت پا کر یہ خوشی میسر آجاتی“

حضرت مفتی اعظم پاکستان ہند میں علم الفرائض و علم تقویت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، سرہ العزیز —
علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت کے بعد آپ پھر دہلی تشریف لے گئے اور حکیم جمیل الدین صاحب طب میں شرح موجز کلیات نفیسی، شرح وحمیات القانون للشیخ الرئيس بوعلى سینا، وغیرہ پڑھیں اور سند تکمیل حاصل کی، حکیم جمیل الدین صاحب مشہور و معروف طبیب حکیم اجل خاں کے استاد اور ربانی طبیبین، دہلی حکیم عبدالحید کے تلمیذ رشید تھے،

فن طب میں سند حاصل کرنے کے بعد حکیم عبدالحید صاحب کے صاحبزادے اور حکیم اجل خان کے جانشین حکیم محمد ظفر خاں دہلوی کے مطلب میں عملی تجربہ کیا اور سند تجربہ بھی حاصل کی، الغرض حضرت مفتی صاحب نے سیرج پچیس سال تحصیل علوم و فنون میں گزارے پھر واپس اپنے دولت خاں نے اور تشریف لائے یہاں جامع مسجد میں تقریباً چھ سات سال تفسیر قرآن کا درس دیا اور قرآن پاک ختم فرمایا — اسی زمانے میں تفسیر کبیر علامہ رازی کا بابا الاستیعاب مطالعہ کیا۔

حضرت مفتی صاحب دوران تعلیم میں اپنے والد ماجد قدس سرہ العزیز سے بیعت ہو گئے تھے لیکن طلب علم اور شوق مطالعہ نے حضرت مرحوم کی روحانی مجالس میں شرکت کا موقع نہ دیا — تحصیل علم سے فراغت کے بعد بھی یہی حال رہا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مرحوم نے آپ سے فرمایا :-

”علم و قسم کے ہوتے ہیں، علم سفینہ اور علم سینہ، تم نے علم سفینہ (کتابی علم) تو حاصل کیا

مگر یاد رکھو کہ علم سینہ کتابوں سے نہیں ملتا، صحبت اہل اللہ سے حاصل ہوتا ہے“

روح و دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے — چنانچہ اس پر تاثیر نصیحت کا حضرت مفتی صاحب پر بہت بڑا اثر ہوا، خود تحریر فرماتے ہیں :-

”قلب پر اثر ہوا کہ کتاب میں تو ہر وقت موجود ہیں، جب چاہا مطالعہ کر لیا، لیکن صحبت

کہاں؟ — مجالس قدس میں حاضر ہونے لگا، پھر تو حضرت کے فیضان قلبی نے

دل کو پکڑ لیا، مکتوبات امام ربانی حضرت سے پڑھنا شروع کر دیا، وہ فیض ربانی اور نسبت

اے حکیم صاحب کے متعلق دستور الامام عبدالحید صاحب قرشی نے لکھا ہے کہ حکیم اجل خاں مرحوم آپ کے

Click For More Books

کا غلبہ ہو کہ پڑھنے پر قادر نہ ہوتا، آنکھیں بند ہوتی چلی جاتیں، اب مراقبوں کا ذوق بڑھنے لگا، مطالعہ مؤخر ہو گیا، دل سے نقوش ماسوی محو ہونے لگے۔ یہاں نہ کسی علم کی رسائی ہے اور نہ کسی فن کی، نوعیت بڑھتی گئی یہاں تک کہ خود سے بھی بیخودی ہو گئی، دوسرا اعلان پہنچ گیا :-

تواصل مباشرت کمال این است و بس
اب کچھ بھی نہ رہا، ایک فانی بستی کا کیا ذکر، انا اللہ وانا الیہ راجعون، نہ مرشد کمال ایسے ملتے نہ یہ ذوق حاصل ہوتا اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ فضل فرمایا کہ اساتذہ کمال عطا فرمائے وہاں مرشد بھی کمال عطا کیا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

روحانی تربیت کے بعد حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ہر چار سلاسل میں اجازت مرحمت فرمائی اور ۸ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء کو سند خلافت و جانشینی سے سرفراز فرمایا، الحمد للہ کہ آپ کے فیض روحانی سے ہزاروں انسان مستفیض ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں، مولیٰ تعالیٰ اس فیض کو جاری و ساری رکھے آمین، حضرت مولانا رکن الدین شاہؒ نے جو خلافت نامہ عنایت فرمایا تھا یہاں اس کی نقل پیش کی جاتی ہے :-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين حمداً ايوافى نعمه ويكافى مزيداً كرمه والصلوة والسلام على حبيبہ محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فقیر حقیر مسکین شیخ محمد رکن الدین انصاری نجدی الوری می گوید ہر گاہ بدامیہ سرمدی و جاذبہ ابدی فرزند می حکیم مولوی محمد محمود سلمہ الودود و بشوق و رغبت خود رجوع بفقیر آوردہ داخل خانہ دان عالی شان نقشبندیہ شد و تا سجدہ وہ سال مجاہدات و ریاضات کشید الحمد للہ والمنة کسورین ضمن نسبت قلبیہ لطافت مستحسن وجہ نصیب او گشت و از مرتبہ ثل تا بہ اہل رسیدند دریں اثنا از نسبت شریفہ قادریہ چشتیہ ہم فیض یاب گردیدند عزیز گرامی وجود را بنظر انتشار فیضان محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام برائے اجازت طالبین اجازه دادہ شد، این فقیر را این ہر سہ نسبت ، ظاہری و باطنی کاشف اسرار حلی و خفی حضرت مولانا مولوی مفتی رحیم بخش صاحب الملقب مولانا مسعود شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ حاصل شد، حق تعالیٰ نسبت طریقہ عالیہ قادریہ چشتیہ شریفہ بواسطہ حضرت خواجہ کمال کل شیخ محمد ضیاء مصوم در مقام مکہ معظمہ ز او ہا اللہ شرفاً و تعظیماً از

کما، افضل و کرم خود از ہر دو نسبت مشرف ساخت، پس این فقیر اس ہر سہ نسبت مکسو خود بولوی
وحکیم محمد محمود سلمہ اللہ و در سائیدم ویرجائے خود نشاندم، اللہ تعالیٰ بلفیل حبیب پاک صلی اللہ علیہ
وسلم و برکت پیران کبار علیہم الرضوان از وجود نیک مسعود بر خوردار موصوف ای جانشینی
را مبارک و آباد فرماید و بر خوردار سچی تمام تصرف بر طالبان کردہ بوصول الہی رسانند و
ازیں ہمت و تصرف ثواب عظیم و اجر عظیم حاصل کنند، بمنہ و فضلہ،
بتاریخ سنہ ۱۳۵۵ھ بمجرعی۔

فقیر حقیر محمد کن الدین نقشبندی الوری

(مصباح السالکین، ص ۵۴)

۱۹۲۷ء میں تقسیم ہند کے وقت راجپوتانہ میں زیر دست فسادات پھوٹ پڑے تھے، چناں چہ
طوعاً و کرہاً آپ نے الور سے ہجرت فرمائی اور دہلی تشریف لائے، آپ کا عظیم کتب خانہ جو علی نوادر
سے معمور تھا، فسادات کی نذر ہو گیا، وہ جو علی جو کبھی علم و دانش اور روحانیت کا مرکز تھی آج اس کو
بصحریت و یاں الوداع کہہ رہے تھے۔

از در دوست چہ گویم بچہ عنوان رفتم

بہم شوق آمدہ بودم ہمہ حراماں رفتم

دہلی میں قیام کئے ہوئے کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ سرزمین بھی فسادات کے شعلوں کی لپیٹ میں آگئی
اور یہاں کی وسیع و عریض فضا میں مسلمانوں کیلئے تنگ ہو گئیں چناں چہ آپ نے یہاں سے بھی ہجرت کی
اور پاکستان تشریف لے آئے اور حیدرآباد میں مستقل قیام فرمایا، شروع شروع یہاں کی فضا
کچھ بیگانہ سی تھی مگر آپ کے حسن خلق کی کرشمہ سازلیوں اور سحر انگیزیوں نے جلد ہی اس بیگانہ ماحول
کو سازگار بنالیا اور عوام الناس آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور دیکھتے ہی
دیکھتے مقبولیت عام حاصل ہو گئی۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شرافت میں

فقط یہ بات کہ پیر مغال ہے مروت خلق

آپ نے حیدرآباد میں علم پیرا باد میں قیام فرمایا، مکان سے قریب آزاد میدان کے نام سے
زمین کا ایک وسیع و عریض قطعہ تھا، آپ نے بسیم اللہ کہہ کر اس میدان میں نماز باجماعت ادا کی،
ان مجددوں کی معجزہ نما تاثیر تھی کہ کچھ عرصہ کے بعد یہاں عارضی مسجد بن گئی جس کا ایک نیکو انسان

حاجی محبوب الہی صاحب جو آپ کے متقدین میں سے ہیں انہوں نے زر کثیر صرف کر کے شاندار مسجد تعمیر کرا دی جواب جامع مسجد آزاد میدان کے نام سے مشہور ہے ۔

بزمینے کہ نشان کف پائے تو بود

سالہا مسجد کہ صاحب نظراں خواہ بود

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے برابر اس مسجد میں نماز جمعہ قبل فاضلانہ تقریر فرماتے ہیں جو پرتائیر ہوتی ہے آپ نے ایک عرصہ حیدر آباد کی مرکزی مساجد، مسجد مائی خیری اور مدنیہ مسجد وغیرہ میں درس قرآن کریم دیا جس نے قبول عام کا شرف حاصل کیا۔ عرصہ ہوا جامع مسجد آزاد میدان میں رکن الاسلام جامعہ مجددیہ کے نام سے ایک علمی ادارہ قائم کیا ہے جہاں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم کے علاوہ فن تجوید و قرأت کا بھی اہتمام کیا گیا ہے بیسیوں طلبہ مستفید ہو چکے ہیں اور ملک کے مختلف گوشوں کے بہت سے طلبہ اس وقت زیر تعلیم ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے اپنی زندگی بے نیازانہ گزاری ہے، مخلوق خدا کی بے لوث خدمت میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں، اپنے علم و فضل سے اپنی روحانیت سے اور اپنے کمال طبابت سے جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے خدمت فرماتے ہیں، فی زمانہ ناہذا ایسے علماء و صوفیہ عمقا ہو چکے ہیں، اکثر و بیشتر علماء و صوفیہ گرنطاہر کہتے ہی بے نیاز نظر آتے ہوں مگر نیاز مندی ان کے قلب میں جاگزیں ہے ۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک

اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دار و حرم

یہی وجہ ہے کہ آپ کی مجلس میں امراء و غریب سب ہی آتے ہیں اور مستفیض ہوتے ہیں، آپ کا حلقہ ارادت بہت وسیع ہے، مغربی پاکستان کے بیشتر شہروں میں آپ کے مریدین و معتقدین موجود ہیں، ۱۲ سوال المکرم کو ہر سال اپنے والد ماجد قدس سرہ العزیز کا عرس کرتے ہیں جس میں اتباع سنت کا خاص اہتمام رکھا جاتا ہے، ملک کے گوشہ گوشہ سے لوگ شریک ہوتے ہیں، اور علمی اور روحانی مجالس سے مستفیض ہوتے ہیں، حضرت مفتی صاحب کو اپنے والد ماجد قدس سرہ کے علاوہ اپنے خسر اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نامور پوتے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت و اجازت حاصل ہے، حضرت مفتی اعظم آپ سے بے پناہ انسیت و محبت فرماتے تھے، ایسی محبت جس میں اولاد بھی حریف نہیں حضرت مفتی اعظم کے مکاتیب گرامی سے جو حضرت مفتی صاحب کو تحریر کرتے ہیں کمال محبت و الفت کا اندازہ ہوتا ہے۔

Click For More Books

مکاتیب گرامی کے متون سے قطع نظر اگر القاب ہی کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے ایک خاص تعلق کی بواہر ہی ہے چوں کہ یہ القاب ادبی حیثیت سے بھی اہم ہیں اس لئے چند منتخب القاب نقل کئے جاتے ہیں اس کے بعد مکاتیب سے اقتباسات پیش کئے جائیں گے۔

- ۱۔ ربیع فوادى و منتہائے مرادى، سندی و معتمدی اودام اللہ حیاتکم (۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء)
 - ۲۔ المذکی المخلص العزیز الشہیر سلیم اللہ لقاہم و ہون علیہ کل امر عسیر۔
 - ۳۔ صاحب الفضائل العلمیہ و المناقب لرضیہ لازلہ الت شمس ہدایتکم (مئی ۱۹۵۳ء)
 - ۴۔ قرۃ العیون و فرحۃ القلوب المحزون سلیم اللہ تعالیٰ (جولائی ۱۹۵۹ء)
 - ۵۔ حبی و شری فی المزن و السور سلیم الولی الشکور
 - ۶۔ البکھت الشافع الحیرزہ و الذکی المخلص العزیز اودام اللہ تعالیٰ علیہ سوابخ المنعم
 - ۷۔ عزیز الوجود المولانا الاحمد الحمید المحمود رفع قدرہ الودود (جون ۱۹۵۷ء)
 - ۸۔ الی حضرت المجد الباہر و الطالع السعید الزاہر سلیم اللہ تعالیٰ (۲۴ فروری ۱۹۶۵ء)
 - ۹۔ فریذات و الصفات رفع اللہ منہم منار السلام
 - ۱۰۔ البحر الراسخ انقلی سلیم اللہ للفظہ النخی (۳۱ اگست ۱۹۶۱ء)
- حضرت مفتی صاحب کے نام حضرت قبلہ قدس اللہ سرہ العزیز کے چالیس مکاتیب گرامی محفوظ ہیں، بعض مکاتیب کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

①

العزیز کی علالت کا حال معلوم کر کے سخت فکر لاحق ہو گیا ہے، شافی مطلق شفا کے کاملہ عاجلہ سے سرفراز فرما کر اس فکر کو دور فرمائے، تمہاری علالت کی خبر کیا ہوتی ہے کہ قلب ضعیف سے رہی ہی قوت بھی کھودیتی ہے، جس کی وجہ سے کسی محنوں میں قوت نہیں رہتی ہر محنوں میں دروید ہو جاتا ہے اب شاید صحت کی خبر کچھ بدلتی کر سکے۔

(۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء)

②

میرے عزیزم نے کتابوں کے متعلق بعض ایسے جملے لکھ دیے جن کی وجہ سے جواب میں

لے حضرت مفتی صاحب ادریں غلیظ کتب غارتھا جس میں نوادر کا بڑا ذخیرہ تھا، ہنگامہ ۱۹۵۲ء میں یطی سڑیہ (بقیہ ص ۳۱)

④



(موصولہ ۲۲ جنوری ۱۹۵۲ء)

۱۷ حضرت مفتی صاحب کی بیڑی صاحب دی کی شادی کی طرف اشارہ ہے جن سے حضرت کو سجدہ محبت تھی۔

⑤

میرے معلم عبید الرحمن مکی تھے مجھ کو انہوں نے بہت آرام دیا تھا، سرکار ابد قراری حضورؐ میں دعا کرنے کو ممنوع سمجھتے ہوئے وہ قبلہ مسجد شریف کے کونے میں دعا کرتے ہیں اس لئے میں نے آپ کو لکھا تھا کہ آپ کو اس بار گاہ سے رخ پھیرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ میں کیا بتلاؤں کہ میری طرف سے اس سرکار میں آپ کیا عرض کریں، آپ تو کچھ عرض کر بھی دیں گے، میری زبان نے تو بوقت حضورؐ یاری دی نہ اب بیتی ہے۔ ۱۷

(موصولہ یکم مئی ۱۹۵۲ء)

⑥

اس مرتبہ تو آپ نے بہت ہی ترسایا، روزانہ ڈاک میں آپ کے خط کو تلاش کرتا تھا، لیکن ناکام، آخر کل یوم دو شنبہ یہ مبارک گھڑی لایا، علالت کی خبر نے مضمل کیا، وہ قائم و قیوم (عمر) طویل عطا فرمائے مگر مع الخیر والعافیہ اور مخلوق کو فیض یاب فرمائے میرے عزیز ملاقات کی جو ٹرپ آپ اپنے قلب میں پاتے ہیں وہ میری ٹرپ کی صرف جھلک ہے،

(موصولہ ۶ فروری ۱۹۵۲ء)

⑦

فیض بخیریت۔ مجھے نہ آپ کا خط موصول ہوا نہ حکیم صاحب کا میں تو ہمیشہ انتظار ہی میں رہا ہوں، بکثرت خطوط آتے ہیں جن کا جواب پریشان کن ہوتا ہے اور جس کی طرف ہر وقت نظر لگی رہتی ہے اس طرف سے آخر شب کو نظر حشوم پھرتی ہے کس بچہ کی نام کی فرمائش ہے؟ کیا میں اپنی دعا میں کامیاب ہو گیا ہوں۔۔۔۔۔ اگر میرا مقصود بر آگیا ہے تو اس کا نام تو خود مقصود ہی مناسب معلوم ہوتا ہے اور آپ نے کوئی تجویز کر لیا ہو تو پھر وہ بہتر ہے۔ ۱۸

(موصولہ ۲۵ اپریل ۱۹۵۲ء)

۱۷ حضرت مفتی صاحب ۱۹۵۲ء میں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کیلئے تشریف لے گئے تھے، یہ مکتوب گرامی میں اسی موقع پر لکھا گیا ہے۔

۱۸ حضرت مفتی صاحب کی کوئی نرسہ اولاد نہ تھی، عرصہ دراز کے بعد فرزند ارجمند تولد ہوئے جن کا نام، محمد میر رکھا گیا، کنیت حضرت قبلہ نے ابو الخیر تجویز فرمائی اس مکتوب گرامی میں اسی طرف اشارہ ہے

۸

پاپورٹ مل جانے پر شکراوا کیا، اب دینار کے لئے دعا ہے کہ زندگی میں تمہاری زیارت میر
ہو جائے، اگر ممکن ہو تو عزیزہ بھی اگر ساتھ ہوں تو وہ زیادہ بہتر ہے کہ ننھے میاں کے
دیکھنے کو دل چاہتا ہے گو مخلوق کی طرف سے اب التفات قلب میں نہیں پاتا لیکن
یہاں ہم جب عزیزہ یا آجائے تو اس کی ملاقات کی دل میں خواہش پاتا ہے۔
حسن خاتمہ کیلئے دعا کرتے رہیں۔

۹

خدا جانے دل کیوں چاہا لیکن مزاج کیفیت مشاہدہ پر موقوف ہے میں نے دونوں،
عرضیوں کا جواب دے دیا تھا اس میں یہ لکھا تھا کہ موصی اولی تم ہو، بہتر سے بہتر کتابیں،
اپنے حقے کی پوری لیجانا کہ مجھے اس سے زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ لہ
(موصولہ ۵ جنوری ۱۹۶۶ء)

۱۰

فقیر احمی علی ہے آپ کی علالت کی خبروں نے نہایت ہی مشغول کر رکھا تھا، کل جب آپ
کا خط مطالعہ کیا ہے یہ کم فرق محسوس کرنے لگا چناں چہ کل بارہویں کیلئے مسجد میں گیا
تو بہت دشواری سے پہنچا لیکن جب آپ کا خط دیکھنے کے بعد واپس ہوا تو بلا سہارے
اور تکلف گھڑی بچ گیا، وہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ سے سرفراز فرمائے کہ وہ میرے لئے
باعث صحت ہے۔

۱۱

نامہ گرامی نے قلب مضطرب و طلام پیدا کر دیا جس نے جواب کی تحریر کے قابل نہیں رکھا،
لیکن کچھ نہ کچھ تو جواب دینا ضروری ہے اس لئے چند کلمے لکھنے ہی پڑے، یہ صحیح ہے کہ اس
شوق کے آگے کسی دوسرے ذوق کی نہیں چلتی، وہ تعالیٰ کما حقہ اس کے برکات سے
مستفیض فرمائے۔ ————— اول تو ایسی کوئی غلطی نہیں ہوئی اور ہوئی ہی ہو
تو میں نے معاف کی امید ہے کہ تم بھی میری غلطیاں معاف کرو گے میں جو لکھنا چاہتا

لہ یہ مکتوب گرامی اسی سال تحریر فرمایا ہے جس سال حضرت کا وصال ہوا۔ ————— اس
سے بھی حضرت کے وصال کا اشارہ ملتا ہے۔

ہوں، لکھا نہیں جاتا جب لکھنے کا خیال کرتا ہوں گریہ دامن گیر ہو جاتا ہے، مجھے امید ہے کہ آپ سب سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا لکھنا چاہتا ہوں اور کیا تم سے تنہا رکھتا ہوں ہر مقام پر دعا کی

(۱۲)

آپ تو سرگرم محفلوں میں بسرور رہتے ہیں، آپ کو کیا خبر کہ محبت کا مارا مر رہا ہے میں وصیت نامہ موصی الیہ جناب کو لکھ رہا ہوں، اپنے جتنے کی کتابیں کوئی نہ چھوڑیں سب لے لیں، زبیر سلمہ مع الخیر کے کام آئیں گی۔ لہ

(۶۱۹۶۶)

حضرت مفتی صاحب کا بیشتر وقت چوں کہ خدمت خلق خدا میں گزرتا ہے اس لئے تصنیف و تالیف کیلئے بہت کم وقت ملتا ہے عرصہ ہوا ۳۵ سالہ کے قریب دہلی سے آپ کی تصنیف "مصابح السالکین فی احوال رکن الملت والدین" شائع ہوئی تھی، آپ کے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کی مشہور تصنیف رسالہ رکن دین کے باقی حصوں کی تکمیل آپ کریں، چنانچہ پاکستان آنے کے بعد آپ نے رسالہ رکن دین کا دوسرا حصہ جو روزوں سے متعلق ہے مدون کیا، اور اس خشک مضمون کو ایسے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے کہ قاری داد دے بغیر نہیں رہ سکتا، آپ نے اس میں روزہ کے روحانی اور جسمانی فوائد ان کی قسمیں، ان کے فضائل وغیرہ پر تقریباً ڈھائی سو عنوانات کے تحت بطریق سوال و جواب بحث کی ہے اور جابجا آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سینکڑوں دیگر مستند کتب سے استناد فرمایا ہے فی الحقیقت یہ کتاب حضرت مفتی صاحب کی علمی تحقیق کا شاہکار ہے مولیٰ تعالیٰ ان کے فیض قلم کو جاری رکھے آمین، آجکل تیسرے حصہ کی تدوین میں مصروف ہیں حج سے متعلق ہے خدا کرے کہ وہ مدون ہو کر ہمارے لئے قرۃ العین ہو۔ آمین !

حضرت مفتی صاحب کی دو صاحبزادیاں ہیں اور ایک صاحبزادے، صاحبزادے کا اسم گرامی ابو الخیر محمد زبیر ہے، ابھی نو عمر ہیں لیکن آثار سعادت چہرے سے نمایاں ہیں، حضرت مفتی صاحب نے دور جدید کے اس سیلابِ عظیم میں صاحبزادہ عالی قدر کو اسلاف کے نقش قدم پر چلایا ہے، مولیٰ،

لہ یہ مکتوب گری ۱۹۶۶ء میں ارسال فرمایا ہے، اس میں وصال حق کی صاف صاف خبر دی ہے اسی

سال کے آخر میں حضرت کا وصال ہوا

Click For More Books

تعالیٰ ان کا سچا جانشین بنائے، آمین۔ ماشاء اللہ صاحب فن تقیر اور فن تجوید میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، چودہ پندرہ سال کی عمر میں ایک ایک گھنٹے دل نشین انداز سے تقیر کرنا کوئی آسان کام نہیں، خوب تقیر کرتے ہیں، فرسٹ ڈویژن میں ”مولوی“ کا امتحان پاس کیا ہے، آجکل ”مولوی عالم“ اور ساتھ ہی ساتھ میٹرک کی تیاری کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو ترقیات دارین سے سرفراز فرمائے، آمین۔

اس چھوٹی سی عمر میں آپ کے نام حضرت شاہ مفتی محمد مظہر اللہ قدس سرہ نے ۱۹۶۱ء میں حیدرآباد میں بیعت فرمایا اور اسی وقت خلافت اجازت سے بھی نوازا، اہل دل ہی محضی جو اہر کو پاس کئے ہیں، حضرت مددوح نے اپنے مکاتیب گرامی میں صاحبانِ وہ موصوف کو بڑی محبت و الفت اور عزت و احترام کے ساتھ یاد فرمایا ہے، یہاں چند مکاتیب گرامی سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:-
حضرت مفتی صاحب کے نام ایک مکتوب گرامی (محررہ ۶ اگست ۱۹۶۲ء) میں صاحبانِ وہ عالمی قدر سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

”حضرت نفعی شاہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے عرض کریں کہ مریدین اولاد کا درجہ رکھتے ہیں، اور اولاد ہمیشہ سستی ہے اس پر ان کو نکالا نہیں جاسکتا سب پر پوری توجہ رکھیں، اس میں آپ کے سلسلے کی ترقی بھی مضمر ہے، آپ کی قوت باطنی ایسی نہیں کہ تعلیم اس میں حارج ہوگی۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو دینی اور دنیوی علوم (کے) اور (اعلیٰ پر پہنچائے)“

۲۳ جولائی ۱۹۶۳ء کے ایک مکتوب گرامی میں صاحبانِ وہ صاحب کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:-

”عزیز القدر حافظ عظیم المثل، و اعظیٰ بے بدل سلمہم الملیٰ منعم الاول و علیکم السلام ورحمۃ ربکم المنعم۔ تمہارا خط کل دیکھ کر اتنی مسرت ہوئی جو قابلِ تحریر نہیں بڑا افسوس ہے کہ بارہویں شریف کے جلسہ میں تمہاری اور والد صاحب کی تقریر نہ ہو سکی، اسی زمانہ میں تمہارے مریدین اور سامعین کو بھی تمہارا گرویدہ ہونا تھا، آپ کی میرے دیکھنے کو تو طبیعت چاہتی ہے لیکن آپ نے اس کی چاہت پوری نہیں کی، یہ تو آپ سے ظلم ہوا، اب آپ خط لکھنے لگے ہیں اور ماشاء اللہ بہت بہتر لکھتے ہیں، تو اب تو برابر لکھتے رہو۔“

۱۹۶۴ء کے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:-

سعادت و توفیق آثار، ابو الخیر میاں محمد زبیر سلمہم بالخیر

وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم النعم۔ تمہارے نامہ مسرت افزا نے عید میلاد کی مسرت کا اعادہ کر دیا، مولیٰ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ مسرور اور پسند و نفع بخش میں کامیاب رکھے اور تم بھی مغربین دنیا کو اپنے افکار سے رلاؤ، تمہاری مسرت نے اس غمگین پر بھی وہ اثر کیا کہ بلید و شاید۔ تمہاری مجالس میں خود گورنر حاضری دے اور تمہارے فیض سے مستفیض ہو کر راہ آخرت پکڑے“ لے

ایک اور مکتوب گرامی میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

”ربیع فوادى و منتہائے مرادى، ابوالخیر محمد زبیر سلیم الخیر
وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم النعم۔ تمہارا نامہ محبت شمامہ موصول ہو کر کمال فرحت و انبساط کا سبب ہوا، مولیٰ تعالیٰ اسی طرح تاحیات میرے لئے دعاؤں میں مصروف رکھے، تمہاری ذات والا صفات میرے لئے وجہ حیات ہے ورنہ اب تک میری زندگی کی کوئی وجہ نہ تھی، تمہیں اندازہ ہو گا کہ صحیح ہوتا تو خدا جلے کیا کیا لکھتا، اب اس ہی کو اپنے خیال میں لا کر تسلی دیا کرو۔“

حضرت مولانا شاہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں، بڑی صاحبزادی حیدر آباد (مغربی پاکستان) میں نصال فرما گئیں چھوٹی صاحبزادی بفضلہ حیات ہیں موصوفہ کے شوہر محترم و مکرم حکیم احمد صاحب حیدر آباد ہی میں مقیم ہیں بڑے پایہ کے طبیب ہیں و راجہ مل ہیں، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اپنے خسر علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں اور غالباً اپنے براور نسبتی حضرت شاہ محمد محمود صاحب سے خلافت حاصل ہے، مولیٰ تعالیٰ بایں صداقت و مہارت اور بایں فضل کمال مخلوق کیلئے فیض رساں رکھے، آمین، آپ کی دو صاحبزادیاں ہیں اور بڑی ذہین و فطین، مولیٰ تعالیٰ ان بچوں کو دین کی ترقی سے نوازے، آمین۔

لے حیدر آباد میں گورنر مغربی پاکستان کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا تھا اس میں صاحب ادب موصوف نے تلاوت قرآن فرمائی تھی، اس وقت صرف دس گیارہ سال کی عمر تھی، اس کا ذکر مانا جان علیہ الرحمہ کے خط میں کیا ہو گا، جس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ اہل باطن کا اصل کمال یہ ہے کہ خود گورنران کے دربار میں حاضر ہو سہ و رہا ہنسی سے خوش تر ہو، مردانہ خدا کا آستانہ

(مؤلف)

آٹھواں باب

تصانیف

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari> Marfat.com

تصانیف

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بکثرت تصانیف میں زیادہ تر تصوف اور فقہ کے موضوعات پر ہیں، بیشتر تعلیمی ہیں، صرف ایک دو شاخ ہوئی ہیں۔ حضرت مولانا کرن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مفتی الحاج محمد محمود صاحب مظلہ العالی کے پاس ایک قلمی مجموعہ ہے جس میں ۱۳۱ھ/ ۱۸۹۲ء اور ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء کے درمیان محمد عظیم گوپاموی نے متعدد رسائل نقل کئے ہیں، یہ مجموعہ تادرس ہے اس میں یہ رسائل موجود ہیں: فیوض محمدی و سلوک مسعودی (۱۲۸۰ھ)، رسالہ وجدیہ (منقولہ ۱۳۱۱ھ)، رسالہ سماع و غناء منقولہ ۱۳۱۱ھ، رسالہ کلام موتی (منقولہ ۱۳۱۱ھ)، رسالہ آداب السلوک (منقولہ ۱۳۱۱ھ) اور مکتوبات مسعودی (۱۲۹۰ھ تا ۱۳۰۰ھ) رسالہ فیوض محمدی اور مکتوبات مسعودی کے مبین تالیف کا علم ہو سکا، باقی رسائل کے متعلق صرف یہ بات اہم ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ کے وصال سے ایک دو سال بعد نقل کئے گئے ہیں،

اعلیٰ حضرت کے پوتے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ کے کتب خانے میں اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کا قلمی مجموعہ تھا جو حضرت مفتی اعظم نے اس احقر کو ازراہ شفقت عنایت فرمایا، اس مجموعہ میں ۱۲۹۶ھ اور ۱۳۰۰ھ کے درمیان فتاویٰ نقل کئے گئے ہیں، یعنی مصنف علیہ الرحمہ کے وصال سے پانچ سال قبل یہ مجموعہ مکمل ہو گیا تھا یہ مجموعہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں بعض فتوے خود مصنف علیہ الرحمہ نے نقل کئے ہیں۔

دو مطبوعہ رسائل درۃ الیقین فی قرآن العظیم (مؤلفہ ۱۲۸۵ھ، مطبوعہ ۱۲۹۹ھ، دہلی) اور درۃ الثمانیہ (مطبوعہ دہلی)۔ اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں دستیاب ہوئے ایک مطبوعہ رسالہ آداب سالک (مطبوعہ دہلی) دہلی سے ملا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ نامعلوم ذخیرہ تحقیق و جستجو کے بعد منظر عام پر آ رہا ہے۔

اب ہم تمام تصانیف کا فرداً فرداً مختصر تعارف کراتے ہیں، ترتیب میں تقدیم زمانی کا لحاظ رکھا ہے خواہ وہ یقینیت تالیف ہو یا کتابت و طباعت۔

۱۱) فیوض محمدی و سلوک مسعودی | سائز ۸ x ۸، صفحات ۸۰، مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی، شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۲ء (مؤلفہ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۹۳ء) اس رسالہ کا تاریخی نام تحفۃ السالکین مسعودی (۱۲۸۵ھ) ہے اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

الحمد لله الذي هدانا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله لقد
جاءت رسل ربنا بالحق وجاء خاتم النبوة والرسالة بالصدق واشتد
علم التوحيد والعرفان وشرف الصديقين بالصدق والايقان
والصلوة والسلام على بدر الدجى نور الهدى صاحب سلمه قات
قوسين او ادنى وعلى اله واصحابه المجتبى المقتدى اما بعد الخ (ص ۱۰)

مقدمہ کے آخر میں اس رسالہ کے اغراض و مقاصد کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

وہ مقدمہ عنان توجہ را با ثبات طریقہ عالیہ صافیہ صوفیہ با صفات آیات و احادیث
مال کر داکہ بر سر کس ناکس لائحہ دو واضح گرد و از سوء اعتقاد باز شو ند تا کہ بموجب حدیث
صلی اللہ علیہ وسلم آیا کہم و المسوع الطن و ز غلیم الحق حال آل نابینا یان قلوب شود و از
تحصیل عرفان محروم نہ گردند کہ مامور بہ اندر بعد از ان حسب خواہش بعض یاران سہ باب
دیگر بانشر اح مقامات سلوک نیز بتکمیل آمدہ کہ باعث تشفی طالبین گردد۔ باب
اول در ذکر اعیان ثابتہ و مقامات اربعہ۔ باب دوم در لطائف عشرہ مذکور گردیدہ۔ باب
سوم در ذکر دوا سر خاتمہ در قضا و بقا و متعلق بہ مرقوم گردیدہ، و ای رسالہ را موسوم بہ فیوض
نوری و سلوک مسعودی ساختہ (ص ۳)

اس سالہ کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی اللہ یعنی فکر کنید
در اسماء و صفات و افعال و تعالی و فکر نہ کنید در ذات صرف او تعالی ہم چنین است در حدیث
کہ نقاد پر وہ حجاب اگر منکشف شوندی سوز اندوز وجہ او تعالی سالک را، البتہ علم و معرفت
اجمالی حاصل می شود و علم تفصیل گنجائش نمی دارد، ہذا مقامات فی ربی و التحقیق
عندی و علم الصواب عند ربی و علی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و
آلہ و اصحابہ وسلم۔ تمت بالخیر۔ (ص ۸۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں مصنف علیہ الرحمہ نے اس رسالہ کا نام نور العرفان رکھا تھا جیسا کہ اس
مخطوطہ سے معلوم ہوتا ہے جو کتب خانہ مظہر بیرونی سے ملا ہے، اس کے متوسط سائز کے ہم صفحات ہیں ۹۹

پر لکھا ہے "وایں رسالہ جو علیہ السلام کے بارے میں ہے"

Click For More Books

سائزہ ۱۰×۶، صفحات ۳۰، تالیف جہادی الآخر ۱۳۸۵ھ
۱۴۰۰ھ، مطبوعہ دارالمطابع، دہلی، بحکم رمضان المبارک

(۲) عَزَّةُ اللّٰہِ یَتِمُّ فِی الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ

۱۴۰۰ھ / ۱۴۰۱ھ، اس رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَتَحَ لَنَا بِمُفَاتِحِهِ فَوَاتِحَ الْقُرْآنِ
الْعَظِیْمِ وَافْتَحَ بِسْمِ اللّٰهِ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ کَلَامَهُ الْقَدِیْمَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی مَنْ اَنْزَلَ عَلَیْهِ اَمَّ الْقُرْآنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاصْحَابِہٖ الَّذِیْ کَانَ هُمُ الْاَقْرَبُ
اَمَّا بَعْدُ ۔ خَاکِ رُہِ غَمْرٍ حَوْثِ شَبَدِیْ جُہْدِیْ شِیْخِ رَحِیْمِ نَحْشِ صَدِیْقِیْ دِلْوِیْ بِطَبِیْقِ سَوَالِیْ سَائِلِ
کَہِ سَوْتِ فَاتِحَةِ خَلْفِ اِمَامِ چَہِکُمُ وَاوَدِ وَاِیْنَ چَہِ سَلُوْزِ تَحْمِیْرِ اَدْرُوْہِ مُنْقَسِمِ بِدَوَابِ نُوُوْہِ، یَکِجِ اَنْ
کَہِ قِرَاۃِ فَاتِحَةِ دَرِیَا زَہِ وَاَجِبِ اَسْتِ، دَوَمِ اَنْ کَہِ خَلْفِ اِمَامِ فَاتِحَةِ رَہِ چَہِکُمُ اَسْتِ دَوَرِیْنَ بَا
سَہِ فَضْلِ ہِیَادِہِ شَدِّ فَضْلِ اَوَّلِ دَرِیَا ثَبَاتِ اَزْ کَلَامِ اِلٰہِیْ فَضْلِ دَوَمِ وَرِثَاتِ اَنْ اَزْ اَحَادِیْثِ
نَبِیْ، فَضْلِ سَوَمِ ثَبَاتِ اَنْ اَزْ اَثَارِ صَحَابِہٖ وَبِالذِّمَّ اَلِیْتِمِ فِی الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ مَوْسَمِ
سَانِحَةِ فَاَسْئَلُ اللّٰہَ التَّوْفِیْقَ عَلٰی اَتْمَامِہٖ وَاَطْلُبُ لِسَوَابِ مِنْہٗ عَلٰی هِدَایَتِہٖ
فَلِلّٰهِ الْفَضْلُ وَالْمِنَّۃُ وَمِنْہٗ الْهَدٰیۃُ فِی الْبَدَایِۃِ وَالنِّہَایۃِ ۔ (ص - ۲)

آخر میں خاتمۃ الکتاب ہے اس کا مضمون اس طرح ہے :-

وَارِضٌ بِاَوَدِہٖ دَارِ تَحْقِیْقِ مُسْلِمِہٖ اَبْرَیَا تِ قُرْآَنِیْ وَ اَحَادِیْثِ صَحِیْحِہٖ مِثْلِ حَدِیْثِ اَنْصَافِ حَدِیْثِ
اَتِیْسَرِ مِنَ الْقُرْآنِ وَ حَدِیْثِ جَابِرٍ غَیْرِہِمُ کَرُوْہِ شَدِّ اَسْتِ وَ وِیْکَرِ اَحَادِیْثِ وَاَثَارِ کَہِ بَعْضِ اَزْ اَنْ شِیْ
اَحَادِیْثِ صَحِیْحِہٖ مُتَقَدِّرِہٖ تَقْوِیْتِ وَ شَوَابِہٖ اَدْرُوْہِ اَنْدِجَہَا چَہِ دَلِیْلِ عَزِیْمِیْنَ مُتَقَدِّمِیْنَ اَسْتِ
وَ اِیْنَ ہِمُ ظَاہِرِ کِنَانِیْدِہٖ کَہِ حَدِیْثِ جَابِرِہٖ قَدَرِ رَتَبِہٖ مَحْتِ وَ لَوْدِ شِیْ حَدِیْثِ لَاصِلُوْہِ وَ بَقَدْرِ طَاقَتِ
بَشَرِیْ خُودِ جَوَابِہٖ سَوَالَاتِ نِیْزِ وَاوَدِہٖ، ہِمِیْدَانِہٖ تَعَالٰی کَہِ کَدَامِ سَوَالِ سِیَوِیْ اَزِیْنَ رِسَالِہٖ وَاوَدِ
نُخَاہِ شَدِّ کَہِ جَوَابِ اَنْ تَرَکِ نُوُوْہِ تَاکَہِ طَوَالَتِ رِسَالَتِہٖ کَرُوْہِ وَاَمِیْدَانِہٖ اَوَّلِیْ الْفَضْلِ وَ
وَوَالْعَدْلِ ہِمِیْنَ اَسْتِ کَہِ نَظَرِ اَنْصَافِ دِیْدَانِہٖ سِیَوِیْہٖ اَزْ اَنْ کَدَامِ بَشَرِ خَالِیْ نِیْسَتْ وَ رَکْزِ شَدِّ
بَحْقِ فَقِیْرِہٖ عِلْمِہٖ خَیْرِ کَرُوْہِ بَا شَدِّ وَ بَخْدِ مَتِ نَکِہِ چِیْنَانِہٖ مَوْضِعِ اَسْتِ کَہِ وَرِ حَدِیْثِ جَابِرِہٖ اِمَامِ
صَاہِبِہٖ بَا نِ طَعْنِہٖ نِکِشَانِہٖ وَ رِہٖ اِمَامِ بَخَارِیْ خَالِیْ اَزْ لَعْنِہٖ نِیْسْتَنْدِہٖ فَا فہِمُ وَ لَہٗ تَاکُنِ مِنْ
الْفَاظِلِیْنَ الْمَرِیْکِفِیَہِ الْاَشْشَارِۃِ ۔ قَمَتْ هَذِهِ الرِّسَالَةُ فِی جِہَادِی الْاٰخِرِ سَنَہِ
الْفِ وَاِثْنِیْنِ وَخَمْسِ وَثَمَانِیْنِ مِنْ ہِجْرَۃِ ۔ (ص - ۳۴)

بتاریخ نجم رمضان المبارک ۱۴۹۹ھ ہجری
بقلم محمد محمود حسن طبع گردید۔

(۳) **دُرّ ثمانیہ** | سائز ۶x۱۰، صفحات ۴۲، مطبوعہ دہلی (زمانہ تالیف قریب ۱۳۸۵ھ)
اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهر على الدين كله ولو كره المشركون وهو الذي سلط علماء الحق على من يريدون ليطفئوا نور الله والله متم نوره ولو كره الكافرون ه هو الذي بعث مجدد ا على كل مائتين مائة سنة لينتفح تحريف الغالين ويطرد انتقال المبطلين ويبطل تاويل الجاهلين والصلوة والسلام على حبيبه خاتم النبیین وعلى اله واصحابه اجمعين، اما بعد چون کہ فی زمانہ ہجرت ظہور فتن مضلین اور روز بخدین فی الدین کے ایک سوال مشتمل برسائل ثمانیہ وار دہوا، پس نظر اظہار حق فقیر شمع رحیم بخش صدیقی ملقب بفرسودہ نقشبندی وپوری تحریر جوابات بدلائل محدثانہ بلا مبحث فقہا امیدار نفع آخرت خود اور برادران دینی کا احکام الحاکمین سے ہے اور نام اس کا دُرّ ثمانیہ رکھا، اس جو امن اللہ ان ینفعنی وجميع المؤمنين فی الدنيا والاخرة ویرزقنی وجميع المسلمين بفضلہ وکرمہ خیر الخاتمة واللہ الموفق منه الاعتصام بحبل ملتین۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء ربانین رحمہم اللہ علیہم ان مسائل میں جو شخص کہ :-

۱۔ عقیدہ رکھے ساتھ عمل رخصت مذہب کے اور حرام کے تقلید امام معین کو اور

۲۔ پاک بتاوسے بول طفل شیرخوار اور

۳۔ پانی قلیل الوقوع نجاست اور

۴۔ انسان کی مٹی کو اور

۵۔ قیام رمضان یعنی تراویح کی آٹھ رکعت سنت بتاوسے اور وتر ایک ہی پڑھتا ہو، اور

اعلیٰ حضرتؑ نے تقلید کے سلسلے میں سوال کیا گیا تھا اس کا یہ جواب عنایت فرمایا ہے :-

اس سئلے کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے :-

نیت

(۴) مکتوبات مسعودی

محمد علی محمد گویا موی، ۱۳۱۱/۱۸۹۳ء

۱۔ جناب حافظ قمر الدین صاحب خلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ
اس مجموعہ میں اعلیٰ حضرت کے مختلف مکاتیب گرامی جمع کئے گئے ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے
خلفاء اور مریدین کے نام ارسال فرمائے ہیں، مندرجہ ذیل حضرات کے نام مکاتیب تحریر فرمائے ہیں۔

- ۲- جناب میاں عبد الغفور صاحب، خلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، سوم صفر ۱۲۹۰ھ، بزبان فارسی
- ۳- جناب میاں عبد الغفور صاحب، ۵ صفر ۱۲۹۰ھ، " " " "
- ۵- جناب محمد عظیم گویا موی، مرید اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، ۲۲ جون ۱۸۸۶ء، " " " "
- ۶- جناب محمد عظیم گویا موی، ۱۸ اگست ۱۸۸۸ء، بزبان اردو
- ۷- جناب محمد عظیم گویا موی، ۲ ستمبر ۱۸۸۸ء، " " " "
- ۸- جناب محمد عظیم گویا موی، ۳۱ جنوری ۱۸۸۹ء، " " " "
- ۹- جناب سید برکت علی صاحب، ۱۸ اگست ۱۸۸۸ء، بزبان فارسی
- ۱۰- میاں افضل الحق صاحب، " " " "

۱۱- حضرت مولانا محمد سعید صاحب، فرزند اکبر و خلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، بزبان اردو
 اعلیٰ حضرت کے مکاتیب دہ انتشار کا اعلیٰ نمونہ ہیں پسند و نصلح کے ساتھ ساتھ مکاتیب گرامی کی ادبیت و مصوبت قابل مطالعہ ہے، یہاں تینا ایک مکتوب نقل کیا جاتا ہے۔

مورود الطاف الہی، مصداق فضائل سرمدی میاں افضل الحق دام الطاف اللہ
 بعد از سلام منت تلامذہ اسلام واستدعا رسد عار استقامت بر شریعت غرہ و ادعاء انقطاع ماسوا
 مرفوع اک کہ عرصہ دراز کشید کہ از حالات خود اطلاع نداده اند، طبیعت بآں عصب
 متوجہ اند، محبا! صوفیہ کرام وقائع و تلویحات اولیٰ را کہ می آیند وی روز چندان اعتبار
 نداشته اند، مقصد طلب یحیوی و یحیونگی است، و مقید بودن بایں تلویحات احوالات
 موجب خسارت و خسارت است، مقصود ذات تحت است کہ از دید و شہود و گفت و
 شنود مبترا است، ایں وقائع برائے طفلان مبتیان مثل جوز و مویر نشلی می دهند و صوفیان
 بلند ہمت وقائع و تلویحات را باعث سدرہ دانستہ اند، البتہ ایں وقائع علامت
 قبولیت می دارند، ماسوا ایں حاصل نیست، والوالعزم صوفی خصوصاً نقشبندی از شریعت
 غراسر مو مفارقت نہ ورزند، جمیع ترقیات و درود و فیوضات والوار الہی مربوط باتباع
 شریعت و بعداومت سنت رسالت مآب است علیہ الصلوٰۃ والسلام، و متبع سنت
 رافضی اس حضرت بلا واسطہ می آید و انحلال و فنا جلالی و جہالی ازین اتباع حاصل،
 گردد، صاحب اتباع را پر الوار و قبولیت دانند من یطیع الرسول فقد اطاع اللہ
 رمزیت باریک فہم من فہم و بایں اتباع طریقہ عالیہ نقشبندیہ فوق علی الطرق گشتہ

و علامت صحت و لایت اتباع نبی و اسد و وقار و کشف و احوالات که خلافت شریعت
باشند آن بار آلبیس ابیس دانند، حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرمودہ اند کہ
طریقہ ما از نوادر و عروۃ الوثقی بتابعیت سنت حضرت مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعہ آثار
محبہ کرام آمدہ است، درین راہ بفضل خدا آورده اند از اول تا آخر سہ فصل او مشاہدہ کردہ ام
اگرچہ عمل قلیل درین طریقہ فتوح بسیار و ارواہا رعایت سنت بزرگ نعم است، و این سہ فصل
اند ہر کہ از طریقہ ما روئے کرد و اند خطرو دین راہ دارد، پرسیدند کہ طریقہ شما بحیثیہ توان -
یافت ؟ فرمودند، "بتشرع و متابعت سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام"۔ و اتبع شریعت
صوفیہ البرتبہ صدیقیت کہ اعلیٰ مراتب لایت است می رساند، و فناء فی الرسول ازین
اتباع حاصل می شود، زیرا کہ قول و فعل محبوب مرغوب محبوب می باشد و بہین اتباع صراط
المستقیم آمدہ، هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ قَوًّا و
باطن متم ظاہر است و کمال کہ از فناء و الفناء فارغ گشتہ بقاء آمدہ است، از اتباع سنت
یک سہر موعظت نہ ورنہ و فرائض و غیرہ بمنطوق حدیث شریف و اعبدا مہربا کاہک
تَرَاهُ قَانَ لَمْ يَكُنْ تَرَاهُ قَانَ میراک، باخلاص نیت و حضور قلب ادا نمایند خصوصاً صلوٰۃ
را کہ قرۃ عینی آمدہ است، و راحت و طیب دست کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام
ارجئنا یا بلال ! و معراج المؤمنین در شان اوست پس در ادا نماز تساہل و کمال
را راہ ندہند و اگر از بعض احوال واردہ مثل سکر و خموت و غیرہ معذور شوند قضاء آں لابدی
است، و بہر اقربیت و محبت مع اللہ و البستہ با داء صلوٰۃ بوقتہا است، حتی کہ سمع و بصر و لسان
و قلب و غیرہ سالک سمع و بصر و لسان و قلب و یاد و تعالی بوساطت نمازی شوند کما نطق
علی الحدیث، درین مرکبے کہ این نعمت عظمی را ترک سازد، و در اداء آں تہاون را
بکار برد و نماز با خشوع و خضوع حضوی بعالم الغیب می دہد۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَیْضُ
بِجِبْتِ قَلْبِي بآں غبی در دل فقیر ریختہ کہ چند کلمہ ضارح کہ بکار آیند نہ نوک قلم آرد و بمنطوق
الدال علی الخیر کما ظہر ثواب حاصل نماید۔ والسلام علی من اتبع الهدی و التزم
متابعۃ المصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (ص - ۱۸۷ - ۱۸۸)

سائزہ ۱۲۷۱، صفحات ۱۶۶، تالیف ۲ ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۶ء
اس مجموعہ میں ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء اور ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۶ء کے درمیان

فتاویٰ مسعودی

(۵)

Click For More Books

پیش آنے والے مسائل کے بارے میں فتوے جمع کئے گئے ہیں یہ فتوے مختلف موضوعات پر ہیں مثلاً وراثت، نکاح و طلاق، سماع و عتقاد، استمداد وغیر اللہ، اہل تشیع سے مخالفت، تعزیر و داری، بدعات سیئات، رؤیت ہلال، وقف مساجد، ذکر جہری و خفی، حقہ کشی وغیرہ

فتاویٰ سعودی مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہے :-

- ۱۔ سوالات کے جوابات تین زبانوں یعنی اردو، فارسی، عربی میں دئے گئے ہیں جس سے مصنف کی علمی استعداد اور مختلف زبانوں پر کامل عبور کا اندازہ ہوتا ہے۔
 - ۲۔ جوابات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں پہلے آیات قرآنی سے استدلال و استناد کیا گیا ہے پھر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد فقہاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال سے استناد کیا ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ذہن میں آیات قرآنی اور متعلقہ احادیث نبوی جس طرح مستحضر ہیں اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کیوں نہ ہو سلسلہ حدیث صرف ایک واسطے سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔
 - ۳۔ اردو نہایت سادہ استعمال کی ہے خواہ مخواہ عربی اور فارسی الفاظ داخل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، اسی زمانے میں سرسید احمد خان کی تحریک کے زیر اثر اردو میں علمی مضامین سامنے آئے اور یہ سمجھا گیا کہ سادہ اردو نگاری کی بنیاد سرسید نے ہی رکھی ہے حالانکہ اس سے کہیں پہلے علماء کرام کی مسامی بار آور ہو چکی تھیں ان کی نگارشات منظر عام پر نہیں آئیں تو علمی دنیا میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی،
 - ۴۔ جوابات میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا اجتہادی رنگ نظر آتا ہے وہ براہ راست قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اپنی محققانہ طرز نگارش کی وجہ سے ان کے فتوے امتیازی شان رکھتے ہیں
 - ۵۔ جوابات میں مخالفین کی دل شکنی نہیں کی گئی، ایسے مواقع پر نہایت سنجیدگی اور وقار سے قلم اٹھایا ہے، جو ایک عالم کے شایان شان ہے، کہیں تکبر و غرور کی جھلک نہیں، بلکہ انتہاء درجہ کی عجز و انکساری نظر آتی ہے جو عظمت کبریا کی دلیل ہے، جوابات کے آخر میں پنے نام سے پہلے خاک رہے تحریر فرماتے ہیں، اللہ اللہ جن کی خاک رہنے لیس خام کو گزند بنایا ان کا یہ عجز و انکسار۔
- اب ہم فتاویٰ سعودی سے مختلف موضوعات پر چند فتوے پیش کرتے ہیں جس سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تعمیری علمی کا اندازہ ہوگا۔ چند جوابات کے صرف جدید و جدید مقامات پیش کئے گئے ہیں،

①

قرآنیات کا یہ معرکہ آراء مسئلہ ہے کہ قرآن عظیم مخلوق ہے یا غیر مخلوق — اس سلسلہ میں ایک سوال کیا گیا ہے جو عربی زبان میں ہے، جواب بھی عربی میں دیا گیا ہے، سوال و جواب من و عن پیش کیا جاتا ہے

سوال

القرآن المؤلف من الحروف والأصوات، اهو مخلوق ام غير مخلوق؟
بیٹو اتوجروا خیر اکملہ اللہ تعالیٰ والدارین ۔

الجواب

الحمد لله والصلوة والسلام على خير خلقه وآله واصحابه أما بعد
فيقول لعبد الضعيف الراجي الى رحمة رب اودود الشيخ محمد مسعود
نقشبندی هادي ان القرآن مشترك قد يطلق عن الكلام الانساني
هو صفة الله تعالى كما جاء في الحديث الذي رواه ابى سعيد قال، قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الرب تبارك وتعالى من شغلة القرآن
من ذكرى وسألني اعطيه افضل ما اعطى السائلين وفضل كلام الله
على سائر الكلام كفضل الله على خلقه رواه الترمذي، فالقرآن بهذا
الاطلاق كلام الله تعالى غير مخلوق فهو صفة قد عيه منافية الافة
والنقص لا هو من جنس الحروف والاصوات كالعلم والقدرة كما في
شرح العقائد، القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق، وعقب لقرآن كلام
الله تعالى لما ذكر المشائخ من انه يقال لقرآن كلام الله تعالى غير مخلوق و
لا يقال لقرآن غير مخلوق، لئلا يسبق الى لفهم ان المؤلف من الاصوات
والحروف قديم كما ذهب اليه المخابله جهلاً او عناداً انتهى ما فيه . وقد
يطلق على المكتوب في المصاحف ما بين الدفتين وهو سيم الالفاظ و
المعنى جميعاً التي دالة على الكلام القديم القديم الذي ليس بمخلوق،
والالفاظ والمعنى مخلوقة لانهما معتبرة عن قصة فرعون وعرقه وعن

Click For More Books

قصہ موسیٰ و یوسف و غیرہا مثلاً و کل ذلک حادث لان کلام القفل
مؤلف من الاصوات و الحروف و کل مؤلف منها فهو حادث و لان الالفاظ
والاصوات من لسان العرب کما جاء فی القرآن العظیم قرآناً عربیاً و کل
لسان العرب حادث مخلوق، و لان الحروف و الالفاظ متوالیة و کل متوالیة
فهو حادث لان اذا كانت الحروف متوالیة فاذا جاء الثانی الفصل الاول
فتحقق عدمه و کل ما تحقق بعد امتنع قدمه فثبت ان الاول حادث
والثانی من الحروف ایضاً حادث لان وجوده متاخر من وجود الاول
کل شیء وجوده متاخر عن وجود غیره فهو حادث و قس علی هذا ما یقع من
الحروف و هكذا فی شرح العقائد و تکلم لا کلامنا و نحن تکلم بالالفاظ
من الخلق و اللسان و الشفة و الاسنان و الحروف ای الاصوات المعتمد
علی المنحارج المبهتات بالهیات المعرفات و الیہ تکلم بلا آله و حروف ای
کمالات الذات و الصفات و الحروف مخلوقة ای کالالات و کلام الله
تعالی غیر مخلوق بل قدیم بالذات انتہی۔ فان القرآن کلام الله تعالی
الذی بلا صوت و الالفاظ قدیم بالذات غیر مخلوق و الالفاظ و الاصوات
التي نقر بها فہی مخلوقة الله تعالی لا غیر فهو یجوز بتمامہ۔ و الله
اعلم بالصواب الیہ المرجع و المآب۔ ۱۳۳۲ھ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فقط

(ص - ۱۱۱)

(۲)

اعلیٰ حضرت محمدؐ علیہ السلام نے اپنے میں ایک ہی تحریک نے ہندوستان کی علمی اور معاشرتی و تمدنی ضحاکو بہت
متاثر کیا تھا، مختلف مسائل پیدا ہو رہے تھے مثلاً یہ کہ خیر و برکت کی غرض سے اولیاء اللہ کے مزارات کے
قریب قبر بنوانا، غیر اللہ سے استمداد و جاننا، شفاعت میں ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کھانے پر فاتحہ
پڑھانا وغیرہ وغیرہ۔

پہلے مسئلے کے بارے میں متنسار پر اعلیٰ حضرتؒ نے یہ جواب مرحمت فرمایا :-
نبی یا ولی یا صلحاء کی قبر کے نزدیک قبر کسی مسلمان کی بنانی افضل ہے کہ موجب برکت ہے،
۱۲/رجب المرجب ۱۲۹۵ھ

(ص - ۱۲۷)

Click For More Books

(۳)

ایک فتوے میں یہ تین سوالات کئے گئے ہیں :-

- ۱۔ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا ناجائز ؟
 - ۲۔ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئا للہ کہنا کیسی ہے ؟
 - ۳۔ قدی علی، قبة کل ولی اللہ کیا یہ قول حضرت غوث اعظم کا ہے ؟
- اعلیٰ حضرت نے ان سوالات کے یہ جوابات تحریر فرمائے ہیں :-

- ۱۔ یا رسول اللہ ہر ہی درود شریف یا بوقت کسی موقع کے اوپر نرا شریف وغیرہ کے درست ہے اور ہر وقت مثل نشست برخاست کے کہنا ناجائز ہے،
- ۲۔ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئا للہ کہنا ممنوع ہے اور قائل کو توبہ کرنی اور تہذیب نکاح چاہئے
- ۳۔ اور قدی اندالہم کو کتب میں لکھا ہے کہ قول حضرت غوث پاک کا ہے (رحمۃ اللہ علیہ) اور مطلب اس قول کا یہ ہے کہ مرتبہ حضرت محبوب جانی کا اپنے زمانے کے اولیاء سے زیادہ ہے نہ کہ متقدمین اور متاخرین اولیاء سے کیوں کہ اس صورت میں خلاف احادیث کا آتا ہے۔

(ص - ۱۳۰)

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ

(۴)

ایک فتوے میں یہ استفسار کیا گیا ہے کہ زید کہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ محشر میں شفاعت کرنے میں کچھ فوقیت نہیں کہتے بلکہ شفاعت کے باب میں بیکر صلیما کے برابر ہیں، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

اور یہ کہنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو در باب شفاعت کچھ فوقیت نہیں ہے یہ غلط ہے اور خلاف ہے احادیث صحیحہ کے اور یہ شخص فاسق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَنَّ مَثَابَتَ مَقَامِ مُحَمَّدٍ اَوْ مَقَامِ مُحَمَّدٍ مَقَامِ شَفَاعَتِ هُوَ اور حدیث شریفہ میں آیا ہے کہ پانچ فضیلتیں میرے ہیں کہ پہلے انبیاء ہیں نہیں میرا بیان میں سے شفاعت ہے۔ اور بہت احادیث ہیں کہ اول باب شفاعت کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلے گا۔ پس اول شفاعت کرنے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوقیت اور خصوصیت اور فضیلت ہے، (ص - ۶۱) ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ

اصل ختم مروج فی زماننا از ستارح یافته نمی شود۔ بعد فراغت

(ص-۵۶۶) ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ



جو شخص صوفیہ کرام کو اہل سنت و جماعت کا مخالف کہے اور شیخ نجیب الحق محدث دہلوی اور شیخ اکبر
محمی الدین ابن عربی و عبد الکریم جیلی صاحب انسان کامل کو برا کہے وہ شخص مسلمان ہے یا
کافر؟ اور جو شخص ایک کہنے مسجد جو قریب دو صد سال سے ویران پڑی تھی اور اس میں باجی
کی گئی اور غلطی حضرت رسالت پناہ کے اور صوفیہ کرام کی بزرگی بیان ہوتی ہے اس کی
مدد کرنے کو کفر کہے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب

واضح ہو کہ شیخ عبدالحق و شیخ اکبر و شیخ عبدالحکیم تمام صوفیہ مسلمان تھے اور برگزیدہ اہل حق
 شخص ان کو برا کہے گا وہ خود برا ہے اور جوان کو کافر کہے گا وہ خود کفر میں واقع ہو گا عن
 ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یری رجل رجلاً حبلاً بالفسق
 ولا یرہ بالکفر الا ان ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ (کذا لک شہادۃ البخاری)
 اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ موتا کو نیکیوں کے ساتھ یا کربوں کے ساتھ یاد کرو فقط
 اور تعمیر مسجد کی علامت ایمان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ

اَمِنْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ جب کہ تعمیری اور آبادی اس کی موجب بیان اور خیر کا
ہے پس منع کرنیوالا اور نسبت کفر کی کرنیوالا امتناع خیر میں سے ہے کہ اخلاق کفار سے
ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ صفت کفار میں فرماتا ہے مَتَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَلَيْسَ عُنْدَ لَبَدٍ
ذٰلِكَ نَزِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَعَاوَنُوا عَلٰی لِبَرِّ وَالتَّقْوٰی جو کہ آباد مسجد پران
کی موجب بر اور تقویٰ کے ہے پس منع کرنیوالا مخالف ہے آیہ کریمہ موصوفہ کا، پس لیساء
شخص مفید فی الدین ہے ایسے شخص سے مخالفت چاہیے اور یحیٰ کی لازم ہے کیوں کہ
دین میں فساد ڈالنے والا ہے، وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفٰسِقِیْنَ فقط واللہ اعلم بالصواب
(ص-۱۵۲) ۲ ریح الاول سلسلہ

⑥
ذکر خفی اور ذکر جہری صوفیہ کرام کے مختلف سلاسل کے درمیان ایک متحرک آراء مسئلہ ہے اس کے بارے
میں ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں :-
واضح ہو کہ ذکر جہر کرنا قطعاً حرام نہیں جیسا کہ احادیث اور آیات قرآنی سے ثابت
ہے اگرچہ اولیٰ ذکر خفی ہے عن ابن عباس اخبرہ ان سماع الصوت بالذکر
حين ينصرف الناس من المكتوبة كان علی عبد اللہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم
(رواہ البخاری) پس ذکر جہر کو حرام کہنا خلاف ہے احادیث و قرآن کے ۔
اور اولیٰ ذکر خفی پر آیت قرآنی دل ہے وَاذْكُرْ نَصْرَ عَاوِیْضَہٗ پھر اصل تحقیق یہ ہے کہ ذکر
جہر جائز اور ذکر خفی اولیٰ (ص-۶۷) ۲ شعبان المعظم ۱۳۰۱ھ

⑤
صوفیہ کرام کے درمیان دوسرا متحرک آراء مسئلہ سماع وغنائ ہے اس سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں
اعلیٰ حضرت نے بہت لکھ کر و شرح جواب دیا ہے جو بجائے خود ایک مبسوط رسالہ ہے یہاں بہتمام نقل کرنا
مشکل ہے چند سطریں کی جاتی ہیں جس سے مسئلہ کے متعلق اعلیٰ حضرت کے نظریہ کی تشریح ہو جاتی ہے
جواب

مغنی و محجب نہ اند کہ باہین سماع و سر و فرق است، سماع بالاتفاق حلال و مباح است
کہ در اولیٰ و ثانیٰ و غیرہ سماع کہ در اہل صوفیہ کہ اسم منقول بود این است اشعار متضمن
بتوحید توصیف و بہت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لہجہ آواز مطربانہ کہ تعلیم موسیقی آمونہ

نباشد بخوش آواز غمانہ کند و در سماع آل ہادوق و شوق الہی و توجہ الی اللہ پیدا شود نفس
آوارہ با سوز ماسوی اللہ تفریز پذیرد پسین قسم غنا جراح است
ولیکن غنائیکہ فی زمانہ کہ در تصوف مروج است با سنا و طلبہ و فی ساری جہرام است
قال فی الجوهرة وما يفعل، متصوفة نہ ماننا حرام لا یجوزنا القصد الجلو
الیہ ومن قبلہم لم یفعل کذا لک انتہی (ص ۱۲۲ و ۱۲۳)

۸ جمادی الثانی ۱۲۰۳ھ

ایک سوال سماع محض کے بارے میں بھی کیا گیا ہے یعنی مجالس منعقد کر کے نعت خوانوں سے
ایسے اشعار پڑھوانا یا خود پڑھنا جن میں قرآن و حدیث کے مطابق مضامین ہوں و کفر و شرک کا رد کیا
گیا ہو۔ اس کا جواب اعلیٰ حضرتؒ نے نہایت جامع دیا ہے فرماتے ہیں :-

اس قسم کے اشعار جو کہ مضمون مندرجہ سوال ہوں سننا اور سنانا ان کا اور،
موزوں کرنا ان کا موجب ثواب کا ہے اس قسم کے اشعار کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے حکمت فرمایا ہے جیسا کہ بخاری میں ابی بن کعبؓ حدیث آتی ہے قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان من الشعر حکمة و رواہ البخاری اور آن حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے اشعار کو سنا ہے چنانچہ ایک بار سنو نبیؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے سنیں۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض شعر کی تعریف بھی کی
ہے عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصدق کلمۃ
قالہا الشاعر لبید الا کل شیء ما خلا اللہ باطل متفق علیہ اور بعض اشعار
آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی پڑھے چنانچہ یوم خندق میں یہ اشعار پڑھے۔
اور حسان شاعر کے جس نے کفار کی تجو کر دی ہے، تعریف فرمائی اور فرمایا
جبریلؑ تا ید میں حسان کے تمام عن عائشہ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یقول لحسان ان روح القدس لا یزال یؤیدک بما نفعک عن اللہ
وہ رسولہ (رواہ مسلم)

(ص ۶۸)

۸ شعبان المعظم ۱۲۰۳ھ

۸

ہندوستان میں ہنود کے ساتھ معاشرتی مخالفت کی وجہ سے بہت کافرانہ رسوم مسلمانوں

میں غیر شعوری طور پر داخل ہو گئی ہیں مثلاً شادی بیاہ کے موقعوں پر مسلمانوں میں سرود و موسیقی وغیرہ کا استعمال عام بلکہ واجبات سے سمجھا جاتا ہے اس کے متعلق ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں :- پس اوضح باد کہ اس جنم پہ لہو لب کے سرود و علم موسیقی و دران کلام خوش و رباطیل باشد و بسو فواش و شور و شوق و تشبیب جمال بشوق نماید زنان مغنیات می سرایند حرام و مذہوم است چنانچہ در حدیث شریف منع آید است و لیستنا بمغنیین کہ در حدیث بخاری واقع شد یعنی لیستنا لغناء عادة لہ لما ای لیستنا مہمن یعنی بعادة المغنیات من التشویق والتغریض بالفواہش التشبیب بالجمال کما قبل الغناء فی الزنا و لامہن یعنی بغناء فیہ تطیط و تکسیر و عمل یجرک الساکن و یبعث الکاهن لامہن اتخذہ کسباً (بجمع البہار) و ہم جنین کفہ و ما اخذ المتصوفین السماع بالآلات فلا خلاف فی تحریمہ حتی طہرت علی کثیرہم افعال المجاہدین فیہ قصون بحکات مطابقتہ و تقطیعاً متلا تقة و نہ عہوان ملک الامم من التروسیات الاحوال فہذا انہذقة۔ انتہی مافی عظم البھا

(ص- ۱۱۲) مہر مجاہدی الاول ص ۱۳۳

۹

ہندوستان پر انگریزی اقتدار کے بعد جدید سائنسی آلات نے نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے مثلاً یہ کہ چلتی ہوئی ریل گاڑی میں نماز جائز ہے یا نہیں، ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقعات سے نتائج کا استنباط کرتے ہوئے یہ جواب مرحمت فرمایا ہے :-

جواب

براہر ان فقہ و حدیث غنی یہ ہو کہ نماز فرض ریل پر حالت و آنگی ریل بلا عذر جائز نہیں ہے جیسے کہ نماز فرض ابہر جائز نہیں ہے کما فی الحدیث عن ابی خمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی السفر علی احدی حیث توجہت بہ یوہی ایسا و صلوٰۃ اللیل لا الف الصلوٰۃ یوتر علی راحلہ متفق علیہ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ علت عدم جواز صلوٰۃ فرض کی وابستہ پر حرکت ہے جیسا کہ ثابت ہوا ہے کتب فقہ سے ولو صلی علی دابة فی شق محمل ہو یقدر علی المنزول بنفسہ لا یجوز الصلوٰۃ علیہا اذا كانت اقفة و کذا الوسائد بالاولی الا ان تكون عبداً ان المحمل علی الارض

Click For More Books

١٨ رجب المرجب ١٣٠٣ هـ

سوال

اجواب

Marfat.com <https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

ایمان کا ہے اور جو کہ عادت کسی شے کی باعث اجراء کے بوقت مرگ کے ہوتی ہے
پس کیا تعجب ہے کہ بسبب ملک زبان انگریزی کے بوقت مرگ انگریزی الفاظ جاری ہیں
کہ موجب نقصان ایمان ہو۔ واللہ اعلم بالصواب، ص ۱۲۳ و اجابہ خاک سہ
محمد مسعود نقشبندی دہلوی۔ ۸ ذیقعدہ ۱۳۴۳ (ص۔ ۱۲۳)

(۱۱)

ہندوستان انگریزوں کے تسلط کے بعد یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ یہ ملک شرعی حیثیت سے
دارالحرب ہے یا دارالاسلام، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں :-
برابران فقہ مخفی نہ رہے کہ یہ ملک دارالحرب نہیں ہے کیوں کہ جو ملک اہل اسلام
کا ہو اور اس پر کفار غلبہ کر کے اپنے تحت میں کر لیں وہ دارالاسلام بشرط سب وار
الحرب ہوتا ہے یعنی جب کہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو دارالحرب ہو گا اور اگر ایک بھی
معدوم ہوگی اس وقت دارالحرب نہیں ہو گا۔ ایک شرط یہ ہے کہ
جاری ہونا قانون کفار کا بطریق شہرت اور کوئی محکم شریعت کا جاری نہ ہو اور اگر
کوئی بھی شریعت کا جاری رہے گا، دارالحرب ہو گا حالانکہ اس دیار میں حکم
شریعت کے جاری ہیں و ظاہر اندہ لواجبیت احکام المسلمین و احکام اهل
الشراک لا تکلون داما الحرب (طحاوی و علیہ النشاہی) اور دوسری
شرط یہ ہے کہ اتصال ان کا کسی دارالحرب سے نہ ہو، یہ بھی شرط اس ملک میں
بجہت فاصلہ ہونے ملک گابل کے مفقود ہے اور تیسری یہ ہے کہ کوئی مومن یا ذمی،
بامان سابق نہ رہے یہ بھی شرط مفقود ہے پس یہ ملک دارالحرب قطعی نہ ہوا۔
(ص۔ ۱۱۷) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۴۳

(حواشی صفحہ ۱۳۷) ۱۔ مرتے وقت انگریزی الفاظ کے زبان پر جاری ہونے سے خوف مغفرت کے متعلق جو فرمایا
ہے تو ظاہر عصری تاثرات کا نتیجہ سمجھا جاسکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فی زمانہ انداز تعلیم یافتہ مسلمان بالعموم قرآن و
حدیث سے بیگانہ ہو چکے ہیں مرتے وقت بعض لوگوں کے حالات سننے گئے اور دیکھتے ہیں اس سے مرد مسلمان
کی شان نظر نہیں آتی، اقبالؒ نے خوب کہا ہے :-

کھول کے کیا بیاں کروں سر مقام مرگ و عشق عشق ہے مرگ، اشرف مرگ حیات ہے شرف

Click For More Books

ایک مسئلہ جو آج بھی مابہ النزاع ہے یہ تھا کہ خطوط کے ذریعہ رویت ہلال متحقق ہو سکتی ہے یا نہیں اس سلسلے میں ایک سوال کیا گیا ہے جس کا جواب اعلیٰ حضرت نے مفصل مدلل دیا ہے یہاں اس کا اقتباس پیش کئے جاتے ہیں :-

الجواب

واضح ہو کہ خطوط حجہ شرعیہ سے نہیں ہیں تاکہ ثبوت رویت ہلال کو کافی ہوں، اگرچہ مرسل ان کا تاجر ہو یا شخص معتبر ہو، زیرا کہ خط ایک شخص کا مشابہ دوسرے کے ہوتا ہے لہذا حکم القاضی بسجل لا يستحق بشهادة انه كتاب قاضی كذا، لان الخط يشبه الخط فلم يجر الاعتماد على النقل السجل بل لابد من الشهادة على مضمونه كذا المحكم فيما سوى نقل الشهادة ولا وكالة من محاضر سجلات وصكوك دہشتار اور شامی میں لکھا ہے ذکر فی الخانیة والاسعاف ادعی علی جبل فیہ ضیعة انہا وقف واحضر مكافیه خطوط العدل والقضاة — یطلب من القاضی القضاة بذلك الصك قالوا ليس للقاضی ذلك لان القاضی انما یقضی بالانحة والحجة انما هی البينة او الاقرار - اما الصك فلا یصلح حجة لان الخط يشبه الخط انه ما — وفي الاستنباط یعمد علی الخط ولا یعمل بکتوب الوقف لذلک خطوط القضاة الماضیین (شامی)، پس ثابت ہوا کہ حجر خط کا کہ ڈاک انگریزی میں آتا ہے اعتبار نہیں اور حجہ شرعیہ نہیں ہے تاکہ اثبات کسی کا ہو و لیکن چند شرائط میں قابل اعتبار کہے ہو گئے۔ اول یہ کہ خط مندرج رویت ہلال رمضان کو ہم دست ایک آدم معتبر عاقل کہے بھیجا جاوے اور بدست دو آدم معتبر عادلین کے بیچ ثبوت ماہ فطر کہے بھیجا جاوے اور مضمون خط کا شخص کس نام سے دیا ہوتا کہ جس کی طرف بھیجا ہے اس کو مضمون خط کا مطابق مضمون خط سناوے و اگر خط میں رویت یقینی دینی ہو یا حکم منعی کا رویت ہلال میں ہو اور خط معنون ہو اور مہر بھی کاتب اپنے روپر و قاصد کے اس کو ویسے سے و کذا اما یکتاب الناس فیما یجب ان یکون حجة للعرف وهو ما اذا کان علی وجه الرسالة مصدرنا منونا وهو یرکتب فی صدقة من فلان ان فلان علی

جرت بہ العادة فیہذا کا النطق فلم یجہد کما فی الملحق شامی۔
اور بھیجا آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطوط کو طرف کسری و قیصر وغیرہما کے جسے نہیں ہو سکتا
کہ کتابت بمنزائہ شہادۃ کے ہوا اول یہ کہ بھیجنا خطوط کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھا
ساتھ کے ہوتا تھا یعنی کوئی آدمی معتبر لے کے جاتا تھا، اس وقت ڈاکتھی جیسا کہ قیصر و
کی طرف وصیۃ الکلبی لے گئے تھے، اور کسری کی طرف عبد اللہ بن حذافہ اسہمی لے گئے تھے
پس مجر و کتابت جتہ نہ ہوتی بلکہ اخبار شخص مرسل قابل اعتبار کے ہوئے چنانچہ خبر واحد
عادل کی روایات میں معتبر ہے خبر الواحد یقبل فی الذیارات کالحل و الحرمۃ
والطہارۃ والنجاسۃ اذا کان مسلماً عدلاً ذکراً وانثی حراً و عبداً
محمد داؤد اولاً ولا یشترط لفظ الشہادۃ والعدالۃ کذا فی الموجز للکرمی و
ہکذا فی الہدایۃ و فی المحیط الرخصی۔ اور اسی طرح سے معاملات میں خبر واحد
مقبول ہوتی ہے مثل رسالت اور قاصد کے یقبل قول الواحد فی المعاملات
عدلاً کان او فاسقاً، حال کان او عبداً، ذکراً کان او انثی، مسلماً کان
او کافراً، دفعاً للحرج والضروۃ من المعاملات لوکالات والمضامبات و
الرسالات فی الردایا والاذن فی التجارات، کذا فی لکافی۔ اسی طرح
سے رویت ہلال رمضان میں کہ اگر خبر واحد عادل کی مقبول ہوگی کہ امر وہی ہے و قبل
بلا دعوی و بلا لفظ اشہد للصوم علة۔ اور ماہ عید الفطر میں گنج ہی
کا ہونا چاہیے بہ حالت ابر۔ کیوں کہ اس میں نفع بذول کا ہے مثل تمام حقوق
کے لتعلق نفع العبد علة الاشراف ما ذکر فی الشہادۃ علی ہلال الصوم لان
الصوم امر مینی یشترط فیہ ذلک اما الفطر فہو نفع دنیوی للعباد ما شہد
سائر حقوقہم فیہ یشترط فیہ ما یشترط فیہا (شامی) پس چنانچہ تمام حقوق،
عباد میں اسطے اثبات حق عباد کے خط کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ اسی طرح سے ماہ عید الفطر میں خط کا
اعتبار نہ ہوگا اور جس طرح سے معاملات یا روایات میں سولہ خبر واحد کے خط کا اعتبار نہیں
اسی طرح ماہ صوم میں خط کا اعتبار نہ ہوگا اگر یہ فرسیدہ معتبر ہو اور چند خطوط اور خبر واحد
عدم قبول میں برابر ہیں خصوصاً فی زمانہ تجرید میں آیا ہے کہ اکثر خط و زیاب ویت ہلال،
آئے اور جب کوئی آدمی اس جانے آئے تو خلاف مضمون کے معلوم ہوا واللہ اعلم بالصواب

۱۳۹۹ھ (۱۹۸۰ء) میں شامی کے حوالہ سے

(۶) رسالہ سماع موتی | سائز ۱۲ x ۷، صفحات ۱۳۸-۱۵۶، تالیف ۱۲۹۲ھ،
مکتوبہ محمد عظیم گویا موسیٰ علیہ السلام

یہ رسالہ چند سوالات کے جوابات میں تحریر فرمایا ہے جو ابتدائیں اس طرح لکھے گئے ہیں :-

سوالات

چہی فرماید اللہ دین کہ موتی مسلم در قبر خود قدرت سماعت دارد یا نہ ؟ و بر قبرش
اسلام فلکیم گفتن باید یا نہ ؟ و خواص و عوام از ارواح اولیاء کرام مستفیض نمی شوند یا نہ ؟
و بر قبور اوشان چہ باید کرد ؟ و بر قبور عامہ مومنین چہ باید کرد ؟
اعلیٰ حضرت نے ان سوالات کا احادیث صحیحہ کی روشنی میں بڑا مدلل جواب دیا ہے اور آخر میں
اپنے نظریات کا خلاصہ اس طرح پیش کر دیا ہے :-

پس نزد فقیر سوائے اس چہ گفتہ شود کہ زائرین چہ خواص باشند و چہ عوام بر قبور اہل اللہ
و غیر بطور مسنون نزد قبر رسیدہ السلام علیکم یا اہل القبور من المسلمین و
المؤمنین انتم لنا سلف و نحن لکم تبع و انا انشاء اللہ بکم لاحقون
یرحمہ اللہ المستقدمین منا و المستأخرون اسئل اللہ لنا و لکم العافیۃ
یغفر اللہ لنا و لکم و یرحمنا اللہ و ایاکم بگوئید قبر پیش ایستادہ برائے اموات
و عاء حضرت از حق تعالیٰ طلب نماید و از حال بے اختیاری ایشان و عدم قدرت بر
عبادت عبرت گیرد و از دار دنیا بے رغبتی کند و آخرت را یاد کند و ترساں ہر اسان انجام
قیام کند و از خندہ و قہقہ و کلام و نیاوی بے فائدہ و رآن جا احتراز نماید دست بر قبر نہند
و مسح نکنند آک را و نہ تابوت را و نہ دیوار حظیرہ را و بوسہ و ہد و نہ مسخنی شود و نہ روئے خود
بخاک مالند نہ چیزے خور و نہ آشامد و نہ خسپد نہ سوئے قبر نماز گزار و نہ چراغاں روشن
نمایند نہ آتش بسوزد و نہ غلاف بر قبر پوشاند و غناء ہم در مقبرہ نہ کند چہ آلات باشد و چہ
بغیر آن و نہ از صاحب قبر حاجات طلبد بغیر وسیلہ و صورت و وسیلہ پیش ازین بیان
کرده شد و نہ بسوئے قبر سجد کند کہ موجب شرک کفر است، و طواف نیز نکند کہ مخصوص
بہ بیت اللہ است، افضل ایام زیارت چارم یوم ہستند و دوشنبہ پنج شنبہ جمعہ
و شنبہ و زیارت والدین و رفتہ بسیار منفعتی دارد و نہ امتا و فتنی اللہ من

Click For More Books

تحقیق هذا المقام الحمد لله اسرنا الحق حقاً واسرنا اتباعه واسرنا الباطل
باطلاً واسرنا اجتنابه والله اعلم وعلمه احكم اجابه وحسنه خاكر
محمد مسعود نقشبندی دهلوی - ۲۴ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ - كتبه
احقر محمد عظیم مسعودی نقشبندی - ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ -
سائز ۱۳ X ۷، صفحات ۸۱ - ۱۱۳، مکتوبہ محمد عظیم گویا موی
بتاریخ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۳ء

اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

أَحْمَدُ لِلَّهِ الَّذِي تَجَلَّى لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا، وَالَّذِي تَشْرَفَ
الْيُوسُفُ فَخَسَّنَ الْعِظِيمَ حَتَّى لَمَّا سَأَلَتْهُ أَكْبَرُ نَبِيٍّ وَقَطَعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ
حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا - وَتَفَضَّلَ حَبِيبُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِقَوْلِهِ إِنَّكَ
لَعَلَّ الْخَلْقَ عَظِيمٌ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

(ص - ۱)

خطبہ کے بعد رسالہ کی تالیف کے ترتیب کے اسباب کا علل پر اس طرح روشنی ڈالی ہے :-

اما بعد می گوید مسکین محمد مسعود نقشبندی مجددی صدیقی دہلوی ہر گاہ کہ بعض اشخاص
را دید کہ از گریستن و بخوردن و بیہوشی کہ بوقت یاد الہی و قرأت قرآن و مجلس عطا و بوقت
توجہ الی اللہ پیدای آید انکار می کنند، لہذا اثبات اک بار آیات قرآنی و احادیث نبوی
علیہ الصلوٰۃ والسلام و از آثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماعاً کردہ و مستفی بہ رسالہ و جہد
نمودہ - بر یک مقدمہ و دو باب منقسم کردہ، مقدمہ و تحقیق و جہد باب اول و اثبات و جہد و محویت
و تجلی ذات الہی از آیات احادیث، باب دوم و اثبات گریہ، و خاتمہ (ص - ۲)

اس رسالہ کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے :-

زیرا کہ انتہائے سلوک یا اعتبار عروج فناء مطلق و فناء الفناء است و بعد از نزول واقع
می شود کہ تجسیر بہ بقا کردہ اند و در فناء الفناء علم فنا نیز نمی ماند چہ جا کہ کند او تعالیٰ ریاقت کند
کہ در ان سوائے گمنامی و بیکری نیست نمی آید و در دیگر فنا ہائے کہ ماتحت آن ہستند علم ماسوائے
باقی می ماند حتی کہ بعد از زوال علم جمیع اشیاء و علم خود و علم فنا می ماند پس این علم نیز مانع در
یافت کند او تعالیٰ است، ہذا مآل علم فی سبائی و علم الصواب عند ربائی و علی اللہ

تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ وسلم۔ تمت بالخیر۔

ترقیمہ کی عبارت اس طرح ہیں :-

بتاریخ نوبست و تجمیع ریح الاول ۱۳۱۱ھ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مطابق ششم کتب
۱۸۹۳ء موت اختتام پذیرفت، بقلم بد قلم مسکین، خادوم الفقراء الساکین، اصحف الیم
محمد عظیم مسعودی نقشبندی قادری مجددی۔ (ص - ۱۱۳)

سائز ۱۴ X ۷، صفحات ۱۱۴ - ۱۱۵، مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی
(۸) رسالہ سماع و غناء، ریح الثانی ۱۳۱۱ھ / ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۲ء، بمقام ہرودنی۔

اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

اللہم انت تقضی یوم القیامۃ بین عبادک الصالحین، فارنا الحق۔
اختلف فیہ بین الفقہاء والشافعیین، اللہم صلی وسلم علی رسولہ
خاتم النبیین و علی آلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد یس می گوید مسکین فقیر
شیخ رحیم بخش دہلوی الملقب بہ محمد مسعود نقشبندی کہ دریں آیام از اماکن مختلفہ سوالات
چند مبغون واحد اعنی در باب حرمت و اباحت غناء و سماع کہ صوفیہ کرام می شونند بریں
فقروار دشدند (ص - ۱۱۴)

اور اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے :-

ولا یظن المشائخ انہم فعلوا مثل ما یفعل اهل زماننا من اهل لفسق
والباحین والذین لا علم لہم باحکام الشرع وانما یتمسک بافعال
اهل الدین، کذا فی الجواہر الفتاوی۔ ہذا مآل علمنی ربی و علمہ
الصواب عند ربی، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وسلم
تمت بالخیر۔ (ص - ۱۳۷)

ترقیمہ کی عبارت اس طرح ہے :-

بتاریخ ہشتم ریح الثانی ۱۳۱۱ھ یوم پنج شنبہ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۲ء بمقام
ہرودنی اختتام یافت۔ کتبہ اصحف الیم محمد عظیم مسعودی نقشبندی عفی عنہ۔

غرض نقشہ است کنز مایادماند، کہ ہستی را نمی بینم بقلائے

مگر صاحب لیل ہوزے برہمت، کند در کار این مسکین و علائے

(ص - ۱۳۷)

Click For More Books

سائز ۱۴ x ۷، صفحات ۱۵۷-۱۶۵، مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی،
۱۳۱۱ھ بمقام ہردوئی۔

(۹) رسالہ آدابِ سالک

اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

الحمد لله الذی خلق الانسان من طین وجعله من اشرف المخلوقین
والصلوة والسلام علی رسولہ خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین
اما بعد حمد و صلوٰۃ کے فقیر حقیر محمد سعید نے یہ چند آداب اور نصائح جو سالک کا طریقہ
و حقیقت کو بکار آمد ہیں، بحسب خواہش بعض یاران اپنے کے و فصلوں میں تحریر کئے
فصل اول میں وہ طریقہ جو کہ سالک کو ابتداء میں بکار میں اور فصل دوسری میں وہ آداب
جو کہ مرید کو بہ نسبت پیر برتنے چاہیئے واللہ الموفق والمعين و بیدہ نستعین
(ص - ۱۵۷)

فصل اول میں جن نصائح کا ذکر کیا ہے ان کو ”طریقہ“ سے تعبیر کیا ہے اور دوسری فصل میں ”آداب“
سے تعبیر کیا ہے اول الذکر کی تعداد ۴۰ ہے اور ثانی الذکر کی تعداد ۳۳ ہے، فصل اول سے چند نصائح
پیش کی جاتی ہیں :-

۱۔ طریقہ ۱۔ متقدمین اہل طریقت کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے جہاں چہ حدیث شریف میں
اذکر والاموات بحسن الظن واروہے۔

۲۔ طریقہ ۲۔ سننے راگ اور باجے اور گانے سے بچنا ہے اور فقط دل کو کلام الہی سے یا
اشعار توحیدیہ کے سننے کی طرف لگا دے کہ اس سے روح خوش ہوتی ہے اور
اس کے باعث سے جہتقی پیدا ہوتا ہے،

۳۔ طریقہ ۳۔ خلقت کی تعریف کرنے سے اور نیک کہنے سے خوش اور مغرور نہ ہو کہ یہاں ہے
اور شرک اٹھا ہے جیسا کہ شان نزول اس آیت کا دلالت کرتا ہے :-
وَلَا تُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔

۴۔ طریقہ ۴۔ ظلم ظالم کے سے صبر کرے اور اس کے بدلہ لینے میں کوشش نہ کرے اور دشمنوں
کو دوست جانے۔

۵۔ طریقہ ۵۔ سالک کو لازم ہے کہ اپنی بزرگی فقراء کی صحبت میں سمجھے اور دولت مندوں سے
دور رہے۔

۶۔ طریقہ ۲۶ تمام خصاتوں سے مخلق نیک کو بہتر جانے حاکم اور تواضع بہت کرتا رہے۔
۷۔ طریقہ ۲۷ جو دیکھے اور سنے سوائے قدرت حق کے اور کچھ نہ جانے کہ سب شیائیں اسی کی قدرت
جلوہ گر ہے۔

۸۔ طریقہ ۳۱ سالک کو لازم ہے کہ اول فقرہ حرام سنے بچے اور بہت بکار کر کلام نہ کرے اِنَّ
اَنْكَمَ لَا اَصْوَاتَ لَصَوْتِ الْحَمِيْرِ۔

۹۔ طریقہ ۳۲ کسی بندے کو کسی طرح کی ایذا نہ دے۔
۱۰۔ طریقہ ۳۶ سالک کو چاہیے کہ جھوٹ نہ بولے، سوائے صدق کے کلام نہ کرے اور دل کو
خطرات، اسوائے بچائے۔

۱۱۔ طریقہ ۳۷ سالک کو لازم ہے کہ سوال کرنے سے بہت بچے، کسی طرح کا کسی سے سوال نہ
کرے، اشارہ ہو یا کنایت، سب کار کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے، فقر کو اپنا
فخر سمجھے۔

۱۲۔ طریقہ ۳۹ کینہ اور بعض اور رشک سے اپنے دل کو صاف رکھے، کسی کی نعمت کا زوال نہ چاہے

اپنے مومن بھائی سے دوستی اور محبت سے پشیمان نہ ہو، خصوصاً یا راہِ طریقت سے

۱۳۔ طریقہ ۴۰ امانت میں خیانت نہ کرے اور بے فائدہ اور یہودہ کلام نہ کرے اور خود بینی

اور عیب جوئی کو اپنے میں دخل نہ یوے۔ (ص ۱۵۸-۱۶۰)

اس سالہ کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے :-

آداب ۳۱ جب کہ مرشد حقیقی اس از فنا سے وارثاء کو رحلت فرماوے تو بعد اس

کے ہر یہ اور صدقہ اور ثواب تلاوت وغیرہ کا روح پر فتوح اس کی کو پہنچاتا ہے

تاکہ درخت اخلاص اور محبت کا قطع نہ ہو اور تعلق روحانی باقی رہے ہذا امتنا

علمی حاجی و علم الصواب عند ربی و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر

خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ و سلم۔ تمت بالخیبر۔

اور ترقی کے کی عبارت اس طرح ہے :-

کتابہ احقر العباد، اصغر الافراد عبد محمد عظیم مسعودی نقشبندی عفی عنہ

بتاریخ ہفتم ربیع الثانی ۱۳۱۸ ہجری مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۳ء یوم شنبہ

بمقام ہر وئی صوت تمام ترقیت

Click For More Books

آداب سالک دو بار دہلی سے شائع ہو چکا ہے، دوسرا ادیشن تقریباً نصف صدی قبل مطبع علمی دہلی (صفحات ۲۰) سے شائع ہوا تھا جو حسن اتفاق سے دستیاب ہو گیا ہے اس میں اعلیٰ حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ رکن الدین قدس سرہ نے غمیمہ بھی شامل فرمایا ہے، سرورق کی عبارت اس طرح ہے :-
اِنَّ هَذَا تَذَكُّرٌ فَمَنْ شَاءَ اخْتِذْ اِلَى رَبِّهِ سَبِيْلًا

آداب سالک

از تصنیف

لطیف سلطان الاولیاء، برہان الاصفیاء، رئیس المحققین، امام الکملین یعنی اعلیٰ حضرت
مولانا مولوی مفتی شاہ محمد رحیم بخش صاحب الملقب بہ محمد مسعود شاہ صاحب ہوی نوالہ مسفوحہ
مع ضمیمہ

از تصنیف انیف قدوة السالکین، زبۃ العارفین، حضرت مرشدنا و مولانا حاجی محمد
شاہ رکن الدین صاحب مسعودی الوری مدظلہ العالی۔

جس کو قاضی حکیم مشتاق احمد صاحب نے باہتمام سید عبدالعلیم خلیفہ الرشید مولانا عبدالاحد صاحب
مرحوم مدیر مطبع مجتہبی دہلی کے مطبع علمی واقع دہلی میں طبع کر کے شائع کیا۔

حصہ دوم

پہلا باب

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

مفتی اعظم الحجاز شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز

عالم و فاضل، فقیہہ و مقتداے عارفان
شیخ و وراں مظہر اللہ، مفتی بہ ہندوستان
ضیاء بدایونی

حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز آسمانِ علم و عرفان پر آفتابِ مہتاب بن کر درخشاں ہوئے، اللہ تبارک تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ ایک جلیل القدر عالم اور فقید المسال ولی کمال پیدا فرمایا، جس نے اپنے علم و فضل و زہد و تقویٰ سے دل و دماغ روشن کئے اور لاکھوں انسانوں کو راہِ ہدایت دکھائی۔
ۛ ذرّہ خورشید آشنا از سایہ اش ۛ قیمت ہستی گمراہ از مایہ اش
ایسی عظیم ہستیوں کا وجود مسعود و ناکم الہیہ میں سے ہے وہ تعالیٰ جب چاہتا ہے نوازتا ہے اور جب چاہتا ہے محروم فرما دیتا ہے محمدی کئے وقت شدید احساس ہوتا ہے کہ کیا پایا تھا اور کیا کھوی بیٹھے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ کے فضل سے نوازے گئے اور جنہوں نے اہل اللہ کی قدم پوی کی سعادت حاصل کر کے جیسے کا صحیح لطف اٹھایا ۛ

از غم امروز و فردا رستہ ایم ۛ با کسے عہد محبت بستہ ایم
حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز، اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے نامور پوتے اور حضرت مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے، والدہ مرحومہ کا اسم گرامی امراؤ بیگم تھا (علیہا الرحمہ) آپ کی ولادت باسعادت آبائی حویلی واقع بازار فراراش خانہ، گلی مروہانی دہلی میں ۱۵ رجب المرجب ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۸۸۶ء کو ہوئی ۛ
سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تازہ بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں
حضرت قبلہؒ کی ولادت سے قبل ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء میں آپ کے ایک اور بھائی تولد ہوئے تھے جن کا اسم گرامی مظہر قیوم تھا۔ مگر وہ نو عمری میں وصال فرما گئے۔

علامہ اخلاق محسین دہلوی نے اپنے مقالے ”مفتی اعظم“ مطبوعہ ماہنامہ عقیدت دہلی، شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۴ء میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے سیرایا کا دلکش انداز میں نقشہ کھینچا ہے ہم وہیں سے متعلقہ اقتباس پیش کرتے ہیں :-

Click For More Books

آواز ہلکی چلی اور نہایت نازک و دلطف، قرأت قرآن فرماتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ نور کی پھوار پڑ رہی ہے، لباس صاف ستھرا اور پاکیزہ، نہ بہت قیمتی اور نہ بہت انراں تکلف و تصنع نام کو نہیں، نیچا کمرہ، شرعی پاجامہ، کبھی عمامہ اور کبھی دلی کی گول کشیدہ کاری کی ٹوپی زیب سرفرماتے ہیں، امامت و خطابت کے موقع پر جگہ بھی استعمال کرتے ہیں، لیکن مجالس میں عموماً شیر والی نہیں کرتے شریف لے جاتے ہیں، سخت گرمی ہو تو شیر والی کی بھی پابندی نہیں غرض کہ آپ عموماً سادہ و صخ میں ہتے ہیں۔ (ص-۲۸)

ابتدائی حالات

ابتدائی حالات حضرت قبلہؒ ابھی چار سال کے ہی تھے کہ والد ماجد وصال فرما گئے اور یہ مبارک سایہ جو حیات انسانی کی متاعِ غزنیہ ہے جلد ہی اٹھ گیا، اس حادثہٴ بھان کاہ کے ایک دو سال بعد والدہ ماجدہ رحلت فرما گئیں، اس وقت حضرت کی عمر شریف تقریباً چھ سال ہوگی، والدین کے وصال کے بعد حضرت کے جدا مجدِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کفالت میں لے لیا لیکن دو سال نہ گزرے تھے کہ ۱۲۰۹ھ / ۱۸۹۱ء میں حضرت ممدِ جہ بھی وصال فرما گئے، جو بچہ بچپن ہی میں والدین کی شفقتوں سے محروم ہوا نقابِ واد کی شفقت سے بھی محروم ہو گیا، اللہ اللہ غرضی سی محرومی ہے؟ ————— عادت الہی ہے کہ جب یہ اپنا محبوب بناتے ہیں تو بے آسرا کر دیتے ہیں شانِ محبوبیت اسی وقت نمایاں ہوتی ہے جب تمام آسرا سے ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ دستِ گیری فرمایا ہے اور اس شان سے کہ دیکھنے والی آنکھیں حیران رہ جاتی ہیں۔

جہاں ہیں اہل ایمان صحت خوشید جیتے ہیں۔ اور جہاں ہیں اہل کفر و شرک وہ صحت و شہوت و بے ادھر کے

Click For More Books

جد امجد علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپ کی نانی صاحبہ افضل بیگم علیہا الرحمہ (م ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۱ء) نے اپنی کفالت میں لے لیا لیکن دو تین سال بعد یہ آسرا بھی نہ رہا اور ان کا وصال ہو گیا، اس وقت حضرت کی عمر شریف تقریباً ۱۴ سال تھی، اب حضرت کی خالہ مخدومہ مجید النساء (م ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۲ء) اور عم محترم حضرت مولانا عبد المجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۴ء) نے اپنی کفالت میں لے لیا اور جوانی تک آپ ہی کی کفالت میں رہے۔

کچھ سنتیں اختیاری ہیں اور کچھ اختیاری نہیں، ان کی تکمیل مولیٰ تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں ہے حضرت قبلہ کی حیات طیبہ میں پیروی سنت کی شان ابتدا ہی سے نظر آرہی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی میں والدین کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے، اتباع سنت میں یہ عمر وحی حضرت کو بھی عطا کی گئی والدین کے وصال کے بعد آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت آپ کے جد امجد نے کی، حضرت قبلہ کی کفالت بھی جد امجد نے کی، جب تک جد کا وصال ہو گیا تو آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم نے آپ کی کفالت کی حضرت قبلہ کو جد امجد کی وفات کے بعد عم محترم نے اپنی کفالت میں لیا۔ یہ وہ سنتیں تھیں جن کی تکمیل بے تبارک تعالیٰ نے خود فرمائی، یتیمی و یتیمی کبھی کبھی عظمت و شوکت کی تہید ہوتی ہے، کسی کو کیا معلوم کہ جو بے آسرا بنائے جا رہے ہیں ان کو اس طرح سر بلند کیا جائے گا کہ دیکھنے والے حیران رہ جائیں گے۔

حضرت قبلہ کی جد امجد علیہ الرحمہ اور دوصیال کے متعلق پچھلے باب میں تفصیل کی گئی تھی۔
نخضیال عرض کیا جا چکا ہے حضرت کی نخضیال ریاست جہجہر سے تعلق رکھتی تھی، حضرت کے نانا حافظ عبد العزیز خاں مرحوم ریاست جہجہر کے مشہور معروف خاندان حافظان کے چشم و چراغ تھے۔
۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء میں ولادت ہوئی، شہزاد جہجہر کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ سنا نولہ رنگ فراخ پیشانی، کشادہ ابرو، سیاہ چشم، متوسط قد۔

انقلاب ۱۳۵۶ء کے بعد اہل علم و فضل کی جمعیت پریشان ہو چکی تھی، ہر شخص تلاش معاش میں سرگرداں تھا، اسی زمانے میں حافظ عبد العزیز صاحب ریاست پانڈوی میں نواب صاحب کے دربار سے متعلق ہو گئے۔

ریاست مذکور کے مجسٹریٹ و رجسٹرار عبد الرشید خان صاحب لائق مرحوم جو حافظ صاحب مدد و ح کے نواسے اور حضرت قبلہ کے عم زاد بھائی تھے اپنے دیوان غزلیات کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-
اس خاکسار کے نانا حافظ عبد العزیز خاں بعد مفسدہ ۱۳۵۶ء، نواب خیر آبادی خاں

بہادر والی ریاست پاٹووی کے چار صاحبزادوں، محمد تقی علی خاں، محمد جعفر علی خاں،
محمد صادق علی خاں اور محمد حسین کے ابالباقی مقرر ہوئے، اور پھر نواب محمد خاں حسین بہادر پسر
نواب محمد تقی علی خاں بہادر کے زمانے میں ان کے میر منشی مقرر ہوئے، نواب صاحب بہادر
مذکور کی وفات پر وٹیشن پر ریٹائر ہو گئے، ایک مہینے کی پینشن بھی نہ لی تھی کہ ان کا
انتقال ہو گیا۔ (ص - ۵)

حافظ عبدالعزیز خاں کے جد اعلیٰ ملک شہاب خاں افغانی انسل یوسف زئی عمر خیل سے تعلق رکھتے
تھے، افغانوں میں یہ قبیلہ نہایت معزز و مکرم شمار کیا جاتا ہے، شاہ افغانستان اور والی ریاست سوات
وغیرہ یوسف زئی افغان ہیں۔ خان ملک شہاب خاں علاقہ سوات و بنیر کے رہنے والے تھے جو
اس وقت حدود کابل میں شمار ہوتا تھا، خان موصوف کے چار صاحبزادے محمد حیات خاں، غلام رسول خاں
ملک عالم خاں اور عبدالرسول خاں، ہندوستان آئے اور قصبہ تحصیل آنولہ (ضلع بانس بریلی - بھارت) میں
مستقل سکونت اختیار کی، کچھ عرصہ بعد محمد حیات خاں کے علاوہ تینوں بھائی آنولہ سے ہجرا کر آباد ہو گئے
ان بھائیوں کی اولاد اذنان حافظان کے نام سے یاد کی جاتی ہے، ان کی زیادہ تر آبادی خلع غازی خاں
شہر ہجیر میں تھی۔

خان ملک شہاب خاں کے فرزند عبدالرسول خاں کے صاحبزادے نور محمد خاں اور ان کے
صاحبزادے عبدالوہاب خاں کے فرزند ارجمند حافظ عبدالعزیز خاں تھے، حافظ صاحب کا خاندان انقلاب
۱۸۵۷ء سے پہلے بڑا معزز اور متمول خاندان تھا چنانچہ عبدالرشید خاں لائق موصوف تحریر فرماتے ہیں۔
”یہ پچھداں شہر ہجیر ضلع رھتک کے ایسے خاندان کا فرد ہے کہ جس کے علم و فضل کا
شہرہ خاص شہر ہی میں نہیں بلکہ اطراف و اکناف میں شہرت لئے ہوئے تھا، اس گھرانے کا
ہر ایک مرد اور عورت صاحب علم ہونے کے باوجود حافظ قرآن بھی تھا، اسی وجہ سے یہ
گھرانہ خاندان حافظان کے نام سے مشہور ہے۔“ ۱۸۵۷ء میں جو کچھ گزرا وہ

۱۰ حفظ قرآن کریم کا یہ سلسلہ اب بھی موجود ہے، یہ فیض حضرت کی اولاد و امجاد میں حضرت کی تفصیل سے
چھنچا ہے، حضرت قبیلہ خود حافظ قرآن تھے، تین صاحبزادے بفضلہ تعالیٰ حافظ ہیں پھر شاہ اللہ چار پوتے
بھی حافظ قرآن ہیں، علوم جدیدہ اور علوم دینیہ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ علم تجوید و قرأت پر عبور رکھتے ہیں،
حضرت کے فیضان روحانی کا اعجاز ہے۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

بزرگ خوب ہی جانتے ہیں جن پر گزری لیکن اس خاندان پر یہ اثر پڑا کہ ۲۰۰۰ (تین ہزار) بگہرائی علاوہ سکنی جائداد اور عہد قضا سے ہاتھ دھونے پڑے اور بادل ناخواستہ معاش کیلئے لازمت اختیار کرنی پڑی۔ (ص ۴)

تحصیل علم | حضرت قبلہؒ نے اسی زمانے میں جب کچھ محترم حضرت مولانا عبد المجید علیہ الرحمہ کی کفالت میں تھے، حافظ حبیب اللہ مرحوم سے قرآن کریم حفظ فرمایا اور اسی کے ساتھ فن تجوید و قرأت میں کمال حاصل کیا، حضرت کی آواز اتنی شیریں اور دل نشیں تھی کہ تیر و نشتر بن کر جگر کے پار ہوتی تھی، سامعین پر رقت کا عالم طاری ہوتا۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی۔ دونوں کو ایک اداسی رضا مند کر گئی۔ کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں ایک انجینیئر صاحب سے اقم کی ملاقات ہوئی جو کسی زمانے میں حضرت کے پیچھے نماز پڑھ چکے تھے، برسوں گزر گئے تھے مگر وہ آواز بھلائے نہ بھولی، جب حضرت کا ذکر آیا تو۔۔۔ میساجتہ پکار اٹھے "اللہ اعلم بالصواب" "اللہ اعلم بالصواب"۔ اس نوائے شیریں کی ترجمانی اس سے بہتر الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد محترم حضرت مولانا عبد المجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ مولانا نے ممدوح کا سلسلہ حدیث تین واسطوں سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا ہے، ان کے علاوہ مولانا عبد الکریم صاحب اور مولوی عبدالرشید صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی استفادہ کیا، تکمیل درسیات کے بعد اتنی مطالعہ سے معقولات و منقولات میں وہ تبحر حاصل کیا کہ بایہ شاید، تصور سے ہی عرصہ میں اپنے عہد کے مقتدر علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ حضرت قبلہؒ مختلف علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں مثلاً تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، ریاضی، ادب، علم توقیت، علم الفرائض، صرف نحو، خطاطی وغیرہ وغیرہ۔

۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء میں حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبِ اد سے اور جانشین حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء) نے اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود

بیعت

۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب مظلہ العالی آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

آپ کا پایہ علوم ظاہری اور باطنی دونوں میں اس قدر بلند تھا جہاں علماء و عرفاء زمانہ کی نگاہوں کا پہنچنا مستعذر تھا تھا، صاحبِ نسبت قویہ ایسے کہ جس پر نظر ڈال دی اس کو پروانہ ذاتِ احدیت بنادیا، آپ کے (بقیہ صفحہ ۱۵۳ پر)

Click For More Books

کے خلیفہ خاص حضرت مولانا کرن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء) کو مکان شریف سے الوداع فرمایا کہ

”تھیں معلوم اس سال فقیر کی عمر وفا کرے یا نہ کرے، آپ دہلی سے مولوی محمد مظہر اللہ سلمہ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔“

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت قبلہ اپنی نانی مرحومہ کے زیر کفالت تھے، اور وہ کسی قیمت پر بھی جدائی گوارہ نہ کر سکتی تھیں، کیوں کہ حضرت کی عمر شریف صرف تیرہ سال تھی، چنانچہ حضرت صاحب بالابالا اپنے ساتھ لے کر مکان شریف پہنچے، یہاں حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قبلہ کو اپنے دست مبارک پر بیعت فرمایا، اور قلب مبارک پر توجہ ڈالی تو آپ بیہوش ہو گئے، کافی دیر بعد افاقہ ہوا، روحانی تربیت کا آغاز ہو رہا تھا اور مس خام کو کندہ بنایا جا رہا تھا، یہ خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے یہ اثر رکھتی ہے خاک تیر پر وائے دل

اس نو عمری کے زمانے میں حضرت قبلہ فیضان الہی سے نوازے گئے ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔ چوں کہ بیعت کے دوسرے ہی سال شیخ طریقت علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا اس لئے حضرت مولانا کرن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے منازل سلوک کی تکمیل کرائی، اور پھر یہ ہے کہ تربیت کا حق ادا کر دیا حضرت کی ذات گرامی ایک طرف حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا بجز اثر کا اجماع نہ تھا، تو دوسری طرف حضرت مولانا کرن الدین صاحب کی صحبت کیمیا اثر کی زندہ کرامت۔

علامہ مفتی محمد رفیع صاحب ظلہ العالی نے حضرت قبلہ کی بیعت و تربیت کا ذکر اس طرح کیا ہے :-
آپ کو اگرچہ بیعت سلطان معارفین، برہان الواصلین، صاحب شرف الجلی، قطب عالم حضرت سیدہ صادق علی شاہ صاحب قدس سرہ سے حاصل ہے لیکن چونکہ ایک سال ہی کے بعد حضرت سید صاحب سال فرما گئے تھے اس لئے آپ کی آخرین تکمیل حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ہوئی، اور حضرت صاحب ہی نے آپ کو تینوں سلاسل کا مجاز فرما کر رونق آستانہ شیخ بنایا اور تحریری اجازت مع صافہ عطا فرما کر مسند رشد ہدایت پر متمکن فرمایا۔ الحمد للہ آپ مسند ہدایت پر متمکن ہیں، فیضان

(بقیہ جوشی ص ۱۵۱) بعض فضائل مناقب تذکرہ رسالہ ذکر مبارک میں ملے گا جو عنقریب طبع ہو کر شائع ہونیوالا ہے اس

کا پہلا حصہ جس میں آپ کے اور ادا کا ذکر ہے طبع ہو چکا ہے۔ دو صحاح السالکین، ص ۵۰۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اہلی سے لوگ مستفیض ہو رہے ہیں، اس کے علاوہ افتائے آبائی بھی آپ سے آباد ہے اور آپ کے جد امجد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منصب امامت بھی آپ ہی کو تفویض فرمایا، چنانچہ اس وقت حضرت کی جگہ خلیفہ شاہی سب جوامع فقہوری بھی آپ ہی ہیں، حق تعالیٰ ان فیوضات ظاہری اور باطنی کے ساتھ آپ کو سلامت باکرامت رکھے۔ (ص - ۵۰)

اگرچہ چودہ سال کی عمر سے لیکر مخفوان شباب تک حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تربیت فرمائی لیکن چونکہ حضرت محدث آپ کے جد امجد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اہل روحانی نسبت کی وجہ سے حضرت قبلاً کا کمال ادب احترام فرماتے تھے، اور حضرت نے بھی احترام کا حق ادا کر دیا اسی نسبت سے آپ کے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی محمود صاحب کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے، ان دونوں حضرات علیہما الرحمہ کے باہمی ادب احترام کو دیکھ کر حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے باہمی عزت و تکریم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جس کا ذکر خواجہ محمد ہاشم کشمیری نے زبد المقامات میں کیا ہے۔

شیخ طریقت حضرت صادق علی شاہ کے گھرانے میں جس قدر و منزلت کی نگاہ سے حضرت کو دیکھا جاتا ہے اس کا اندازہ اس مکتوب شریف سے لگایا جاسکتا ہے جو ۱۹۶۱ء میں آپ کے پسر زادے حضرت علامہ مولانا منظور احمد دامت برکاتہم العالی نے ساہیوال سے لاہور ارسال فرمایا تھا جب کہ آپ پہلی بار پاکستان تشریف لائے تھے، یہ صحیفہ گرامی چوں کہ شان ادبیت اور نسبت خاص کی وجہ سے قابل مطالعہ ہے اس لئے ضروری اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

مکتوب حضرت مولانا منظور احمد صاحب

نور حقائق الشریعہ، نور حدیقہ الطریقۃ، الامتثال شمس
افاضتہ ساطعہ وانہما، افادتہ زاہقہ، بحیۃ من عند اللہ، مبارک
طیبۃ

چراغ بود کہ ناگاہ رشخہ قلمت حقوق خدمت معرض کرد بر کرمیت
بنوک خامہ رقم کردہ سلام را کہ کارخانہ دوراں مبادیہ رقت
نگویم از من بیدل بسہو کردی یاد کہ در حساب خرد نیست سہو بر قلمت

ز حال مالدت آگہ شود مگردقت

کہ لالہ برود از خاک کشکان غمت

Click For More Books

اپنے جاماء اور سقوط مکان شریف کو چودہ برس بیت گئے، مگر اس جنت در آغوش فضا
ہا تمسیر ویرانہ دل میں آج بھی کعبہ شوق تعمیر کر رہا ہے، ایسی ہی فضا جودلوں کا سرور
اور آنکھوں کا نور تھی !

آں مینیت کہ سر منزل جاماں بود ست مطرح نور رخ آں مہ تاباں بود ست
آں مینیت کہ ہر شیب فرانسے کہ دروست جائے آمد شد آں سر و خراماں بود ست
آں مینیت کہ ہر جابس فرانسے مینی
پیش زین بجایش گل و ریحاں بوست

اس بات میں شادی کوئی لمحہ گزرا ہو کہ یاد مکان شریف نے بغیر آپ کی یاد کے قلب
ناشاد کو شاد کیا ہو :-

اے صبا با ساکنان شہر نیراز ما بگو کاسے سر ناحق شناساں گوئے و چوگان شما
گرچہ دوریم از بساط قرب بہت دور نیست بندہ شاہ شہائم و ثنا خوان شما
نواح دلی سے جب کوئی ادھر آتا ہے تو آرزو سماع بحسب بن جاتی ہے
بجستجوئے خبر جانم از دریچہ گوش
زماں زماں بسراہ کارواں آید

محمد عمر صاحب کے آنے سے پہلے مولانا صاحب زادہ مظفر احمد صاحب سے کراچی میں
دو دفعہ ملاقات ہوئی، جنوری ۱۹۵۲ء اور جون ۱۹۵۶ء میں۔ جنوری ۱۹۵۲ء
میں تو ایک در صاحب بھی ملے تھے، غلے گھڑ لے گئے اور مہر و وفا کی ساری بے تکلفیوں
کے ساتھ خوانِ نعمت سجا سجا کر قسم قسم کے پر تکلف کھانے کھلائے، پھر نامہ نصارت
فرا کی زیارت کرائی، جو ان ہی دنوں ان کے نام شرف آور ہوا
دواں گر فتم و بوسیدم و نمود باز

نام یاد نہیں کام صرغے کا کرتے تھے۔ ہر کجا بہت خدا یا سلامت وارش
پھر اگست ۱۹۵۹ء میں مولانا حضرت محمود صاحب یہاں تشریف لائے، اچانک آئے
صرف ایک اتنا ٹھہرے اور چلے گئے۔

چندیاں نہ نشستی کہ شود غمخیز دل باز چوں بوسے گل و باد صبا آمدہ رفتی
اما کہ اس نے جانے میں بوسے گل و باد صبا کی سی کیفیت تھی، مگر مشام میں کو عطا ہوئے

والی کھتیں تو روح و ریاں و جنت نعیم کی کیفیت لئے ہوئے تھیں ۛ
قلیل منك یكفنی ولا کن قلیلک لایقال لذقلیل
ہوئے گل بھی تو گل ہی کا لطف عام ہے اس لئے صفات اور افعال صفات، ذات ہی
کے مظاہر ہیں ۛ

تراہی عکس ہے ان اجنبی بہاروں میں
بلکہ ان گلوں کی رنگ برنگ خوش طراز قبائیں اور سیمیں بدن غنچوں میں چچی بسی خوشبوئیں
سب اس قدر بہار گل خنداں کے حسن کی زکوۃ ہیں ۛ
ندائم آل گل خنداں چہ رنگ و بود ارد کہ مرغ ہر چہی گفتگوئے او دارد
دیکھئے شوق جنوں مزاج کی دل فریبیوں نے بات کو کہاں سے کہاں تک پہنچایا ۛ
چلی ہی آتی ہیں شوق میں یاں زباں پہ بے اختیار باتیں
سکوتِ نخوت بھی مسکرا دے سنے جو دیوانہ وار باتیں

ذکر تو مولانا محمود صاحب کی آمد کا تھا، مولانا کے ہم راہ و ہم نشین چند ایسے مردان خدا
تھے جو اذ اساء و اذ کر اللہ کے مصداق اور التصوف کلام کے پیکر، سبحان اللہ
کیوں نہ ہوں حضرت مولانا رکن الدین سے نسبت رکھتے ہیں رستہ اللہ علیہ ۛ
آں قدوہ زمانہ و آں زبدہ جہاں آں شہلی زماں و جنبہ زمانیاں
آں صدر چار باش ایوان اصغیا و آں شمع جہاں فروز شہستان اتقیا
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل الجلیس القاسم و الجلیس السوء کمثل ضا
المسک و کیر الخداد، لا یجد من صاحب المسک اما ان تشریک و تجد
ما یجد و کیر الخداد یحرق بآناک او ثوبک او تجد منه ما یجاء خبیثہ
صحبت نیکیاں باز کار نیکی صحبت بدال بدتر از کار بد

ان میں سے بعض ۳۱ اشوال کو عرس پر بھی یہاں آئے تھے، عرس اب بھی ہوتا
ہے، اہل نسبت شرکت کرتے ہیں و علی قدر مراتب بہرہ اندوز ہوتے ہیں مگر ان
انوار و برکاتِ خالصہ کا جو روضہ مطہرہ کی خاک پاک میں ودیعت ہیں، کہاں سے
لائیں ؟

وال سے نکل کر پھر فراغت ہوئی نصیب آسودگی کی جاں اسی انجن میں تھی

غربت کی صبح میں بھی نہیں سج وہ روشنی جو روشنی کہ شام سواد وطن میں تھی
آپ نے تحریر فرمایا عرس مکان شریف میں ہو تو بہتر ہے، واقعی بہتر ہے مگر بظاہر بھی
کوئی صورت نہیں :-

پایم بگل ز حسرت گشت کسار جو خوارم بدل زیادہ ہم آہنگی ہزار
از خون دیدہ ہر مرثیہ ام شاخ اعلیٰ وز سوز سینہ در نفسم تاب لالہ زار
نار وال سے شکر گڑھ جاتے ہوئے ریل گاڑی جب جیٹر اسٹیشن پر کتی ہے تو دریائے
راوی کے اسی پار روضہ مطہرہ کا ریخ الشان گنبد مسجد کے اونچے اونچے مینار اور سوختہ
پیکر محل کے اواسل داس صفت و بام، ہم میں سے ہر ایک کو بلاتے ہیں لیکن ہم اپنی۔
خود میوں گل بداد کہاں سے چھوڑ کر لائیں :-

یکے بلبل بیہ پرو بال شوم کہ طہری از طوف گل زار وارم
دریں خست آباد نے جلے مازن نہ نیرے رفتار یک کام دام
ذکر مبارک جب دو روز قبل کی طباعت کی آپ کو لکھ رہے وہ اب کہاں؟ اصل سونہ
ہی شمس کی زد و خور میں تلف ہو گیا تھا، نہ صرف یہی۔ آیات القیومہ بھی جو
معارف متعلق کا خزینہ، تاریخ مکان شریف کی اصل و ذکر مبارک کی ماخذ تھی،
دونوں مخطوطے۔ ذکر مبارک کے مصنف قاضی قائم الدین کے پاس امرتسر
میں تھے، وہ ترک وطن کے وقت شب بخونی کے لباس میں تھے، انہیں اتنی فرصت نہ
ملی کہ اس عزیز از جاں سرمایہ کو حزنہ جاں بنا لیتے، سرو پایہ بہ چل کھڑے ہوئے یوم
تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
و تَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَ مَا يَسْكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ۔
لاہور پہنچنے پر کسی کو لکھا کہ گھر جا کر دونوں کتابیں تلاش کر کے بھیج دو، اس نے تھ
کے بعد لکھا کہ اس قسم کی تمام چیزیں لگنی دیوی کے بھینٹ چڑھا دی گئی تھیں۔
حیراں ہوں کہ روٹوں کہ پیٹوں جگر کیوں؟ مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو جس
ذکر مبارک کی دوسری جلد کا آغاز حضرت قیوم العالم سید امام علی قدس سرہ
کی حیات طیبہ سے ہوا تھا جو دو صد صفحات پر مشتمل تھا پھر حضرت اقدس سید صادق
رحمۃ اللہ علیہ کے اثر کا ذکر تھا جو مزید دو سو صفحات پر پھیلا ہوا تھا، قاضی صاحب

Click For More Books

نے یہ حصہ کتاب بڑی کاوش سے تالیف کیا، پہلی جلد کی طباعت پر جیسا کہ انہیں بعض
فروگزاشتوں کی نشان دہی کرائی گئی، تو وہ غماظ ہو گئے اور جلد ثانی کی تدوین کے وقت
ایک سو ہو کر اس کام میں لگ گئے، وہ امرتسر سے ہر ہفتہ مکان شریف پہنچتے، تین روز
بہرتے اور درویش دل ریش کے پاس بیٹھ کر آیات القیومیہ اور دوسری نفعہ تحریری
شہادتوں کی روشنی میں مبیضہ تیار کرتے، یہ کام عین زمانہ آشوب میں تین مہینوں کے
اندراہوں نے سرانجام دیا تھا، جب کتاب مکمل ہو گئی تو اواخر جولائی ۱۹۴۷ء کو رمضان
سے چند روز پہلے آخری مرتبہ آیات القیومیہ کا نسخہ بھی ساتھ لے گئے کہ نظر ثانی پوری
احتیاط کے ساتھ ہو سکے۔

آیات القیومیہ جیسا کہ آپ کو علم ہے حضرت قیوم العالمؑ کے سلسلہ طریقت، طریق
ارشاد، حالات خلفاء و مترشدین کی کیفیات خاصہ کا پر مغز تاریخی اور عرفانی جائزہ تھا
جیسے حضرت مہرور سے خلیفہ اکمل و رفاصل جل سید محمد علی مشہدی دھرم کوٹی نے ششہ
ورقہ فلفلی زبان میں تصنیف فرمایا تھا، سید صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں کم و
بیش تیس برس ملازم استفادہ رہے، یہاں تک کہ پس از وفات بھی روضہ کے باہر جوتہ
رویہ آپ کے قدموں میں ہی آسودہ خواب ہیں۔

یہی آرزو ہے کہ جانِ جاں جو مرل تو تیرا ہی نام لوں
ترے کوچہ میں نہ سہی مگر تری رہ گزر میں مزار ہو

قاضی قیام الدین امرتسر سے لاہور پہنچ کر صرف اکتوبر ۱۹۴۹ء تک جئے اور تادم آخر
اس لٹی ہوئی دولت کی بازیابی میں ساری رہنے اور جب ملتے ہی کہتے کہ جوں ہی سر چھپانے
کو جگہ مل گئی لوح و قلم لے کر پیچھا جاؤں گا۔

تجی الریاح بآمال تشہی السفن اللہم اغفر لہ و ارحمہ واعف عنہ
واکرم نزلہ ووسع مدخلہ وابدلہ داما خیرا من دارہ
اسے ہم فسانِ محفل ما رہنمہ و لے نہ ازل ما

ناسازی مزاج کی خبر موجب اضطراب ہے خدا کرے کہ اب رو باعتدال ہو
بقیت بقاء الدہر یا کھف اہلہ و هذا دعاء للبرقۃ شاملہ
دیدہ و دل نہ صرف دونوں بلکہ نیستی ہست نما کا ہر جزو اپنی اپنی آرزو مند ہی بزبان

قلم عرض کر رہا ہے ۔

لیس لفواد محل شوقك وحدك
کال لجواسم فی هواك فوادك
ایمانی بایہ جذبہ گستاخ ہر چند کہ مستوجب کن ترا نی ہے اس لئے کہ
دیدن روئے ترا دیدہ جاں می باید
وین بجای مرتبہ چشم بہاں بین من است
مگر بعض تبرکات کی زیارت کا واسعہ اگر باعث معزز سفر بن جائے تو عاصیوں کی جنت
نگہی کا سامان از خود ہو جائے گا
تسخیر چشم شوق انہیں مھونڈتی رہی
وہ عمر بھر خود دل میں مرے یہاں ہے

فقیر حقیر منظور احمد کہ بندہ درویشان است وار سردیدہ
خاک قدم ایشان ۔

۹ صفر المظفر ۱۳۸۱ھ

۱۲۰۔ سول لائسنز، غلگہری

بلس الصالح فیض ینایح حضرت مخدومی مولانا مفتی اعظم الحاج محمد ظہیر اللہ صاحب امام
جامع فقہوری، دہلی۔ مقرون حسن قبول و تلمی باو

شوم خود قائد و خود قاصد خویش

سید منظور احمد

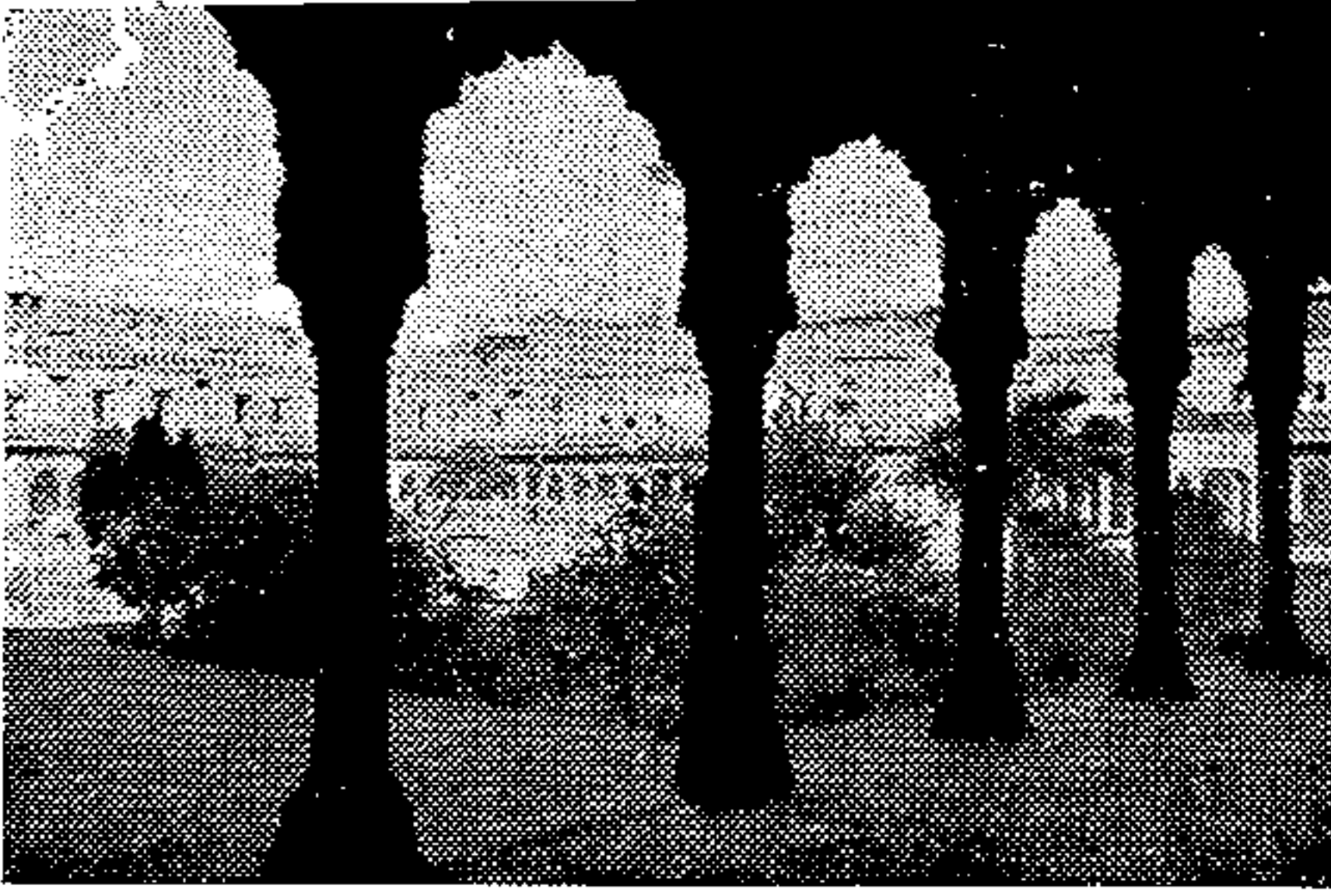
۱۰ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وصال

امامت خطابت

فرمایا، آپ کے وصال کے بعد مسجد جامع فقہوری کی امامت و خطابت
کے فرائض آپ کے دوسرے فرزند حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض کر دیئے گئے کیوں کہ
فرزند اکبر حضرت مولانا محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی حیات ہی میں وصال فرما چکے تھے۔ ۱۳۱۱ھ
۱۸۹۲ء میں مولانا احمد سعید زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے، ان کے مبارک سفر
میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا ۔

آستان پہ ترے سر ہوا بل آئی ہو
پھر تو اے جان جہاں تو بھی تماشائی ہو
شاید ہی آرزو لے کر گئے تھے جو پوری ہوئی
عجز آرزو دارم کہ میرم در حجاز ۔
محبت کا تقاضا یہی ہے کہ در محبوب پر جان بچھا کر دی جائے، عشاق کی عید یہی ہے ۔

مسجد جامع فتحپوری کے اندرونی مناظر



جنوبی دالان سے شمال
مشرقی سمت کا ایک
منظر - پس منظر میں
داہنی طرف وہ درگاہ
بھی نظر آرہی ہے
جہاں حضرت شاہ محمد
مظہر اللہ علیہ الرحمہ کا
مزار مبارک زیارت گاہ
خلائق ہے



→
جنوبی دالان سے
شمال مغربی سمت کا
ایک منظر - مسجد
کے بڑے دالان،
محراب و مکبر وغیرہ
صاف نظر آرہے ہیں



←
جنوب مغربی سمت
چھوٹے دالانوں کا ایک
منظر - وسط میں
حضرت شاہ محمد مظہر
اللہ قدس سرہ کا حجرہ
شریف اور کتب خانے
کے دروازے بھی نظر
آرہے ہیں جہاں تقریباً
نصف صدی حضرت رحم
کا علمی اور روحانی
فیض جاری رہا

Click For More Books

حضرت مولانا احمد سعید کی خبر وصال احباب کے لئے برق ناگاتا، ثابت ہوئی، اعلیٰ حضرت کے وصال کا غم کچھ کم نہ تھا کہ دوسرے ہی سال یہ حادثہ جان پیش آیا، مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد جانشینی کا مسئلہ سامنے آیا، اعلیٰ حضرت کے تیسرے فرزند حضرت مولانا عبد المجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا کہ چونکہ موصوف منکسر المزاج تھے اور ظاہری وجاہت سے طبعاً اعراض فرماتے تھے، اس لئے اس منصب جلیلہ کو منظور نہ فرمایا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے چوتھے صاحبزادے حضرت مولانا عبد الرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۶ء) کو فرائض امامت و خطابت تفویض کئے گئے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قبلہ قدس سرہ کیلئے جانشینی کی وصیت فرمائی تھی لیکن چوں کہ حضرت قبلہ نو عمر تھے اس لئے حضرت مولانا احمد سعید اور حضرت عبد الرشید علیہما الرحمہ نے بالترتیب فی النقص امامت و خطابت انجام دیئے، جب حضرت سن بلوغ کو پہنچے اور علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے تو حضرت مولانا عبد الرشید صاحب سبکدوش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے، اور حضرت قبلہ قدس سرہ مستدار شاوہ امامت پر متمکن ہوئے۔ اور بفضلہ تعالیٰ ساٹھ ستر سال تک اس منصبِ جلیلہ پر فائز رہے۔ مسند سعودیہ کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ وہ فروغ بخشا کہ باید و شاید۔

عقد مسنونہ | حضرت قبلہ قدس سرہ کی پہلی شادی ۱۲۲۱ھ کے لگ بھگ خاندان ساوا
کی چشم چراغ مخدومہ النور جہاں بیگم (علیہا الرحمہ) سے انیس سال کی عمر میں ہوئی
موصوفت سے حضرت کے ہاں دو صاحبزادے حضرت مولانا مظفر احمد صاحب حضرت مولانا مشرف احمد صاحب
اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں جو بفقہہ تعالیٰ بقید حیات ہیں، ۱۳۲۲ھ کے قریب پہلی اہلیہ کا وصال

۱۰ حضرت قبائے نے اپنے معتقد خاص محترم سلطان احمد صاحب جاپان والوں سے فرمایا کہ جب پہلی شادی ہوئی تو نذرانہ امامت و خطابت صرف بیس روپے ملتا تھا، چنانچہ شادی کیلئے عبدالغنی مرحوم (محشریٹ) سے پچاس روپے قرض لئے اور بڑی کفایت شعاری کے ساتھ خرچ پورا کیا بعد میں یہ رقم ادا کر دی گئی یہ ۱۹۰۲ء کی بات ہے۔ بعض اعزہ کی جفا شعار یوں کی وجہ سے یہ وقت سخت گزرا، حضرت کو راثماً جامد اور زمینات وغیرہ میں حق پہنچتا تھا مگر فطری بے نیازی کی وجہ سے ہمیشہ ان امور سے الگ تھلگ رہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

حضرت کا تھکا مسنونہ سادگی کے لحاظ حضرت فاطمہؓ کی شانِ اقدسہ کی تعریف کی ضرورت نہیں ہے۔

ہو گیا تو دو ڈھائی سال بعد تقریباً ۱۳۲۷ھ میں خاندان مغلیہ کی چشم و چراغ نورجہاں بیگم (علیہا الرحمہ) سے
نکاح کیا، موصوفہ سے صرف دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں، جو بفضلہ موجود ہیں، حضرت قبلہ کی یہ دوسری
اہلیہ علمی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، موصوفہ کے والد کا اسم گرامی ولی اللہ بیگ تھا جو مولانا سید ابراہیم
کے صاحبزادے اور علامہ مفتی عبدلرزاق کے پوتے تھے، علامہ موصوفہ کے بھائی علامہ مفتی عبدالحق
رحمۃ اللہ علیہ کی ایک صاحبزادی ام صفیۃ النساء، شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی سے منسوب تھیں
حضرت قبلہ کی دوسری اہلیہ تقریباً ۱۳۳۰ھ کے قریب وفات پا گئیں، ان کے وصال کے بعد
حضرت قبلہ نے خاندان سادات کی چشم و چراغ مخدومہ عائشہ بیگم (علیہا الرحمہ) سے عقد کیا، موصوفہ سے
دو صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں تولد ہوئیں، جن میں سے تین صاحبزادے حضرت مولانا محمد رضا
راقم السطور، اور ڈاکٹر سعید احمد اور تین صاحبزادیاں بقید حیات ہیں، تیسری اہلیہ ۱۳۴۷ھ میں وصال
فرما گئیں، اس کے بعد حضرت نے شادی نہیں کی اور حیات مبارکہ کے آخری انیس سال مخلوق سے قطع
تعلق کرتے ہوئے عبادت و ریاضت میں گزار دیئے۔

دوسرا باب

اتباع شریعت

اتباع شریعت

حضرت قبلہ قدس سرہ کی حیات طیبہ پر عشق الہی اور محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محیط تھی، خلوتوں اور جلوتوں میں سہمی کی جلوہ گری تھی، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو نور عشق سے منور نہ ہو۔

کبھی تنہائی کوہ و دامن عشق کبھی سوز و سرور انجمن عشق
کبھی سرمایہ محراب و منبر کبھی مولا علی خیر شکن عشق

عشق ہی وہ نقطہ خروج ہے جہاں پنچ کر سیرتیں چمکا کرتی ہیں، جہاں سب کچھ کو کردہ دولت ملتی ہے جس کو کبھی زوال نہیں آتا، جس کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں — یہی وہ مقصد عظیم ہے جس کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

مقصد سے مثل سحر تا بندہ ماسوائے راتش سوز زندہ
مقصد سے از آسمان بالا ترے دلربائے، دل ستائے، دلبرے
باطل دیرینہ را غارت کرے فتنہ در حبیبہ سراپا نغشرے
طبع مسلم از محبت قاہر است مسلم از عاشق نباشد کافر است

یہی وہ عشق ہے جو شخصیت کو قرآن و حدیث کے سانچوں میں ڈھال دیتا ہے اور پھر اس کا سونا جاگتا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، بولنا چالنا، ہنسنا رونا — تابع شریعت ہو جاتا ہے۔

تابع حق دیدنش نادیدنش خوردنش، نوشیدنش، خوابیدنش
اس عشق و محبت میں حضرت قبلہ قدس سرہ کی سیرت مبارکہ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے گہرائی رنگ و رنگ سے آراستہ و پیراستہ ہے بلکہ جیتا جاگتا قرآن ہے۔ یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں قرآن پچھلے باب میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یتیمی و مسیری اور تدریجی کفالت یہ وہ سنتیں تھیں جن کی تکمیل خود حق تبارک تعالیٰ نے کرائی، لیکن جب نظر حسن قامت کی طرف جاتی ہے تو وہاں بھی قامت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آتی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس وجہاً و احسن خلقاً
لیسن بالطویل الذاہب و لا بالقصیر (خطبات نبوی، ص ۱۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوبصورت ترین اور پیکر نازنین جس میں ترین تھا، نہ دراز قامت اور نہ کوتاہ قد۔

جن حضرات نے حضرت قبلہؐ کا سراپا دیکھا ہے ان کو معلوم ہے کہ حضرت حسن صورت اور حسن قامت میں فیض یافتہ مصطفیٰ تھے صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت کا حسن خرام آئینہ دار قرآن تھا :-
وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ (پارہ ۲۱ - سورۃ لقمان)
اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو۔

یہاں فراعین عالم کی اکثر نہ تھی، کہ یہ مغرورانہ اور محبوب کی نظر میں مردود ہے :-
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (پارہ ۲۱ - لقمان)
زمین پر اگر کرمیت چل، اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔
جب اس تعالیٰ کے محبوب میں پر چلتے ہیں تو اس انداز کے ساتھ کہ خود محبوب حقیقی دیکھ دیکھ کر مسرور ہوتا ہے اور اس اوائے خاص کا اس انداز سے ذکر فرماتا ہے :-

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا
اور خدا کے بندے تو وہ ہیں کہ جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور (پارہ ۱۹ - الفرقان)
جب جاہل ان سے (جہالت) کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کر کے (انکے ہوجائیں)
حسن صوت کا عالم بھی یہی تھا، یہاں جدید تہذیب کے متوالوں کا دھاریں مارنے والا انداز نہ تھا بلکہ متین و سنجیدہ جس سے دانش و حکمت کی بو آتی تھی، -

وَاعْصِفْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (پارہ ۲۱ - لقمان)
آہستہ بولو کیوں کہ آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی ہوتی ہے۔
تیز آواز سے گفتگو کرنا مولیٰ تعالیٰ کے نزدیک حماقت و نادانی کی دلیل ہے، اسی لئے محبوبان خدا کی اوائے دل نوازی ہے کہ وہ صغیر و دم گفتگو، گراوم جستجو۔

قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (بقرہ)
ہر انسان سے اچھی اور نرم گفتگو کرو۔

بہ آداب تو معاشرے کے عام افراد کیلئے ہیں، لیکن اہل دل کے حضور عاغری ہو تو پھر ادب و احترام کا اور عالم ہوتا ہے :-

وَلَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

Click For More Books

”اپنی آوازیں نبی کریم کی آواز سے بلند نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ (اس بے ادبی سے) تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو۔“
یہی قرآنی آداب ہیں جو اس پیکر قدسی کی سیرت میں جھلکتے نظر آتے ہیں جس نے اپنی وجود کو عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا کر دیا تھا۔

حضرت قبلہ کی شرم و حیا میں حیا مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے نظر آتے تھے۔
کان رسول لله صلى الله عليه وسلم اشد حياء من العذراء في حذرهما وكان اذا كثر شيئا عرفناه في وجهه۔ (خطبات نبوی - ص - ۳۵۰)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری ووشیزہ جو اپنے گوشہ نقاب میں محجوب ہو اس سے بھی زیادہ شدید حیا دار تھے اور جب آپ کسی چیز کو ناپسند و ناگوار فرماتے تو ہم آپ کے چہرے سے پہچان لیتے۔“

جن حضرات نے حضرت قبلہ کی زیارت کی ہے ان کو معلوم ہے کہ مجالس و محافل میں حضرت حیا نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ دار تھے، ۱۹۶۱ء میں حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے، کراچی سنے ماہ قیام میں جامع مبین مسجد میں نماز جمعہ کیلئے تشریف لے گئے، ہزاروں انسان دیدار کیلئے بے چین تھے، چناں چہ دیدار عام کیلئے حضرت ممبر سپر تشریف فرما ہوئے، بڑا دل نواز منظر تھا، بجائے عجیب غریب کے چہرہ انور سے شرم و حیا نہ پکے ہی تھی اور نور کے قوارے پھوٹ رہے تھے، دیکھنے والی آنکھیں اس دل نشیں منظر کو کبھی نہ بھلا سکیں گی۔

یہ بھی مولیٰ تعالیٰ کا کرم خاص تھا کہ ابھی ہوش سنبھالا ہی تھا کہ قلب مبارک پر انوار الہیہ کی بارش ہونے لگی اور بیت سے نواز گیا، روش زمانہ ہے کہ زیر کی کی منزل سے حیرانی کی منزل کی طرف جاتے ہیں مگر حضرت نے روز اول ہی حیرانی کی منزل کو طے کر لیا۔

زیر کی بغرض و حیرانی بخیر
زیر کی ظن است، حیرانی نظر
اور یہ حیرانی صحبت اہل اللہ میں ملتی ہے۔

بندہ یک سرور روشن دل شوی
بہ کہ برفرق سرشاہاں روی

حضرت صادق علی شاہ ایک ہی نگاہ سے دل کا فیصلہ کر دیا، فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا اور حضرت مولانا رکن الدین کی تربیت خاص نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

جو علم حیرانی کے بعد حاصل کیا گیا ہو، اس کی بات ہی کچھ اور ہے، وہ مارا ستین نہیں، یا رخا ہے۔

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

عبادات و ریاضات | حضرت قبلہؑ نے بچپن ہی سے پابندی وقت کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی تھی، اور مواظبت و مداومت اس کمال کی تھی کہ اس عمر کے بچوں میں ملنا مشکل ہے، یہی زمانہ محبوبیت کا زمانہ ہے، پھر جوانی کا زمانہ سرمستی و سرشاری کا زمانہ ہے، لیکن حضرت نے جب عنفوان شباب میں قدم رکھا تو ہزاروں انسانوں کی امامت قرار ہے تھے، وہ جوانی و رعنائی کتنی مبارک ہے جو عبادت الہی میں صرف ہو، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

أنا أحب الخلائق إلى الله تعالى شاب حدث السن في صورة حسنة
جعل شبابه وجهه لله وفي طاعة الله ذلك الذي يباهي بالرحمن
ملكته يقول هذا عبدي حقاً. (ابن عسكروا الخاف، ١٣٨)

”خلق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوبہ نوجوان ہے جو خوبصورت ہو اور اس نے اپنی جوانی اور خوبصورتی کو اللہ تعالیٰ کیلئے اور اس کی اطاعت میں صرف کیا ہو یہی وہ نوجوان ہے جس پر اللہ تعالیٰ فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے کہ ”میرا سچا بندہ تو یہ ہے۔“

عالم شباب ہی میں مسجد جامع فقیہوں کی شاہی امامت و خطابت آپ کو تفویض کر دی گئی، اس
جوانی میں خانہ خدا کی آبادانی کا سہرا بھی آپ کے سر بندھا۔

إِنَّمَا يَعْزَمُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ

Click For More Books

وَاتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَلْ لَآ إِلَهَ فَصَلَّى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ
الْمُهْتَدِينَ (پارہ ۱۰- التوبہ)

اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد رکھتا ہے کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان لایا، اور نماز پڑھتا اور
زکوٰۃ دیتا رہا اور جس نے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا تو ایسے لوگوں کی نسبت توفیق کی جاسکتی ہے کہ ان
لوگوں میں ہوں گے جو منزل مقصود پر پہنچے۔

پھر نماز کا اہتمام بھی قرآنی آداب کے ساتھ فرماتے، صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے، اور
جموعہ عیدین کے موقع پر خوشیوں کا استعمال بھی فرماتے، ہر نماز کیلئے تازہ وضوء فرماتے اور خاص اہتمام سے
نماز کے لئے تشریف لے جاتے :-

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ خُذْ وَرَثَتَكَ مِنْ كُلِّ مَسْجِدٍ (پارہ ۸- الاعراف)

اے بنی آدم! ہر ایک نماز کے وقت (لباس وغیرہ سے) خود کو آراستہ کر لیا کرو

وہی مسجد ہے لا لائق اہتمام کہ ہر جس سے ہر مسجد تجھ پر حرام

پابندی وقت کا خاص خیال رکھتے، کیوں کہ :-

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا (پارہ ۵- النساء)

بے شک مومنین پر نماز پابندی وقت کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

ایک دو واقعات ایسے سامنے آئے جس سے حضرت کے اہتمام وقت کا اندازہ ہوتا ہے۔
ایک مرتبہ دہلی کے سٹی جسٹریٹ کنور مہندر سنگھ بیدی اس وقت حاضر خدمت ہوئے جب حضرت اپنے کمرہ
مشریف میں نماز عصر کیلئے اٹھ چکے تھے، حضرت نے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ تشریف رکھیں میں نماز کیلئے
جا رہا ہوں، انہوں نے کہا کہ میں مزاج برسی اور سلام کیلئے حاضر ہوا تھا، چنانچہ اٹھے پاؤں چلے گئے۔
اسی طرح ایک مرتبہ عید الفطر کے موقع پر معلوم ہوا کہ وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نماز عید کیلئے
مسجد جامع فتحپوری تشریف لارہے ہیں۔ نماز عید برادر ختم مولانا خداداد صاحب پڑھانیولے
تھے، آجکل ایمان مملکت بلکہ متولی افسروں کیلئے بھی نماز عیدین میں تاخیر ہو جانا تعجبات سے نہیں۔
اس لئے حضرت نے خاص طور پر ہدایت فرمائی کہ نماز عیدین ذرا تاخیر نہ ہو، اور وقت پر ہو۔ چنانچہ
ایک بار مولانا ابوالکلام آزاد تاخیر سے پہنچے، مسجد کے صدر دروازے کے قریب جگہ ملی، وہیں سے
نماز پڑھ کر لوٹ گئے۔

شب بیداری نماز پنجگانہ کے اہتمام کے علاوہ حضرت نو عمری سے نماز تہجد اور فرماتے رہے اور دم واپسین تک اس سنت کی پیروی فرمائی ہے۔ ماولینڈی میں حضرت کے ایک مرید خاص حاجی رفیق الدین صاحب ہیں، انہوں نے تحریر فرمایا کہ جب حضرت ۱۹۶۴ء میں دوسری بار پاکستان تشریف لائے تو کراچی سے حیدر آباد جاتے ہوئے کاریں وہ بھی حضرت کے ہمراہ تھیں، راستہ میں حضرت نے حدیث نعت کے طور پر یہ انکشاف فرمایا۔

چودہ سال کی عمر سے اب تک محمد تہجد کی نماز پڑھتا ہوں، یہ وہ زمانہ تھا جب وہلی میں بجلی کے کبجے لگائے جا رہے تھے۔ (مکتوب محرمہ ۲۱ فروری ۱۹۶۴ء)

حضرت کی ولادت باسعادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی اس لحاظ سے ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۸۶ھ تک تقریباً ستر سال پابندی وقت کے ساتھ نماز تہجد اور فرمائی، اللہ اکبر اتباع سنت نبوی کا جذبہ ہو تو ایسا ہو۔ مصطفیٰ پر سال خویش اگر دیں ہمہ دوست اگر باونہ رسیدی تمام بولہبی ست

نماز تہجد کی کمال پابندی کا ایک اقدہ خوراقم کا چشم دید ہے، ۱۹۶۴ء میں احقر گورنمنٹ کالج میرپور خاص (مغربی پاکستان) میں تھا، جب حضرت حیدر آباد تشریف لائے تو ازراہ شفقت مجوزہ فواری احقر کے غریب خانے پر میرپور خاص بھی جلوہ افروز ہوئے۔ صرف ایک ات قیام فرمایا۔ اسی رات کو اچانک حضرت کی طبیعت ناساز ہو گئی جس کے متعلق حضرت نے پہلے ہی فرمایا تھا، رات باڑبے استغراق کی شکایت ہو گئی، دو گھنٹے مسلسل تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد قے ہوتی رہی جس نے حضرت کو بیدار کر دیا، رات وہ بے تھکے کھڑا فاقہ ہوا تو احقر کی آنکھ لگ گئی، اچانک آہستہ آہستہ تلاوت کلام پاک کی آواز سنائی دی، کمرہ شریف میں جھانک کر دیکھا تو حضرت نہایت ہشاش بشاش کھڑے ہوئے نماز تہجد اور فرما رہے تھے۔

واقف ہو اگر لذت بیداری شب سے

اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پراسرار

موافقت صیام ماہ رمضان المبارک میں باوجود بے انتہا ضعف و نفاہت کے مداومت کے ساتھ روزے رکھتے تھے، عمر شریف کے آخری حصہ میں جب کہ سن شریفی اسی سال سے متجاوز تھا، غذا مفقود ہوتی جا رہی تھی اور بچہ کمزوری تھی کہ اٹھنے بیٹھنے میں بھی تکلف ہوتا تھا، لیکن بائیں ہمد روزہ کبھی ترک نہیں فرمایا، رمضان المبارک میں عجیب حالی وقت مشاہدے میں

Click For More Books

آتی، جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، ایک مرتبہ راقم دہلی حاضر ہوا، اس زمانے میں حضرت علیل تھے اور عید
نقاہت تھی، اتنی بھی سکت نہ تھی کہ مکان شریف سے باہر تشریف لائیں لیکن جوہنی رمضان المبارک کا
چاند نظر آیا رگت گ میں ایک غیبی قوت سما گئی، حضرت قبلہ دولت کدرے سے پاپا وہ مسجد فتحپوری تشریف
لائے اور نماز عشاء کے ساتھ ساتھ بیس رکعت تراویح کھڑے ہو کر بڑی مستعدی سے ادا فرمائیں نہ
صرف ایک دن بلکہ پورے تیس دن۔ اور جب عید کا چاند نظر آیا تو لوگوں کے ہاں عید ہوا کرے مگر حضرت
رمضان المبارک کے فراق و بحر میں مدھال ہوتے، چہرے پر وہ بنشاشت کے آثار نظر نہ آتے جس سے دل
کی کلیاں کھل جایا کرتی تھیں، رمضان المبارک سے قبل جو ضعف و نقاہت دیکھی گئی تھی، وہی عود کر آتی
اور اب اس قابل بھی نہ ہوتے کہ مسجد تک تشریف لائیں، خدا جانے وہ قوت کہاں سے آتی اور کہاں چلی
جاتی، اس موقع پر وہ حدیث پاک یاد آ رہی ہے ایتکم مثلی یطعمنی ولیسقینی ربانی۔ بلاشبہ
عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیب سے فیض پاتے ہیں۔

جمعة الوداع کے موقع پر حسب معمول حجرہ شریف میں مجلس
مجلس جمعة المبارک ہوتی، ختم شریف کے بعد جس وقت نعت خواں رمضان المبارک
کا الوداعی نغمہ لاپتا تو ایک عجیب وقت انگیر سماں ہوتا، ہر شخص اشکبار و سیمینہ فکار نظر آتا، حضرت کی روتے
روتے بچیاں بند ہو جاتیں، آج تک وہ دلگداز منظر سامنے ہے، اور اس الوداعی نغمے کی آواز کانوں
میں گونج رہی ہے ع

الوداع الوداع اسے ماہ رمضان الوداع

حضرت قبلہ ہر جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد مجلس فرماتے، پہلے ختم شریف ہوتا اس کے بعد تلاوت قرآن
مجید کے بعد نعت خوانی ہوتی، پھر حضرت ارشادات گرامی سے نوازتے، یہ غفلت مشکل سے ڈیڑھ گھنٹے ہوتی
تھی، پیروی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ نے ان مجالس کو ہمیشہ مختصر ہی رکھا، ان محافل میں آجکل
کے سے خانقہ ہی رسمی انداز نہ تھے بلکہ یہ مجلسیں روحانیت سے بھرپور تھیں، شریعت مطہرہ کا پورا پورا لحاظ
رکھا جاتا اور کوئی ایسی بات نہ ہوتی جو کسی طرح بھی آئین شریعت کے خلاف ہو۔ عام طور پر قرآن
کریم رسمی اقتراح کیلئے پڑھا جاتا ہے مگر جب حضرت کی مجلس میں تلاوت قرآن پاک ہوتی تو کچھ اور ہی لطف
آتا، معلوم ہوتا کہ آیات قرآنی سینوں پر نازل ہو رہی ہیں، ایک مرتبہ قاری تلاوت کرتے تھے اس آیت
پَرِثَاجًا وَطُغَيَّوْنَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حَبِّهِ مَسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا الخ تو شان نزول کے تصور نے
اہل بیت کی یاد تازہ کر دی اور اس وقت عشق و محبت میں جو اضطراب و بے قراری دیکھنے میں آئی اس نے

پوری مجلس کو مضطرب کر دیا۔۔۔۔۔ قاری آیت پڑھ چکے تو پھر فرماتے، وہ مکرر سہ کر پڑھا گیا مجلس کا سوز و بالا ہوتا گیا۔۔۔ اس روز حاضرین مجلس نے قرآن سے عجیب فیض پایا، بیشک قرآن پاک کا حقیقی کیف و سرور اہل شد کی صحبت میں حاصل ہو سکتا ہے۔

تلاوت قرآن پاک کے بعد نعت خوانی کا سلسلہ ہوتا، کوئی نعت خواں عامیانا کلام نہیں پڑھ سکتا تھا اس سنجیدہ و متین مجلس کے شایان شاں یہی تھا کہ بلند پایہ کلام پڑھا جائے، خود حضرت بھی نبض سخن کے باکمال نباض تھے، گاہے گاہے خود بھی شعر فرماتے۔۔۔۔۔ نعت خوانی کے دوران جب کوئی چبھتا ہوا شعر آتا تو حضرت بے قرار ہو جاتے لیکن اس بے قراری میں آج کل کے نام نہاد و مشائخ کی طرح داد و تحسین نہیں دیتے بلکہ خاموشی سے لطف سخن اٹھاتے، ساری محفل پر سناتے کا عالم طاری ہوتا۔ تقریباً پچیس تیس برس ہوئے ہیں قمر سلیمانی نے جو آج کل کانپور میں مقیم ہیں شارق و بلوی کا سلام پڑھا، بڑا دل گداز آواز بھی دلگداز اور کلام بھی دل گداز۔ سلام کیا ہے عشق و محبت کی کچی تصویر ہے، دوہین بند آج بھی ذہن میں محفوظ ہیں، پیش کرتا ہوں :-

ساحل پہ آئے موجوں کو چوم لینا موجوں کے بعد و لکش زروں کو چوم لینا
اس پاک سرزمین کی راہوں کو چوم لینا پھولوں کو چوم لینا کانٹوں کو چوم لینا
پھر نور حق نما سے میرا سلام کہنا

روضہ کی جالیوں کے خیم قریب جانا رورو کے حال مسلم سرکار کو سنانا
میساختہ لپٹنا جوش جنوں دکھانا سینہ سے بھی لگانا آنکھوں سے بھی لگانا
عالم کے دل رہا سے میرا سلام کہنا

راہ طلب کی لذت جب قلب کو مزادے عشق نبی مرسل جب روح کو جلا دے
جب سوز عاشقانہ جذبات کو جگا دے ہستی کا ذرہ ذرہ جب آہ کی صدا دے
واشمس کی ضیاء سے میرا سلام کہنا

سلام پڑھا گیا تو پوری محفل پر رقت کا عالم طاری تھا، معلوم ہوتا تھا کہ کاروان حیات منزل جاناں کے قریب آگیا ہے، سب اس کے حضور حاضر ہیں، دستہ بدمس سلام عرض کر رہے ہیں، نگاہیں نہیں اٹھ سکتیں، دل بے قرار ہیں۔۔۔۔۔ ڈاکٹر رضوان اللہ (استاد شعبہ دینیات، علی گڑھ یونیورسٹی) اپنی نو عمری کے زمانے میں کبھی بھی غزل پڑھا کرتے تھے، آواز میں بلا کا سوز تھا، ایک مرتبہ حضرت کی محفل میں ایک نعت پڑھی جس کا مطلع ہے :-
نہ پوچھو کہ کیا ہیں مدینہ کی گلیاں کسی کا پتا ہیں مدینہ کی گلیاں

حکیم محمد تقی صاحب (مالک مشہور آفیسٹ پریس کراچی) ہر سال فراش خانہ دہلی کے باہر جلسہ عید میلاد النبی مسلسل تین روز کرایا کرتے تھے، ہزاروں انسان شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ حضرت قبلہ قدس سر کی صدارت میں جلسہ ہوا تھا، علماء کرام کے علاوہ شہر اور بھی شریک تھے، جگر مراد آبادی، شکیل بدایونی، حنیف جالندھری، فنیاء قادری وغیرہ سب ہی موجود تھے، جب جگر مراد آبادی نے اپنے خاص پرسوز لہجہ میں نعت پڑھی تو بھی مطلع ہی پڑھا تھا کہ حضرت پر ایک عجیب عالم کیف و سرور طاری ہو گیا، بخود ہی ہستی میں گریہ طاری ہو گیا، پوری محفل عشق و محبت کی فضاؤں میں جھوم رہی تھی، اس واقعہ کو تقریباً پچیس سال ہوئے لیکن آج بھی جگر مرحوم کی دلکش آواز کانوں میں گونج رہی ہے اور نعت دل پر مرتسم ہے،

آئیے آج پھر ان فضاؤں میں کھوجائیں :-

ہاں کوئی نظر رحمت سلطانِ مدینہ	اک مذہب ہے اور مدحت سلطانِ مدینہ
اے صلی علی صورت سلطانِ مدینہ	تو صبح ازل آئینہ حسن ازل بھی
اے طلعت حق طلعت سلطانِ مدینہ	دامان نظر تنگ و فراوانی جلوہ
تو خلد ہے تو جنت سلطانِ مدینہ	اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق
دیکھوں میں دردِ دولت سلطانِ مدینہ	اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروف عبادت
صدقے ترے اے صوت سلطانِ مدینہ	اک تنگ غم عشق بھی ہے منتظر وید
دولت ہے یہی دولت سلطانِ مدینہ	کونین غم، یادِ خدا اور شفاعت
من جملہ یک آیت سلطانِ مدینہ	اے عالمِ تکوین ترے اسرارِ حقیقت
شاہوں سے سوا سلطوت سلطانِ مدینہ	ظاہر میں غریب، خیرا، پھر بھی یہ عالم
وہ سامنے ہیں حضرت سلطانِ مدینہ	اے جاں بلب، وہ ہشیار خبردار

ہم کو نہیں کام جگر اور کسی سے

کافی ہے بس اک نسبت سلطانِ مدینہ

جمعۃ المبارک کی مجالس کا ذکر کرتے ہوئے کہاں سے کہاں نکل گیا، جمعہ کی محفلوں میں حضرت کے ایک شاگرد رشید حافظ عبد السمیع صاحب مرحوم جو حضرت کے سچے عاشق تھے، کبھی کبھی ولانا احمد رضانا بریلوی مرحوم کی یہ نظم پڑھا کرتے تھے جس کا مطلع ہے :-

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے

ہر طرف وہ محبت زدہ نکلتا کیا ہے

Click For More Books

یہ نظم بڑی دل سوزی کے ساتھ پڑھتے اس میں میدانِ عشق کا خیالی نقشہ پیش کیا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا کہ حاضرین مجلس رب تبارک تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہیں، رقت کا عجیب عالم ہوتا جو ناقابل بیان ہے ایک درخت خواں محمد حسین صاحب نشر کی ہندی آمیز غزل پڑھا کرتے تھے جو حضرت کو بہت مرغوب و پسندیدہ تھی، اکثر پڑھوا یا کرتے تھے، یہ غزل ذہن میں محفوظ ہے پیش کرتا ہوں :-

اے ماہِ عرب سلطان جہاں بچپن ہوں تو مجھے دیکھن کو
اے موئے دینی نئی مدنی میں پارچی ہوں تن من کو
بیشک ہے ہضم کی بات ہی آئے ناظر پھر اور کوئی
ہر گل میں دیکھے شان تری گر صاف کھے اپنے من کو
ساجن ہے مرا میں ساجن کی پھر اس کو تے کیوں کوئی
چاہت ہے جیاری اے ری تھی نین میں بچاؤں ساجن کو
دکھ دو رو کے حامی شاہِ زمن مجھے بھات تلبے سر چین
جادو سے لگی ہے تو سے لگن چیتی ہوں تہا ری سمن کو

نشتیری جی میں سمائی ہے آئی ہے تو سی پی آئی ہے

مل جائے دہنی کی مدنی چھوڑوں گی نہ وا کے واسن کو

حضرت کے عزیز ترین فرزند ارجمند حضرت مولانا مسور احمد رحمۃ اللہ علیہ عالم جوانی میں رحلت فرما گئے، قلبِ حزین کا کیا عالم ہوگا؟ وہی خوب جان سکتا ہے جس نے یہ داغِ دل پہ لیا ہو۔ انہیں ایام میں محمد حسین نعت خواں نے ایک غزل پڑھی جس نے داعیہائے دل کو ہرا کر دیا، پوری مجلس پر گریہ کا عالم طاری تھا، چند اشعار یاد ہیں پیش کرتا ہوں :-

بت کہیں یا صفت حسنِ خدا داد کریں
ہجرت کی رات میں کیا کہہ کے تہیں یاد کریں
غم رسید ہے جو سڑپے گا، تو مرحلے گا
آپ تنا تو خیالِ دل ناشاد کریں
اپنا ہوتا تو شرکِ غم ہجیران ہوتا
بیوفا دل تھا، گیا، جانے دو کیا یاد کریں
آشیانہ نہ جلا، رہنے دے، ناراض نہ ہو
باغباں لے لے قسم اب کے جو فریاد کریں

ایک اور نعت خواں غنیمت میاں مرحوم تھے، یہ پابندی سے جمعہ کی مجالس میں حاضر ہوا کرتے تھے

اکثر مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی غزلیں پڑھا کرتے تھے، ایک نعت کا مطلع یاد ہے :-

ان کی مہکتے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس اہلِ گلے ہیں کو چے بسائیے ہیں

ایک نعت خواں عبدالوہاب تھے جو اکثر مجلسوں میں حاضر ہوتے، تقسیمِ ہند کے بعد بھی برابر حاضر

ہوتے رہے، یہ اکثر فارسی شعرا کی غزلیں پڑھا کرتے تھے، ایک غزل کا مطلع یاد ہے :-

غیرت از چشمِ برمِ روئے تو دیدن نہ ہم

گوشش را نیز حدیثِ توشنیدن نہ ہم

Click For More Books

مولانا احمد رضا خان مرحوم کی ایک غزل پڑھا کرتے تھے جس کے دو شعر یاد رہ گئے ہیں :-
دل میں ہو یاد تری گوشہ تنہائی ہو پھر تو خلوت میں بچب انجمن آرائی ہو
آستان پہ تم سے سر ہوا جل آئی ہو پھر تو اسے جان جہاں تو بھی تماشاں آئی ہو
موصالحین نامی ایک نعت خواں تھے، وہ اکثر آیا کرتے تھے، ان کی ایک نظم کا مطلع یاد آتا ہے :-
پیش حق مرثوہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے

اوپر جن شعراء اور نعت خوانوں کا ذکر کیا یہ تقسیم ہند سے قبل کی محافل میں برابر شریک ہوتے رہے، راقم نے ۱۹۴۲ء میں پاکستان آگیا تھا اس لئے پابندی کے ساتھ شرکت کا موقع نہ ملا، تقریباً ہر دوسرے سال حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا تو ان جلسوں میں مستفیض ہونیکا موقع ملتا نئے نئے نعت خواں دیکھے جن کے نہ نام محفوظ رہ سکے اور نہ اشعار، برادر م ڈاکٹر محمد سعید صاحب بھی کبھی تلاوت کلام پاک کے بعد اپنی پُر تاثیر آواز میں غزلیں سناتے، دو تین غزلیں محفوظ رہ گئی ہیں وہ پیش کرتا ہوں :-

جگر مرحوم کی ایک غزل پڑھا کرتے تھے جس کے چند اشعار محفوظ رہ گئے ہیں :-

نغم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے	اور چاہیں کہ چھپالیں تو چھپائے نہ بنے
یہ سمجھ کہ غم عشق کی تکمیل ہوئی	ہوش میں آئے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے
کس قدر جن بھی مجبور کشاکش ہے کہ آہ	منہ چھپائے نہ بنے، سامنے آئے نہ بنے
ہائے وہ عالم پر شوق کہ جس وقت جگر	اس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے

ایک غزل داغ دہلوی کے پڑھتے تھے، اس کے چند اشعار یاد رہ گئے ہیں :-

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے	دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے
کچھ تعلق رہا نہ دنیا سے	شغل ایسا بتا دیا تو نے
کس خوشی کی خبر سنا کے مجھے	غم کا پستلا بنا دیا تو نے
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے	دل بے مدعا دیا تو نے
کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے	کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے
داغ کو کون دینے والا تھا	جو دیا اسے خدا دیا تو نے

جمعۃ المبارک کی مجالس میں لجن کا اوپر ذکر کیا گیا نعت خوانی کے بعد حضرت نصف گھنٹے ارشاد

گرائی سے نوازتے تھے، افسوس یہ ملفوظات قلم بند نہ کئے جاسکے، ورنہ کئی مجلدات مرتب ہو سکتی تھیں، سالہا سال مستفیض فرمایا ہے، اس شرونی کا ہمیشہ افسوس رہے گا۔ حضرت قبلہ کے تلقین و ارشاد کا انداز و اعطاء نہ تھا بلکہ چند نکات کی آہستہ آہستہ دل نشین انداز میں وضاحت فرماتے جاتے، جو پوری پوری تاثیر دکھاتے، ہر شخص سر پا گوش نظر آتا، وصال سے چند سال پہلے نقاہت کی وجہ سے حضرت نے تلقین و ارشاد کا سلسلہ ختم کر دیا تھا، حضرت کے صاحبزادے مولانا مشرف احمد صاحب تقریر فرماتے اور کبھی کبھی جب یہ احقر دہلی حاضر ہوتا تو تعمیل ارشاد میں کھڑا ہو جاتا۔ حیف صد حیف اب یہ حیات آفریں صحبتیں کہاں، یہاں چشم سر کی حیرانیاں نہ تھیں، چشم دل کی سرشاریاں تھیں۔ جمعۃ المبارک کی محافل کے علاوہ ماہ بیع الاول میں جشن ولادت

مجالس عید میلاد النبی

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے تزک احتشام سے منایا جاتا تھا۔ اور
بھوں نہ منایا جاتا تھا کہ سب تبارک تعالیٰ نے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اطہارت سترت و شادمانی کا حکم فرمایا،
قُلْ يُفْضِلُ اللَّهُ وِجْهَتَهُ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (پارہ ۱۱- یونس)

(مومنین سے) فرمادیں کہ (آپ کی تشریف آوری) اللہ کے فضل و کرم اور رحمت خاصہ سے ہے، پس اس
(فضل و کرم) پر خوش و خرم ہوں، یہ نعمت، ان نعمتوں سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ جمع کرتے ہیں۔

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مجلس حضرت قبلہ قدس سرہ کے اس عشق و محبت کی جھلک تھی جو آپ
کو اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، مسجد جامع فہمپوری میں نماز عشاء کے بعد جلسہ کا آغاز ہوتا، ہندوستان
کے چنیڈ اور سنجید علماء کرام شرکت فرماتے، مقررین کو خاص ہدایت تھی کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
حامد و محاسن کے علاوہ کوئی بات بیان نہ کریں نہ کوئی بے راہ روی اختیار کریں، حقیقت یہ ہے کہ ایسی
سنجیدہ اور متین فصل شاید ہندوستان کے کسی گوشہ میں منعقد نہ ہوتی ہوگی، یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے سچے چاہنے والے شریک ہونے پھر دل آزاری کے کیا معنی؟

نچیر محبت کا قصہ نہیں طولانی لطف خلش پیکاں آسود گئی فتراک

جب تقاریر کا آغاز ہوتا تو پوری مجلس پر سکوت طاری ہوتا، ساری رات یہ سلسلہ جاری رہتا،
نماز فجر کی اذان سے قبل حاضرین مجلس جو تقریباً بیس کچیس ہزار کے قریب ہوتے تھے، صلوٰۃ و سلام
کیلئے کھڑے ہو جاتے اور چار نعت خوال ساتھ مل کر سلام پڑھتے، کیا سہانا وقت ہوتا، ولادت نبوی صلی
اللہ علیہ وسلم کی ان فناؤں کی بھلاک نظر آنے لگتی جو کبھی کہ مکرمہ کے خوش قسمت عکینوں نے دیکھی ہوں گی
ایسا معاوم ہوتا تھا کہ نعت خوانوں کے آواز پر قدسیان عرش بھی جھوم رہے ہیں اور یہ وہ وقت ہے

جب محبوب حقیقی بھی اپنے محبوب فرشتوں اور محبوب بندوں کو ہمنوائی کا شرف عطا فرما رہا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَا يَكْتُمُهُ يُصْلُوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
آئیے اس حیات آفریں فضا کی سیر کریں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام	شیخ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہرِ یارِ ارمِ تاجدار، حرم	نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا	اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے	اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں	ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
وہ دھن جس کی ہر بات وحیِ خدا	چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سے اٹھا بس غنی کر دیا	موج بحرِ سخاوت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دو عالم کی پرواہ نہیں	ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود	بے تکلف ملاحیت پہ لاکھوں سلام

الی آخرہ

صلوٰۃ و سلام کے بعد دعا ہوتی پھر فوراً ہی بعد نماز فجر کی اذان ہو جاتی، حاضرین مجلس نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے، جب نماز ہوتی تو معلوم ہوتا کہ آج یومِ عید ہے، درحقیقت یومِ عید تو یہی ہے کہ اس کے طفیل ہزار غیدیں نصیب ہوتی ہیں، اس کو فراموش کر دینا بڑی محرومی اور احسانِ فراموشی ہے۔ نماز کے فوراً ہی بعد صفوں کے درمیاں شیرینی تقسیم کر دی جاتی۔ تقریباً دس من شیرینی تیار کی جاتی تھی اس طرح بغیر کسی شور و غوغا کے آسانی کے ساتھ ہزاروں حاضرین مجلس میں سٹھائی تقسیم ہو جاتی اس کے بعد مجلس ختم ہو جاتی۔ صبح نو بجے سے غریب و امراء سب کو ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھلایا جاتا، تقریباً چالیس من کھانا تیار ہوتا، کھانے کا سلسلہ صبح ۱۰ بجے سے شام تین بجے تک تقریباً چھ گھنٹے جاری رہتا، ہزاروں انسان اس خوانِ یمن سے مستفیض ہوتے۔ نماز ظہر کے بعد قرآن خوانی کا سلسلہ ہوتا، اس کے بعد کسی عالم کی تقریر ہوتی اور دعا پر یہ مختصر مجلس بھی ختم ہو جاتی۔

۱۹۳۵ء میں حضرت قبلہ زیارتِ حرمین شریفین اور حج بیت اللہ

حج بیت اللہ شریف

شریف کیلئے تشریف لے گئے، وہاں سے روانگی کے وقت بے پناہ ہجومِ مشایعت کے لئے موجود تھا، سب چاہا کہ حضرت جلوس کی شکل میں مسجد جامع فہمپوری سے اسٹیشن تک

تشریف لے چلیں مگر چوں کہ حضرت اس قسم کی ظاہر داریوں سے سخت نفرت فرماتے تھے، اس درخواست کو منظور نہ فرمایا اور کاریں چند فقار کے ساتھ تنہا تشریف لے گئے بعد میں سب لوگ پہنچے رہے، اس سفر میں حضرت کے دیرینہ رفیق و ریا خاں مرحوم ہمراہ تھے، گاڑی کی روانگی کا وقت قریب آیا کہ جرائی کی سخت گھڑی آپہنچی اور سب نے باچشم پریم حضرت کو الوداع کہا، غلو ق سے یہ بحر و فراق اس وصال کی تہدید تھا جس کیلئے یہ معلوم کتب حضرت کا دل بقیہ آرزو مند تھا، تمنا تو یہ تھی یہ

آستان پہ ترے سر ہو اہل آئی ہو
پھر تو اسے جان جہاں تو بھی تماشائی ہو

لیکن احباب کے اصرار پر ہجرت کا ارادہ ترک فرما دیا۔

حضرت لاہور (مغربی پاکستان) کے اسٹہ کراچی تشریف لائے، راستے میں ہر جگہ مخلصین و مجاہدین کا ہجوم حضرت کو الوداع کہنے کیلئے موجود ہوتا تھا، کراچی پہنچنے کے بعد ۲۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کے ایک گرامی نامے میں جو حضرت نے اپنے عزیز ترین چھوٹے صاحب اد سے ڈاکٹر محمد سعید احمد سلمہ کو تحریر فرمایا تھا، مولیٰ تعالیٰ کے اس انعام و اکرام کا ذکر فرمایا ہے، حسن اتفاق سے یہ صحیفہ گرامی محفوظ رہ گیا۔ پیش کیا جاتا ہے۔

عزیز القدر خستہ سیر نیک کردار سعادت آثار میاں سعید احمد حفظہم اللہ تعالیٰ
بعد سلام و دعا تھے ترقی درجات مطالعہ کریں کہ فقیر حقیر تحیرت تمام کراچی پہنچ گیا یہاں
زمیندار ہو مل میں مقیم ہے، اور نہایت آرام سے ہے، اس وقت تک جو کرم خداوندی
رہا اور ہر مقام پر عزت افزائی فرمائی جاتی رہی اس کے بیان سے زبان عاجز ہے
ہاں اس کی حسرت ہے کہ یہ سماں تمہارے ساتھ ہوتا تو کیا خوب ہوتا، اس میں بھی کچھ
مصلحت خداوندی ہوگی، مولیٰ تعالیٰ تم لوگوں کو بھی یہ دن میسر فرمائے، اور ہمیشہ
عافیت کے ساتھ اپنی جانب متوجہ رکھے اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے
اپنی والدہ اور دوسرے سب عزیزوں اور دوستوں کو میری جانب سے سلام پہنچا دیں
خصوصاً اپنے بھائی، بہنوں، نانی و خالاؤں اور جمعہ کے حاضرین کو۔

فقط والسلام مع الدعاء۔ محمد مظہر اللہ غفرلہ الامام۔

نہ صرف یہ کہ وہی سے کراچی تک تمام راستہ مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے عزت افزائی کے سامان
فراہم ہوئے بلکہ کراچی سے حرمین شریفین تک عزت افزائی کا یہی سلسلہ رہا، حضرت ماہ شوال المکرم میں بحری

Click For More Books



THE HAJ LINE

حج لائن

عزیز القدر خدیجہ سیرتہ سعید احمد
ایام حیات

میں نے وہاں سے لوٹ کر اپنے ملازمین کو فخریہ عہدہ دارم و عزت و احترام سے
کاروانِ حج میں لے کر اور ان کے لئے ہر سہولت و سہولت کو جو جہاز پر ہے اور
جہاز پر اگر موقع ملے تو دے گا جسے ہی خطہ خبر کرے گا الحمد للہ تم الحمد للہ
نجاتِ خیر و خوشی ہے کہ اس سے اور جس مقام پر اور تراء و جاننے والوں
سے نجاتِ آرام دیا کاروانِ جہاز القدر محمد بن مریم جہانگیر میں لانا
و شہر اسے مجھے جیسے یا زکریا جہانگیر اس سے اس قدر کا دل لگتے ہیں کہ اس
تک کہ یہی قلب میں آتا ہے موقع نہ آیا دعا کر کہ آئیں یہی کوئی دعا
میں نے اپنے اپنے واسطہ اور لب بھین لیا ہوں اور احباب کی خدمت
میں یہ فخر پیش کر دینا کہ اگر کوئی کہیں ہو لیکن اس سے بڑھ کر نصرت
کے ساتھ یاد رکھیں میں نے یہ نسبت اگرچہ پر اہم (ایم) کوئی تم
بدستوری کے ساتھ پیش نہ کرے اور نہ ہی براہِ بندوبست یا خاص خیال
لیکن جو کچھ اور ان کو یاد دلائی کرنا ہو اور ان کو یہ ہدایت کرنا ہو کہ ان کی
فرمانبرداری میں ضرورت نہ کرنا فقط والسلام

محمد بن مریم
برہنہ خدیجہ

جہاز سے جدہ روانہ ہوئے، ۲۶ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ کو جہاز سے ایک چھینٹہ گرامی ارسال فرمایا تھا جس سے
سماذہ ہوتا ہے کہ جہاز پر عزت افزائیوں کا کیا عالم تھا،

نُفَعُ دَسَاجَاتٍ مِّنْ نَّشَأُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ط (پارہ ۷ - انعام)

”جہنم کو چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کرتے ہیں، بیشک آپ کا پروردگار علیم و حکیم ہے۔“

یہ مکتوب گرامی ساحل کامران سے اپنے صاحبزادے ڈاکٹر محمد سعید احمد سلمہ کو ارسال فرمایا ہے، جن اتفاق سے
یہ بھی محفوظ رہ گیا ہے، پیش کیا جاتا ہے :-

عزیز القدر خجستہ سیرمیاں سعید احمد اسعد اللہ آیام حیاتکم۔

بعد سلام و دعائے سعادت دارین مطالعہ کریں کہ فقیر بھت و آرام و عزت و احرام آج
کامران پہنچ گیا اور انشاء اللہ پرسوں یوم شنبہ کو جدہ جہاز پر سے اتر جائیگا، اگر موقع
لا تو وہاں سے بھی خط تحریر کروں گا۔ الحمد للہ گزشتہ آیت نہایت خیر
و خوبی کے ساتھ گزرے اور جس مقام پر اتر اوہاں کے لوگوں نے نہایت آرام دیا
کارکنان جہاز اس قدر مہربان ہیں جس کا تحریریں لانا دشوار ہے، مجھ جیسے نازک
مزاج کا وہ اس قدر لحاظ رکھتے ہیں کہ اس وقت تک کبھی قلب پرسل آئینکا بھی موقع نہ
آیا، دعا کرو کہ آئندہ بھی کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اپنی والدہ اور سب بہن بھائیوں
کو اور احباب کی خدمت میں بعد سلام یہ تحریر پیش کر دینا تاکہ ان کو تسکین ہو۔ بعض
مواقع پر تم خصوصیت کیساتھ یاد آتے رہے، میں تمہاری نسبت اگرچہ ہدایت کرا آیا ہوں
کہ کوئی تم سے بدسلوکی کیساتھ پیش نہ آئے اور تمہاری ہر ایک نوازی کا خاص خیال رکھے
لیکن پھر بھی مکران کو یاد دہانی کراتا ہوں اور تم کو بھی ہدایت کرتا ہوں کہ ان کی فرما
براری میں فرو گذاشت نہ کرنا۔ فقط والسلام

محمد منظر اللہ غفرلہ الامام

یوم پنجشنبہ تاریخ ۲۶ شوال

حضرت کا کاروان حیات بڑی تیار یوں کیساتھ دیار مقدس کی طرف جا رہا ہوا :-

(پارہ ۲ - البقرہ)

وَتَزِدُّوْا اٰتَانَ خَيْرَ النَّاسِ اِدِ التَّقْوٰی

(جہنم سے بڑھانے والے) (پہلے) زور اور ہم پہنچاؤ اور بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔

بے حرم جان میں قدم مبارک رکھا تو ما سوا اللہ کے سارے نقوش لوح دل سے اس طرح محو

Click For More Books

ہو گئے، مگر جیسے کبھی تھے ہی نہیں، محویت و استغراق کا یہ عالم تھا کہ اولاد کے نام بھی یاد نہ رہے،
سبحان اللہ سبحان اللہ عشق و محبت ہو تو ایسی ہو ۛ

ہمہ بادہ، ہمہ ساعدا، ہمہ جام است اس جا
اں کہ وارد خبر از خویش، کد ام است اس جا؟

حضرت کے رفقاء و سفر کا بیان ہے کہ حضرت نے تمام عاجز و گان کی طرف سے عمرہ کرایا تھا اس سلسلے
میں حضرت کے معلم جلیل الرحمن نے سب کے نام دریافت کئے تو حضرت ذہن پر زور دینے کے باوجود کچھ جزاؤ
کا نام نہیں بتا سکے، اس محویت کو دیکھ کر سب متحیر ہو گئے، فی الحقیقت محبت الہی اسی شان کی ہونی چاہیے
کہ اپنے بھی بیگانے نظر آنے لگیں بلکہ نظر آنا تو ہوش کی بات ہے سچ تو یہ ہے کہ اس تعالیٰ کے سوا کچھ نظری
نہ آئے ۛ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

یہی وہ کمال عشق و محبت ہے جس کا مولیٰ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے طلب گار ہے۔

قل ان کان اباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و انسا و اجکم و
عشیرتکم و اموالہ و اقترفتوها و تجارۃ تمشتون کسادھا
و مسلک ترضونہا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جہاد
فی سبیلہ فترکوا حق یاتی اللہ بامرہ (سورہ توبہ ۳)

آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور اہل و عیال و
مال جو تم نے کما لئے ہیں اور تجارت جس کے بندہ ہونے سے تم ڈرتے ہو اور جو عیال ہیں
کو تم پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے تم کو زیادہ
پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم و عذاب بھیجے۔

مولیٰ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ جب اس کے اور اس کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر
ہو جائے تو ہوش و خرد کو خیر باد کہہ دیا جائے، اس کی لگن کے سوا کوئی لگی دال میں نہ رہے، کوئی محبوب
نظروں میں نہ سمایا ہوا ہو، بس وہی وہ ہو اور اس کا محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) ۛ

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب مقام شوق میں ہیں سر میں کی نظر کہ قیب

اس موقع پر حضرت مولانا شاہ رحمٰن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے وہ اشعار یاد آ رہے ہیں جو آپ نے

زیارت حرمین شریفین کے موقع پر فرمائی تھیں فی البدیہہ فرمائے تھے۔

ان اشعار میں غضب کا در دھونز ہے :-

کوئی بھی دل لگی نہیں دل کی کس طرح سے مجھے لگی دل کی
کیا سبب ہے بلا سبب تو نہیں ؟ آگ جو بھڑکی ہے دبی دل کی
کوئی تو پوچھے کیوں گئی کھلا کل تو اچھی تھی ، یہ کلی دل کی

(ثقافت، نومبر ۱۹۶۷ء، ص-۴۳)

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ حج بیت اللہ شریف سے واپسی کے بعد حجاج وہاں کے حالات
بڑی تفصیل کیساتھ بتاتے ہیں، لیکن جب حضرت سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ مکہ معظمہ میں حرم مقدس
کے علاوہ کسی چیز کا پتا نہیں اور دیار حبیب میں سوائے در حبیب کے کسی کی خبر نہیں، اللہ اللہ توجہ ہو تو ایسی
ہو سکتی ہے بس ایک نسبت سلطانِ مدینہ -

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ ایسی کئی وقت جس کا میں حضرت اور چند رفیق سوار تھے وہ اچانک
الٹ گئی۔ سب لوگوں کے کافی شدید زخم آئے مگر حضرت کے معمولی چوہیں آئیں، اس حادثہ پر اورد لوگ
واوہلا کر رہے تھے لیکن حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ زخم تو دیارِ محبوب کی یادگار ہیں یہ رونے
کا مقام نہیں، شکر کا مقام ہے، ہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ ان مٹ نشانیاں دی ہیں
یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں

اس حادثہ کی جب مکہ معظمہ خبر پہنچی تو وہاں سب لوگ پریشان ہو گئے، لیکن جب حضرت
وہاں پہنچے تو سب کی جان میں جان آئی۔

ایام حج میں یہ شاہی دستور ہے کہ مختلف ممالک سے جو علماء اور برگزیدہ لوگ آتے ہیں ان
کو شاہ معود خاص طور پر دعوت دیتے ہیں، اور سب مہمان شاہی دسترخوان پر شاہ کیساتھ کھانا
کھاتے ہیں۔ اس قسم کا شاہی دعوت نامہ حضرت قبلہؒ کے پاس بھی آیا مگر حضرت نے اس طرف
ذرا توجہ نہیں فرمائی وہ تشریف نہیں لے گئے، وفا شعار میری کا تقاضا یہی تھا کہ شہنشاہِ مطلق کا
مہمان کسی کا پہلوان نہ ہو

یہ حجاج سلطان نہ مرعوب سلطان

محبت ہے آزادی دے بیہ نیازہ

محرم الحرام ۱۳۶۹ھ میں حضرت زیارتِ حرمین شریفین سے لوہا پس وطن عزیز دہلی تشریف لائے
کاٹھیکے تیل خیر سے رات کے دو بجے پہنچی مگر عوام اور عمامدین شہر کا سیلاب تھا کہ امنڈ اچلا آ رہا تھا۔

حضرت کی آمد کے سلسلے میں بہت کچھ انتظامات کئے گئے، ان تمام انتظامات کو حضرت نے سخت ناپسند فرمایا اور ناراضگی و خفگی کا اظہار فرمایا، بیشک جو عاشقِ خجستہ جگر اپنے محبوب کے جدا ہو کر آیا ہو اس کیلئے بہارِ وطن، خزان سے کم نہ تھی، حج کے بعد حضرت کی رقت اور دل سوزی شدید تر ہو گئی، اب جب کبھی جمعہ المبارک کے مجالس میں نعت خوانی ہوتی تو دیارِ حبیب کا نقشہ آنکھوں میں سما جاتا، یاد تازہ ہو جاتی، آنکھوں سے بسیاختہ آنسو نکل پڑتے۔

اب رازِ راز رہ نہ سکے گا کہ اُن کی یاد
ہلکوں تک آگئی ہے چراغاں کئے ہوئے

حضرت کی حیاتِ مبارکہ عشق و محبت سے عبارت ہے — وہ عشق و محبت جو اضطرابِ مسلسل کا
آئینہ دار ہے ع

اک اضطرابِ مسلسل غیاب ہو کر حضور



تیسرا باب

عزت پسندی

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

عزیمت پسندی

حضرت قبلہ قدس سرہ نے کبھی اہل دنیا سے دولت و وجاہت کی طلب نہیں کی، بلکہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ع مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی — ان کا دامن طلب صرف اس بارگاہِ جبروت میں پھیلا جہاں بے طلب بہت کچھ مل جایا کرتا ہے۔

بے طلب نہیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے

وہ گدا جس کو نہ ہو خوشے سوال اچھا سے

پھر سوال اور طلب بھی اہل عزیمت کے شایان شاں نہیں، یہاں تو یہ عالم تھا۔

دعا میں کیوں ذکر ہو مدعا کا

کہ یہ شیوہ نہیں اہل رضا کا

①

عرصہ ہوا ایک مرتبہ نواب حیدر آباد میر عثمان علی خان مرحوم نے خواجہ حسن نظامی مرحوم کی وساطت سے حضرت قبلہ قدس سرہ کو اپنے ہاں مدعو کیا، خواجہ صاحب حضرت کے پاس تشریف لائے، یہ وہ زمانہ تھا جب اقم حضرت سے ابتدائی عربی کتابیں پڑھ رہا تھا، خواجہ صاحب اقم کے سامنے تشریف لائے اور حضرت سے عرض کیا کہ ”نواب صاحب نے مدعو کیا ہے آپ کو چلنا ہوگا“ — فرمایا کیوں؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں وعدہ کر آیا ہوں — حضرت نے فرمایا کہ آپ سے کس نے کہا تھا کہ وعدہ کر کے آئیں؟

۱۔ نظام حیدر آباد ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۱۱ء میں سلطنت اکھنڈیہ کے ساتویں نظام کی حیثیت سے تخت نشین ہوئے، یہ سلطنت ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی تھی، ۱۹۴۸ء میں بھارت نے حملہ کر کے ریاست پر قبضہ کر لیا اور نظام کو معزول کر دیا، بعد میں ۵۰ لاکھ روپے سالانہ پنشن دینا منظور کیا۔ ریاست حیدر آباد کے تین ٹکڑے کر کے مختلف ریاستوں میں مدغم کر دیئے، نظام نے حضرت یاس کیتھارزنگے گزاری اور بالآخر ۲۴ فروری ۱۹۶۶ء مطابق ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ بروز جمعہ بعد دوپہر قلیل علالت کے بعد انتقال کیا۔ رئیسِ امرتھوی نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا تھا۔

نظام الملک اکھنڈ جاہ سابع ہو گئے رختِ دیو دریا آصف! اس حد کو تاریخِ جناباں نکلی

نجانے کیسی کسی حشر میں دفن سپینہ میں بہت مشکل سے بیچارے کی جان ناتواں نکلی

(جنگِ کراچی، ۲۴ فروری ۱۹۶۶ء، ص ۲۰۳)

Click For More Books

پھر فرمایا کہ "فقیر کو ملاقات کی ضرورت نہیں اگر نواب صاحب کو ضرورت ہو تو فقیر کے غیر خلبانے پر تشریف لے آئیں" ————— اللہ اللہ کیا خود داری و خدا شناسی ہے ۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج بلوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دار و جسم
حقیقت یہ ہے کہ جب مولیٰ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دیا تو پھر اختیار کے در پر جبہ سائی کیا معنی ؟
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلم ریزی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن
من کی دنیا ہا من کی دنیا سوستی جذب شوق
تن کی دنیا ہا تن کی دنیا سو داکر و فن

(۲)

ایک اور موقع پر نواب حیدر آباد دہلی تشریف لائے، نئی دہلی میں حیدر آباد ہاؤس میں قیام تھا بعض شرعی مسائل پر تبادلہ خیالات کیلئے حضرت قبلہ قدس سرہ کو یاد فرمایا، اس موقع پر بھی حضرت تشریف نہیں لے گئے اور صاف جواب دیدیا کہ ان کو استفسار کرنا ہے تو غیر خلبانے پر تشریف لے آئیں، اس واقعہ کا ذکر پاک ہند کے بعض علمی رسائل میں کیا گیا ہے، جہاں چہ ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی) جولائی و اگست ۱۹۶۶ء کے شمارے میں علامہ اخلاق حسین دہلوی تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت قبلہ کے حسن اخلاق کا وصف اگرچہ عام ہے اور ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق فیض بنا ہے لیکن ایسا بھی ہے کہ ہر کوئی آپ کی شفقت کو اپنے لئے مخصوص سمجھتا ہے مگر جن امراء میں تمکنت کا شائبہ بھی ہوتا ہے ان سے ملاقات میں خود داری کا وصف جلوہ گر ہوتا ہے ۔ ایک بار نواب عثمان علی خان سابق والی حیدر آباد کن نے پیغام بھیجا کہ قلاں وقت آپ تشریف لے آئیں ۔ مجھے بعض مسائل کے متعلق گفتگو کرنی ہے ۔ آپ نے قاصد سے فرمایا

"ضرورت انہیں کن کو ہی آنا چاہیے"

ارتضیٰ حسین ملا و احدی نے بھی ماہنامہ ہمدرد دیکراچی کے مارچ ۱۹۶۶ء کے شمارے میں اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے :-

تیس برس قبل (۱۹۳۶ء) ہزار اکبر اللہ ہائیئٹس میر عثمان علی خان، اصطفیٰ جاہ ہفتم نظام حیدر دہلی آئے تھے اور خواجہ حسن نظامی ان سے دلی کے عائد کو ملوارہے تھے ایک ان خواجہ صاحب نے علماء و مشائخ کے واسطے مخصوص کیا، مفتی مظہر اللہ (صاحب) کے

Click For More Books

پاس بھی بلاوا گیا۔ مفتی صاحب نے فرمایا :-

مجھے تو ملنے کی خواہش نہیں ہے، نظام مجھ سے ملنا چاہیں تو میرے پاس

(ص ۸۷-۸۸)

تشریف لے آئیں

حضرت قبلہ قدس سرہ نے فتویٰ رویت ہلال مطبوعہ دہلی ۱۹۵۹ء میں ضمناً جو اس واقعہ کا ذکر فرمایا

ہے۔۔۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات معقولہ تھی بلکہ بعض علمی مسائل پر تبادلہ خیال مقصود تھا، حضرت

نے نہایت عجز و انکساری کیساتھ اپنے نہ جانے کا ذکر فرمایا ہے جس سے عظمت کردار کا اندازہ ہوتا ہے، تحریر

فرماتے ہیں :-

نواب حیدر آباد ہمیشہ چاند ہونے کا تار بیچتے رہے، ہمیں مانا گیا، آخر نواب صاحب

موصوف دہلی آئے اور مفتی صاحب کو (مفتی کفایت اللہ مرحوم) اور مجھ کو بلایا، مفتی صاحب

تشریف لے گئے، لیکن ہمیں کیا (کہ اپنے میں اس کی قابلیت نہ پائی) جب مفتی صاحب

بلکہ تشریف لائے تو ہم نے پوچھا کہ کیوں بلایا تھا، فرمایا کہ تار کے متعلق پوچھتے تھے

میں نے کہہ دیا کہ شرعاً یہ معتبر نہیں، (ص ۸۷-۸۸)

جو علماء و عائدین نواب صاحب مرحوم سے ملنے ان کے دربار میں جاتے تھے، ان کی وہ گت بنتی تھی کہ

اللہم حفظنا۔۔۔ حسن عزیز جاوید نے نواب صاحب کے حالات میں ایک مضمون بعنوان ”پھٹے کبیل میں سرسریاں گزرانی“

لکھا ہے جو اخبار جنگ (کراچی) مورخہ ۴ مارچ ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا تھا، اس مضمون میں مولانا سید احمد

صاحب مرحوم امام شاہی مسجد جامع دہلی کی ایک ملاقات کا چشم دید حال اس طرح لکھا ہے :-

ابھی بات ختم ہونے نہ پائی تھی کہ چوبدار نے عرض کیا مولوی سید محمد صاحب

امام جامع مسجد دہلی، باریاب ہونا چاہتے ہیں، حکم ہوا بلادی، امام صاحب دربار میں مغلٹی لباس

میں آئے، مشیرانی، کمریں پٹہ (جوڑا کمر بند) نظام کی درباری ٹوپی سر پر، پاؤں میں سلیم

شاہی جوتا، کیوں کہ محیر اس لباس کے کوئی شخص شہزادگان بھی نظام کے روبرو نہیں

جاسکتے تھے، امام صاحب کے دونوں ہاتھوں میں، چار تہہ کیا ہوا ریشمی رومال تھا اور

اس پر پانچ اشرفیاں رکھی تھیں اور وہ بھک بھک کر سلام کر کے جھکے ہوئے گزران رہے

تھے، نظام نے تحیف بہتہ کیا تھوڑا مال چھوا، پھر وہ اشرفیاں مع رومال ایک میز پر

رکھ دی گئیں، نظام کی آواز بہت گرجدار، انتہائی بلند تھی، امام صاحب کے خیر و عافیت

پوچھنے کے بعد آواز بلند سوال کیا، کیسے تشریف لائے؟ امام صاحب نے

Click For More Books

جھک کر کہا۔ حضور! آپ کے بزرگوں کی تعمیر کردہ جامع مسجد کے صحن کا جو تھائی حصہ سنگین فرسٹ ادھر گیا ہے، بجائے عوام سے چندہ وصول کرنے کے ہیں سید سرکار کی خدمت میں چلا آیا ہوں کہ اس کی مرمت کرا دی جائے۔ (ص۔ ۲، ک۔ ۲)

غور فرمائیے کہ ایک غیور بندہ خدا بندگی کے ان طریقوں کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔

یہ اک سجدہ جسے تو گواں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے زیادہ آدنی کو نجات

امام صاحب مرحوم بہت سادہ لوح تھے، راقم نے ان کو قریب سے دیکھا ہے، میرے خیال میں نواب صاحب کے برابر میں ان کی حاضری سادہ لوحی کا کرشمہ ہے، وہ ایک مخلص انسان تھے، انہوں نے اپنے وسیع تعلقات سے مسلمانوں کو بہت فائدے پہنچائے ہیں۔ اگر وہ اہل عزیمت کے حالات سے واقف ہوتے تو کبھی اس طرح حاضری کو گوارا نہ کرتے۔ سرگرمہ احرار حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دربار جہاں گیری میں حاضری کی وقت شاہی آداب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سجدہ تعظیمی سے اعراض فرما کر اہل عزیمت کیلئے ایک مینارہ نور قائم کر دیا جو بہتی دنیا تک پہنچ کر تار ہے گا، ڈاکٹر اقبال نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

(۳)

حضرت قبلہ قدس سرہ نے نازک ترین موقعوں پر بھی اپنی خود دارانہ روش کو قائم رکھا اور کبھی پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی، چنانچہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد جب کہ اہی دہلی کی فضا مکدر تھی اور مسلمانوں کیلئے عرصہ حیات تنگ تھا، جون ۱۹۴۸ء میں گورنر جنرل حکومت بھارت لارڈ داؤنٹ بٹن اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے، ان کی جگہ راج گوپال اچاریہ کا تقرر ہوا، اچاریہ اس سلسلے میں ات ۱۲ بجے۔ رات شہر میں بھون میں ایک لودا ملی تقریب ہوئی، اچاریہ نے حضرت کے نام بھی دعوت نامہ آیا، مگر معلوم ہوا تھا کہ حضرت تشریف نہیں لے جائیں گے، راقم نے دل میں یہ خیال کیا کہ یہ موقع اچھا ہے وزیر اعظم سے ملاقات کے دوران مسلمانوں کے مسائل پر تبادلہ خیالات کا موقع مل جائیگا، شاید بہتری کی کوئی صورت نکلتے اور خود تو عرض نہیں کر سکا، ایک مختصر سے کہا کہ وہ اپنی طرف سے حضرت سے عرض کر دیں کہ اگر تشریف لے جائیں تو مناسب ہے۔ حضرت نے قدرے ترشی کے ساتھ ان کو جواب دیا۔

Click For More Books

”فقیر کے اسلاف اہل دول کے سامنے جھکے اور نہ فقیر جھکنا چاہتا ہے“

فی الحقیقت اہل اللہ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اہل دنیا کے پاس دنیاوی اغراض کیلئے حاضر ہوں بلکہ یہ حضرات تو وہ ہیں جن کے ہاں حاضری دینا بادشاہوں اور شہزادوں کیلئے باعث افتخار تھا۔

امین راز ہے مردانِ حر کی درویشی

اسی طرح بلدیہ دہلی کی طرف سے گورنر جنرل کو عصرانہ دیا گیا تو وہاں سے بھی دعوت نامہ آیا لیکن

حضرت تشریف نہیں لے گئے اور معذرت نامہ ارسال فرما دیا۔۔۔۔۔ یہ تشریف نہ لیجا سکی اختلاف

کے باعث نہ تھا بلکہ بات یہ ہے کہ جو یکم قری مصیبت الہی کے سرور کیف میں سرشار ہے وہ دنیاوی وجاہتوں کی تلاش میں سرگرداں نہیں رہتا،

مست مہربائے شوق ہے حسرت

ہم نشین ساعر شراب اٹھا

آج کل کے بعض علماء و صوفیہ بادشاہوں اور وزیروں سے کسی قسم کی بھی وابستگی کو اپنے لئے سعادت

و خوش بختی خیال کرتے ہیں اور ان کی صحبتوں میں خوش و خرم نظر آتے ہیں، حالانکہ ان حضرات کو وہ

کمال حاصل کرنا چاہیے تھا کہ خود و زنداران کی صحبت کو اپنی سعادت سمجھتے اور روحانی طور پر مستفیض

ہوتے۔۔۔۔۔ یہ نہیں کہ علماء و صوفیہ شاہان عالم کے قریب نہیں گئے، گئے ہیں لیکن تبلیغ دین

اور علماء کلمہ الحق کیلئے ان کی اس بے نفی نے بہت سے کرشمے دکھائے ہیں، اب یہ بات عنقا ہو گئی ہے۔

(۳۷)

۱۹۵۵ء میں راقم دہلی حاضر ہوا، انہیں یام میں ایک روز عوامی جہو یہ چین کے سفارت خانے

سے ایک دعوت نامہ آیا جس میں ۸ ستمبر کو سفارت خانے میں ایک دعوت پر مدعو کیا گیا تھا، وہ دعوت نامہ

حضرت نے راقم کو دے کر فرمایا ”تم جانا چاہو تو چلے جاؤ“۔۔۔۔۔ بھلا جب حضرت خود تشریف نہیں

لے گئے تو احقر کی کیا مجال تھی، یہ نصیحت و تربیت کا ایک انداز تھا، اصل میں دل کی آزمائش مقصود تھی کہ

اخیار کی طرف کہاں تکیا ملے، بفضلہ تعالیٰ حضرت کی صحبت میں خود داری و خود شناسی کا احساس

پیدا ہوا ہے ورنہ نہیں معلوم علم ظاہر کی سحر انگیزیاں کہاں سے کہاں لیجاتیں۔

برطانوی دور حکومت میں بھی حضرت کے پاس سرکاری دعوت نامہ آتے رہتے تھے، محترم

محمد فیض مرزا صاحب (سب ڈویژنل انچارج فیسر کوئٹہ) فرماتے تھے کہ جب کبھی وہ حضرت کی خدمت بابرکت

میں حاضر ہوتے تو اکثر ایسا ہوا ہے کہ حضرت نے ان سے سرکاری دعوت نامہ پٹہ پھوٹے ہیں کیوں کہ وہ

انگریزی میں ہوتے تھے، پڑھوائیکے بعد طاق نسیاں پر رکھ دئے جلتے تھے، حقیقت میں اہل اللہ کی ہی شان ہوتی ہے، جس نسبت سے ان کی عظمت قائم ہے اس کے سامنے ساری عارضی نسبتیں میچ ہیں، فی زمانہ امت مسلمہ غیار کی نسبتوں کے دام میں گرفتار ہے، اہل آزادی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب انسان اللہ کا ہو کر رہے اور اسی کا ہو کر مرے۔

اِنَّ صَلَواتِیْ وَنُصَیْحَیْ وَمَمَالیْ لِلدِّیْنِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(۵)

حضرت قبلہ قدس سرف نے زندگی کے کٹھن مرحلوں میں عزیمت پر عمل کیا ہے، مسئلہ کے فسادات کے دوران وہی میں جو کچھ ہوا وہی خوب جانتے ہیں جن آنکھوں نے یہ خوبیاں مناظر دیکھے ہیں، ہم آج پھر ان جگر سوز و جاں گداز واقعات کی تلخ یادیں تازہ کر رہے ہیں۔
تازہ خواہی داشتن گردا غمنائے سیدہ را
اندک اندک باز خواں ایں قصہ پارینہ را

فسادات سے پہلے مشرقی پنجاب و دیگر علاقوں سے غیر مسلم پناہ گزیں برابر وہی پہنچ رہے تھے۔ جب غیر مسلموں کی آتش مقاومت نے مسلمانوں کیلئے عرصہ حیات تنگ کر دیا تو وہ میوات و غیرہ وہی آنا شروع ہو گئے، وہی کی فضائیں غم رسید اور آفت زدہ انسانوں کی آتش انتقام سے آتش فشاں ہونیوالی تھیں جن کو ہوا دینے کیلئے انسانیت کے دشمن نہ معلوم کب سے تیار بیٹھے تھے، ستمبر کی پانچ تاریخ جمعہ کا مبارک دن تھا، نماز جمعہ ہو چکی تھی، مسجد جامع فتحپوری کے شمالی دالان میں مولانا صابری تقریر کر رہے تھے، جنوبی دالان کے ایک گوشہ میں حضرت قبلہ اپنی مخصوص مجلس میں تشریف فرما تھے، کسی کو نہیں معلوم تھا کہ آگ کی آگ میں کیا کچھ ہونیوالا ہے، سب لوگ اطمینان و سکون کیساتھ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے کہ مسجد کے شمالی دالان کی بالائی عمارت سے اچانک ایک سیڑھی صحن مسجد میں گر کر پھٹا جس نے آگ و احد میں ایک قیامت برپا کر دی، اسی کے ساتھ ساتھ دشمنوں نے تلواروں، بندوقوں اور ہتھکڑیوں سے مسلح ہو کر شمالی دروازے سے نیا حملہ شروع کر دیا، نعرہ بکیر کی صداؤں سے فضائیں گونج اٹھیں، ہنستے اور سر اسیمہ مسلمان جو اس وقت مسجد میں موجود تھے، خدا واد جرات موصول کے ساتھ مدافعت کیلئے میدان میں آئے اور کافی دیر تک دست بدست جنگ ہوتی رہی، بالآخر دشمنوں کو شکست دیکر باہر نکال دیا گیا اور مسجد کے دروازے بند کر دیئے گئے دروازے بند ہوئے ہی تھے کہ شمالی دروازے کے پیچھے سے اچانک فوج نے گولی چلا دی جو شمالی دروازے کو پار کرتی ہوئی صحن میں لگ کر ایک عظیم الشان تباہی مچا دی، وہ اچانک گر پڑا۔

Click For More Books

وَكَذَٰلِكَ يُفَعَّلُونَ ۝

کرتے ہیں اور اس کے باعث باشندوں کو ذلیل کرتے ہیں اور ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

ایک غیر مسلم کھلی کفریہ یہاں تک معلوم ہوا کہ فسادات کے نہانے میں سبزی منڈی کی طرف گیا
عظیم الاوروشن کیا گیا اور اس میں مسلمانوں کو ان کے بچوں سمیت آگ میں جھونکے یا گیلے، سن
کے روٹھٹار و ٹکھٹا کھڑا ہو جاتا ہے، ظلم و ستم کا کونسا وار تھا جو غم رسید مسلمانوں پر نہ چلا یا گیا،
حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمن و آصف نے وہی کے ان
خونچکان فرکاموں سے متاثر ہو کر ایک غم انگیز شہر آشوب کہا ہے جس کو بڑھ کر دل خون خون ہوا جاتا ہے
یہاں اس کے چند بند پیش کئے جاتے ہیں :-

یہ خاک خط وہی کہ جس کا چشمہ فیض
رسید تا بہ بخارا و کابل و بغداد
پھر آج خون مسلمان سے ہو گئی رنگیں
کہ خوب تر ہے ہی غارہ عروس بلاد
لٹی ہے عزت و ناموس نازنین حرم
چلا ہے گردن طفلان پہ خنجر جلاؤ
نہ جان کو ہے اماں اور نہ تیری برطرف
ز چہرہ دستی و بیاد و صدیاں فریاد

ہزار سالہ تمدن کی یادگار لٹی

کہو ظفر سے کی دلی کی پھر بہار لٹی

شریک کار جو آزادی وطن میں ہوئے
ابن پتنگے مین وطن کا داماں ہے
ہوئے ہیں دشمن جاں گھر کے ہی درو دیو آ
وطن میں آج غریب الوطن مسلمان ہے
وہاں دوش ہے بار حیات ابقی یہاں
کے خیال ضیاع متاع و ساماں ہے
یہ جوش نفرت و یگانگی معاذا اللہ
کہ ذرہ ذرہ یہاں آبر کا خواہاں ہے

پھر اپنے چاہنے والوں سے چھٹ گئی دلی

صبار یہ ذوق سے کہنا کہ لٹ گئی دلی

نشان بہار گزشتہ کا پا نہیں سکتے
جو مٹ چکے ہیں وہ اب ہاتھ آ نہیں سکتے
انہیں تو صفحہ ہستی سے تم نے محو کیا
گم رہے اے فیضت مشا نہیں سکتے
سنائیں کیا کہ کلیجہ ہی منہ کو آتا ہے
کسی کو حیر کر سینہ دکھا نہیں سکتے
یہ حکم ہے کہ نہ ہو امن عامہ میں خلل !
کسی کو اپنی کہانی سننا نہیں سکتے

حذر کہ دست قضا سست ہو نہیں سکتا

حذر کہ کاتب تقدیر سو نہیں سکتا

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

غزوةوں کو صرف مولیٰ کا سہارا تھا۔۔۔۔۔ تمام عورتیں خنوں سے چور چور آہ دہکا کرتی مسجد کے مشرقی دروازے کی طرف دوڑیں، فوراً دروازہ کھولا گیا، ان کے نالہ و شایوں سے صحن مسجد میں ٹھہرنا ہوا تھا، اس لگداز منظر کو دیکھ کر حضرت قبلہ قدس سرہ پر بھی رقت کا عالم تھا۔۔۔۔۔ راقم کے رفیق ڈاکٹر عبدالرحمن مرحوم مسجد ہی میں مقیم تھے، فرسٹ اسٹڈی کا سامان تیار رکھا تھا فوراً زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی، اس کے بعد اس زخمی لئے ہوئے کارروال کو فوج کی معیت میں جامع مسجد کے محفوظ کیمپ میں منتقل کر دیا گیا، یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر حضرت قبلہ مسجد شریف سے امن و عافیت کی تلاش میں کسی محفوظ جگہ تشریف نہیں لے سکے کہ خانہ خدا سے محفوظ جگہ اور کیا ہوگی، جہاں معیت الہی کے احساس نے دلوں کو وہ قوت بخشی ہے جس کا اندازہ اہل دل ہی کر سکتے ہیں۔

ایک ہشت آٹھ گزرات تو خوب یاد ہے گی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس ات سب لوگ زندگی سے شرم کر بیٹے جائیں گے اس محرمی کے احساس نے اور ہشت زدہ کر دیا، رات ڈر اوٹنی، دن آداس۔ ہر شخص زندگی سے مایوس نظر آ رہا تھا۔۔۔۔۔ اس مایوس کن ماحول میں گوشہ مسجد میں ایک مرد درویش نے معیت حق کے چراغ روشن کر رکھے ہیں لَاتَحْنَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کی جھلکے بھنی ہوئی ہاں آئیے۔۔۔۔۔ آلام روزگار کو آسائیں بنا دیا جو غم ملا اسے غم جاناں بنا دیا

اسے روز مولوی حفظ الرحمن مرحوم (ناظم جمعیت العلماء ہند و ممبر پارلیمنٹ) فوج کی معیت میں چانک مسجد کے مشرقی دروازے پر تشریف لائے، دروازہ کھولا گیا فرمایا کہ اگر آپ لوگ محفوظ مقام پر منتقل ہونا چاہتے ہیں تو فوج کی حفاظت میں جامع مسجد کے مسلم علاقے میں پہنچا دیا جائے، مایوسوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔۔۔۔۔ سب نے خیال کیا کہ موقع غنیمت ہے نکل چلیں، چند لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، کس کی ہمت کہ عرض حال کرے، آخر مفتی مراد آباد کے صاحبزادے مولانا کمال فہم صاحب نے جو اس وقت مسجد میں موجود تھے، حضرت سے عرض کیا کہ آج حالات نہایت نازک ہیں، زندگی کا کوئی آسرا نہیں، مناسب ہے کہ مسجد کو قتل کرنے کے کسی محفوظ مقام پر تشریف لے چلیں،۔۔۔۔۔ حضرت نے تھوڑی دیر توقف فرمایا، پھر جو کچھ فرمایا وہ تاریخ عزیمت میں سنہری حروف سے لکھے جانیکے قابل ہے، فرمایا :-

اُپ لوگوں کو اجازت ہے، جاسکتے ہیں، لیکن فقیر یہیں بیگا، کل قیامت کے روز اگر مولیٰ تعالیٰ نے پوچھا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا اسکو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا، تو میں کیا جوابوں کا؟

حضرت کا یہ ارشاد گرامی سن کر حاضرین پرقت طاری ہو گئی، ایک ضعیف العمر ملازم عبداللطیف مرحوم نے روتے ہوئے چلا کر کہا "حنور! میری قبر مسجد کے اس کنارے کیچے بنے گی" حضرت کے غم و حیرت انجیز استقامت نے حوصلے بلند کر دیئے اور ہر ایک نے اپنے جسموں میں ایک نئی روح محسوس کی۔
فی الحقیقت تعلق الی اللہ کا کمال یہی ہے کہ وہ عالم کے خطرات سے بے پڑا رہے اور اسی بے نیاز کی طرف انسان متوجہ ہو جاتا ہے۔

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہائے گونا گوں!
"یہی وہ منزل ہے جہاں معیت حق جل جہد کے شدید احساس سے خود خوف و ہشت گریزاں معلوم ہوتے ہیں۔"

نقطہ پر کار حق و روح خدا کا یقین اور یہ عالم تمام وہم و ظلم و مجاز
اہل دل آج بھی وادی فاراں میں گونجنے والی آواز "لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا" کی صدا ہے
باز گشت سن ہے یہ آج اس شمع بزم قدس کا اجالہ دلوں کو نور کر رہا ہے، اور یقین کی وہ روشنی عطا کر رہا ہے
کہ جس کے سامنے ظلماتیں کا فور ہوئی نظر آرہی ہیں، آج بھی وہ عاشق رسول (قدس سرہ العزیز) گوشہ مسجد میں
بیٹھا محبت الہی کی روشنی سے لوں کو روشن کر رہا ہے، اور ایمان کی قابل تغیر قوت سے یلوں دلوں کو گرم کر رہا ہے
ع قوت قلب جگر گرد دنی (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ واقعہ ستمبر ۱۹۶۶ء کا ہے، مولیٰ تعالیٰ کو یہ ارادے خاص پسند آئی چناں چہ انیس سال بعد جب ستمبر
۱۹۶۶ء کو حضرت کا وصال ہوا تو ہاوجود اس کے کہ تدفین کا انتظام درگاہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ میں
کیا گیا تھا، مگر اچانک ایک غیبی قوت نے سب کے دلوں کو پھیر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسجد فتحپوری کے
شاہی قبرستان میں تدفین کا انتظام ہو گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی، مناسب موقع پر اس کا مفصل
ذکر کیا جائیگا۔ بات یہ تھی کہ حضرت نے خوف و ہشت کے زمانے میں اپنے مولا کو نہ چھوڑا اور جان
کو جان سمجھ کر مولا کے گھر کی حفاظت کی آج مولا تعالیٰ نے بھی گوارا نہ فرمایا کہ اس مہمان اذلی کو
اپنے گھر سے جدا کر دے، آغوش رحمت میں لیکر کوشمشوں کا پورا پورا صلہ عطا فرمایا گیا، لہذا یہ
الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، وَإِلَىٰ مَرْبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ۔

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ مل جائے سبھی کچھ

سو سوالوں سے ہی ایک سوال اچھا ہے

Click For More Books

ان آیام میں حضرت مہول کے مطابق عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے، ادھر کتب بینی اور دیگر علمی مشاغل بھی کمال سکون و اطمینان کیساتھ جاری تھے، نماز باجماعت کا پورا پورا اہتمام تھا، جن حضرات نے مسجد فتحپوری کو دیکھا ہے ان کو معلوم ہے کہ فسادات کے مانے میں صحن مسجد یا خراب مسجد میں داخل ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، مگر معیت حق کی صہبائے عشق انگیز نے اتنا وارفتہ کر دیا تھا کہ ہر خوف سے بے نیاز ہو کر اس مولا کے آگے سرسجود ہوتے، حقیقت میں سجدہ تو یہی سجدہ تھا ۔

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام کہ ہو جس ہر سجدہ تجھ پر حرام

یہی وہ آزمائشیں ہیں کہ جن کا ذکر حق جل مجدہ نے قرآن عظیم میں اس طرح فرمایا ہے :-

وَلْيَتْلُوَنكُمْ لِشَئِيٍّ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ لَبِئْسَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

عقرب ہم تمہاری آزمائش کریں گے، خوف سے، بھوک سے، جان و مال و چلوں کو ضائع کر کے جن لوگوں پر مصیبت آتی ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہموک جانا ہے ان کو بشارت دے دیجئے کہ ان پر ان کے پروردگار کی

طرف سے ہزار ہزار سلام ہیں، بیشک یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں،

آج خوف کی آزمائش تھی، آج بھوک کی آزمائش تھی، آج نقص اموال و نقص انفس و ثمرات

کی آزمائش تھی جہاں ہم ہیں ہاں وار و رس کی آزمائش ہے ————— کوئی آزمائش تھی جو

آج نہ تھی ؟ ————— مگر اللہ اللہ استقامت قلب مطمئنہ کہ خندہ پیشانی کیساتھ ان تمام

آزمائشوں کو برداشت کیا جو بیک وقت نازل ہوئیں، تاج ہدایت سر پر رکھا گیا :-

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

جو مرد کمال خانہ خدا اور دین کی حفاظت میں جان کو جان نہ سمجھے اس کو اس کا پروردگار کیسے جلا سکتا تھا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَصْرُوهَا لِلَّهِ يُصْرِكُمْ وَلَيُنَظَّرَنَّ أَقْدَامَكُمْ (پارہ ۲۷۷)

مسلمانوں اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، (اور دشمنوں کے مقابلے میں) تمہارے قدم جھائے رکھے گا ۔

Click For More Books

اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ

ہلیں کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

دہلی سے مسلمانوں کے ہمہ گیر انخلا کو روکنے کیلئے اور امن و امان قائم رکھنے کیلئے قوم پرور
ہندوؤں اور مسلمانوں نے جو کچھ کیا وہ تو کیا ہی مگر مردانِ خدا نے جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ
دہلی میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں، مولانا سید محمد میاں نے اپنی کتاب
علمائے حق میں ان حضرات کی خاموش کوششوں کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔
اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تخلیق کی جدوجہد کو ناکام کرنے میں ان خاموش
بزرگوں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جن کا عقیدہ تھا کہ مصائبِ خطرات کے اس طوفان

کو بڑاشت کرنا جہاد ہے (حصہ دوم، ص ۶۷)

فسادات کے زمانہ میں حضرت کی بے مثال استقامت نے اکھڑے ہوئے قدم جادئیے
غریب سیکس مسلمانوں کیلئے حضرت نے مستقل طور پر دہلی میں رہنے کا فیصلہ فرمایا، اس سے زیادہ
ملت کیلئے اور کیا کچھ کر سکتا تھا، ۱۹۶۴ء میں جب حضرت پاکستان تشریف لائے تو مریدین و
مستغیرین نے پاکستان میں مستقل قیام پر اصرار کیا، حضرت نے جواب دیا،
”دہلی کے سیکس وہ غریب مسلمانوں کو اس فقیہ کی ضرورت ہے“

اللہ اللہ یہ حضرات اپنے لئے نہیں غیروں کے لئے جیتے ہیں۔

شمع کی طرح جہیں بزم گہ عالم میں خود جہیں دیدہ اغیار کو بینا کر دیں

(۶)

فسادات کا سلسلہ ستمبر ۱۹۶۷ء سے یکم جنوری ۱۹۶۸ء تک قائم رہا، ویسے برسوں تک دہلی کے
مسلمانوں کی زندگی خود ان کے علاقوں میں محفوظ نہ تھی، اور اغیار کے کوچہ میں جانا تو شہادت کو دعوت
دنیا تھا۔ فسادات کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو غیر مسلم شہزادہ تھیوں کے سیلاب نے غم نصیب
مسلمانوں کو وطن ہی میں غریب وطن کر دیا، حضرت قبلہؒ کے دولت کدہ پر کئی بار قبضہ کرنیکی کوشش کی
ایک مرتبہ تو مکمل طور پر قبضہ کر لیا، حضرت اس وقت مسجد شریف میں تھے، اہل ایمان مسلم علاقوں میں منتقل کر دیئے
گئے تھے، جب حضرت کو اطلاع دی گئی تو فوراً تشریف لائے، دروازے پر ہندوؤں اور سکھوں کا ہجوم
تھا، حضرت نے مکان شریف میں جانا چاہا، ہندوؤں نے روکا، پیچھے کھڑے ہوئے دو سکھوں نے تلوار نیام
سے نکالنا چاہی مگر دستِ قدرت نے ان کے ہاتھوں کو کھل رہا، حالت نے انکے ہاتھوں کو اختیار کر لی۔

Click For More Books

اس لئے حضرت سے عرض کیا گیا کہ تشریف لے چلیں، جو لوگ ہاں موجود تھے، (راقم بھی میں تھا) انہوں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرہ اقدس پر تلواریں نکالے جانے کا ذرا خوف و ہراس نہ تھا ع
عشق را از تیغ و خنجر پاک نیست
بے خوف ہونا کیا معنی یہاں تو یہ عالم ہوتا ہے ع عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

۷

اسی طرح ایک دن خود پولیس اے کسی پہانے سے گھر میں داخل ہو گئے اور مکان شریف پر قبضہ غاصبانہ جمالیا، حضرت کو علم ہوا تو تشریف لائے، انسپکٹر پولیس (جو غاصبین کا سرگرم تھا) نے کہا ”مضی صاحب آپ کو یہ مکان چھوڑنا پڑے گا“ حضرت نے نہایت نرمی سے اس کے جوابات دئے اسی اثناء میں اس واقعہ کی خبر چیف کمشنر کو پہنچ گئی، وہاں سے پولیس کی ایک جمیت آئی اور ان غاصبین کو پکڑ کر لے گئی، یہ بھی اس لئے ہوا کہ حضرت شہر دہلی میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے ورنہ اس زمانہ میں ناموس مسلم کی اتنی ارزانی تھی، جو ناقابل بیان ہے، تھوڑی دیر بعد حضرت کو بھی بلایا گیا، جب حضرت تشریف لے گئے تو چیف کمشنر نے ان غاصبین کے بیدٹ کھلوا کر حضرت کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا آپ جو سزا تجویز کریں وہی سزا دی جائے گی، حضرت نے نہایت سادگی سے فرمایا کہ ”مکان کی ضرورت تھی مکان مل گیا“ ————— چناں چہ وہ لوگ جھوڑے گئے۔ عفو و درگزر کا کمال تو یہ ہے کہ دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جائے ۷
آسمانش دو گیتی تغیریں دو حرف است
باد وستان مروت با و شمنان مدارا

۸

مسجد فتحپوری میں پہلا بم ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو پھینکا گیا تھا، اس کے بعد ۱۹۵۸ء تک تقریباً سات بم گرا گئے، ————— حضرت کے مولت کدے کو بھی بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی تھی مگر پہلے ہی دریافت کر لیا اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ آستانہ محفوظ رہا۔ ————— ایک بم مسجد کے جنوبی والان کے قریب حضرت کے حجرہ شریف سے ذرا آگے ہانچا ہوا گر کر پھا، مگر اللہ نے محفوظ و محفوظ رکھا۔ ————— ایک مرتبہ حضرت نماز جمعہ سے فارغ ہو کر مکان شریف تشریف لے جا رہے تھے مسجد سے کچھ فاصلہ پر پہلے پولیس کے کراچیاں مسجد کے جنوبی والان کے آگے ایک بم پھٹا، کھرام

مج گیا، حضرت بم کی آواز سن کر فوراً واپس مسجد تشریف لائے اور زنجیوں کی عیادت فرمائی پھر واپس تشریف لے گئے، اب بے خوفی کہاں؟ یہ ہمدردی و جاں سوزی کہاں؟

۹

جس نے میں دہلی میں فسادات جاری تھے، اور دہلی کی سڑکیں مسلمانوں کی بے گور و کفن لاشوں سے پٹی پڑی تھیں، ناز و رو میں ولاد و ابراہیم کو ڈال جا رہا تھا، اسی زمانے میں حکومت ہند نے چاہا کہ شہر دہلی کے مشاہیر سے آل انڈیا ریڈیو پر یہ بیان دلوا یا جائے کہ دہلی میں مستقل امن و امان ہے اور مسلمان عافیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں، حضرت کے پاس بھی حکومت کی طرف سے آدمی آیا، حضرت نے اس کو صاف جواب دیا، فرمایا :-

”حکومت حالات ٹھیک کر دے تو فقیر کو کہنے میں عذر نہیں“

پھر غضبناک ہو کر فرمایا :-

”جو کچھ ہو رہا ہے، حکومت کے ایماء پر ہو رہا ہے، یہ سب حکومت کی شرارت ہے“
اللہ اللہ ان نازک حالات میں جب کہ جان حزیں کا محافظ خدا کے سوا کوئی اور نہ تھا اتنے سخت جملے کہہ دینا کوئی آسان بات نہ تھی، اس سے حضرت کے کمال ایمان و یقین کا اندازہ ہوتا ہے۔
ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق یہی ہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
حضرت نے جو کچھ فرمایا یہ حکومت ہند پر الزام نہ تھا بلکہ ایک حقیقت کو واشکاف فرمایا تھا، جہاں چہ بعد میں جب مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ”مسلمہ بر سر صد ہند“ شائع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ان تمام ہنگاموں اور خونریزیوں کی ذمہ دار وزارت داخلہ تھی جس کے سربراہ آج جہاں فی سمرات و لبھ بھائی پٹیل تھے۔

۱۰

حضرت کی عزت پسندی کی بیشمار مثالیں ہیں من جملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ ۱۹۴۷ء میں، حضرت کے جوان سال صاحب دے مولانا منور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو فضل و دانش، حسن و جمال اور نیکی و پارسائی میں اپنی مثال آپ تھے، رحلت فرمائی، تجہیز و تکفین کے بعد جب پیکر نازنیں کو تخت پر لٹایا گیا، تو ان کا حسن و جمال دیدنی تھا، حاضرین کی آنکھیں شکبار اور سینے چاک چاک تھے، عتیقہ تمندوں نے بنے تابانہ ہاتھوں کو چہرہ اور پیشانی کو بوسہ دیا، جس سے نور کی شعائیں بھوٹ ہی تھیں، اس صبر آزمائی میں حضرت قبلہ قدس سرہ فرزند دل بند کے سر ہانے کھڑے چہرہ پر نور کو طبت بھری نظروں سے

سے میچھ دیکھ کر مسکرا رہے ہیں، مسکراہٹیں پنچاوری کی جا رہی ہیں۔
حریف نالہ پرورد ہو تو ہو، پھر بھی ہے اک تبسم پہناں ترابہائے جن
حضرت مسکرتے جاتے اور فرماتے جاتے :-

”اے مولا اس کو زیادہ حسین و جمیل بنا کر اپنے بندے کو آزمانا چاہتا ہے، تیرا بندہ
ہرگز مضطرب نہ ہوگا، وہ تیری رضا پر راضی ہے، جو امانت تو نے اس کے سپرد کی تھی آج
اس امانت کو اسی طرح تیرے سپرد کر رہا ہے۔“

از رضا مسلم مثال کو کبلاست درہ ہستی تبسم بر لبلاست
یہ اسی جہیز استقامت کی ایک جھلک تھی جس کا مظاہرہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شیرخوار
صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات پر اس وقت فرمایا جب آپچی گود میں جان عزیز جان آفرین کے
سپرد کر رہے تھے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

آنکھ روٹی ہے، اول مغموم ہے، اسے ابراہیم تیری جدائی میں ہم محروم ہیں لیکن

زبان سے ہی کہتے ہیں جس میں ہمارے پروردگار کی رضا ہو۔

تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے خلش درد کی بن آئی ہے

فی الحقیقت جن حضرات نے میدان عشق و محبت میں قدم رکھا ہے، ان کو ہزار آزمائشوں
سے گزرنا پڑتا ہے، ان کی زندگی سزا یا آزمائش ہے، ع شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
جس کی زندگی سراپا مل ہوتی وہ شام و سحر گردشِ دوراں سے دوچار رہتا ہے۔

ہزار گردشِ شام و سحر سے گزر رہے ہیں وہ قافلے جو تری رہ گزر سے گزر رہے ہیں

صاحب نے اودہ مرحوم مولانا منور احمد صاحب کو جب قبر میں اتارا جا رہا تھا تو اس وقت بھی حضرت کی استقامت
دیدنی تھی۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا، تاریکیاں پھیل چکی تھیں۔

پردہ خاک میں سو سو ہے جا کر افسوس

پردہ رخسار پہ کیا کیا مہ تباہ لے کر

لیکن حضرت نے عشقِ الہی کے چہر انگوں سے فضا کو منور کر دیا تھا قدس سرہ العزیز۔

(۱۱)

حضرت کے دوسرے جواں سال صاحبزادے مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۲۶ء میں صرف
۱۱ سال کی عمر میں علوم عقاید و نقلیہ سے فارغ ہو گئے تھے، بڑے ذہین و فطین تھے، خزانہ صحت

Click For More Books

کی بنا پر ۱۹۲۷ء میں پاکستان تشریف لائے لیکن یہاں کمر علالت شدید تر ہو گئی، علاج کرایا گیا مگر
ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

حضرت کو اطلاع دی گئی، حضرت شخص اس وجہ سے تشریف لائے کہ پاسپورٹ کیلئے فوٹو کی
ضرورت ہوتی ہے اور فوٹو کا کھنواہنا حضرت کی نظر میں شرعاً ناجائز تھا، گویا ایسے نازک موقعوں پر شریعت
نے رخصت دی ہے مگر حضرت نے عزیمت پر عمل کر کے علماء عالمین میں ایک بے نظیر مثال قائم کر دی
حضرت تشریف نہ لائے اور صاحبزادہ مرحوم کی حالت نازک ہوئی گئی تھی کہ زندگی کا آسرا بھی نہ رہا، جان کنی
کا عالم طاری ہو گیا ع

آن پہنچے ہیں مگر منزل جاناں کے قریب

جب حضرت کو اطلاع دی گئی تو تحریر فرمایا :-

”مولیٰ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں کلا یک ہی دوا تریاق کا حکم رکھتی ہے“

پھر جب ۳ شعبان ۱۳۶۹ھ کو وصال ہو گیا تو اس سانحہ ارتحال کا تار دیا گیا، قلب حرمین پر کیا کچھ نگہری
ہو گی، عالم بجز فراق میں عزیز ترین متاع کا لٹ جانا زندگی کا ایک عظیم سانحہ ہے، مگر اللہ اللہ خبر استقامت
کاف تہمت کی، اور اس طرح تحریر نامہ رسال فرمایا جیسے دوسروں پر کورہ غم ٹوٹا ہو — صحیفہ
گرامی کی پیشانی پر تحریر تھا :-

لله ما اعطى ولله ما اخذ وعند الله مسامحة

اللہ ہی کا ہے جو کچھ عطا فرمائے اور اسی کا ہے جو کچھ واپس لے لے، اور اس کے پاس ہر
شخص کی موت نام نہ نام لکھی ہوئی ہے۔

اس تحریر کے بعد دل نشین انداز سے تلمعین صبر فرمائی — جس کا قلب حرمین خود دواغ وار ہو وہ دوسروں
کے زخموں پر مرہم رکھ رہا ہے، دل داری ہو تو ایسی ہو، غمخواری ہو ایسی ہو،

۱۹۶۱ء میں جب حضرت پاکستان تشریف لائے تو حیدر آباد کے زمانہ قیام میں ایک روز فرزند
مرحوم مولانا منظور احمد رخصتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک کس پر لے جایا گیا جو نہر پھیلی کے کنارے رقع ہے جس
فرزند و لبند کو ۱۹۲۷ء میں پہلی سے آخری بار آغوش رحمت میں لیکر الوداع فرمایا تھا آج چودہ برس بعد
اس کی تربت حرمین پر فاتحہ خوانی فرما رہے تھے، اس موقع پر جذبات قلبی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے
جس نے اس متاع عزیز کو باکر کھویا ہو وہی خوب جان سکتا ہے — حضرت فاتحہ پڑھ رہے
تھے کہ کیا جان کہ ایک آنسو بھی ٹپکے، ضبط غم اتنا کیا کہ پورا بدن لیراٹھا گھر زبان سے آہ نہ نکلی، آنسو سے

آئینہ نکلا۔۔۔۔۔ حضرت کی اس استقامت نے رفتار کو حیرت میں ڈال دیا۔

(۱۲)

اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں حضرت نے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا، حضرت کے دستِ حق پرست پر ساٹھ ستر سال کے طویل عرصہ میں ہزار ہا عیسائی، یہودی اور ہندو مشرف باسلام ہوئے، حضرت کی روحانی کشش کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سے کھنچ کھنچ خود چلے آتے تھے، اور مشرف باسلام ہوتے تھے۔۔۔۔۔ نو مسلموں میں تعلیم یافتہ لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے جوئی اور پنڈت بھی تھے۔۔۔۔۔ افسوس بیکارڈ سامنے نہیں رہے تفصیل کیلئے عرض کیا جاتا۔

دوسرے مذاہب کے مبلغین کی طرح حضرت نے کبھی نو مسلموں کو کسی قسم کا لالچ نہیں دیا، بلکہ جو خلوص سے مسلمان ہونا چاہتا تو اس کو مسلمان فرماتے، تقسیم ہند کے بعد تبلیغ دین کا کام بہت دشوار تھا اس ماحول میں جہاں خونِ مسلم کی ندیاں بہہ چکی تھیں، جہاں ناموسِ ملت مرحومہ کو لوٹا گیا تھا، وہاں رہ کر تبلیغ دین کا کام کوئی آساں نہ تھا، بے پناہ ہمت و استقامت کی ضرورت تھی، حضرت کی استقامت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی اس ماحول میں بھی بیسیوں غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا۔۔۔۔۔ یہ نغمہ فضلِ گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

اس جہراتِ مندانہ اشاعتِ دین سے ایک طرف تو حضرت کی عزیمت پسندی کا اندازہ ہوتا ہے دوسری طرف خود مذہبِ اسلام کی جذبہ کشش کا علم ہوتا ہے۔

اس بے باکی اور بے خوفی کے ساتھ تبلیغ اسلام حکومت ہند کی نظروں میں کھٹکنے لگی، جہاں چہ حکومت کی طرف سے حضرت سے استفسار کیا گیا کہ آپ کے ذمہ خطابت و امامت کے فرائض ہیں، آپ غیر مسلموں کو مسلمان کیوں کرتے ہیں؟۔۔۔۔۔ اس پر حضرت نے جو جواب مرحمت فرمایا وہ تاریخِ عزیمت میں شہری حروفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ فرمایا :-

”فقیر سے نہ پوچھو کہ کیوں مسلمان کرتا ہے، ان سے پوچھو کہ وہ کیوں لاتے ہیں“ اتنے سخت جواب کیلئے بڑی قوتِ ایسانی کی ضرورت ہے، حضرت کے اس جواب پر حکومت خاموش ہو گئی، حضرت کی سیرتِ مبارک کا یہ اعجاز تھا کہ ہندو اور سکھ سب ہی گرویدہ تھے اور حاضری کو سعادت سمجھتے تھے، راقم نے خود دیکھا ہے کہ حضرت کے مکان شریف کے چوکھٹ کی خاک غیر مسلم اپنے سینوں پر ملا کرتے تھے۔۔۔۔۔ جب حضرت کا وصال ہوا تو بیشمار مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی بڑی تعداد میں شریک تھے، جو شریک ہو سکے وہ اپنی دوکانوں میں اوبار اور احتراماً کھڑے تھے۔

Click For More Books

عرض کیا گیا کہ ہندو اور سکھ دونوں حضرت کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے، یہاں تک
نظیر پیش کی جاتی ہے — شعبہ السنہ، مشرقی پنجاب (بھارت) کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر جناب
جو گزر سنگھ کو حضرت سے کمال عقیدت تھی، جس کا اندازہ اس مکتوب سے ہوتا ہے جو انہوں نے ۲۹ جولائی
۱۹۶۶ء کو پٹیا کے ذریعے حضرت کی خدمت میں ارسال کیا، وہ یہ لکھا

پٹیا

۲۹ جولائی ۱۹۶۶ء

خدمت جناب تقدس مآب حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب مدظلہ

حضرت انور!

آج جناب کا رد ملا۔ دل کو اتنی مسرت حاصل ہوئی کہ بیان سے باہر ہے پھر
آپ کے اقوال زیر پرستہ کہ بہت مخطوط ہوا اور اطمینان قلبی حاصل ہوا، آپ نے
لکنا بہترین وعظ فرمایا ہے کہ خواب اگر اچھا ہو تو شکر خدا بجا لاؤ اور اگر خواب قبیح ہو
تو صدقہ دیجئے، میں ان الفاظ کو سراستے پر رکھتا ہوں جس سے چشمہ ماروشن
دل ماشاد ہوا۔

جناب کی روحانی نوازشات کا کہاں تک بیان کروں جس ات آپ خواب
میں آکر مجھے یہ فرمائے کہ تمہارے سیر نے تو تمہاری امداد نہیں کی کل رات سے
کٹاٹش شروع ہوگی، اسی روز سے میرے روحانی منازل میں ترقی ہوئی ہے آپ
صحیح معنوں میں نور خدا اور خدا کو پہنچے ہوئے انسان ہیں نہیں انسان سے لباس میں
فرشتہ ہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اگر یہ الفاظ کفر نہ ہوں تو ذات باری اور آپ
کی ذات بابرکات میں مرتبہ جمع الجمع ہے۔

اس کے بعد پچھلے اتوار کو آپ اس حقیر العباد کا فرزند بندے کو تین مرتبہ
خواب میں نیم خوابی کی حالت میں ملے ایک رات میں تین دفعہ شرف ملاقات حاصل
ہوا، اللہ میری قسمت کہ آپ جیسی بزرگ ہستی میری روحانی مساعداست
فرما رہے ہیں

چوں کہ آپ سے ملاقات کے ہر چار خواب بہت عمدہ ہیں اس لئے حسب
ارشاد دل سے اللہ جل شانہ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے آپ کی ذات کے ذریعے

Click For More Books

اپنا فیضانِ محمد تک عام کیا، امید کال ہے کہ جناب پھر بھی صحیح راہنمائی فرماتے رہا کریں گے،
اس کا صلہ اللہ ہی آپ کو دے سکتا ہے مع

چسپت و دیگر کہ اس گدا دارو

ابے ہی ورد کے دوران کی باتیں جب میں تھوڑا سا دور کرتا ہوں اور
دورانِ ورد میں اس کی شبیہ مبارک کا تصور پیش نظر لاتا ہوں تو خوب دل
لگتا ہے اور جسم میں ایک قسم کی سنسنی پیدا ہوتی ہے جس کو میں سمجھتا ہوں کہ
روح کی بالیدگی کا سماں ہے، حضور اسی طرح شفقت فرماتے رہا کریں۔
حضور کی صحت، طوالتِ عمر اور عاقبت کی بہتری کیلئے حسب ارشاد و دعا
کرتا رہتا ہوں، دعائیں برکت دینے والے ابا اللہ میاں ہیں وہ ضرور صدق
دل سے کی گئی دعا کو قبول فرمائیں گے، آمین ثم آمین
زیادہ شوقِ ملاقات

آپ کا ادنیٰ خادم
جو گنڈر سنگھ

مذکورہ اصدِ مکتوب منہ جناب جو گنڈر سنگھ نے اپنے مکتوب بحرہ ۲۵ اپریل ۱۹۶۹ء میں ایک
اور صاحب کی عقیدت مندی کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

ایک شخص حکیم دیا سنگھ مذکور ہیں انہوں نے مجھے ایک خواب بتایا تھا جس میں
حضور ان کو ملے تھے، خواب کیا تھا، عالم بیداری یا نیم بیداری میں حضور ان سے
ملاقاتی ہوئے تھے۔ حکیم صاحب بتاتے تھے کہ حضور کو میں نے
نیم بیداری میں بالکل صحیح صوت میں دیکھا تھا، چوں کہ حضور مفتی مقبول الرحمنؒ کے
ہمیر تھے اس لئے تحتِ غیبی پر ایک طرف مفتی مقبول الرحمنؒ دوسری جانب حضور تھے
حکیم صاحب کہتے تھے میرے جدِ سیلانی نے جسم سے نکل کر حضور کو سلام کیا تھا۔

(۱۳)

شروع شروع میں حضرت کی جوانی کا زمانہ تھا، مسجد فتحپوری کی انتظامیہ کمیٹی نے یہ سوال اٹھایا
چوں کہ امام مسجد کمیٹی کا تنخواہ دار ہے اس لئے تنخواہ لینے کیلئے اس کو خود دفتر آنا چاہئے۔ حضرت
نے صاف انکار فرمادیا۔ حضرت کی نظر میں امام مسجد اجیر نہیں اس لئے اس کے شایان نہیں کہ وہ

تخواہ لینے کیٹی کے دفتر تجاے، حضرت فرماتے تھے کہ امام مسجد کو جو شاہرہ ملتا ہے وہ دراصل نذرانہ ہے جو شاہان مغلیہ کے عہد سے برابر ملتا چلا آ رہا ہے، چنانچہ اسی طرح ملنا چاہئے، کیٹی اپنی ضد پر اڑی رہی مگر حضرت نے بھی پوری پوری استقامت کا ثبوت دیا، چھ مہینے تک مشاہرہ نہیں لیا یہ خاکی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

بالآخر کاٹی کو جھکنا پڑا اور ہر ماہ کیٹی کی طرف سے ایک منشی نذرانہ لیکر آتا، اور ادب احترام سے پیش کرتا، اسی طرح عہد کے موقع پر بھی شاہی زمانے کے دستور کے مطابق نذرانہ پیش کیا جاتا تھا حضرت نے خود کبھی طلب نہیں فرمایا ۵

مزا تو جب ہے کہ لے آہ نارسا ہم سے
وہ خود کہے بتا تیری آرزو کیا ہے

(۱۴)

۴ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اچانک برصغیر پاک و ہند پر خوفناک جنگ کے بادل منڈلانے لگے، ہر شخص ہراسیمہ نظر آتا تھا، لیکن جن کو اللہ نے یقین و ایمان کی دولت سے نوازا تھا وہ اس پر آشوبہ ور میں بھی مطمئن اور پرسکون تھے، انہیں پیام میں دہلی کے تاریک فضاؤں پر خوف و ہشت کے عفریت منڈلا رہے تھے، سب خوف زدہ نظر آتے تھے لیکن گوشہ عافیت میں ایک مرد خدا آگاہ سارے خطرات سے بے نیاز ہو کر متوجہ الی اللہ تھا، (رحمۃ اللہ علیہ) — اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ — جنگ سے کچھ قبل جو لوگ پاکستان سے ہندوستان گئے یا وہاں سے یہاں آئے، مجبور و بیکس ہو کر شہر خوں اپنے اپنے عزیزوں کیلئے پریشان نظر آتا تھا، مگر کچھ نہ کر سکتا تھا کہ خیر مطلبی کے سارے راستہ بند ہو چکے تھے، انہیں پیام میں حضرت کے فرزند شہتی اور صاحبزادی ملاقات کیلئے تشریف لے گئی تھیں بچے سب پاکستان ہی میں تھے، جب جنگ کا آغاز ہوا تو وہ لوگ بہت مضطرب پریشان ہو گئے، عالم بے قرار می میں جب حضرت کے پاس جاتے تو حضرت تشفی و تسلی دیتے اور فرماتے کہ فکر نہ کرو سب بخیریت ہیں۔ جو بھی بے قرار گیا وہ سکون کی دولت لیکر آیا خواہ یہاں کارہنہ والا ہو یا وہاں کا۔

پاکستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں حضرت کے احباب مریدین اور عقیدین بکثرت ہوئے ہیں، کراچی، لاہور، اور حیدرآباد وغیرہ کے علاقوں میں کافی منہذا و آثار مریدین

Click For More Books

ہیں۔۔۔۔۔ خبر پہلی کہ لاہور پر ہندوستانی افواج کا قبضہ ہو گیا، کراچی کے ایک حصہ کو مہاراجی
سے نابود کر دیا گیا، افواج ہند نے کھوکرا پار کی سرحد عبور کر کے حیدر آباد کی طرف پیش قدمی
شروع کر دی۔۔۔۔۔ یہ خبریں عزیز واقارب کی خانماں بربادی اور شہادت کے تصور سے بڑی
وحشت ناک ہو سکتی تھیں مگر ہر مرحلہ پر یہی فرمایا کہ "فکر نہ کرو سب خیریت میں" لوگ حیران تھے کہ کیا ریلوے
اور اخبارات کی خبریں غلط ہو سکتی ہیں۔۔۔۔۔ لیکن کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اہل شد کی نظریں لوح
محفوظ پر ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب جنگ کے بادل چھٹے تو معلوم ہوا کہ جو کچھ کہا گیا تھا وہ بے حقیقت
تھا۔۔۔۔۔ ہندوستانی کمانڈر انچیف نے صبح کہا "نہیں معلوم کہ کون جیتا، کون ہارا لیکن جو
کچھ ہوا سخت حیران کن تھا" ۵

اک دانش نوری اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی



چوتھا باب



پاکستان میلہ

پاکستان میں آمد

پاکستان میں حضرت قبلہ قدس سرہ کے تمام مریدین و معتقدین اور محبتیں عرصہ دراز سے حضرت کی تشریف آوری کے منتظر تھے، پاسپورٹ کیلئے فوٹو لازمی تھا، اور حضرت کے نزدیک فوٹو کچھ انا شرعی حیثیت سے ناجائز تھا، اس لئے کئی سال تک حضرت پاکستان تشریف نہ لاسکے حتیٰ کہ اس وقت بھی تشریف نہ لائے، جب آپ کے فرزند و لبند جان کنی کے عالم میں جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر رہے تھے یہ حضرت کی عزیمت پسندی کی زندہ مثال ہے۔

۱۹۶۰ء میں حضرت کے فرزند نسبتی علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ ملاقات کیلئے دہلی تشریف لے گئے، موصوف کے پرجوش دل و پر خلوص صراحت سے حضرت نے پاکستان تشریف لانا کا وعدہ فرمایا، انہیں یام میں کسی مجلس میں حضرت کی لاعلمی میں فوٹو کھینچ لیا گیا تھا اسی کو پاسپورٹ کیلئے استعمال کیا گیا اگر یہ فوٹو نہ ہوتا تو حضرت ہرگز وعدہ نہ فرماتے کیونکہ حضرت نے رخصت پر کبھی گل نہیں فرمایا۔ حضرت کی زندگی سراپا عزیمت تھی۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں تاسیس پاکستان کے چودہ برس بعد حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے حضرت کی تشریف آوری علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ کی مساعی جمیلہ کی مرہون منت ہے، سچ تو یہ ہے کہ حضرت صاحب نے پاکستان کے تمام مجاہدین پر احسان عظیم فرمایا۔ حضرت قبلہ دہلی سے منہ رعبہ طیارہ کراچی تشریف لائے، کراچی کی طیران گاہ پر مجاہدین و معتقدین کا بے پناہ ہجوم تھا، ہر شخص خوشی و مسرت سے اشکبار نظر آتا تھا، جب حضرت طیارے سے باہر تشریف لائے تو تکبیر کے نعشوں سے فضا نے آسمانی گونج اٹھی، ہر شخص پروانہ وار مہمان فہ کیلئے آگے بڑھ رہا تھا، پھولوں کے ہاروں سے چہرہ مبارک ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چاند بدلی سے نکل رہا ہو۔ حضرت خراماں خراماں، طیران گاہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے ایک غلصہ و معتقد سلطان احمد صاحب جاپان والے کی کار میں تشریف فرما ہوئے، حضرت کی کار آگے آگے تھی اور تمام مریدین و معتقدین کی کاریں پیچھے پیچھے ایک جلوس کی شکل میں روانہ ہوئیں۔ تا آنکہ حضرت نازلی ہوٹل (لائسنس روڈ) رونق افروز ہوئے نازلی ہوٹل سلطان احمد صاحب جاپان والوں کی ملکیت ہے۔ حضرت کے دوران قیام سلطان احمد صاحب بالکل خالی رہا، کوئی اجنبی تو نہ تھا۔

Click For More Books

کیئے رہائش وغیرہ کا معقول نظام تھا۔ فی الحقیقت سلطان صاحب نے حضرت کی اور تمام مہمانوں کی جس خلوص محبت سے خدمت کی ہے وہ انہیں گواہ ہے، حضرت کو ان سے خاص تعلق خاطر تھا۔ کراچی میں بیسیوں اعضاء و احباب و سینکڑوں مریدین و معتقدین موجود ہیں مگر حضرت نے قیام کیئے انہیں کا ہوٹل پسند فرمایا۔۔۔۔۔ ہوٹل کے نیچے ہال میں روزانہ نماز عصر باجماعت ہوتی جس میں بکثرت لوگ شریک ہوتے، نماز کے بعد محفل ہوتی۔۔۔۔۔ یوں تو ملاقات کیئے ہر وقت حضرت کا دربار کھلا تھا مگر نماز عصر کے بعد ملاقات اور روحانی تربیت کیئے خاص اجتماع ہوتا۔۔۔۔۔ یہاں میز فقیر کا کوئی امتیاز نہ تھا جس کو جہاں جگہ مل گئی بیٹھ گیا، پہلے نعت خوانی ہوتی اس کے بعد نماز مغرب کی تیاریاں شروع ہو جاتیں، نماز کے بعد حضرت مراقبہ فرماتے اس وقت طالبین کو بیعت بھی فرماتے۔۔۔۔۔ نماز عشاء سے پہلے یہ مجلس برخواست ہو جاتی۔

کراچی میں احباب کی اتنی کثرت ہے کہ حضرت باوجود بے انتہا ضعف و نقاہت کے ولداری کی خاطر روزانہ دو تین بار مختلف عجمین و مریدین کے ہاں تشریف لیجاتے اور اپنی تکلیف کی مطلق پرواہ نہ فرماتے، کراچی کے اصحاب نے حضرت قبلہ کی شاندار دعوتیں کیں، قسم قسم کے کھانے پکوائے مگر حضرت مسو کی تلی دال اور خشک ابلے ہوئے چاول کے علاوہ کچھ تناول نہ فرماتے، البتہ جو غلصین ہر کا ب ہوتے وہ خوب مستفیض ہوتے، حقیقت یہ ہے کہ جن حضرات کو عشق الہی کی لذت حاصل ہو چکی ان کے سامنے دنیا کی ساری لذتیں سچ ہیں، مرغین اور مرغوب غذاؤں کی ان کو حاجت ہو جنہوں نے محبت الہی کا کیف حاصل نہ کیا ہو۔۔۔۔۔ کبھی کبھی دعوتوں میں حضرت کے ہمراہ کئی کئی سو آدمی ہوتے، جہاں چہ حضرت کے دیرینہ غلصین شیخ محمد سعید صاحب (ایس۔ اے) متین اینڈ کمپنی، شیخ محمد عثمان (کے۔ بی۔ بکلا) شیخ خرمقی (اسٹینڈرٹ پینٹ ہاؤس) منشی محمد حسن صاحب اور شیخ محمد فاروق وغیرہ کے ہاں سبھی شان سے دعوتیں ہوتیں۔۔۔۔۔ مگر حضرت نے ہر جگہ وہی مسو کی دال اور خشک تناول فرمایا جو ہر عورت میں خصوصی طور پر تیار کیا جاتا تھا۔۔۔۔۔ حضرت نے ہمیشہ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ساوہ کھانوں کو پسند فرمایا اور مرغین غذاؤں سے نفرت فرمائی اس کے ساتھ لگا ہری شان و شوکت سے بھی ہمیشہ اعراض فرمایا۔ جہاں چہ کراچی ہی کے زمانہ قیام میں ایک معتقد خاص نے دعوت دی، حضرت نے منظور فرمائی، لیکن جب ان سے معصوم ہوا کہ انہوں نے سفراء وغیرہ کو بھی بلایا ہے تو حضرت نے صاف انکار فرمایا، کیونکہ اب غلو سے بچنا اور غلو کا ظہور کی گواہی کا پہلو اجاگر تھا، اور حضرت اس کو ہمیشہ پسند فرماتے رہے۔

کراچی کے دوران قیام شان و شوکت سے پہنچنے کیلئے حضرت ہمیشہ دو لٹھانے سے قریبی مسجد میں نماز جمعہ ادا فرماتے، دو بار احباب کے اصرار کی وجہ سے بڑی مساجد میں تشریف لے گئے، ایک مرتبہ جامع مسجد آرام باغ میں نماز جمعہ ادا کی اور دوسری بار جامع مبین مسجد (بندر وڈا) میں نماز جمعہ ادا کی اس موقع پر اقم بھی موجود تھا، جب مبین مسجد میں حضرت کی تشریف آوری کا اعلان کیا گیا تو نماز کے بعد حضرت کے دیدار کیلئے ایک مخلوق ٹوٹ پڑی، محراب مسجد سے صدر دروازہ تک آنے میں تقریباً نصف گھنٹہ لگا ہوگا، وہ سماں اب تک آنکھوں کے سامنے ہے۔ — اللہ اللہ کیا پرکیت منظر تھا۔

(۲)

کراچی کے زمانہ قیام میں ۵ جمادی الاول ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء مولانا عبدالحمید بدایونی مدظلہ العالی نے اپنے دو لٹکے پر حضرت کے اعزاز میں عطرانہ دیا جس میں کراچی کے علماء و مشائخ اور عمائدین شریک تھے اس موقع پر مختلف حضرات نے منقبتیں پیش کیں جو کتاب کے حصہ مناقب میں شامل کر دی گئی ہیں، حضرت مولانا موصوف نے سپاسنامہ پیش کیا جس میں حضرت کی نبی خدا نما کو خلوص دل سے سراہا گیا تھا۔ — مناسب کہ سپاسنامہ کی نقل یہاں پیش کر دی جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سپاس نامہ

سپاس نامہ

بخدمت گرامی و رحمت، عظیم المرتبت، شیخ طریقت امام اہل سنت حضرت علامہ

مفتی محمد مظہر اللہ صاحب قبلہ امام شاہی مسجد فتحپوری

دہلی

حضرت والا !

پاکستان بننے کے بعد سے اب تک کراچی کے علماء و مشائخ نیز حضرت کے متوسلین و معتقدین کی یہ تمنا و خواہش تھی کہ حضرت کراچی تشریف لا کر سب کو اپنے دیدار سے مستفید فرمائیں، چودہ سال کے بعد پہلی مرتبہ جناب مولانا مفتی محمد غفور صاحب الدہلی مدظلہ کی خصوصی مساعی کی بدولت حضرت نے یہ شرف بخشا کہ کراچی تشریف لائے۔

مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام کراچی حضرت کے ورود مسعود پر صمیم قلب کے ساتھ

Click For More Books

ہدیہ عقیدت پیش کرتی ہے، یہ انہیں خالص مذہبی تبلیغی جماعت ہے جو اپنی بساط کی مطابق خدمت دین و مذہب کر رہی ہے، ہر سال تبلیغی کتابچے اور رسائل شائع کئے جاتے ہیں، وقتاً فوقتاً پاکستان ہند اور عالم اسلامی میں تبلیغی وفد جاتے رہتے ہیں، گزشتہ سال حج کے بعد بھی انہیں کا ایک وفد حجاز مقدس ہوتا ہوا، بیت المقدس، لبنان، عمان، شام، بیروت و دمشق، مصر، عراق، اور ایران گیا، اور بقیع شریف اور جنت العلیٰ کی منہدم قبور شریفہ کے تحفظ و تعمیر کی تحریک کو ان مقامات پر پیش کیا اور ایک فتویٰ پر عالم عرب کے علماء کے دستخط حاصل کئے، اور فتویٰ کی شکل میں ایک کتاب چھ اردو عربی میں شائع کیا گیا، حضرت دعائے خصوصی فرمائیں کہ اس سلسلے میں خدائے قدوس انہیں کو کامیاب فرمائے۔

مرکزی انہیں تبلیغ الاسلام، کراچی میں ایک ایسا معیاری تبلیغی کالج قائم کرنا چاہتی ہے جس میں مبنیات، درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم کیساتھ دنیا سے مذاہب و اقوام عالم کی زبانوں کی مہارت پیدا کی جائے، تبلیغی کالج کے طلبہ پاکستان ہند اور ممالک یورپ اور بلاوا اسلامیہ میں جا کر ملک کی زبان میں اسلام مقدس کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کر سکیں، حضرت دعا فرمائیں کہ رب العزت تبارک تعالیٰ ہمیں اس نفل میں کامیاب فرمائے۔

حضرت والا !

ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ آج جناب اپنی قیام گاہ پر سب سے پہلے بھی بذنبین و پریشان حال مسلمانان ہند کی علمی روحانی گرانقدر خدمات انجام دیتے ہیں بلاشبہ آپ کا وجود گرامی ہندو پاک کے مسلمانوں کیلئے قابل فخر و ناز ہے، خدائے بزرگ آپ کا سایہ عاطفت تادیر قائم رکھے۔

حضرت محترم !

ہمیں دلی مسرت ہے کہ کراچی میں آپ کے صاحبزادہ گرامیقدر مولانا مفتی مظفر احمد صاحب ماشاء اللہ فتویٰ نویسی، قضاہ اور دیگر علمی و فقہی اہم خدمات انجام دیکر حضرت کی یاد تازہ فرماتے رہتے ہیں جن اکہ خیر الامین او۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ فیض، عرصہ دراز تک جاری رہے۔

ہمارا مسرت ہے کہ حضرت اقدس اعلیٰ اگر سال میں ایک بار کراچی تشریف لایا کریں تو پاکستان مسلمانوں کیلئے حضرت کا قیام ہر طرح مفید اور نتیجہ خیز ہو گا۔

ہم ہیں آپ کے مخلصین

(مولانا) عبدالحامد قادری الہادیونی (عاجی) مستاز الدین دہلوی
صدر مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام

(مولانا) محمد شفیع اکاڑوی آزاد بن حیدر ایم۔ اے
ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام ناظم نشر و اشاعت

واراکن مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام پیر کا لونی ۲۱۳، کراچی
۵ جمادی الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء

(۳)

گراچی کے زمانہ قیام میں مریدین و متقیدین کے مابین یک جہتی و یگانگت اور روحانی ترقی کیلئے
حضرت نے بزم ارباب طریقت کے نام سے ایک انجمن کی تشکیل فرمائی تھی، جس کے سرپرست خود حضرت
تھے، صدر اعلیٰ علامہ مفتی محمد نجو صاحب مظلہ۔ صدر حضرت مولانا مفتی مظفر احمد صاحب مظلہ۔ نائب صدر
حکیم مشتاق احمد صاحب سکریٹری، قاضی محمد عایت اللہ صاحب و خزانچی شیخ محمد سعید صاحب۔ دہلی
تشریف لیجانے کے بعد حضرت اپنے خصوصی بند و نصاب سے اہل طریقت اور ارباب بزم کو نواز رہے تھے
تھے، چنانچہ جناب شیخ محمد سعید صاحب کی خواہش پر حضرت نے اگست ۱۹۶۳ء کو دہلی سے جو خط لکھا
ارسال فرمایا وہ نہ صرف اہل نسبت کیلئے عامۃ المسلمین کیلئے بھی افادیت سے خالی نہیں اس لئے یہاں
پیش کیا جاتا ہے۔

مکتوب حضرت قبلہ

بغیر ان بزم سلیمہ الولی المکرم

الحمد لله والصلوة والسلام علی عباده الذین صطفی

غیر ان بزم! تسبیح اللہ قدر کم وعظم امر کم و شرح صد کم بفضلہ تعالیٰ
فقیر جاہلیت ہے، اور العزیزوں کی عافیت وارین اپنے کریم سے کرمۃ سید عالم مطلوب
ہے، والسلام علی من اتبع الهدی۔

باصرار الحاج شیخ محمد سعید صاحب سلیمہ اللہ تعالیٰ کچھ نصائح عرض کرتا ہے اور اپنے
مولیٰ سے امید رکھتا ہے کہ آپ حضرات کیلئے فائدہ مند ہو اور جس راہ آپ گئے ہیں اس

Click For More Books

میں ملاؤ کرے۔

(۱) تصوف اصل ح خیال کا نام ہے جو کل طیب کے پہلے جز میں بیان فرمایا گیا ہے لا الذل لا
الذل یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں، معبود اسے کہتے ہیں جس کی طرف ہمیشہ نظر ہے
اور ہر امر میں اس کے احکام کو بجالایا جائے۔ اور اس کے مخالف کی سختی کیسا کھٹکنا ہے
اصل مخالفت کرنیوالا شیطان اور آدمی کا نفس ہے، شیطان جو قسم کھا کر آیا ہے کہ میں ان
کے دشمن ہوں، آگے پیچھے، ہر طرف سے بہکاؤں گا، اور بہت کم تیرے شکر گزار
بندے ہوں گے چنانچہ فیما اتھویتنی الذیۃ میں ان کا بیان ہے، تو وہ کیسے اس
میں چوک سکتا ہے؟ چنانچہ اس نے بڑے بڑے عابدوں کو جو اس کے واؤں میں آ گیا
اس کو تباہ کر کے پھوڑا، آدمی کے حیم میں خون کی طرح دوڑ جاتا ہے اور نہایت درجہ
برے و سو سے ڈالتا ہے، مولیٰ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ اس کی عداوت،
سے ڈرایا ہے، چنانچہ فرمایا ان الشیطان لکمد و افاخذ و عدا و الرب
یہ ہماری بدبختی ہے کہ اپنے مولیٰ کو جس نے نہیں، ہستی عطا فرما کر بے شمار عطیات سے سرفراز
فرمایا، اس کے مقابل میں اس کے مخالف کی عداوت کر رہے ہیں، پس اس سے بچنا ہمارا
پہلا فرض ہے۔ یونہی نفس امارہ ہمارا دشمن ہے، یہ جب جاہ و ریاست پر ہمد کیا گیا ہے،
اس کا مقصود ہمہ تن سب پر برتری حاصل کرنا ہے، اور چاہتا ہے کہ تمام مخلوق میری
محتاج اور میری فرماں بردار رہے، میرے مقابل اپنے مولیٰ کی فرماں برداری نہ کرے
حدیث میں آیا ہے۔ عادی نفسک فانہا انتصبت بمعاداتی، یعنی اپنے نفس کو
دشمن رکھ کہ وہ میری دشمنی میں کھڑا ہے۔ — تو قلب کی خواہش استہرہ ہمیشہ ہو کرنا
چاہئے کہ یہ مرضی مولیٰ کے موافق ہے یا نہیں اگر موافق ہے تو تعمیل کرے ورنہ نہ چھے اور
لا حول پڑے، اس امر میں بہت کچھ بیان کرنا تھا لیکن میں صرف اتنے ہی بیان کو کافی
سمجھتا ہوں، صدر صاحب یا ناظم صاحب اس کی تفصیل کروں گے اور عقل اس کی پیروی
کرے گی۔

(۲) المرع مع من احبہ یعنی آدمی اس کی شہ ہے جس سے محبت کرے، تو آدمی جو وقت
تصوف میں قدم رکھتا ہے تو اس کی شان کاٹن و باٹن ہوتی ہے۔ کہ ظاہر میں مخلوق کے
ساتھ ہوتا ہے، اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی شہ — یا یوں کہئے ظاہر میں خلق کی شہ ہے

عزیزانِ بزمِ سلیم المولیٰ اکرم

صدیق اکبرؓ ۱۹ اگست ۱۹۷۷ء

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ - عزیزانِ بزمِ

رفع اللہ قدراکم و عظم امرکم و شجح صدراکم لفقہہ تالی فیقر باہت ہے اور

انترجہائی عاقبت دارین اپنے کریم بے ہمتہ سید عالمؑ مطہر ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی

باہر اسکا ج شیخ محمد سعیدؒ سلیم اللہ تالی کچھ لفظ کو عرض کرتا ہے اور اپنے مولیٰ بے اللہ دھتکتا

کہ آپ حضرات کہتے فائزہ بند ہوں۔ اور جس راہ آپ گئے ہیں اور میں اور ادھر ہے۔

(۱) تصوف (صدقہ) خیال کا نام ہے جو کلمہ طیبہ کے پچھلے جز میں بیان فرمایا گیا ہے لا الہ

الا اللہ یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کوئی معبود نہیں۔ معبود اور سے کہتے ہیں جسکی طرف ہمیشہ نظر

رہے اور ہر امر میں اور سکتا اٹھتا ہو کیا دیا جائے۔ اور اسکی مخالفت کی سمجھنے کے ساتھ

مخالفت کی ہے۔ اصل مخالفت کرنے والا شیطان اور آدمی کا نفس ہے یہ مشیطان جو قسم

کہتا کر آیا ہے کہ میں اپنے درمیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف بھاؤں گا۔ اور میں شکر گزار ہوں

پر گئے چنانچہ فیما غویب فی اللہ میں اسکا بیان ہے تو کہے ہیں چوک سکتا ہے۔ چنانچہ اپنے

بڑے بڑے عابد و کمجور اسکے داؤں میں ڈال گیا اور کسکو تباہ کر کے چھوڑا۔ آدمی کہ جس میں خون

کی طرح رواں جاتا ہے اور لغابت درجہ برے دشواری داتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ نے قرآن کریم

میں متعدد جگہ اسکی مذمت نے ڈرایا ہے چنانچہ فرمایا دن النبیان لکم حد و انما تزدونہ

حدودا رب بہ ہماری بدگفتی ہے کہ اپنے مولیٰ کو جسے ہمیں سستی علی تر کر کے شاعر علیات بے افراد

فرمایا اور اسکے مقابلہ میں اسکی مخالفت کی عبادت کر رہے ہیں۔ پس اس کے بچنا ہمارا بعد فرض

ہے۔ یہ وہی نفس امارہ ہمارا دشمن ہے۔ یہ جب جاہ دریاست پر پیدا کیا گیا ہے۔ رسد

مفسر دہم تن سب پر برتری چاہتا رہا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ تمام مخلوق میری محتاج اور میری گنج

فرمایا ہو اور ہے۔ برے مقابل اپنے مولیٰ کی فرمانبرداری نہ کرے حدیث میں آیا عباد لغفل

فانکما انتقبت لبعادائی۔ یعنی اپنے نفس کو دشمن رکھو کہ وہ میری دشمنی میں کھڑا ہے۔ تو تنہا

خود ہشتاد پر ہمیشہ غور کرنا چاہئے کہ یہ مرضی مولیٰ کے موافق ہے یا نہیں اگر موافق ہے تو تعمیل کر

ورنہ بچے اور لا حول پڑے۔ اس امر میں بہت کچھ بیان کرنا تھا لیکن میں صرف اتنے ہی کیا تو ماکہ

سمجھتا ہوں۔ صدقہ بانام جسے اسکی نفیس کر دیتے۔ اور بعض اسکی پیروی کرتے

حدود ۱۶ اگست ۱۹۷۳ء

(۲) المرء مع احبته یعنی آدمی اور سکے ساتھ ہے جس کے محبت کرے تو آدمی جبروت حق میں تدم رکھتا ہے تو آدمی شان کائنات میں ہوتی ہے کہ ظاہر میں محبت کے ساتھ ہوتا ہے اور حقیقت میں اس کے ساتھ یا یوں کہتے کہ ظاہر میں حقیقت کے ساتھ ہے اور حقیقت میں اس کے جدا۔ علم پڑھتا ہے تو آدمی نئی۔ پھر عمل کرتا ہے تو آدمی نئی۔ پھر اس میں اخلاص پیدا کرتا ہے کہ محبت اور اس کی مرہنی جانے پئے عمل کرتا ہے کہ اس عمل پر نہ جنت کا خواہش ہوتا ہے نہ دوزخ کے خوف ہے اس کے عمل ہوتا ہے نہ دارین کی کسی اور نعمت کی تمنا رکھتا پھر آدمی کے اعمال اور اس کی خوشنوری کہتے کرتا ہے۔ اور دل کی محبت کا تعلق صرف آدمی ذات وحدہ در شریک ہے ہوتا ہے اس کے محبت کا تعلق ہوتا ہے تو ایسی محبت کے لگاؤ ہے ہوتا ہے۔ برخلاف عوام کی دنیا کی محبت کہ وہ یہی ایک ہی ذات ہے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اس نفس ہے۔ سب چیز کی محبت اس کے لئے نفس کی محبت کی خزع اور شاخ ہے۔ نفس کی محبت در ہر جگہ تو ان تمام شئی کی محبت ہی جاتی رہے۔ تو وحدہ اور دوسری کے درمیان یہ نفس ہی حجاب اکبر ہے۔ اس نفس کی محبت در ہر جگہ تو دوسری خالی کی طرف (تمام در ہر جگہ) در ہر جگہ ساری ہوتی ہے۔ چنانچہ ادبیات اس کے واقعات سے یہ ثابت ہے۔ لیکن یہ مغربین کا حال ہے۔ ابراہیم خوف و طبع سے شکیا کرتے ہیں۔ بلکہ مغرب میں ہر جگہ (کا حال) آتا ہے کہ وہ بھی خوف و طبع سے بجا کرتے ہیں لیکن ان کا خوف اس کے غضب سے ہوتا ہے اور طبع اس کی رضا مندی کی ہوتی ہے۔ اس کی نفس ہی وحدہ در شریک کر دیتے۔

(۳) احاطت کی نعمت نہ حصول اور تقرب ایسی کامدار رسید عالم علی اس کے خلیہ دسم کی تا بعد از پر ہے پس آیتو چاہئے کہ جہان تک ہر سکے سنن نبوی کے علم اور اس پر عمل کی کوشش اس کے مثل ان کسٹم لکھتے ہیں اس کے فائز نبوی کی جہانم اور وہ در شریک ہے کہ وہ دنیا کی نہیں اپنا حق کرتا ہے۔ کفر چند لفظ عرصہ ہے اگر اس پر عمل پیرا ہو تو اور ہی نظام حرم کے جائے ہے جہانم معلوم القرضی تحریر ہے۔ سزا کا نام اللہ تعالیٰ در باکم اور مستقامت علی ما بعد سید المرسلین علیہ السلام۔ یا ملنا محمد و اہل بیتہ و علی و اہل بیتہ و السلام

محمد ظہیر محمد (۱۱)

Click For More Books

اور حقیقت میں اس سے جدا — علم پڑھتا ہے تو اس کیلئے پھر گل کرتا ہے تو اس کیلئے پھر اس میں اخلاص پیدا کرتا ہے کہ نفس اس کی مرضی چاہتے کیلئے گل کرتا ہے کہ اس گل پر نہ جنت کا خواہش مند ہوتا ہے نہ دوزخ کے خوف سے اس کا یہ گل ہوتا ہے نہ داریں کی کسی اور نعمت کی تمنا رکھتا ہے نہ اس کے مصالح اور اس کی خوشنودی کیلئے کرتا ہے، اور دل کی محبت کا تعلق صرف اسی ذات وحدہ لا شریک سے ہوتا ہے —
ماسوائے محبت کے تعلق ہوتا ہے تو ایسی محبت کے لگاؤ سے ہوتا ہے — برخلات عوام کی اشیاء سے محبت کے، کہ وہ بھی ایک ہی ذات سے ہوتا ہے اور وہ اس کا نفس ہے سب چیزوں کی محبت اس کے اپنے نفس کی محبت کی فرع اور شاخ ہے۔ نفس کی محبت دور ہو جائے، تو مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے انعام و ایلام دونوں مساوی ہو جائیں گے، چنانچہ اولیاء اللہ کے افعات سے یہ ثابت ہے لیکن یہ مقربین کا حال ہے، ابراہیم خوف طمع سے نیکیاں کرتے ہیں، بلکہ مقربین پر بھی ایک حال آتا ہے کہ وہ بھی خوف و طمع سے مہادت کرتے ہیں لیکن ان کا خوف اس کے غضب سے ہوتا ہے اور طمع اس کی رضا مندی کی ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل بھی صدر وغیرہ کریں گے۔

(۳) آخرت کی نعمتوں کا حصول اور تقرب الہی کا مدار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر ہے، پس آپ کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے سنن نبوی کے علم اور اس پر عمل کسے کوشش کریں کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ وعدہ واقعی ہے کہ وہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب کر لے گا۔

یہ مختصر چند نصائح عرض کئے گئے، اگر اس پر عمل پیرا ہوئے تو اور بھی نصائح عرض کئے جائیں گے۔ یہ چند بحالت عدم الفرضی تحریر ہیں آئے رہنما قلم اللہ تعالیٰ و آیاکم الاستقامۃ علی متابعتہ سید المرسلین طاهرین و باطنائہ عملہ و اعتقادہ علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ الامام

نوٹ: یہ مکتوب گرامی ۱۱ اگست ۱۹۶۳ء کو کراچی میں موصول ہوا، اس وقت حضرت کی عمر شریف

پچھوڑ گزر جانے کے بعد بزم اہل بیت کے اہل بیت میں شریک ہیں مریدین و مخلصین کی

طرف سے فہ شوق و ذوق نہ دیکھا گیا جو ابتداء میں تھا، بفضلِ جناب نے اس کی اطلاع حضرت کو دی ہو گی جو حضرت کیلئے باعثِ شہ رخ ہوئی، چنانچہ حضرت نے اطلاع حال کیلئے اہل جلسہ کے نام ایک تحریر قلم بند فرمائی۔ حضرت کے مصالح کے بعد جب فروری ۱۹۶۹ء میں دہلی حاضر ہوا تو حضرت کے کاغذات میں سے اپنا مکمل تحریری وہ یہی تحریر تھی، وھوھذا

برائے اہل جلسہ

فقر کے پاس برابر اس کی اطلاع آتی رہتی ہے کہ بزم میں شامل ہونیوالے بہت سست ہیں اور کئی کیساتھ شرکت کرتے ہیں۔ اس بزم کا تقریریں نے اپنے کسی مفاد کیلئے نہیں رکھا بلکہ احباب ہی کے فائدہ کیلئے کیا ہے اگر شرکت کرتے ہیں گے تو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا رہے گا، ورنہ آخرت میں سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہ آئیگا، نہایت درجہ تعجب کا مقام ہے کہ جس کو مولیٰ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کیا ہے اس میں تو وہ دوڑ دھوبے گا اپنی ہر آسائش اس پر قربان کر رکھی ہے اور جس کو ہمارے ذمہ کیا ہے اس کی اصلاح و راہ نہیں، مولیٰ تعالیٰ نے دنیوی مفاد کو تو اپنے ذمہ رکھا ہے آپ کو شمش کریں یا نہ کریں وہ ضرور پہنچے گا، ہاں نفقہ کیلئے کوشش کا حکم فرمایا ہے تو جس قدر میں ضرورت پوری ہو جائے صرف اس ہی قدر کوشش کافی ہے، باقی وقت تو جس غرض سے بھیجا گیا ہے اس میں صرف کرنا چاہیے، دنیوی کوشش بھی اس ہی لئے لگائی گئی ہے تاکہ ہمارا امتحان ہو جائے کہ اپنا وقت دینی معاملات میں صرف کرتے ہیں، جو ان کے ذمہ کیا گیا ہے، یا دنیوی امور میں؟ — اللہ تعالیٰ جل مجدہ فرماتا ہے :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

یعنی میں نے جنات اور انسان کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت اور بندگی کریں اور ظاہر ہے کہ جب تک مہود کو پہچانا نہ جائے اس کی عبادت کیسے ہو سکتی ہے؟ — اس ہی شہید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

كل عبادة في القرآن فهو توحيد

یعنی قرآن کریم میں جہاں عبادت کا لفظ واقع ہوا ہے اس سے تو جہاد مراد ہے یہی حقیقت قدسی کا ارشاد ہے :-

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف

(۴)

حضرت نے پیش پچیس روز کراچی میں قیام فرمایا — حیدر آباد کے محبین و غلصین بھی عرصہ دراز ہے چشم براہ تھے اس لئے ۱۶ جولائی ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء بذریعہ شاہین یکپرس حیدر آباد تشریف لے گئے — تشریف آوری سے پہلے شہر میں بذریعہ لاڈلہ اسپیکر اور اشتہارات کے ذریعہ آمد آمد کا اعلان کر دیا گیا تھا، حسن اتفاق سے ایک اشتہار مل گیا ہے اس کی نقل پیش کی جاتی ہے :-

نوید مقدس

مصدر بزرگی و عظمت، مرکز رشد و ہدایت، سلطان العارفین، امام السالکین، شیخ طریقت، امیر شریعت، حضرت علامہ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب مفتی ہندوستان، خطیب شاہی مسجد فتحپوری، دہلی (جارت) کراچی سے حیدر آباد تشریف لارہے ہیں لہذا

جمع عقیدتندوں و اہل ذوق حضرات سے توقع ہے کہ مہمان عظیم الشان کے شایان شان استقبال کیلئے مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۳۸۱ھ بروز جمعرات ۱۶ مئی شام شاہین یکپرس کی آمد کے وقت حیدر آباد اسٹیشن پر تشریف لائیں۔

الحمد للہ

سید مفدر علی، نیو کلا تھ مارکیٹ حیدر آباد

جب شاہین یکپرس حیدر آباد اسٹیشن پر پہنچی تو انسانوں کا سیلاب منڈتا ہوا نظر آ رہا تھا، حضرت کا شایان شان استقبال کیا گیا، احباب نے اصرار کیا کہ جلوس کی شکل میں شہر سے ہوتے ہوئے، قیام گاہ تشریف لے چلیں لیکن حضرت نے پسند نہیں فرمایا کیوں کہ ظاہری شان و شوکت سے ہمیشہ نفرت فرماتے تھے بلکہ استقبال کی تیاریوں کے سلسلے میں متفکین سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، نام نہاد مشائخ کی طرح حضرت نے کبھی نہ چاہا کہ شاندار استقبال کئے جائیں۔

حیدر آباد میں حضرت نے اپنے فرزند منشی حضرت علامہ مفتی محمد محمود صاحب رحمہ اللہ کے ہاں قیام فرمایا۔ کچھ دنوں کے بعد مغرب کے وقت تک حاجی محبوب الہی صاحب (مالک سندھ ٹینرنیہ) کے مکان پر قیام کئے — حیدر آباد کے زماہ قیام میں احباب و معتقدین کراچی، ٹھٹھہ، میرپور خاص، نواب شاہ

Click For More Books

شکارپور، اور بھاولپور وغیرہ سے برابر آکر مستفید ہوتے رہے، حیدرآباد میں صرف گیارہ روز قیام فرمایا مگر یہ قیام یادگار رہا۔۔۔۔۔ ۵ نومبر ۱۹۶۱ء بروز اتوار کراچی مراجعت فرمائی، وہاں چند روز قیام فرمایا، چوں کہ اہل لاہور بھی مدت مدید سے حضرت کے دیدار کے متمنی تھے اس لئے نومبر کے دوسرے ہفتے میں حضرت بذریعہ طیارہ کراچی سے لاہور تشریف لے گئے۔ علامہ مفتی محمد محمود صاحب حضرت کے ہمراہ تھے۔۔۔۔۔ جب حضرت کا طیارہ لاہور کے ہوائی اڈے پر اترا تو وہاں استقبال کیلئے علماء و مشائخ اور دیگر احباب موجود تھے، حضرت مولانا سید احمد صاحب ابوالبرکات، مظاہر العالی اور صدر المشائخ آغا فضل عثمان صاحب مظاہر العالی (صاحبزادہ ملا شو باز رحمۃ اللہ علیہ شیخ طریقت شاہ ظاہر شاہ والی کابل) وغیرہ موجود تھے، لاہور میں حضرت نے اپنے ایک دیرینہ مخلص مرید۔۔۔۔۔ محمد احسان صاحب مرحوم کے ہاں قیام فرمایا، ان کے صاحبزادے میاں محمد عرفان سلمہ نے بڑی فراخوصلگی، فراخ دلی، اور محبت و خلوص کیساتھ حضرت قبلہ اور تمام مہمانوں کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔۔۔۔۔ لاہور کے زمانہ قیام میں بھی ہر طرف سے احباب و معتمدین آکر مستفیض ہوتے رہے، مثلاً ملتان، بھاولپور، منٹگمری، خانیوال، لائلپور، راولپنڈی وغیرہ اور کراچی اور حیدرآباد سے بھی غلصہ تشریف لاتے رہے، دل کی لگی تھی جو حضرت کی شہر جگہ لئے پھرتی تھی۔

حضرت نے لاہور میں بیسٹ بجیس روز قیام فرمایا اور غالباً ۲۲ نومبر کو دہلی روانگی کی تیاریاں شروع ہوئیں، روانگی سے قبل محمد عرفان صاحب کی کوشش پر تمام احباب جمع ہو گئے تھے، علامہ مفتی محمد محمود صاحب نے بڑی پُر اثر الوداعی تقریر فرمائی جس سے بقیہ اردو لوگوں کی کچھ ڈھارس بندھی، اس کے بعد حضرت طہیران گاہ تشریف لے گئے، وہاں الوداع کہنے کیلئے بیشمار لوگ موجود تھے، ہر شخص اشکبار نظر آتا تھا، رقت انگیز منظر تھا، محبوب کے قریب طیارہ اچانک بلند ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔۔۔۔۔

دل تو جاتا ہے اس کے کوچہ میں

جا مری جاں، جا، خدا حافظ

محمد عرفان صاحب مشایعت کیلئے حضرت کے ہمراہ دہلی تک گئے تھے، مدت و خلوص کا تقاضا یہی تھا، موصوف نے لاہور واپسی پر اپنی اقبہ بیان کیا جس سے حضرت کی صداقت کی مانت کا اندازہ ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ جب حضرت دہلی کی طیارہ گاہ پر اترے تو کسٹم کے افسران نے پاکستان کیلئے سے متعلق استفسار کیا، حضرت نے نفی میں جواب دیا، بات آئی گئی ہوئی، حضرت دولت کد سے تشریف

لے آئے چند روز گزر جانے کے بعد جب حضرت نے اُس شیرانی کی اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا جو پاکستان
رہے آئے وقت زیب تن تھی تو اس میں سے سو روپے کا پاکستانی نوٹ نکلا جو مطلق حضرت کے علم میں
نہ تھا، چنانچہ جب عرفان صاحب، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے فرمایا کہ یہ سو روپے،
کسٹم افسر کو دیدینا، اُس نے پوچھا تھا کہ پاکستانی کرنسی ہے تو ہم نے کہہ دیا تھا کہ نہیں ہے حالانکہ اس
وقت یہ نوٹ موجود تھا۔۔۔۔۔ اللہ اللہ صداقت و راستی اور دیانت کا یہ عالم ہے، کردار کی یہ
وہ جھلک جس سے سیرتوں کی اصلی خوبی معلوم ہوتی ہے۔

۵

۱۹۶۱ء کے بعد حضرت قبلہ قدس سرہ ۳۰ جولائی ۱۹۶۲ء کو دوبارہ بذریعہ ہوائی جہاز کراچی
تشریف لائے، راقم کی شادی تشریف آوری کا بہانہ بن گئی تھی ۵
رحمت حق بہا نہ می جوید

اس مرتبہ بھی طیران گاہ پر بکثرت لوگ جمع تھے، ہر طرف سے پھولوں کے ہار پہنائے جا رہے تھے
حضرت چوں کہ بہت ضعیف و کمزور ہو چکے تھے اس لئے آرام کرسی پر تشریف فرما تھے، ہر طرف سے
عقیدہ مند، عجم کر رہے تھے، تکبیر کے نعروں سے فضا اُسمانی گونج رہی تھی، عجب رقت انگیز
منظر تھا، اس دفعہ حضرت نے چند روز اپنے مرید خاص شیخ محمد سعید کے ہاں ہاؤسنگ سوسائٹی میں
قیام فرمایا اس کے بعد غلصہ دیرینہ شیخ محمد سلطان جاپان والوں کے ہاں نازلی ہوٹل (لارنس
روڈ) میں تشریف لے گئے، جہاں پہلے کی طرح رونق ہو گئی، ملاقات کر نیوالے احباب کا آنا لگا
رہتا، عصر کے بعد حسب معمول مجلس ہوتی، اور سب عجیب مستفیض ہوتے، یہ موقع چوں کہ
راقم کی شادی کا تھا اس لئے پاکستان کے مختلف علاقوں سے بکثرت مہمان آئے ہوئے تھے
مثلاً ٹھٹھہ، حیدر آباد، میرپور خاص، بھاولپور، ملتان، لاہور، لائل پور، کوئٹہ، راولپنڈی،
مری، وغیرہ وغیرہ، اس مرتبہ حضرت نے کراچی میں مختصر قیام فرمایا اس کے بعد حیدر آباد تشریف
لے گئے، یہاں اپنے فرزند شہتی علامہ مفتی محمود صاحب کے ہاں قیام فرمایا حسب دستور سابق مہاجری
محبوب الہی صاحب، ایک سندھ ٹیئرز و مہر ٹیکسٹائل کے ہاں عصر کے بعد غفل ہوتی تھی اس
نائبے میں راقم گورنمنٹ کالج میرپور خاص میں تھا اس لئے ازراہ شفقت و عنایت راقم کے ہاں
مذکورہ خاص تشریف لائے، صرف ایک روز قیام فرمایا، اس کے بعد حیدر آباد تشریف لے گئے،
چند روز قیام کے بعد کراچی روانہ ہوئے پھر بذریعہ طیارہ وہاں سے ملتان تشریف لے گئے،

ملتان میں حضرت اپنے عزیز حکیم شوکت علی صاحب اور دیگر مخلصین کے اصرار پر تشریف لے گئے۔
یہاں ایک مخلص یرینہ جناب صغیر احمد صاحب کا کوٹھی (کلاگشت کالونی) میں قیام فرمایا۔
حضرت کے فرزند نسیتی حضرت قاری الحاج حفیظ الرحمن صاحب (بھاولپور) عرصہ سے حضرت کی
تشریف آوری کیلئے چشم بکھلتے تھے، اس مرتبہ حضرت نے ان کی دیرینہ آرزو پوری فرمائی اور ازراہ شفقت ملتان
سے بھاولپور تشریف لے گئے، یہاں حضرت نے دوسرے فرزند نسیتی نواب اودہ صلاح الدین احمد صاحب
(برادر خور و نواب آف لوہارو) کے اصرار پر ان کی کوٹھی (ماڈل ٹاؤن) میں قیام فرمایا۔ بھاولپور میں چند
روز قیام فرمایا کے بعد خانیوال کے احباب کے اصرار پر وہاں تشریف لے گئے، اس کے بعد اپنے شیخ طریقت
حضرت مولانا صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ عالی شان کے چشم و چراغ حضرت مولانا منظور احمد
صاحب مظاہر الملکی (سجادہ نشین خانقاہ امامیہ) سے ملاقات کیلئے ساہیوال تشریف لے گئے، حضرت
مولانا نے ممدوح کئی سال سے حضرت کی تشریف آوری کے آرزو مند تھے۔ حضرت موصوف کے
ہاں چند روز قیام کے بعد حضرت قبلہ لاہور کے بشمار احباب مریدین کے اصرار پر لاہور تشریف لے گئے
یہاں ایک یرینہ مخلص و مرید حاجی رفیق الدین صاحب کے ہاں قیام فرمایا، موصوف نے حضرت قبلہ اور
تمام بھائیوں کی مہمان نوازی کا حق ادا کر کے کمال محبت و عقیدت کا ثبوت دیا، یہاں روزانہ نماز مقرر
کے بعد محفل ہوتی اور طلبین مستفیض ہوتے، عجیب رونق تھی۔ راولپنڈی کے احباب مریدین
کے اصرار پر حضرت لاہور سے راولپنڈی تشریف لے گئے یہاں مرید محبوب فطر رفیق الدین کے ہاں
سٹیلانٹ ٹاؤن میں قیام فرمایا، یہاں بھی روزانہ محفلیں ہوتیں اور بشمار لوگ مستفیض ہوتے،
راولپنڈی سے حضرت مری بھی تشریف لے گئے، وہاں بھی حضرت کے مخلصین موجود ہیں۔

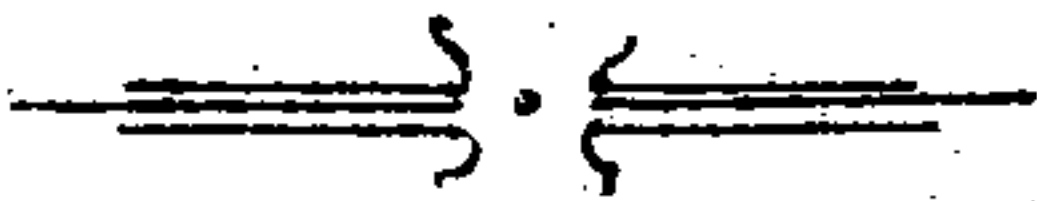
بچوں کہ یہ حضرت کا آخری سفر تھا اس لئے اس مرتبہ کسی چلہ پنے والے کو یالوش فرمایا، باوجود ضعف و
نفاہت کے لہذا رومی اور شفقت کیلئے ہر جگہ تشریف لے گئے، اور اپنی تکالیف کا مطلق خیال نہ فرمایا، راولپنڈی
سے حضرت لاہور تشریف لائے، یہاں سے شہر قریبی تشریف لے گئے تھے، چند روز بعد دہلی روانگی کی
تیا ریاں شروع ہوئیں، راقم بھی حاضر تھا، اس مرتبہ روانگی کا منظر بڑا رقت انگیز تھا ہر شخص یالوش و حیران
نصیب معلوم ہوتا تھا، اور ایسا نظر آتا تھا کہ اب کبھی حضرت کا چہرہ اقدس نہ دیکھ سکیں گے۔
یوں نہ پر وہ کرو خدا کے لئے دیکھو نیا تباہ ہوتی ہے

جب حضرت طیران گام پر پہنچے تو اشکبار آنکھوں نے استقبال کیا، جہاز تک مشاہدت کے لئے جاکے کیلئے
صرف دس دسویں کا پاس تھا، لیکن جب طیران گام کے ارباب حل و عقد نے بشمار لوگوں کو منظر

فیجین پایا تو ملائے دیکھی گئی، ہر شخص آخری دیدار کیلئے طیارے کے قریب پہنچ گیا، حضرت آرام کرسی پر
تشریف فرما تھے، اور خراماں خراماں چلنے کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، تھوڑی دیر بعد یہ آفتاب علم
و عرفان نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا، بقیہ اردلوں نے الوداع کہا، حضرت کا وہ جانا، ایسا جانا
تھا جیسے دل سے کوئی آرزو نکل جائے، نہ معلوم یہ رقت انگیز منظر کب تک دلوں کو مڑپانا رہے گا۔

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز

پھر ترا وقت سفر یاد آیا!



پانچواں باب



معاملات

معاملات

جمال سیرت و کردار عبادات سے زیادہ معاملات میں نظر آتا ہے جو عبادات ہی کا ایک اہم حصہ ہیں، حضرت قبلہؑ نے عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات میں اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خیال رکھا، اپنے اور بیگانوں کی عداوت و مساوات، امانت و دیانت، بزرگوں کا اکرام و احترام، محسنین کی توقیر و تحکیم، عزیزوں پر شفقت و مہربانی، مریدین و معتقدین کیساتھ کریمانہ اور شفقتانہ برتاؤ، غریبوں اور مفلسوں کیساتھ ہمدردی اور ایثار و قربانی ————— غرض ہر بات میں سوہ حسنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش نظر رہا مع کافی ہے بس ان کی نسبت سلطانِ مدینہ۔

جہاں تک اپنوں اور بیگانوں میں عدل و انصاف کا تعلق ہے حضرت قبلہؑ انتہا درجہ کے عدل گستر تھے، کتنا ہی مخالف کیون ہو اگر شریعت کا فیصلہ اس کے حق میں جاتا ہے تو منصفانہ جرأت مندیٰ اور فراخ حوصلگی کیساتھ اس کے حق میں فیصلہ دیا ہے اس معاملے میں اپنی اولاد تک کی رعایت نہیں فرمائی — اور شرعی فیصلہ حاکمِ وقت کے خلاف ہوتا ہے تو ناگفتہ بہ حالات کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ کیا ہے، یہاں صرف ایک اقتعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے حضرت کی عدل گستری اور حق گوئی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

①

۱۹۲۷ء میں علامہ مشرقی مرحوم نے دہلی میں خاکساروں کو جمع ہونے کی ہدایت کی، جہاں چہ دور و نزدیک سے ہزار ہا خاکساروں نے دہلی کی طرف مارچ شروع کیا، حکومت وقت ان کے داخلہ پر پابندی لگا دی تو انہوں نے مساجد میں پناہ لی جہاں چہ مسجد جامع فتحپوری میں بھی تقریباً تین چار ہزار خاکسار پناہ گزیں تھے، حکومت وقت یہ چاہتی تھی کہ مسجد سے خاکساروں کو گرفتار کر لیا جائے جو اڑتلاش کیا جائے جہاں چہ اس نے دہلی کے علماء سے ایک محضر نامہ پر دستخط کرائے جس کا مقصد تھا کہ مسجد میں داخل ہو کر خاکساروں کو گرفتار کرنا یا مساجد سے خاکساروں کو نکال دینا شرعی حیثیت سے جائز ہے — جب یہ محضر نامہ حضرت کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت نے اس کی سخت مخالفت فرمائی اور فرمایا:۔

مشی خدا کا گھر ہے، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ مسلمانوں کو مسجد سے جبراً نکالے جب تک کہ وہ کسی شرارت یا جرم کے مرتکب نہ ہوں۔

جہاں چہ حضرت نے اس مختصر نام پر دستخط نہیں فرمائے اور اس کو جبرأت مندی کھینچا کر دیا،
سب کو معلوم ہے کہ ۱۹۷۶ء میں دہلی میں کیسے ناسازگار حالات تھے، ایسی حالت میں حاکم وقت
کے خلاف احیاء شریعت اور اعلاء کلمۃ الحق کیلئے حق گوئی سے کالم لینا کوئی آسان بات نہیں تھی
لیکن حضرت نے اظہار حق میں ذرا پس پیش نہ کی ع اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی۔
قرآن عظیم نے عادلوں اور منصفوں سے اسی معیاری عدل و انصاف کا تقاضا کیا ہے پنجہ
ارشاد ہوتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ
الْفُسْكَمَ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ
بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَاۓَ إِن تَعَدُّ لَوْ أَنَّ تَلُوا وَاتَّقِرُوا فَانِ اللَّهُ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (پارہ ۵، النساء)

مسلمانوں مضبوطی کیسے انصاف پر قائم رہو، اور خدا لگتی گواہی دو، یہ گواہی تمہارے
اپنے یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اور اگر ان
میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ سب سے بڑھ کر ان کی پرداخت کرنی والا ہے تو
تم ان کی خاطر اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو اور حق سے اعراض کرنے لگو اور اگر
دلی زبان سے گواہی دو گے یا پہلو ہتی کرو گے تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے
باخبر ہے۔

آج دنیا میں جو غم کے سایہ بند لارہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ عدل و انصاف کی نذر ہو گیا ہے،
ڈاکٹر اقبال نے فراست مومن میں من عالم کو بایا ہے :-

تقدیر اہم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا

مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

قرآن حکیم نے عدل گستری کا جو عظیم سبق دیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے
اس کو زندہ کی بخشی، ایک موقع پر جب کسی شریف گھرانے کی ایک عورت نے ہم حوری کی اور آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کی گئی تو فرمایا :-

اُس سے پہلے لوگ محض اس وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے تھے کہ ان میں جب کوئی شریف

آدمی جرم کرتا تو چھوٹا جرم سمجھا جاتا تھا اور بڑا جرم سمجھا جاتا تھا کہ اس کا ارتکاب کرتا تو سزا

Click For More Books

پاتا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بیٹی محمد کی جوری کرتی تو
اس کا بی ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔ (ابن ماجہ - کتاب الحدود)

فی الحقیقت ایک عادل اور منصف کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ فیصلے کی وقت امیر مغرب، شریف و ذلیل
اپنے اور بیگانے کو نہ دیکھے بلکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرے، یہ وہ جواہر ہیں جو ہر مہتی دنیا تک
نابدا رہتے ہیں۔

العدل فی جسمہ ولا جواہر
لومات جسمہ فالجواہر باقیہ

حضرت دنیا سے تشریف لے گئے لیکن عدل و انصاف پسندی کے چہ چراغ جو حضرت نے روشن
کئے تھے ہمیشہ ہمیش روشن رہیں گے۔

(۲)

حضرت کی سیرت مبارکہ میں عدل گستری کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً ایک مرتبہ مسجد جامع
فتحپوری میں حضرت کے کمرے میں چند امانات رکھی تھیں جو چوری ہو گئیں، تفتیش کے سلسلے میں پولیس نے
چاہا کہ مسجد کے بعض ملازمین کو زور و کوب کر کے حقیقت حال دریافت کی جائے مگر چوں کہ یہ عمل شرعاً
جائز نہ تھا اس لئے حضرت نے اجازت نہ دی اور امانات مسرقہ کی ادائیگی کا بار گراں خود برداشت
فرمایا، بغیر شرعی شہادت کے کسی کو زور و کوب کے عادل کے منافی اور سراسر ظلم ہے اس لئے حضرت نے
روانہ رکھا۔

یہ جبر و قہر نہیں ہے عشق و مستی ہے کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہاں بانی

(۳)

حضرت نے عدلیہ کے معاملات میں ہمیشہ شریعت کو پیش نظر رکھا ہے، چناں چہ حضرت کے
میرد خاص حافظ صالحین صاحب ایک اقرار نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص کے مقدمہ میں حضرت کو دہلی کی عدالت میں شہادت دینی تھی، عدالت سے
سمن کیساتھ زور و کوب بھی بھیجے گئے، یہ تیس سال قبل کا واقعہ ہے، جس شخص کا مقدمہ
پیش تھا وہ حضرت کو لینے آیا، حضرت تانگہ میں تشریف لے گئے۔ جو شخص حضرت کو لے گیا تھا، اس
نے ہر چند کرایہ دینا چاہا مگر حضرت نے منظور نہ فرمایا اور خود کرایہ ادا کیا، عدالت میں گواہی دینے کے
بعد جب حضرت واپس ہونے لگے تو ایک زور و کوب بھیج دیا گیا جس کی پیروی نہ کی۔

Click For More Books

وہ یہ سمجھا کہ حضرت کچھ زیادہ لینا چاہتے ہیں چنانچہ اس نے کہا ”چار روپے پیش کر دے جائیں“۔ فرمایا نہیں۔
پھر اس نے کہا ”آٹھ روپے پیش کئے جائیں؟“۔ فرمایا نہیں۔ پھر اس نے جھنجھلا کر کہا اس
روپے پیش کئے جائیں؟۔ حضرت نے جھڑک جواب دیا کہ ”فقیہ معاوضہ لیکر گواہی نہیں دیا
کر“۔ یہ کہہ کر عدالت کے باہر تشریف لے آئے اور منجج ہنگامہ گارہ گیا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ حضرت نے عدل گسٹری میں کبھی اپنوں کی ساتھ رعایت نہیں فرمائی، بلکہ
بیشہ تر بات فرمائی، حضرت کے فرزند نبی الحاج قاری حفیظ الرحمن صاحب یک واقعہ نقل کرتے ہیں
جس کو راقم اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

(۴)

حضرت سنی مجلس وقاف کے ممبر تھے، مسجد جامع فتحپوری میں اوقاف کے تحت مدرسہ عالیہ تھا
جس میں ایک شعبہ تجوید القرآن بھی تھا، قاری حفیظ الرحمن صاحب اس میں درس دیا کرتے تھے، آپ برس
متنی اور عابد زاد ہیں، راتوں کو عبادت میں مشغول رہتے اور صبح درس دیتے وقت کبھی کبھی غنوغ
آجاتی جس کی حضرت تک شکایت نہ تھی، حضرت نے بلا کر فرمایا:-
”تمہاری شکایت کی گئی ہے کہ تم سوتے رہتے ہو، یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری حمایت کروں گا،
ہرگز حمایت نہ کروں گا۔“

آج اگر کوئی کسی ادارے کی کمیٹی کا ممبر ہو تو وہ یہی کوشش کرتا ہے کہ اپنوں کی خامیوں کو نظر انداز
کر دے، گرفت کرنا تو محال ہے، مگر حضرت نے مجلس وقاف کا ممبر ہوتے ہوئے اپنے
فرزند نبی پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ کہیں ان کو یہ نہ خیال ہو کہ پولی کہ حضرت ممبر ہیں اس لئے خصوصی
رعایت حاصل ہوگی، ہرگز ایسا ہوگا، فرائض کی ادائیگی میں اپنے ادب بیکانے کو ایک نظر سے دیکھا جائیگا

(۵)

قاری صاحب مدوح نے ایک بار واقعہ سنایا جس سے حضرت کی خشیت الہی کا اندازہ ہوتا ہے
انہوں نے فرمایا کہ ایک روز حضرت غیر متوقع طور پر مسجد فتحپوری میں وضو کے لئے اس مقام پر تشریف لے
آئے جہاں عام نمازی وضو کرتے ہیں قاری صاحب وضو کر رہے تھے من کھلا ہوا تھا، پانی بہہ رہا تھا، وہ
حضرت کی تشریف آوری سے لاعلم تھے۔ حضرت نے اچانک فرمایا قل بند کرو، کل قیامت
کے روز خدا کو کیا حساب دے گئے؟۔ اللہ کے حضور میں جواب دی کا یہ شدید احساس پیدا ہو جائے
تو زندگی، زندگی بن جائے۔ آج معاشرے میں ساری خرابیاں اسی وجہ سے ہیں کہ معاشرے کا ہر

فرخندہ کو اللہ کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتا۔ شریعت نے کفایت و سخاوت کے معیارات کو رکھ دئے ہیں، اہل شریعت اور اہل تقویٰ کا یہی حال ہے۔

کفایت جہاں چاہیے وہاں کفایت سخاوت جہاں چاہیے وہاں سخاوت

(۴)

حضرت ایفائے عہد اور امانات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ قرآن حکیم نے مومن کی صفاتِ حسنہ میں امانتداری کی صفت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے :-

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ط (پارہ ۲۹ - المتارجح)

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُوْذُوا أَمْثَلَكُمْ إِلَىٰ أَهْلِهِمْ (پارہ ۵ - النساء)

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا دو۔

حضرت کی امانتداری کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی نے کوئی امانت رکھوائی ہے، برسوں گزرنے کے

وہ نہ آیا مگر حضرت نے کبھی اس کو کھول کر نہیں دیکھا، حضرت کے کمرہ شریف میں امانات کا قدر آدم

صندوق علیحدہ رکھا ہوا تھا، ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے دوران راقم نے اس کو کھول کر دیکھا تو

برسہا برس کی گتھڑیاں بنا دی تھیں، سارا کپڑا ایسے ہیڈ ہو کر پارہ پارہ ہو چکا ہے مگر میں

اسی طرح بندھی ہوئی ہیں، ان حضرات کیلئے امانات کھول کر دیکھنا بھی خیانت کے مترادف تھا،

یہی وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس پر مولیٰ تعالیٰ نے ابنِ کعبہ خطاب سے سرفراز فرما کر متنا

فرمایا :-

وَالنَّيْسُ وَالزَّيْتُونُ وَطُورُ سَيْبِئِ بْنِ رَهْلٍ الْبَلَدُ الْأَمِينُ ط

ساری بلندیاں خشتِ الہی سے حاصل ہوتی ہیں :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا ط (پارہ ۹، الانفال)

مسلمانوں اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کر دے گا

(۵)

خشتِ الہی حضرت قبلہ کی سیرت مبارکہ کا خاص جوہر تھا، حضرت ان مقامات سے پہلو تھی

فرمایا کرتے تھے جہاں خیانت کا ذرا سا بھی شائبہ ہوتا تھا، جہاں جیسا کہ عرض کیا گیا، حضرت

Click For More Books

سنی مجلس وقاف کے ممبر تھے، ۱۹۴۶ء کا اس سے صلہ شہید ملت لیاقت علی خاں ہے اس کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (صدر جہتیہ ہند) اس کے صدر ہو گئے، ان حضرات کے زمانہ میں اوقاف کی مالیات میں دیانت کبھی عمل ہوتا رہا، مگر بعد میں جب حالات بد سے بدتر ہوتے گئے، اور حضرت نے محسوس فرمایا کہ مالیات کا مصرف دیانت شرعی کے خلاف ہے تو فوراً مستعفی ہو کر علیحدہ ہو گئے۔

(۸)

حضرت کی دیانت کا یہ عالم تھا کہ اہل خانہ کے نام حضرت کی معرفت اگر کوئی خط آتا تو اس کو کبھی کھول کر نہیں دیکھتے، ایک مرتبہ راقم دہلی حاضر ہوا۔ حضرت کے نام راقم کا ایک خط آیا جس پر راقم کا نام مرقوم نہ تھا، صرف حضرت کا اسم گرامی لکھا ہوا تھا، حضرت نے اس کو کھول کر پڑھنا چاہا، مگر جب لقمہ پر نظر پڑی تو فوراً بند کر کے راقم کے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہی معذرت آمیز الفاظ بھی فرمائے: — تمیرے نام تھا اس لئے میں نے کھول لیا مگر پڑھا نہیں۔“

اس جملہ دیانت کا یہ اہتمام عفا ہوتا جا رہا ہے — ہمارے معاشرے میں آپس کے خطوط کا کھول کر پڑھ لینا کچھ مصیوب نہیں، بلکہ دوسروں کے خطوط کی ٹوہ لگی رہتی ہے، لیکن ان حضرات کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو ہم ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں وہ خیانت جیسا عظیم گناہ ہے۔

(۹)

حضرت نے ہمیشہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں بزرگوں کا اکرام و احترام کیا ہے، اور اس میں اپنی میثقت و بزرگی کی مطلق پڑاہ نہ کی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت کے عم زاد برادر بزرگ ناصر علی صاحب مرحوم (مقتصد دار) جمعہ کے روز مسجد فتحپوری تشریف لائے، حضرت معمول کے مطابق اپنی خصوصی مجلس میں بیٹھے وعظ و ارشاد فرما رہے تھے، ناصر علی صاحب کے معلوم نہ تھا، انہوں نے دروازے کے قریب جا کر بے تکلفی سے آواز دی ”میاں مظہر اللہ! حضرت فوراً بابا ہر تشریف لائے اور ان کو اندر لے گئے، ان کو مسند پر بٹھایا اور خود ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے، ناصر علی صاحب فرماتے تھے کہ مریدیوں کے درمیان اس طرح بیٹھ کر بڑی خفت و ذلالت ہوتی — اسی وقت وہ رخصت ہو گئے۔

(۱۰)

محدثین کی توقیر و تکریم میں کبھی کوئی کسر اظہانہ رکھی، ۱۹۶۱ء جب حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے تو کراچی کے زمانہ قیام میں حضرت کے صاحبزادگان کے استاد گرامی مولانا ناصر خلیق صاحب ملاقات کیلئے تشریف لائے تو چودہ برس گزر جانیکے باوجود حضرت فوراً پہچان گئے۔

اور بڑی محبت سے معاف فرمایا، مولانا نے موصوف جذبات پر قابو نہ رکھ سکے آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، ماضی کی یاد تازہ ہو گئی۔

مولانا نے موصوف جس وقت تشریف لائے حضرت نماز عصر کیلئے ہال میں تشریف لے جا رہے تھے، جہاں بکثرت مریدین و متقین دیدار کے منتظر تھے۔ نماز عصر کے بعد حسب معمول مہربان تک مجلس ہوا کرتی تھی مگر آج حضرت نے نماز عصر کے کچھ ہی دیر بعد اس مجلس کو برخواست کر لیا اور واپس کمرہ تشریف لائے، راقم سے فرمایا کہ مولانا کہاں ہیں؟ عرض کیا کہ وہ تشریف لے گئے، فرمایا کہ ”آج تو مولانا ہی کی وجہ سے مجلس برخواست کی تھی۔ بڑا قلعہ ہوا۔“

اب محبت کی یہ پاسداریاں عنقا ہوتی جا رہی ہیں۔

(۱۱)

حضرت اپنے چھوٹوں پر بھی بڑے شفیق و مہربان تھے، ایک مرتبہ آٹھ دس سال بعد حضرت کے نسبتی بھائی بھین الدین صاحب (ایڈیشنل سیکرٹری کسٹمر لائبریری) کسی عدالتی مشق کو دہلی تشریف لے گئے، جس کے روز اس وقت ملاقات کیلئے حاضر ہوئے جب حضرت معمول کے مطابق وعظ و ارشاد فرماتے تھے، مجلس بھی ہوتی تھی، اہل محبت بیٹھے ہوئے تھے۔ بالعموم یہ مجلس دو گھنٹے تک جاری رہتی تھی مگر آج حضرت نے نصف گھنٹے کے بعد ہی ختم کر دی۔ راقم بھی شریک مجلس تھا، جب مجلس برخواست ہو گئی تو فرمایا ”میاں بھین کہاں ہیں؟“ عرض کیا ان کو ضروری کام تھا اس لئے تشریف لے گئے۔ فرمایا۔

آج انہیں کی وجہ سے یہ مجلس مختصر کی تھی، اللہ شاداب یہ شفقت و مہربانیاں کہاں؟

(۱۲)

حضرت اپنے مریدین و مخلصین پر بڑے مہربان تھے، دو واقعے نقل کرتا ہوں جس سے حضرت کے محبت و اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے، دہلی سے چار پانچ میل کے فاصلے پر سر اسٹے راجہ اند میں حضرت کے ایک مرید با اخلاص سلام الدین صاحب نے رات کی دعوت کی، جن صاحب کو لینے کیلئے بھیجا وہ کسی جہ سے فوت نہ ہو سکا۔ چنانچہ حضرت نے اور اہل خانہ میں جو مدعو تھے انہوں نے گھر ہی پر کھانا کھایا۔

رات گئے خود صاحب خانہ آئے اس وقت حضرت آرام استراحت کیلئے کمرے میں تشریف لیجا چکے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ دستک سے سکے، وہ مرید وفا شعار رات سے صبح صادق حضرت کی جو کھٹ پر نوافل پڑتے رہے، رات جاگ کر گزاری، بیچینی و اضطراب میں، حضرت کی خنکی اور زار خنکی کا سخت غم تھا، لیکن جب صبح نماز فجر کیلئے حضرت کمرہ تشریف لائے تو ان کو دیکھ کر مسکرائے، ان کی آنکھوں

سے آنسو جاری تھے، حضرت نے فرمایا نماز کے بعد آپ کے ساتھ چلیں گے اور جو رات کو پکایا گیا ہے وہی کھائیں گے، چنانچہ حضرت اور اہل خانہ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور رات کا کھانا خوشی خوشی تناول فرمایا۔

(۱۳)

اسی طرح ایک غریب مفلس مرید نے وہی ہی دعوت کی، دوپہر کو حضرت ۱۲ بجے تک کھانا نوش فرمالیا کرتے تھے اور اگر کوئی دعوت کر نیوالا اس وقت کے بعد حاضر ہوتا تو کبھی تشریف لیجاتے۔ حضرت وقت کی پابندی کا خاص اہتمام فرماتے تھے، دن و رات کے سارے معمولات کھڑی کے گھنٹوں اور منٹوں کی طرح منظم و مربوط تھے، لیکن جس مرید نے دعوت کی تھی وہ ایک گھنٹے تاخیر سے پہنچا، اندازہ یہی تھا کہ حضرت تشریف نہ لیجائیں گے لیکن فوراً تیار ہو گئے۔ جب اس مرید کے مکان میں رونق افروز ہوئے تو اس نے ایک کمرہ میں بٹھا دیا، اور تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی کچھڑی لا کر سامنے رکھ دی راقم کی نو عمری کا زمانہ تھا، بڑا ناگوار معلوم ہوا، مگر حضرت نے خوشی خوشی وہ ٹھنڈی کچھڑی تناول فرمائی اس وقت تو اندازہ نہ ہو سکا لیکن اب معلوم ہوا کہ جو حضرات اس رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق ہیں جس نے فرمایا الفقر فخری والفقر صنی ان کی یہی شان ہوتی ہے۔

(۱۴)

۱۹۶۱ء میں کراچی کے زمانہ قیام میں حضرت جن غلصین و محبین کے ہاں تشریف لے گئے وہ باجموع امیر کبیر تھے، ویسے کراچی میں حضرت کے اکثر مریدیں بہت متمول ہیں۔ حضرت کی نظر ان کے تمول پر نہیں تھی بلکہ ان کے دلوں پر تھی، عرض کیا جا چکا ہے کہ کیسے ہی مرغوب کھانے پکوائے جاتے مگر ان دنوں حضرت ہمیشہ مسکو کی پتی والی خوشکاتناول فرماتے۔ حضرت کے ایک مرید کو غلط فہمی ہو گئی وہ بہت مفلس و غریب تھا، اور حضرت کو اپنے ہاں لیجانے کی تمنا لیکر روزانہ حاضر ہوتا لیکن اثر و بام کی وجہ سے صرف مطلب بان پر نہ لاسکتا تھا، مخدور بھی تھا، ایک دن اس نے ڈاک کے ذریعہ حضرت کی خدمت میں عرضیہ ارسال کیا اور اس میں گستاخانہ جبرأت کیساتھ جو شاید جو ش جنوں کا نتیجہ تھی یہ لکھ دیا کہ آپ میڑوں کے ہاں تو تشریف لیجاتے ہیں مگر غریبوں کو نظر انداز فرما دیتے ہیں۔ اندازہ تو یہ تھا کہ حضرت اس گستاخانہ تحریر پر غضبناک ہونگے مگر نہیں جب یہ سامنے آیا تو فرمایا کہ آج تمہارے ہاں چلیں گے چنانچہ بڑی شفقت و مہربانی کے ساتھ اس کی بھونپڑی میں تشریف لے گئے جو بیچ در بیچ گلیاں عبور کر کے آئی۔

حضرت نقاہت و کمزوری کی وجہ سے کچھ دور چل نہ سکتے تھے ایسے مقامات پر جانا اس لئے بھی مشکل تھا، مگر حضرت اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کی پوری پوری دلداری فرمائی اور ذرہ بھر بھی ملال کا اظہار نہیں فرمایا۔

(۱۵)

حضرت غریب و مساکین پر ہمیشہ مہربان رہے، اس سلسلے میں ایک اقصیٰ یاد آیا۔ ۱۹۳۷ء کے ہنگاموں کے بعد جبکہ دہلی میں مسجد گرائی ہو گئی تھی، مسجد فتحپوری کے ملازمین نے مجلس وقاف سے تنخواہیں بڑھانیکے کا مطالبہ کیا۔ حضرت نے اس مطالبہ کی تحریری سفارش فرمائی۔ مسجد فتحپوری کی ماہانہ آدمی تقریباً آٹھ ہزار روپے تھی، اس کے باوجود مجلس وقاف نے ملازمین کے مطالبے کو نظر انداز کر دیا۔ اور حضرت کو لکھا کہ ملازمین کی تنخواہوں میں تواضع نہیں ہو سکتا البتہ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد احمد صاحب (نائب مام مسجد فتحپوری) کا نذرانہ مقرر کیا جاسکتا ہے، (مولانا نے موصوف اس وقت تک بغیر کسی نذرانے کے نیابت کے فرائض انجام دے رہے تھے)۔ حضرت کو یہ تحریر دیکھ کر سخت غصہ آیا اور جواباً تحریر فرمایا :-

”اگر مجلس وقاف کے پاس روپے نہیں تو فقیر کا نذرانہ مسکین ملازمین میں تقسیم کر دیا جائے“ کہاں تو یہ لکھا جا رہا ہے کہ صاحبزادے کا مزید نذرانہ مقرر کر دیا جائے، اور کہاں حضرت یہ تحریر فرما رہے ہیں کہ وہ نذرانہ تو نذرانہ فقیر کو وہ نذرانہ بھی نہیں چاہیے جو سالہا سال سے مل رہا ہے، سب غریب میں تقسیم کر دیا جائے،

شمع کی طرح جنہیں بزم گہہ عالم میں

خود جلیں دیدہ اغیار کو مینا کر دیں

عزیز و عزیزوں اور بیگانوں کا حضرت نے پورا پورا خیال رکھا، اور اس طرح ان کی مدد فرمائی کہ کسی کو کانوں کاں خیر نہ ہوئی قرآن کریم نے عزیز و اقارب و مسکین و مسافر کے حقوق کی ادائیگی کا جو حکم دیا ہے حضرت کا یہ عمل سی کا آئینہ دار ہے :-

وَأَتِ ذَٰلِ الْقَرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرْ مَالَكَ يَدًا

(پارہ ۱۵ - نئی سرائیل)

(ترجمہ) اور شہداء و اولاد، غریب و مساکین کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور دولت کو بے جا

مت اڑاؤ۔

Click For More Books

اس موقع پر ایک اقدہ یاد آیا جو راولپنڈی سے مولانا عارف اللہ شاہ میرٹھی مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں :-

”میں نے حضرت مبشر کی بارہا دہلی میں اور ایک بار راولپنڈی میں کی گئی مجلسوں میں زیارت کی۔ ان کی مجلس میں بیٹھ کر علمی مسائل اور اتباع سنت — کی باتیں سننے میں آتیں تھیں، اور اسلاف کی زندگی کا نمونہ نظر آتا تھا — حضرت کی ایک بین کرامت مجھ کو اس وقت نظر آئی جب میں شہر کے اواخر میں میرٹھ سے دہلی آیا اور پاکستان پہنچنے کیلئے ویزا حاصل کرنے میں کئی دن گزر گئے، جو رقم ساتھ تھی وہ ختم ہو گئی، — دہلی میں بکثرت احباب ہونیکے باوجود کسی سے قرض مانگنا بھی گوارا نہ تھا، بادل ناخواستہ دل میں خیال آیا کہ حضرت سے رقم کرایہ قرض حاصل کی جائے، جہاں چہ حضرت کے مکان پر پہنچا۔ اپنے دستک شکر دروازہ کھولا اور مجھ کو دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ آپ کو کتنی رقم کی ضرورت ہے، میں نے عرض کیا کہ پاس روپے کی ضرورت ہے آپ نے مجھ کو ایک سو روپے لا کر دئے ہیں نے بار بار عرض کیا کہ پاس روپے کافی ہیں، فرمایا کہ کھ لیجئے کام آجائیں گے، میں نے حضرت سے اجازت چاہی اور شب کو بمبئی روانہ ہو گیا بمبئی پہنچ کر میں نے ایک ماہ قیام کیا اور پاکستان روانہ ہونے سے قبل رقم مذکورہ حضرت کے پتے پر شکریہ کے ساتھ واپس کر دی، میرے قلب پر آج تک اس واقعہ کا خاص اثر ہے“ (مکتوب نمبر ۸، فروری ۱۹۶۷ء)

(۱۷)

حضرت نے خرچ میں بیشہ شرعی احتیاط کو مد نظر رکھا، جہاں ضرورت ہوتی وہاں قراخ ولی کے ساتھ عطا فرمایا اور جہاں ضرورت محسوس نہ کی کفایت سے کام لیا، حضرت کی ضرورت کا معیار شریعت تھا، آج معاشرہ کی ساری بے اعتدالی ایاں حقیقت ضرورت سے عدم واقفیت کی بنا پر ہیں۔

حضرت کی خدمت میں مریدین و معتقدین جو نذرانے پیش کرتے وہ اکثر اوقات محتاجوں میں تقسیم کر دیئے جاتے، حضرت کے ایک مرید نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک لفافہ میں حضرت کو نذرانہ پیش کیا، اسی وقت ایک حاجتمند آگیا، حضرت نے نصف رقم اسی وقت اس کو دیدی، اسی طرح جب ۱۹۶۷ء میں پاکستان تشریف لائے تو لاہور سے دہلی جاتے ہوئے نذرانوں کی ساری رقم نکال کر مجلس میں بیٹھے ہوئے مہربان و مخلصین میں تقسیم کر دی اور رومال جھاڑ کر اس طرح اٹھایا گویا کہ ایک بار عظیم سے سبکدوش ہو گئے — اس واقعہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دو کرم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، ان کے غلام دولت سے ایسے ہی بے نیاز ہوتے ہیں۔

خاک و نوری نہاد بندہ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

(۱۸)

حضرت نے ایسے عزیزوں کی بھی مدد فرمائی جنہوں نے حضرت کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا حقیقت میں ایسے لوگوں کی مدد سے سیرت کے اعلیٰ جواہر معلوم ہوتے ہیں، اس قسم کے حضرات کی بڑی خاموشی سے تمام بخششیں بالائے طاق رکھ کر مدد فرمائی، چنانچہ ایک عزیز محبوب ہندوستان سے پاکستان تشریف لائے تو حضرت نے ان کو تحریر فرمایا :-

”آپ ہندوستان میں تھے تو فقیر خدمت کرتا رہا، افسوس! بس خدمت سے محروم ہو گیا“

اس وقت معلوم ہوا کہ حضرت باوجود ان کی طرف سے ایذا رسانی کے بڑھاپہ میں مدد فرماتے رہے اور کسی کو کانوں کان بھی اس کی خبر نہ ہوئی۔ یہی وہ حسن مدارات ہے جس سے دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں، قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے :-

وَلَا تَسْلَوِ الْكَفَّةَ وَلَا السَّيْئَةَ اَدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اِحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي

بَيْنَكَ بَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (پارہ ۲۴ - تم السجد)

اسی آیت کے معنی و مضمون کو حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبی سے اس شعر میں بیان فرمایا ہے :-

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است

باد و ستان مروت بادشمنان مدارا

(۱۹)

جب ۱۹۶۱ء میں حضرت پہلی مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو ان عزیز کی ملاقات کیلئے بنفس نفیس تشریف لے گئے جن کا بھی اوپر ذکر کیا گیا ہے، وہ علیل تھے، عیادت فرمائی اور خاطر خواہ خدمت بھی فرمائی حضرت کی صبر و محبت کا جذبہ عزیزوں، فریدین، و متقین اور عامۃ الناس کیلئے درس عظیم ہے، یہ وہی جذبہ بخود ہے جس کے متعلق قرآن حکیم میں ایک حدیث اس طرح ہدایت فرمائی ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَابْتَغُوا الْتَقْوَا لِلَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(پارہ ۴ - آل عمران)

(ترجمہ) مسلمانوں صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تعلیم دو اور آپس میں مل کر رہو اور

اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔

Click For More Books

کسی کی تخلیق اور بدستور کی پر صبر کرنا، نہ صرف یہ بلکہ اس کے ساتھ حسن خلق و مدارات سے پیش آنا، اس کی معیتوں میں کام آنا، کوئی آسان کام نہیں، اسی لئے فرمایا گیا :-

وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ (پارہ ۲۴ - حم مجدہ)

(ترجمہ) اور (یہ حسن مدارات کی توفیق) انہیں لوگوں کو دیکھاتی ہے جو صابر و خوش نصیب ہیں۔

اس خلق عظیم کی جزا بھی محدود نہیں لا محدود و لایزال ہے، اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

شان والا صفات میں قرآن حکیم کا یہ فرمان تنگدلوں اور کج خلقوں کیلئے ایک عظیم نمونہ ہے :-

وَأَنْتَ لَعَلَّ الْخَلْقِ عَظِيمٌ وَأَنْتَ لَاجِبٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ط

(ترجمہ) اور آپ حسن خلق کی انتہائی بلند یوں پر ہیں، بیشک آپ کا اجر غیر مختتم ہے :-

خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد اولیں یہ بیان فرمایا ہے :-

بَعَثْتُ لَأَقْمِدَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

(ترجمہ) میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاقی خوبیوں کی تکمیل کروں ۔

اہل دل و راسخ نظر وہی ہے جو اپنے اخلاق کو اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھال لے اور

سیرتِ نبوی کا آئینہ بن جائے۔۔۔۔۔ حضرت قبلہ کی مبارک زندگی میں اخلاقِ مصطفوی کی جھلک

نظر آتی ہے، عبادات و ریاضات کے بعد جو سب سے نمایاں صفت نظر آتی ہے وہ صلہ رحمی ہے، یہی وہ

جذبہ قہود تھا جس نے بی شمار مریدین و معتقدین اور عزیزوں کو حضرت کا جاں نثار بنا دیا تھا۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں

فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

(۲۰)

حضرت کی حیاتِ مقدسہ کا جو ہر عظیم "اخلاص" تھا،۔۔۔ حضرت نفاذی خواہش کے تحت نہ کبھی

مداخض ہوئے اور نہ خوش، آپ کی خوشنودگی اور ناراضگی دونوں رضائے الہی کے تابع تھیں۔

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی

رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

اہل سنت و الجماعت میں مختلف جماعتیں موجود ہیں مگر حضرت نے خود کو کبھی کسی جماعت سے

وابستہ نہیں فرمایا۔۔۔۔۔ حضرت کا مسلک "تائیدی" تھا، خواہ وہ کسی جماعت میں ہو، یہی وہ

معتدل راستہ تھا جس کی وجہ سے ہر مسلک فکر کے لوگ کی خواہش کیا عوام حضرت کی بے انتہا قدر

Click For More Books

و منزلت کرتے تھے۔۔۔۔۔ حضرت کامل الیٰ یہ مبارکہ پر تھا۔۔۔

ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا لست منہم فی شئ انما امرہم الی اللہ ثم ینبئہم بما کانوا یفعلون (پارہ ۱۰۔ انعام)
(ترجمہ) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے تم کو ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا معاملہ بس خدا کے حوالے، پھر جو کچھ کیا کرتے تھے (خدا خود) ان کو بتا دے گا۔

حضرت فرقہ بندی کے اصولاً مخالفت تھے، ہمیشہ وحدت و یگانگت کیلئے سعی رہے۔
یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانہ۔ اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی
کبھی کبھی حضرت کے افکار و خیالات بعض مسائل میں مختلف علماء کے خیالات سے متصادم ہوتے ہیں مگر اس کا سبب ذاتی غاصت ہرگز نہ تھا بلکہ بے تحاشی علمی کوشش جو اجتہادی اور تحقیقی نظر پیدا ہو جاتی ہے یہ تصادم اس وجہ سے ہوتا، جو علمی دنیا میں کسی طرح معیوب نہیں، کوئی عالم معاصر علماء کی پیروی کیلئے مکلف نہیں۔۔۔۔۔ اختلاف ائے علمی بیداری کی علامت ہے۔

(۲۱)

جس کسی سے حضرت اختلاف رائے رکھتے وہ اخلاص کی بنیاد پر ہوتا اس لئے ہمیشہ ذاتیات سے بالاتر ہوتا، یگانگت و محبت کو ہر حالت میں قائم رکھتے، اس سلسلے میں ایک اقرار یاد آیا جو خود حضرت نے سنایا تھا۔
دہلی کے مشہور عالم و فقیہ مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم اور حضرت قبلہ قدس سرہ کے درمیان بعض مسائل پر اختلاف رائے رہا ہے مگر یہ اختلاف کبھی بنائے غاصت نہیں بنا، جن کو اللہ وسعت علم سے نوازتا ہے ان کو وسعت قلبی بھی عطا فرماتا ہے۔۔۔۔۔ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کا انتہائی احترام کرتے تھے، آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتیں۔۔۔۔۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ، مفتی صاحب مرحوم کے ہاں تشریف لے گئے، دستک دی، خادم آیا، اندر اطلاع ہوئی مگر مفتی صاحب ذرا تاخیر سے تشریف لائے ع ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

حضرت قبلہ سے مصافحہ ہوا، اندر تشریف لے گئے، حضرت نے دیکھا کہ کچھ بان کے ٹکڑے صحن میں بکھرے پڑے ہیں، سمجھ گئے کہ مفتی صاحب چار پائی بن رہے تھے، چنانچہ حضرت نے دریافت فرمایا ”کیا کر رہے تھے“ مفتی صاحب نے فرمایا کہ ”کچھ نہیں“۔۔۔۔۔ پھر دوبارہ حضرت نے دریافت فرمایا تو مفتی صاحب نے حقیقت حال بیان فرمائی کہ وہ چار پائی بن رہے تھے، حضرت نے فرمایا۔

”یہ تو میں بھی بن لیتا ہوں، لائیے ہم دونوں بستے ہیں۔“ چنانچہ چار پائی نکالی گئی اور ان دونوں جلیل القدر علماء (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے چار پائی بنی۔ چار پائی کی خوش نصیبی پر رشک آتا ہے ص ۱۰۰ ہم اوج طالع معلوم گوہر کو دیکھتے ہیں۔ یہی وہ حسن خلق تھا جس کی بنا پر مفتی صاحب مرحوم حضرت قبلہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، گرویدگی اور احترام کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص شیخ طریقت کی تلاش میں باہر سے دہلی آیا، اتفاق سے مفتی صاحب سے ملاقات ہو گئی، حرف مطلب بان پر لایا تو مفتی صاحب نے فرمایا :-

”دہلی میں حضرت امام صاحب مسجد فتحپوری کا ثانی نہیں، ان سے جا کر بیعت ہو جاؤ۔“

چنانچہ وہ شخص حضرت سے آکر بیعت ہو گیا اور جو کچھ واقعہ گزرا تھا من عین بیان کر دیا، معتبر ذرائع سے یہاں تک معلوم ہوا ہے کہ جب مفتی صاحب کا وصال ہوا تو انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ نماز جنازہ حضرت امام صاحب (حضرت قبلہ) پڑھائیں، اس سے کمال عقیدت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے یہ محبتیں ان حضرات کیلئے سبق آموز ہیں، جو خواہ مخواہ دل میں رنجشوں کو پرورش دے کر دل کو دیراں کرتے ہیں۔

دہلی میں ہر سال شوال المکرم اور رمضان المبارک کے چاند کے سلسلے میں مسجد فتحپوری میں حضرت قبلہ کی صدارت میں رویت ہلال کمیٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا، جس میں ہر مکتب فکر کے علماء شریک ہوتے تھے، تقسیم ہند کے بعد غیر دانشمند حضرات نے یہ چاہا کہ ایک اور رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل کی جائے جس کے صدر مفتی صاحب مرحوم ہوں، لیکن مفتی صاحب نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ جب تک موجود ہوں مسجد فتحپوری کی رویت ہلال کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کرتا رہوں گا۔ نئی کمیٹی کی تشکیل کی اصل وجہ یہ سننے میں آئی کہ حضرت نے رویت ہلال کی شہادت کے سلسلے میں معیار شریعت کو استقامت کیساتھ سامنے رکھا، بعض لوگ چاہتے تھے کہ اس میں نرمی کر دی جائے جو حضرت نے منظور نہ فرمائی۔

سبحان الہند مولانا احمد سعید صاحب مرحوم بھی حضرت سے کچھ اختلاف اُسے رکھتے تھے، تخر علی نہ ہوئی وجہ سے عالمانہ تدبیر کا فقدان تھا، اس لئے کبھی کبھی تلخ باتیں بھی کہہ جاتے تھے، جلدوتوں میں نہیں خلوتوں میں، مگر اس کے باوجود حضرت کی عظمت کردار ان کے دل پر مرثم تھی چنانچہ انتقال سے پہلے ہی وصیت فرمائی کہ نماز جنازہ حضرت سے پڑھوائی جائے۔ علامہ اخلاق حسین

دہلوی نے ماہنامہ عقیدت کے شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۴ء میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔
غرض ہر مکتب فکر کے علماء و حضرات کی دل سے قدر کرتے تھے، چنانچہ مولانا حفظ الرحمن
مرحوم کے متعلق ایک صاحب کہتے تھے کہ مولانا نے مرحوم اپنی مخصوص مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے
کہ ”اُس وقت ہندوستان میں فقہانیت میں مفتی صاحب (حضرت قبلہ) کا ثانی نہیں“۔ اور حقیقت
بھی یہی تھی، فقہ کی جزئیات پر جو عبوس حضرت کو حاصل تھا، ہندوستان کا کوئی عالم اس میں حضرت کا حریف
نہ تھا۔

تبلیغی جماعت کے بانی مبانی مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی مسجد فتحپوری آتے تھے حضرت سے
ضرور ملاقات کرتے۔ ایک عالم مولانا نے مرحوم کا یہ قول نقل کرتے تھے :-

”اگر کسی کو محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سیکھنی ہو تو بریلویوں سے سیکھے، نماز پڑھنی ہو
تو غیر مقلدوں کے پیچھے پڑھے اور صحبت اور فیض روحانی حاصل کرنا ہو تو حضرت امام صاحب کی
صحبت میں بیٹھے۔“

(۲۳)

حضرت نے کبھی اپنے بدخواہوں سے انتقام نہیں لیا، بلکہ فراخ خوئی اور وسعت قلبی
کھینچا معاف کر دیا، ہاں اگر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں کسی نے ادنیٰ
مسی گستاخی کی تو اس کو کبھی معاف نہیں فرمایا حضرت کا یہ عمل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار
تھا چنانچہ حدیث میں آتا ہے :-

مَا انتقم من رسول الله صلى الله عليه وسلم لنفسه الا ان تنتهك حرمة

الله عز وجل (خطبات نبوی، ص ۲۳۴)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کیلئے کبھی بدلہ نہیں لیا مگر جب کہ اللہ
عز وجل کی ہشام حرمت کی گئی۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ حوام و خواص خلوتوں میں اپنے بدخواہوں کی غیبت کرتے ہیں ان
کو بد فحاشی و لعنت و ملامت بناتے ہیں ان کی عیب جوئی و عیب چینی کرتے ہیں، مگر حضرت نے خلوت
نہ جلوت کہیں بھی کسی غیبت اور عیب چینی کو روا نہ رکھا، کہ قرآن پاک میں ان عادات و مذہمہ کیلئے بہت
سی وعیدیں آئی ہیں، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَلِيْلٌ لِّكُلِّ هَمَزَةٍ لُّسَنًا (پارہ ۳۰، البقرہ ۲)

(ترجمہ) ہر شخص جو (لوگوں کی) عیب چینی کرتا ہے اور (ان پر) آوازے کرتا ہے اس

Click For More Books

کی بڑی تباہی ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِشَرِّ السَّمِ الْفَنَسُوقِ
بَعْدَ الْإِيمَانِ، وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ (پا ۲۶-۲۷ بقرہ)
(ترجمہ) اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو، ایمان
لانیکے بعد بد تہذیبی کا نام ہی بُرا ہے، اور جلان حرکات، سے باز نہ آئیں تو وہی خدا
کے نزدیک ظالم ہیں۔

اسی طرح تیسری جگہ تجسس و غیبت کے متعلق اس طرح تہدید کی گئی ہے :-

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ
مِثْلًا فَمَنْ هَتَمَوْا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ۝ (پا ۲۶-۲۷ بقرہ)
(ترجمہ) اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو، اور نہ تم میں سے ایک کو ایک کے پیچھے پیچھے
بر لکھے، بھلا تم میں سے کوئی (اس بات کو) پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی
کا گوشت کھائے؟ یہ تو (یقیناً) تم گوارہ نہ کرو گے۔ اور اللہ کے غضب سے ڈرتے
رہو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحمت والا ہے۔

جن اخلاق و عیوب کا احکام مذکورہ بالا میں ذکر کیا گیا، وہ ہمارے معاشرے کا جزو لا ینفک بن کر
رہ گئے ہیں، عوام تو عوام علماء بھی ان حرکات و خصلتوں کے متکبر ہوتے ہیں اور احساس تکبر نہیں، حضرت قبلہ
قدس سرہ کلام ان عزت و ناموس ان عیوب کے دائرہ خارج تھا، حضرت کی بے غایت سیرت قرآن پاک کی
عملی تفسیر تھی۔ آیات کا پڑھنا یا پڑھ کر سنا دینا اور بات ہے اور آیات کی روح کو اپنے رنگ و
ریشہ میں پیوست کر لینا اور بات ہے۔

(۲۳)

حضرت کی حیات مقدسہ میں بہت سے ایسے واقعات سامنے آئے ہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت
تعلیمات قرآنیہ پر کتنی شدت سے عمل پیرا تھے، چنانچہ ایک واقعہ یاد آیا۔ سال ۱۹۶۴ء میں جب پاکستان
تشریف لائے تو لاہور کے مانہ قیام میں ایک مجلس میں ایک سن رسیدہ بزرگ کسی عالم کی غیبت کرنے
لگے حضرت نے پہلے تو نرمی سے منع فرمایا، جب نہ مانے اور بیان کرتے گئے تو سختی سے منع فرمایا،
پوری مجلس پر سکوت کا عالم طاری تھا۔

Click For More Books

الغفر حضرت قبلہ قدس سرہ اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع تھے ۵
ولیس علی اللہ، بے دستگیر ان یجمع العالم فی لولحد
عام طور پر زاہد خشک کو کوئی کامل سمجھا جاتا ہے، اور اس کی عبادات و ریاضات شاقہ سے
لوگ بہت متاثر نظر آتے ہیں، حتیٰ کہ خلاف سنت امور کی بھی تعریف کی جاتی، مگر رب تبارک و تعالیٰ
نے زہد خام کے بت کو توڑ کر سچی سیرت کی صفات کو واضح فرما دیا، ارشاد ہوتا ہے: ۱۔

لیس لبتران تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب
ولکن البر من امن بالله والیوم الآخر والملئکة والکتب
والنبيين واتی المال علی حبه ذوی القربی و الیتیمی
والمسکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام
الصلوة واتی الزکوة والموفون بعہدہم اذا عہدوا و
الطبرین فی البأساء والضراء وحين البأس اولئک الذین
صدقوا واولئک ہم المتقون ۵ (پارہ ۲۰، ۲۱۔ البقرہ)

(ترجمہ) نیکی یہ نہیں کہ (نمازیں) اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ
(اصل) نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں،
اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال (عزیز) اللہ کی محبت پر مشتمل داروں،
یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور غلامی وغیرہ کی قید
سے لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں دیا کرتے ہیں، اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ
دیتے رہے اور جب کسی بات کا اقرار کر لیا تو اپنے قول کے پورے اور شگلی اور
تکلیف میں اور ہلا چلی کے وقت ثابت قدم رہے، یہی لوگ ہیں جو (دعویٰ اسلام میں)
سچے نکلے اور یہی ہیں جن کو پرہیزگار کہنا چاہیے۔

مندرجہ بالا آیات میں زندگی کے ہر پہلو کو سمیٹا ہے۔ ان آیات کو پڑھ کر حضرت
کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ہی کی سیرت مقدسہ کا بیان ہے ۵
یہ اگر کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

چٹا باب

سیاسیات

سیاست

(۱)

سیاست کے معاملے میں حضرت کے افکار و خیالات ان فتوؤں کے مطالعہ سے اخذ کئے جاسکتے تھے جو وقتاً فوقتاً مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے لیے جاتے رہے، لیکن افسوس یہ فتوے دستیاب نہ ہو سکے لیکن جہاں تک ائمہ کی معلومات کا تعلق ہے اتنا معلوم ہے کہ حضرت دین و سیاست کو الگ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ حضرت کے نزدیک :-

ہوئی دین و ملت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ہو سس کی وزیری
دوئی ملک و دین کے لئے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابعمیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرائیں کا
بشیری ہے آئینہ دار ندیری

نذریہ سیاست کی علیحدگی کو اس لئے گوارا نہیں فرماتے تھے، کہ سیاسی افکار کو پرکھنے کے لئے ایک معیار کی ضرورت ہے اور یہ معیار دین سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کی بالادستی میں فرد یا افراد کی نفسانی خواہشات نابود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ حضرت کو اس کا بھی پورا پورا احساس تھا کہ حق مجموعی طور پر کسی جماعت سے وابستہ نہیں، سیاسی جماعت سے وابستگی کے بعد جماعت کے فیصلوں پر بغیر کسی چون و چرا کے امتنا و صدقاً کہنا پڑتا ہے، ایسا اوقات مصلحت وقت کی خاطر بڑی بڑی صداقتوں کو جھٹکا یا جاتا ہے۔ حضرت کے نزدیک اسلام نے صرف دو جماعتوں کو تسلیم کیا اہل حق اور اہل باطل۔ حق جہاں ہو گا اس کی تائید کی جائے گی، مقصود جماعت کی تائید نہیں بلکہ حق کی تائید ہے۔ اسی طرح باطل جہاں ہو گا اس کی مذمت کی جائے گی یہاں بھی مقصود جماعت کی مذمت نہیں بلکہ باطل کی مذمت ہے، چنانچہ ایک ہی جماعت کے افراد ایک وقت حزب موافق بھی ہو سکتے ہیں اور حزب مخالف بھی۔ اس نظریہ کو لیکر حضرت تحریک خلافت کے زمانے میں تقریباً چھ ماہ تحریک کے سکریٹری رہے، مگر حق و باطل کا جو معیار پیش نظر تھا، موجودہ سیاسی نظام میں اس کی جگہ نہ ملتی چنانچہ زیادہ عرصہ تحریک سے وابستہ نہ رہ سکے۔ ایک دو واقعات سننے میں آئے جو پیش کئے جاتے ہیں :-

(۲)

تحریک خلافت کے زمانے میں مولانا احمد سعید مرحوم گرفتار ہوئے، قید خانہ میں ان کو ایک ناخن تراش کی ضرورت ہوئی، جو تحریک کے خزانے سے منگا کر دیدیا گیا، بات بالکل معمولی نظر آتی ہے، مگر دیانت کے اعتبار سے بڑی بات ہے، حضرت نے اعتراض کیا کہ نجی ضرورت کی چیزیں تحریک کے خزانے سے فراہم نہیں کی جاسکتیں کیوں کہ یہ خزانہ ملت کی امانت ہے۔ اللہ اکبر ملت کی امانت کا کتنا پاس تھا۔ اس جملہ جبکہ دیانت کا تصوّر قریب قریب ختم ہوتا جا رہا ہے اس قسم کی باتیں منجملہ خیرین کر رہ گئی ہیں۔ لیکن ان باتوں پر غور کیا جائے تو سیرت کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۳)

اسی طرح جب ترک موالات کی تحریک چلی اور سب لوگوں نے جذبات میں آن کر بدیسی کپڑے، جلائے شروع کئے اور بدیسی مال کا بائیکاٹ کیا، تو اسی زمانے میں اس سلسلے میں دہلی میں ایک جلسہ ہوا جس میں حضرت کو بھی شریک ہونا تھا، اُس روز حضرت نے عہد اولاہی کپڑے زیب تن فرمائے، اور جلسہ میں تشریف لے گئے۔ مولانا کفایت اللہ مرحوم اس تحریک میں غریب تھے، اور جلسہ گاہ میں موجود تھے جب انہوں نے حضرت کو دیکھا تو فرمایا، آپ نے یہ کیا غضب کیا آج تو لوگ اس کے خلاف بھرے بیٹھے ہیں حضرت نے فرمایا جی ہاں میں نے اسی لئے پہنے ہیں۔ کیا آپ کے پاس لایتی اشیاء سے مقاطعہ کیلئے کوئی شرعی دلیل موجود ہے؟۔ مفتی صاحب مرحوم لا جواب ہو گئے، کیوں کہ یہاں تو بات جذبات کی تھی، اور جذبات کی رو میں بہہ کر فیصلہ کر نیکیے حضرت سخت مخالف تھے۔ حضرت نے حق گوئی کے سامنے مصلحت وقت کو قربان کر دیا۔

(۴)

اسی طرح جب پارلیمنٹ میں خلع ایکٹ کے بارے میں بحث ہوئی تو پوری پارلیمنٹ ایک طرف اور حضرت ایک طرف۔ قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم بھی اس موقع پر موجود تھے اور وہ بھی اس بل کی حمایت میں تھے۔ حضرت سے انہوں نے خود فرمایا تھا کہ کانگریسی اور دیگر ممبران اس بل کی حمایت میں ہیں ہم نے اگر مخالفت کی تو ہماری بات سہ جائیگی مگر حضرت نے اس آئے کو پسند نہیں فرمایا اور بھری پارلیمنٹ میں مخالفت کی۔ قائد اعظم مرحوم حضرت کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے، مگر اس موقع پر ذرا ناگواری کے ساتھ انہوں نے فرمایا:۔

”جو کچھ آپ نے عربی میں پڑھا ہے وہی ہم نے بھی پڑھا ہے فرق یہ ہے کہ ہم نے انگریزی میں پڑھا ہے۔“

حضرت نے جو کچھ جوابے یا اس کو علامہ اخلاق حسین دہلوی نے ماہنامہ عقیدت میں اس طرح نقل کیا ہے ————— حضرت نے فرمایا :-

”یہی تو بڑا فرق ہے، ایکے بان کا مفہوم جوں کا توں دوسری زبان میں کیسے ادا ہو سکتا ہے اور ایسی زبان میں کہ اس کے بولنے والوں کے ہاں نہ یہ مسائل ہیں اور نہ ان کی نازک ترین کیفیات کو ادا کرنے کیلئے اس زبان میں الفاظ ہیں“

قائد اعظم مرحوم اس جواب سے بہت متاثر ہوئے، اس میں شک نہیں کہ حضرت کا جواب مقتنین کیلئے قابل توجہ ہے، اس موقع پر اقم کوڈاکٹر اقبال مرحوم کی بات یاد آتی جو انہوں نے لندن میں امکان مذہب پر تقریر کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب کی ایک عبارت کی تشریح کرتے وقت کہی تھی ————— انہوں نے فرمایا تھا ”حضرت مجدد جن نفسیاتی گہرائیوں تک پہنچے ہیں جدیدیت یا باوجود ترقی کے دعووں کے ان کی گردنک پہنچ سکی، اس لئے انگریزی زبان میں ان الفاظ کے مرادفات نہیں جو حضرت مجدد کے مکتوب میں آئے ہیں، حاضرین اس کے تشریح و تعبیر سے مجھے معاف رکھیں“۔ اس لئے حضرت کا یہ فرمانا درست ہے کہ انگریزی زبان میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس میں فقہی مسائل کو من و عن بیان کر دیا جائے، ہر قوم کا مزاج مختلف، ان کے مسائل مختلف ان کے حل مختلف ————— بہر کیف حضرت نے ہر موقع پر شریعت نبوی، صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھا اور کتنے ہی نام ساز گار حالات ہوئے کبھی اس سے تجاوز نہیں کیا۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہر دول کی رفیق

یہی رہا ہے ازل سے قلمندروں کا طریق

سیاستیانیں صلت وقت کی خاطر شرعی اصولوں کو قربان کر دینے کے حضرت سخت مخالف تھے یہی وجہ کہ آخر تک کسی سیاسی جماعت میں عملاً شریک ہوئے اور نہ صاحبے ادگان کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

سائلوں باب

عادات شریفہ

Click For More Books

عادات شریفہ

①

حضرت کے یومیہ معمولات کا آغاز نماز تہجد سے ہوتا، اس کے بعد نماز فجر کیلئے مسجد تشریف لیجاتے، صبح کی نماز بالعموم حضرت ہی پڑھایا کرتے تھے، حضرت کی تلاوت سے روح کو جو سرور و کیف میسر آتا تھا وہ پھر کبھی نہ آیا، تلاوت میں ایسا سوز و گداز معلوم ہوتا تھا کہ قرآن کریم آپ ہی کے سینہ پاک پر نازل ہو رہا ہے۔۔۔ نماز کے بعد حضرت مکان شریف تشریف لاتے، کچھ دیر قرآن پاک تلاوت فرماتے، کبھی کبھی معمولی ناشتہ فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد اہل حاجات اور ملاقاتیوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی، یہ نشست تقریباً ارنہ بجے ختم ہو جاتی، اس عرصہ میں حضرت فتوؤں کے جوابات مختلف فقہی سوالوں کے جوابات، خطوط کے جوابات اور تعویذات وغیرہ تحریر فرماتے، اسی کے ساتھ ساتھ اپنے صاحبزادوں اور دوسرے شاگردوں کو قرآن حکیم اور علوم عربیہ کا درس بھی دیا کرتے، انہی کے بعد کھانا تناول فرماتے، اور مسجد تشریف لیجاتے، وہاں اپنے کمرہ شریف میں ایک گھنٹہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق قیلولہ فرماتے، ایک بجے بیدار ہوتے، نماز ظہر کی تیاری ہوتی، نماز کے بعد پھر دوسری نشست مسجد میں ہوتی، یہاں صرف ایک گھنٹے، تعویذات عنایت فرماتے، حضرت نے اس کیلئے کبھی کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا، اس کو شان فقر کے خلاف تصوف فرماتے تھے، تعویذات کے بعد فتوؤں کے جوابات، خطوط کے جوابات اور اہل حاجات کے سوالوں کے جوابات مرحمت فرماتے، اس عرصہ میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا، نماز عصر کے بعد مکان شریف تشریف لاتے۔۔۔ عصر سے مغرب تک کا وقت چھوٹے بچوں کیلئے مخصوص تھا، نماز مغرب کیلئے پھر مسجد تشریف لیجاتے، نماز کے بعد دولت کدے پر تشریف لاتے اور کھانا تناول فرماتے، اس کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوتا، نماز عشاء کیلئے پھر مسجد تشریف لیجاتے اور نماز سے فارغ ہونیکے بعد مکان شریف تشریف لاتے، کافی دیر تک کتابوں کا مطالعہ فرماتے، اس کے بعد آرام فرماتے، پھر تہجد کے وقت حسب معمول بیدار ہوتے اور دوسرے دن کے معمولات حسب تصور شروع ہوتے۔۔۔ حضرت کے نظام الاوقات میں اتنا نظم و ضبط تھا، کہ کسی بھی وقت یہ بتایا جاسکتا تھا کہ حضرت کیا کر رہے ہیں، کامیاب زندگی کا راز پابندی وقت میں ہے، آج ہماری زندگی کے نظام الاوقات ایسے منتشر ہو کر رہ گئے ہیں کہ سب اوقات

Click For More Books

یہ بھی معلوم نہیں ہوتا، کہ دن بھر کیا کرتا ہے پھر جو کچھ کیا جاتا ہے اس کے بارے میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت اہل اللہ کی پاک زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، ان کی پیروی میں زندگی کی کامیابیاں مضمر ہیں۔

بندہ یک مرد روشن دل شوی

بہ کہ بر فرق سر شاہاں روی

زندگی کے آخری ایام میں حضرت کے معمولات کچھ بدل گئے تھے، ضعف و نقاہت اس تبدیلی کی مقتضی تھی، کمزوری کی وجہ سے روزانہ مسجد جانا مشکل تھا اس لئے صرف جمعہ کے روز تشریف لے جایا کرتے تھے، اس روز خصوصی مجلس ہوتی تھی جس میں بکثرت معتقدین و احباب شریک ہوتے تھے عام ایام میں ملاقات کا وقت نماز عصر اور نماز مغرب کے درمیان صرف ایک گھنٹہ ہوتا تھا۔ فتوؤں کے جوابات، خطوط کے جوابات اور درس تدریس کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ حضرت روزانہ دس بارہ خطوط تحریر فرماتے، نقاہت حد سے متجاوز ہو چکی تھی، اس لئے بیشتر علمی کام، لیٹے لیٹے پورے فرماتے تھے، خطوط وغیرہ کیلئے کبھی گوارا نہ فرمایا کہ کوئی جوابات تحریر کر دے اور حضرت صرف دستخط فرمادیں۔ حضرت نے اس طرز عمل کو جو فی زمانہ عام ہے محبت و تعلق کی توہین تصور فرمایا، اس لئے ہر شخص کے خط کا جواب خواہ وہ کی منصب مرتبہ کا کیوں نہ ہو خود تحریر فرماتے تھے، حضرت کے پاس پاک ہند اور بیرون ممالک سے بھی بیشمار خطوط آتے تھے، مگر جواب ضرور مرحمت فرماتا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے خط لکھا ہو اور حضرت نے اس کا جواب نہ دیا ہو۔

(۲)

حضرت قبلہ قدس سرہ بیشتر کام خود کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں فرماتے تھے بلکہ کام کرتے وقت احیاء سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسروں کے دنوں میں بیداری پیدا فرمادیا کرتے تھے، آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا :-

”اپنے ہاتھوں اپنا کام کر لیتے تھے، چپقل کے تسمے خود ہی درست فرماتے، اپنے کپڑے خود ہی صاف فرماتے، محلہ کی غریب عورتوں کے کام خود کرتے۔“

(الہدایہ والنہایہ ج ۲، ص ۱۳۶)

حضرت قبلہ قدس سرہ بھی اپنی نعلین مبارک خود درست فرماتے تھے، تمام اوزار موجود تھے کبھی کبھی کتابوں کی جلدیں بھی بنا لیا کرتے تھے، اس کے بھی اوزار موجود تھے، گھڑی یا گھنٹہ خراب

تو پوری مہارت کیتھا خود درست فرمایا کرتے تھے، کبھی کبھی نفاست و خوبصورتی کیتھا چار پائی بھی بن لیا کرتے تھے، ٹین وغیرہ کا کام ہو تو وہ بھی خود کر لیا کرتے تھے، کڑھائی، سلائی، بنائی وغیرہ پر بھی عبور حاصل تھا، غرض نجی زندگی کا کوئی گوشہ ایشا تھا، جس میں کسی کے محتاج ہوں۔ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنا کلم خود کیا کرو۔۔۔۔۔ راقم نے بچپن میں ایک مرتبہ دریافت کیا کہ حضرت اتنے سارے کام آپ نے کہاں سے سیکھ لئے؟ فرماتے کہ ”بس دیکھ دیکھ کر آگیا“۔۔۔۔۔ ایسی جامعیت مشکل ہی سے کسی شخصیت میں نظر آسے گی کہ ایک طرف مسند طریقت پر رونق افروز ہیں تو ثانی نہیں دوسری طرف مسند علم و فضل پر جلوہ فگن ہے تو وہاں بھی نظیر نہیں، تیسری طرف نجی زندگی کے ہر شعبے میں پوری پوری مہارت حاصل ہے۔

ولیس علی اللہ بوستنگرا ان یجمع العالم فی واحد

۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران جبکہ حضرت مسجد فتحپوری میں قیام پذیر تھے۔ مکان شریف سے اہل خانہ کو محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا تھا۔۔۔۔۔ گھر پر راقم اور برادر مرحوم مولانا منظور احمد موجود تھے چوں کہ ستورات نہ تھیں اس لئے خود کھانا وغیرہ پکاتے، کرفیو لگا ہوا تھا، رات کی تاریکی میں کھانا لیکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، چوں کہ کرفیو کے دوران آمد و رفت خطرے سے خالی نہ تھی اس لئے ایک وز حضرت نے فرمایا کہ ”میرے لئے کھانا نہ لایا کرو“ چناں چہ اس روز سے خود حضرت بجلی کے چولہے پر روٹی اور دال وغیرہ پکاتے، خود فروش فرماتے اور جو کچھ بچ رہا وہ تبرکاً ان ملازمین کو مل جاتا جو آستانہ پر اس کرم نوازی کے منتظر رہتے۔

حضرت میں اتنا عجز و انکسار تھا کہ کبھی کبھی اپنے کمرے کی بھاڑ و بھی خود دے لیا کرتے تھے، گھر کے لوگ ہر خدمت کیلئے مستعد رہتے، ملازمین بھی موجود تھے، مگر حضرت نے دوسرے سے خدمت لینا شان فقر کے خلاف تصوف فرمایا، اس عجز و انکسار کے باوجود حضرت کے رعب و بدبہ کا یہ عالم تھا کہ کبھی دیکھا ہی نہیں گھر ہو یا باہر کسی کی تابے طاقت نہ تھی کہ آگے اٹھا کر دیکھ سکتا۔۔۔۔۔ حضرت کے سوبے بدبے کو دیکھ کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت کا منظر آنکھوں میں پھر جاتا تھا۔

ظاہر میں غریب انضام چہرہ بھی یہ عالم شاہوں سے سوا سلطوت ملطاً مدنیہ

بچوں کے دشمن معلوم ہوتے ہیں، مساجد میں تو یہ مناظر اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، مگر حضرت نے ہمیشہ اپنے اور پرالیوں کے بچوں پر شفقت فرمائی، ان کی پوری پوری ناز برداریاں کیں، یہ شفقت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت کی یاد دلاتی ہے، حدیث میں آتا ہے :-
”رحم اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ کسی بچے کو روکتے سنتے تو ناز ہلکی کر دیتے۔“

(بخاری شریف - باب خدمۃ النبی)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب میں بچوں کا برسر عام گلی کوچوں یا مجلسوں میں پیار کرنا عیوب سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ مشرکین عرب نے اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا :-
التقبلون صبیانکم؟ فقال نعم۔ فقالوا لکننا واللہ ما نقبل۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما واملک ان کان اللہ نفع من قلبک الرحمة۔ (خطبات نبوی، ص ۲۲۶)
(ترجمہ) کیا تم لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہو؟ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں“ تو انہوں نے کہا، ”لیکن ہم لوگ پیار نہیں کرتے۔“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اگر اللہ تمہارے دل سے رحمت کھینچ لے تو میں کیا اختیار رکھتا ہوں؟“

ایک اور حدیث میں آتا ہے :-

بچوں سے سب سے محبت فرماتے، گلی میں جب آپ نکلتے تو بچے آپ سے قریب سے چمٹ جاتے، آپ کسی کو گود میں لیتے، کسی کو کاندھے پر بٹھا لیتے۔

(البلدین والنہایہ، ج ۲، ص ۱۳۲)

بچوں پر شفقت و رحمت ایوانِ ملت کا ایک اہم ستون ہے، جس معاشرے میں بچے اپنے بزرگوں کی شفقتوں سے محروم رہیں گے، وہاں ہر قسم کی چیمینیاں جنم لیں گی، اور خود غرضیوں کا ایک ایسا جال بچھ جائیگا کہ ہر مقتضی اس میں اسیر نظر آئیگا۔ اس قسم کے معاشرے دنیا میں موجود ہیں، چشم کو چاہیے ہر رنگ میں دھو جانا۔

حضرت کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی سیر تفریح کیلئے بچوں کی طبیعت چاہتی تو باوجود کثرتِ مشغولیت و مصروفیت سب کے ان کی خواہش پوری فرماتے، مگر اس کا ضرور خیال رکھتے تھے کہ سیر و تفریح ان کی سیرت پر اچھا اثر مرتب کرے، چنانچہ دہلی کے پرسکون اور سرسبز و شاداب مقامات پر لچکتے

مثلاً فتح گڑھ، مزار پیر غیب، چوہدری، باؤٹا، وزیر آباد وغیرہ، اس وقت بچپن تھا، بات سمجھ میں نہ آتی تھی، کیوں کہ بچپن کی شلوخ مزاجیاں تو ہنگاموں کی طلبگار رہتی ہیں، اس وقت سکون دغا موٹی سے کیا کام؟ ————— لیکن جوں جوں خوش عمر آگے بڑھتا گیا، درس شفقت کا ایک ایک لفظ قلب و دماغ میں اترتا گیا، اور اب بات سمجھ میں آئی ہے۔

خدا گردِ فطرت شناس دے تجھ کو

سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر

کبھی سیرِ تفریح میں اتنا اہٹا کہ پیدا ہونے نہ دیتے کہ دلِ تعلیم سے اچاٹ ہو جائے، چنانچہ تفریح کے دوران ذرا ذرا وقفہ کے بعد نہایت شفقت و محبت سے سبق کے متعلق مختلف سوالات فرماتے رہتے، اس وقت گراں گزرتا، مگر یہ نہ معلوم تھا سنا نظر قدرت کے سہارے درس حیات ذہن نشیں کرایا جا رہا ہے۔

حضرت بچوں کی خاص طور پر تربیت فرماتے، شروع میں لاڈ پیار سے رکھتے جب ہ دو تین سال کا ہو جاتا تو کچھ نہ کچھ لکھ کر دیدیا کرتے تھے، جب کچھ اور بڑا ہوا تو رفتہ رفتہ کتاب لکھ کر طرف متوجہ کیا، اس طرح ابتدا ہی سے ایک ماحول پیدا کر دیتے، قرآن حکیم کی تعلیم کے ساتھ عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں شروع کر دیتے، جب کچھ لیاقت پیدا ہو جاتی تو درجہ عربیہ میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل و تکمیل کیلئے داخل فرما دیتے، لیکن برابر نگرانی رہتی اور پوری توجہ کیسے اسباق سماعت فرماتے اور نوٹس تیار کر کے عنایت فرماتے، اس طرح بیس سال کی عمر میں درس نظامیہ کی تکمیل ہو جاتی اور وہ لیاقت پیدا ہو جاتی جو یونیورسٹیوں میں ایم۔ اے کے طلبہ میں بھی مفقود نظر آتی ہے۔

(۴)

حضرت نے تمام صاحبزادگان کو علوم عربیہ اور دینیہ کی تعلیم دی، صاحبزادگان میں چند نے انگریزی علوم کی تکمیل حضرت کی تعلیم تربیت کے بعد خود کی ہے، حضرت کی نظر چوں کہ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی اس لئے علوم دینیہ کی طرف زیادہ توجہ فرمائی چنانچہ حدیث میں آتا ہے، اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے اہل علم پڑوسیوں سے (دین) نہیں سیکھتے اور نہ دین سمجھتے ہیں، اور نہ دین میں مہارت اور سوجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ یا تو دین سیکھیں اور سکھائیں اور دین کی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کی

کوشش کریں اور کرائے اور لوگوں کو نیکی کا جذبہ اور برائیوں سے باز رکھیں ورنہ
میں ۔۔۔ اس دنیا میں ان کو مذاہد لاؤں گا۔

(کنز العمال، ج ۴، ص ۱۳۹)

حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی حیات و بقا کیلئے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ علوم دینیہ کی تحصیل
کمرے، اس سے ہمہ گیر علمی ملت کی موت نہیں تو اور کیا ہے؟ — کوئی بھی جماعت ہوس کی،
زندگی اسی وقت تک ہے جب تک اس کے افراد میں اس کے اصولوں سے اقصیت اور اس کے اصولوں
پر عمل کا شدید جذبہ موجود ہو۔ — اسی لئے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم دینیہ کی ترغیب و
ترہیب سے ملت کی حیات اجتماعیہ کا ایک عظیم اثر و اشکاف کر دیا ہے۔

⑤

حضرت نے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا خاص خیال رکھا، حضرت کے نزدیک تعلیم کا مقصد عظیم دینی
اور روحانی تربیت کے علاوہ اور کچھ نہیں، چنانچہ جب ۱۹۵۶ء میں اقم نے سندھ یونیورسٹی میں،
ایم۔ اے (اردو) میں انعام کی اجازت چاہی تو تذبذب کا اظہار فرمایا، یہ تذبذب اس لئے تھا کہ اسکول
اور کالجوں و یونیورسٹیوں کا ماحول تعمیر سیرت کیلئے بالکل نامناسب ہے۔

شیخ مکتب کے طریقوں سے کٹا دل کہاں

کس طرح کبریت سے ہو روشن بجلی کا چراغ

بالآخر حضرت نے فرمایا ”سنا ہے کہ پاکستان کی یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ہے؟“
راقم خاموش ہو گیا پھر کچھ وقفہ کے بعد فرمایا کہ ”اگر تمہارے ساتھ طالبات بھی ہوتی تو اجازت نہیں دینا
کوئی مضائقہ نہیں۔“ — اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان
اداروں میں تعلیم حاصل کی جائے جہاں مخلوط طور پر تعلیم دی جاتی ہے، ممکن ہے کہ یہ بات تجدید پسند
طبیعتوں پر گراں ہو مگر تحریرات سے مخلوط تعلیم کی خرابیاں ظاہر ہوتی جا رہی ہیں،

راقم نے ۱۹۵۶ء میں سندھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا حسن اتفاق کہ اس سال کسی طالبہ
نے داخلہ نہیں لیا، پھر ۱۹۵۷ء میں جب فائنل میں پہنچا تو عجیب اتفاق تھا کہ اس سال بھی کوئی طالبہ
نہیں تھی، سندھ یونیورسٹی کی تاریخ میں وہی دو سال ایسے تھے جنہیں کوئی طالبہ داخل نہیں ہوئی
استاذی محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ العالی (صدر شعبہ اردو) فرمایا کرتے تھے کہ ”یہ حضرت قبلہ کی
میں کرامت ہے“ یہ حضرت کی توبہ خاص کا اثر تھا کہ یونیورسٹی

[Click For More Books](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

حضرت قیّد علوم جدیدہ کی تحصیل کے مخالف نہ تھے ع

جیسا عرض کیا گیا کہ حضرت کی توجہ تعلیم سے زیادہ تربیت پر تھی، وہ تعلیم پر تربیت کو قربان کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ————— یہاں بل دانش ہوں و راہل دل نہ ہوں وہاں تربیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے اقبال نے کہا ہے ۔

اصل چیز ایسا غل ہے۔ یہ خالی رہ گیا نوپوری زندگی بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے اسی لئے اقبال نے کالج کے طلبہ کو ہدایت کی ہے ۔

شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

④

دور جدید میں علم کو ذریعہ معاش کے طور استعمال کیا جاتا ہے، اسکی تحصیل کا مقصد بھی تحصیل
 زر کے سوا کچھ نہیں ایسے علم کو حضرت حیات انسانی کیلئے موت تصور فرماتے تھے۔
 وہ علم نہیں رہ رہے احرار کے حق میں جس علم کا حاصل ہے جہاں میں شک و
 اس لئے حضرت نے زندگی کی ہر منزل پر اس کا خیال رکھا کہ دل سے وہ شے لطیف نہ
 چلی جائے جس سے زندگی کی بہاریں ابلستہ ہیں۔

حضرت دانش و حکمت کی بھیا یہ بخود ہی پیدا کرنا چاہتے تھے جس کے آگے ہر ایک حکمت بے اثر معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔۔ حضرت چوں کہ علم کو ذریعہ معاش تصور نہیں فرماتے تھے، اس لئے صاحبزادگان کو فنون کی بھی تعلیم دی تاکہ اس کے ذریعہ معاش کی تحصیل ممکن ہو، دوسرا جزا دے

فن طلب میں مہارت رکھتے ہیں، دو صاحبزادے ڈاکٹر ہیں، یہ حقیر پروفیسر ہے، راقم کوئی فن حاصل نہ کر سکا مگر علوم جدید بجائے خوفن کی حیثیت رکھتے ہیں، گو کسب معاش کے اس طریقہ کو حضرت پسند نہیں فرماتے تھے، یہ حضرت کی عزیمت پسندی کی دلیل ہے۔

(۷)

پرندوں میں حضرت کو بوتروں سے خاص انیت تھی، مکان شریف میں کافی بوترتھے، حضرت ان کو خوردانہ ڈالتے تھے، ان کی کنڈالیوں میں خود پانی بھرتے تھے، بظاہر یہ دلچسپی عالمانہ نہیں لگتی لیکن اہل دل کا ہر عمل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہوتا ہے، اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

”جو جانوروں کو پانی پلانیکا انتظام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اجر عطا فرماتا ہے۔“

(بخاری شریف)

اگر کوئی شخص نئے کیوترا لاتا تو اس کے پرکترنے یا اکھاڑنے کی کبھی اجازت نہیں دی، کہ یہ بے زبانوں پر ظلم ہے، ایک مرتبہ حضرت کے ایک مرید نہایت قیمتی اور اصل کیوترا لائے، فرمایا چھوڑ دو جن کو رہنا ہو گا رہ جائیں گے جگہ جانا ہو گا چلے جائیں گے، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا ان میں سے کوئی بھی نہیں گیا، ایک دو دن فضا ئے آسمانی میں پرواز کر کے واپس آجاتے،

راقم کو بھی بچپن میں پرند پالنے کا شوق تھا ایک مرتبہ طوطا خرید کر پتھرے میں بند کیا، حضرت نے دیکھا تو فرمایا اس کو چھوڑ دو، یقین تھا کہ وہ ایسا اڑے گا کہ پھر ہاتھ نہ آئیگا، لیکن دیکھا گیا کہ روزانہ پتھرے سے باہر نکل کر اڑتا پھرتا ہے اور شام کو واپس آ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک فہ بلبل پالنے کا شوق ہوا، خرید کر پیٹی باندھ دی گئی، حضرت نے فوراً کھلوا دی، یہ امید تھی کہ وہ آزاد ہو کر بھی حلقہ بگوش رہے گا، مگر ایسا ہی ہوا، جب کیوترا دانا کھاتے محن میں آتے تو طوطا اور بلبل بھی ان کی کھاساٹھ کھاتے پیتے نظر آتے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ حضرت کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ بے زبان جانوروں کو قیدی بنا کر رکھا جائے۔ اس موقع پر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جبکہ :-

ایک صحابی چڑیا کئے ونپے پکڑ کر لائے، وہ چڑیا بقیار ہو کر ان صحابی کے سر پر منڈ

لانے لگی، حضور کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ اس کو کس نے بقیار کیا ہے، پھوڑ پھوڑو۔

(ابوداؤد شریف)

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

پردانا رکھ کر کھاتے، کبوتر اتنے مانوس ہو گئے تھے کہ کوئی حضرت کے شانوں پر چڑھ جاتا کوئی سر پر بیٹھ جاتا کوئی کلائی پر بیٹھ جاتا، کوئی اچک اچک کر متلی سے دانا چگتا۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ ہوتا رہتا اور حضرت مسکرتے رہتے، کبھی کبھی ان سے باتیں بھی کرتے تھے، ان پیار و محبت کے جملوں سے حضرت کی قلبی کیفیت کا اندازہ ہوتا تھا، اس قسم کے اوقات بظاہر نظر انداز کرنے کے قابل ہیں مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کے ذریعہ شخصیت کی گہرائیوں میں تراجا سکتا ہے۔

سرسری تم جہاں سے گزرے ورنہ ہر جا جہاں سے گزرتا

حضرت کی شفقت و رحمت سے انسان تو انسان پرند و چرند بھی محروم نہ رہے۔

(۸)

خانگی زندگی میں حضرت قبیلہ نے آداب شریعت کا خاص خیال رکھا۔ جن حضرات نے حضرت کو گھر میں اور باہر بچھا ہے، ان کو معلوم ہے کہ حضرت کی خانگی اور مجلسی زندگی میں کوئی فرق نہ تھا، وہی اتباع سنت وہی سادگی، وہی رعیت و دبیر جو خلوتوں میں ہوتا جلو توں میں بھی ہوتا، حضرت کی زندگی دورنگی سے بالکل متبراعتی۔ جو اللہ کے رنگ میں رنگ گئے ان کی زندگی دورنگی سے پاک ہوتی ہے۔

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ یک نگی و آزادی اسے ہمت مردانہ

حضرت جھوٹے وقار کے قائل نہ تھے، حضرت نے اپنی اخلاقی خوبیوں سے دلوں کو گرویدہ بنایا تھا جب مکان میں تشریف لاتے تو سنت کے مطابق اہل خانہ کو سلام کرتے حالانکہ سب حضرت سے چھوٹے تھے، لیکن اس کے باوجود سلام کرتے، اہل خانہ کو جواب دیتے، شرم آجاتی۔ قرآن حکیم نے خانگی آداب کی اس طرح تعلیم دی ہے :-

فاذا دخلتم بيوت فاستمعوا لعل انفسكم بتحية من عند الله مباركة طيبة كذا يبين الله لكم الايت لعلمكم تعقلون (پارہ ۱۸، النور)

(ترجمہ) تو جب گھروں میں جانے لگو تو اپنے (لوگوں) کو سلام کر لیا کرو، سلام ایک دعا ہے خیر ہے، اللہ کی طرف سے، برکت والی، عمدہ، یوں (اللہ) اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اپنے گھر کے علاوہ دوسرے قریبی عزیزوں کے گھروں میں تشریف لیجاتے تو کبھی بے تکلفانہ داخل ہوتے بلکہ دستک بجز اجازت طلب کرتے پھر اندر تشریف لیجاتے، خواہ وہ اولاد کا گھر ہی کیوں نہ ہو، قرآن حکیم نے ان آداب کی اس طرح تعلیم دی ہے :-

Click For More Books

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَ

تَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (پارہ ۱۸، النور)

(ترجمہ) مسلمانوں! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں گھڑالوں سے پوچھ کر اور ان سے سلام علیکم کے بغیر نہ جایا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، تم اسکا خیال رکھو۔

حضرت نے ات ہو یا دن مٹونے کے لئے کبھی بستر سے تکلفات کا اہتمام نہیں فرمایا، دوپہر کو نیچے فرش پر قیلولہ فرماتے اور آخر عمر میں بالعموم موسم گرما میں کھڑی چار پائی پر آرام فرماتے کبھی سر ہانے تک یہ ہوتا، اور کبھی دست مبارک ہی سے تکیہ کا کام لیتے۔

حضرت نے زندگی کی ہر منزل پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خیال رکھا، اک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم چٹائی پر استراحت فرماتے تھے، اور چٹائی کے نشانات جسم اطہر پر پڑ جایا کرتے تھے، یہی کیفیت حضرت قدس سرہ کی تھی۔

⑨

حضرت کے پاس اکثر عرب فقراء آتے تھے، نہایت احترام سے ان کو بٹھاتے اور جو کچھ ہوتا عطا فرماتے، بسا اوقات وہ فقراء اتنا اصرار کرتے کہ سنجیدہ و متین انسان کی برہمی کیلئے بھی کافی تھا، مگر حضرت کبھی برہم نہیں ہوئے اور اصرار پر نرمی سے جواب دیتے، بلکہ بسا اوقات چہرہ مبارک پر شرم و حیا کے آثار دیکھے گئے۔ اہل عرب کی حضرت جس نسبت سے قدر فرماتے تھے وہ ایک

روحانی نسبت تھی، وہ اس دیار مقدس سے آتے تھے جس سے ملوں کی بہاریں وابستہ ہیں۔ کوئی ہندوستانی بھی عربی روپ بھر کر آتا تو اس کو بھی محروم نہ رکھتے۔ بلکہ حضرت کے در سے ہر سائل کچھ نہ کچھ لے کر ضرور جاتا، کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں کیا۔ وَأَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَیْہُ جِسْنِ یَسْتَمِیْ وَیَسِیْرِ کی صعوبتوں کو برداشت کیا ہے، جس راہ طلب میں مصیبتیں یہی ہیں جس فلسفی کے بعد خوشحالی کو دیکھا ہے، وہی خوب جان سکتا ہے کہ مصیبت کے مارے عجائبول پر کیا کچھ گزرتی ہے، اسی لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا وَأَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَیْہُ۔

حضرت نے کسی کو دیکر کبھی تنگ نہ لی کبھی تباہ یا نہیں، بلکہ اپنے احسانات کو ہمیشہ چھپایا اور دوسروں کے احسانات کو ہمیشہ بیان فرمایا، قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

قُلْ مَعْرُوفٍ وَأَخْشَعُ نَظَرٍ مِّنْ ذَٰلِكَ مَا لَمْ يَلْمِہَا اِذِیْ۔ وَاللّٰہُ

Click For More Books

غنی حلیم (پارہ ۳- البقرہ)

(ترجمہ) نرمی سے جواب دیدینا اور (سائل کے اصرار سے) درگزر کرنا، اس خیرات سے بہتر ہے جس کے دئے پیچھے سائل کو کسی طرح کی ایذا ہو۔ اور اللہ بے نیاز و پردہ دار ہے۔

(۱۰)

حضرت قبلہ نے قرض خواہوں کو شادہ ولی کیسے قرض دئے، لیکن ان سے کبھی تقاضا نہیں کیا، اگر عسرت و مفلسی نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تو ان کو معاف بھی کر دیا ہے، اس سلسلے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے :-

وَانْكَانَ ذَوُعُسْرَةٍ فَنَظَرْتُ اِلٰی مِيسْرَةٍ اِنْ تَصَدَّقُوا خَيْرَ لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پارہ ۳- البقرہ)

(ترجمہ) اور اگر کوئی تنگدست (تمہارا مقروض) ہو تو فراخی تک مہلت دو، اور معاف کر دو، تو تمہارا سے حق میں زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

حضرت نے نہ صرف یہ کہ غریب قرض خواہوں کو معاف فرما دیا بلکہ اگر ان کو پھر ضرورت ہوئی ہے تو فراخ دلی کے ساتھ ان کی مدد فرمائی، اور کبھی قرض کی ادائیگی کیلئے تقاضا نہیں فرمایا۔ ع

یہ حوصلہ مرد، سچ کا رہ نہیں

حضرت نے دوسروں کی مدد کے لئے ہمیشہ ہاتھ کھلے رکھے بلکہ اہم مہم سوطاً نہ بے جا کفایت سے کام لیا نہ بے جا سخاوت فرمائی۔ — میانہ روی اختیار کی جو مرد مومن کی صفت خاص ہے۔ جس کا قرآن حکیم نے اس طرح ذکر کیا ہے :-

وَالَّذِينَ اِذَا اِنْفَقُوا لَمْ یَسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتِرُوْا وَكَانَ مِنْ ذٰلِكَ قَوَامًا (پارہ ۱۹- الفرقان)

(ترجمہ) اور وہ لوگ جو خرچ کرنے لگیں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں، بلکہ ان کا خرچ افراط و تفریط کے درمیان بیچ کی راہ کا ہو۔ ع

کفایت جہاں چاہئے وہاں کفایت

سخاوت جہاں چاہئے وہاں سخاوت

Click For More Books



Click For More Books

آٹھواں باب

سخن و فہمی و سخن و سنجی

سخن گوئی

(۱)

سخن فہمی اور سخن گوئی کیلئے احساس جمال کی ضرورت ہے یہ احساس لطیف اسی وقت بیدار ہوتا ہے جب قلب روح میں رقت و نرمی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

اللہ اللہ ہستی شاعر قلب غنچہ کا آنکھ شبنم کی

حضرت کا ذوق جمالیات بڑا نکھر اٹھا تھا، رہن بہن، بود و باش، تحریر و تکتہ میر زندگی کے ہر گوشہ میں اس کی جھلک نظر آتی تھی، قلب روح کی رقت و کداحگی کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے حضرت کی نیارت کی ہے، اشعار ابدار قلب نازک کیلئے تیر و نشتر کا کام کرتے تھے، اور بقیارری کا وہ عالم ہوتا کہ کبھی دیکھا ہی نہیں، علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت کے ذوق سخن سنی و سخن گوئی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:-

”ذوق سخن بھی کمال کا ہے، موزون طبع ہیں، شعر خوب کہہ لیتے ہیں مگر شعر گوئی کے عادی نہیں بلکہ طبیعت حاضر ہوئی تو کچھ کہہ لیا، سخن فہمی کا ملکہ بھی خدا داد ہے، بلند پایہ اور عارفانہ کلام ترنم اور خوش الحانی سے سماعت فرماتے ہیں، اور لطف اندوز ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی عالم کیف مسرور میں کھوسے جاتے ہیں لیکن ضبط کا یہ عالم ہے کہ کسی کو محسوس تک نہیں ہوتا کہ آپ اس وقت کس عالم میں ہیں الا ماشاء اللہ جو اداس شناس میں ہی کچھ اس رمز کو پاسکتے ہیں۔“ (ماہنامہ عقیدت، نئی دہلی، جولائی و اگست ۱۹۶۶ء)

(ص ۲۸)

(۲)

جب کبھی حضرت خلوت و تنہائی میں ہوتے اور طبیعت حاضر ہوتی تو خود دلنواز ترنم کیٹھا اشعار پڑھتے اور کیف مسرور میں کھوسے جاتے۔ ایام جوانی میں حضرت نے اپنے عزیز ترین احباب کو جو خطوط تحریر فرمائے اس میں اکثر اشعار تحریر فرمائے، انہوں نے اس زمانے کی تحریریں دستیاب ہو سکیں، تیس بیستیس سال قبل حضرت اپنے سبیلے کا منظوم شجرہ طریقت مرتب فرمایا تھا، اس کے بعض اشعار بہت ہی دلگداز اور پرتائیں ہیں، موضوع چون کہ شریعت و طریقت ہے اس لئے ”ادائے مجبوری“ نہیں بلکہ نیاز مندی اور خود سپردگی کی کیفیت ہے، شجرہ مذکورہ میں سے چند منتخب اشعار نقل کئے جاتے ہیں:-

Click For More Books

مشکلوں میں آپھنسا ہوں سے یکس نواز چارہ سازی کر، غریب ناتواں کے چارہ ساز
 نفس و شیطان راہزن ہیں اور کٹھن ہے استہ ناتواں ہوں، کھرغاٹ، تجھ کو تیرا واسطہ
 میرے ظاہر کو شریعت سے تو کر آراستہ نور مطلق کی جھلک سے باطن کو کر پیرا استہ
 اپنا ذوق و شوق دور و سنو یارب کر عطا اپنے ذکر و فکر، انس و معرفت کا ذکر
 جس طرف دیکھوں نظر آئے ہر سو تو ہی دیدہ دلہیں میں سراسر اس طرح بس جا تو ہی
 مجھ کو خلوت انہن میں دروٹن میں سے سفر دائمی اپنی طرف میری توجہ رکھ مگر
 جامِ حیات کا پلا کر دے بخود مجھ کو یوں غیر کا خطرہ نہ آئے دل پر ایسا مست جس
 وہ دفرقت میں ترے اس نازگی کی شام ہو موت جب آئے تو صبح و صبح کا پیغام ہو
 جس مقام قرب پر پہنچوں کہوں ہل من مزید میری ہر شب ہو شبِ راد و ہر دن روزِ عید
 جب تری سرکار میں حاضر ہوں میں لیکر کتاب حکم ہو جاہم نے بخشا ہے حساب ہے کتاب
 جب سر پر چلوں ان کی نگاہیں ساتھ ہوں ربِ مہتمم کی صدا میں ہر قدم کیٹھا ہوں
 پیاس کی شدت میں یارب ب کوثر کر عطا تا ابدیتی رہے میری زباں اس کا مزا
 چھوڑ کر در کو ترے، جلے کہاں تیرا گدا تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جاوے کر عطا
 یہ اشعار اگرچہ نہایت سادہ ہیں مگر پرتا شیریں، ح و داں سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔
 یہ قول شاعر نہیں بلکہ ایسا قول ہے جو عمل کا آئینہ دار ہے، وادئی خیاں میں بلند پروازیاں کس کو نہیں
 آتیں مگر یہاں بات پرواز عمل کی ہے۔

(۳)

پچھنے بیس سال کے عرصہ میں حضرت نے جو مکاتیب تحریر فرمائے ان میں بھی کہیں کہیں اشعار
 مل جاتے ہیں، حضرت کی زندگی کا بیشتر حصہ غمناک حادثات سے بھرپور ہے، جوان اولاد کا ایک لک کر کے
 اٹھ جانا، انقلابِ وطن کے بعد احباب کا ایک لک کر کے جدا ہو جانا، یہ کیا کم قیامت تھی، مگر حضرت نے
 زندگی کی تمام تلخیوں کو اپنے کمالِ عزم و ہمت سے گوارا بنا دیا، جو غم ہوا اسے غم جانا بنا دیا۔
 لیکن اس زمانے میں بھی جب کبھی حضرت کی طبیعت حاضر ہوتی تو مکاتیب میں فی البدیہہ شعر
 تحریر فرماتے، بعض مکاتیب پورے پورے منظوم ہیں، اگر حضرت کے مکاتیب بالاسیعیاب مطالعہ
 کیا جائے تو بیشمار اشعار مل سکتے ہیں اور ایک گلدستہ تیار ہو سکتا ہے، راقم نے چند خطوط کے
 مطالعہ سے اشعار منتخب کیے ہیں جو اس خط میں درج ہیں، اس لئے

پردہ انا رکھ کر کھاتے، کبوتر اتنے مانوس ہو گئے تھے کہ کوئی حضرت کے شانوں پر چڑھ جاتا کوئی سر پر بیٹھ جاتا کوئی کلائی پر بیٹھ جاتا، کوئی اچک اچک کر متلی سے دانا چگتا۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ ہوتا رہتا اور حضرت مسکراتے رہتے، کبھی کبھی ان سے باتیں بھی کرتے تھے، ان پیار و محبت کے جہلوں سے حضرت کی قلبی کیفیت کا اندازہ ہوتا تھا، اس قسم کے افحات بظاہر نظر انداز کرنے کے قابل ہیں مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کے ذریعہ شخصیت کی گہرائیوں میں ترا جاسکتا ہے۔

سرسری تم جہاں سے گزرے ورنہ ہر جا جہاں بیکرہتا

حضرت کی شفقت و رحمت سے انسان تو انسان پرند و پیرند بھی محروم نہ رہے۔

(۸)

خانگی زندگی میں حضرت قبلہ نے آداب شریعت کا خاص خیال رکھا۔ جن حضرات نے حضرت کو گھر میں اور باہر کھیلا ہے، ان کو معلوم ہے کہ حضرت کی خانگی اور مجلسی زندگی میں کوئی فرق نہ تھا، وہی اتباع سنت وہی سادگی، وہی رعیت و بدرب جو خلوتوں میں ہوتا جلو تلوں میں بھی ہوتا، حضرت کی زندگی دورنگی سے بالکل متبراعتی۔۔۔ جو اللہ کے رنگ میں رنگ گئے ان کی زندگی دورنگی سے پاک ہوتی ہے۔۔۔ یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گو ہر ایک دانہ ایک نیکی و آزادی اسے ہمت مردانہ حضرت بھوٹے وقار کے قائل نہ تھے، حضرت نے اپنی اخلاقی خوبیوں سے دلوں کو گردیدہ بنایا تھا جب مکان میں تشریف لاتے تو سنت کے مطابق اہل خانہ کو سلام کرتے حالانکہ سب حضرت سے چھوٹے تھے، لیکن اس کے باوجود سلام کرتے، اہل خانہ کو جواب دیتے، شرم آجاتی۔۔۔ قرآن حکیم نے خانگی آداب کی اس طرح تعلیم دی ہے :-

فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا علی انفسکم بتحیۃ من عند اللہ مبارکۃ
طیبۃ کذلک یمسک اللہ لکم الذلالت لعلکم تعقلون (پارہ ۱۸، النور)
(ترجمہ) تو جب گھروں میں جانے لگو تو اپنے (لوگوں) کو سلام کر لیا کرو، سلام ایک
وہائے خیر ہے، اللہ کی طرف سے، برکت والی، عمدہ، یوں (اللہ) اپنے احکام
کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اپنے گھر کے علاوہ دوسرے قریبی عزیزوں کے گھروں میں تشریف لیجاتے تو کبھی بے تکلفانہ
و خانہ ہوتے بلکہ دستک بکرا جازت طلب کرتے پھر اندر تشریف لیجاتے، خواہ وہ اولاد کا گھری کیوں
نہ ہو، قرآن حکیم نے ان آداب کی اس طرح تعلیم دی ہے :-

Click For More Books

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَ

تَسَلَّمُوا عَلَىٰ أهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تُزَكَّرُونَ (پارہ ۱۸، النور)

(ترجمہ) مسلمانوں! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں گھڑالوں سے پوچھ کر اور ان سے سلام علیکم کے بغیر نہ جایا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، تم اسکا خیال رکھو۔

حضرت نے ات ہو یا دن مومن کے لئے کبھی بستر سے تکلفات کا اہتمام نہیں فرمایا، دوپہر کو نیچے فرش پر قیلولہ فرماتے اور آخر عمر میں بالعموم موسم گرما میں کھڑی چارپائی پر آرام فرماتے کبھی سر ہانے تک یہ ہوتا، اور کبھی دست مبارک ہی سے تکیہ کا کام لیتے۔

حضرت نے زندگی کی ہر منزل پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خیال رکھا، اک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم چٹائی پر استراحت فرماتے تھے، اور چٹائی کے نشانات جسم اظہر پر پڑ جایا کرتے تھے، یہی کیفیت حضرت قدس سرہ کی تھی۔

⑨

حضرت کے پاس اکثر عرب فقراء آتے تھے، نہایت احترام سے ان کو بٹھاتے اور جو کچھ ہوتا عیناً فرماتے، بسا اوقات وہ فقراء اتنا اصرار کرتے کہ سنجیدہ و متین انسان کی برہمگی کیلئے بھی کافی تھا، مگر حضرت کبھی برہم نہیں ہوئے اور اصرار پر نرمی سے جواب دیتے، بلکہ بسا اوقات چہرہ مبارک پر شرم و حیا کے آثار دیکھے گئے۔ اہل عرب کی حضرت جس نسبت سے قدر فرماتے تھے وہ ایک روحانی نسبت تھی، وہ اس دیار مقدس سے آتے تھے جس سے لوگوں کی بہاریں وابستہ ہیں۔ کوئی ہندوستانی بھی عربی روپ بھر کر آتا تو اس کو بھی محروم نہ رکھتے۔ بلکہ حضرت کے در سے ہر سال کچھ نہ کچھ لے کر ضرور جاتا، کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں کیا۔ وَأَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَہُ۔ جس شے یتیمی و سیری کی صورتوں کو برداشت کیا ہے، جس راہ طلب میں مصیبتیں یہی ہیں جس فلسفی کے بعد خوشحالی کو دیکھا ہے، وہی خوب جان سکتا ہے کہ مصیبت کے مارے محتاجوں پر کیا کچھ گزرتی ہے، اسی لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا گیا وَأَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَہُ۔

حضرت نے کسی کو دیکر کبھی تنگ نہ لی کبھی بتایا نہیں، بلکہ اپنے احسانات کو ہمیشہ چھپایا اور دوسروں کے احسانات کو ہمیشہ بیان فرمایا، قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

قُلْ مَعْرُوفٍ وَأَعْلَىٰ مِنْ ہٰذَا مَا تَنْهَہُ ۖ اذِیۡ وَاللّٰہِ

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

غنی حلیم (پارہ ۳ - البقرہ)

(ترجمہ) نرمی سے جواب دیدینا اور (سائل کے اصرار سے) درگزر کرنا، اس خیرات سے بہتر ہے جس کے دے چھپے سائل کو کسی طرح کی ایذا ہو۔ اور اللہ بے نیاز و برباد رہے۔

(۱۰)

حضرت قبلہ نے قرض خواہوں کو کشادہ دلی کیٹھا قرض دے دئے، لیکن ان سے کبھی تقاضا نہیں کیا، اگر عسرت و مفلسی نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تو ان کو معاف بھی کر دیا ہے، اس سلسلے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے :-

وَانْكَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظَرَ إِلَىٰ مِيسْرَةٍ اِنْ تَصَدَّقُوا خَيْرَ لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (پارہ ۳ - البقرہ)

(ترجمہ) اور اگر کوئی تنگدست (تمہارا مقروض) ہو تو فراخی تک مہلت دو، اور معاف کر دو، تو تمہارا رستہ حق میں زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

حضرت نے نہ صرف یہ کہ غریب قرض خواہوں کو معاف فرما دیا بلکہ اگر ان کو پھر ضرورت ہوئی ہے تو فراخ دلی کے ساتھ ان کی مدد فرمائی، اور کبھی قرض کی ادائیگی کیلئے تقاضا نہیں فرمایا، ع

یہ سچا مرد و سچا کارہ نہیں

حضرت نے دوسروں کی مدد کے لئے ہمیشہ ہاتھ کھلے رکھے بلکہ یہ اہم مہم سوطاً نہ بے جا کفایت سے کام لیا نہ بے جا سخاوت فرمائی — میانہ روی اختیار کی جو مرد مومن کی صفت خاص ہے۔ جس کا قرآن حکیم نے اس طرح ذکر کیا ہے :-

وَالَّذِينَ اِذَا اِنْفَقُوا لَمْ يَسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا (پارہ ۱۹ - الفرقان)

(ترجمہ) اور وہ لوگ جو خرچ کرنے لگیں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں، بلکہ ان کا خرچ افراط و تفریط کے درمیان سچ کی راہ کا ہو۔

کفایت جہاں چاہیے وہاں کفایت
سخاوت جہاں چاہیے وہاں سخاوت



آٹھواں باب

سخن و فہمی و سخن و سنجی

Click For More Books

Marfat.com <https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

سخن گوئی

①

سخن فہمی اور سخن گوئی کیلئے احساس جمال کی ضرورت ہے یہ احساس لطیف اسی وقت بیدار ہوتا ہے جب قلب روح میں رقت و نرمی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔
اللہ اللہ ہستی شاعر قلب غنچہ کا آنکھ شبنم کی
حضرت کا ذوق جمالیات بڑا نکھر اٹھا تھا، رہن سہن، بود و باش، تحریر و تفسیر زندگی کے ہر گوشہ میں اس کی جھلک نظر آتی تھی، قلب روح کی رقت و کد آنکھ کی کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے حضرت کی نیارت کی ہے، اشعار و بدائع قلب زک کیلئے تیر و نشتر کا کام کرتے تھے، اور بیقراری کا وہ عالم ہوتا کہ کبھی دیکھا ہی نہیں، علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت کے ذوق سخن و سخن گوئی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:-

”ذوق سخن بھی کمال کا ہے، موزون طبع ہیں، شعر خوب کہہ لیتے ہیں مگر شعر گوئی کے عادی نہیں بلکہ طبیعت حاضر ہوئی تو کچھ کہہ لیا سخن فہمی کا مالک بھی خدا داد ہے، بلند پایہ اور عارفانہ کلام ترنم اور خوش الحانی سے سماعت فرماتے ہیں، اور لطف اندوز ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی عالم کیف مسرور میں کھوسے جاتے ہیں لیکن ضبط کا یہ عالم ہے کہ کسی کو محسوس تک نہیں ہوتا کہ آپ اس وقت کس عالم میں ہیں الا ماشاء اللہ جو ادب شناس ہیں یہی کچھ اس رمز کو پاسکتے ہیں۔“ (ماہنامہ عقیدت، نئی دہلی، جولائی ۱۹۶۴ء ص ۲۸-۲۹)

②

جب کبھی حضرت خلوت و تنہائی میں ہوتے اور طبیعت حاضر ہوتی تو خود دلنواز ترنم کیسا اشعار پڑھتے اور کیف و سرور میں کھوسے جاتے۔ ایام جوانی میں حضرت نے اپنے عزیز ترین احباب کو جو خطوط تحریر فرمائے اس میں اکثر اشعار تحریر فرماتے، افسوس اس زمانے کی تحریریں دستیاب ہو سکیں، تیس چونتیس سال قبل حضرت اپنے سیاسی کا منظوم شجرہ طریقت مرتب فرمایا تھا، اس کے بعض اشعار بہت ہی دلگداز اور پرتائیں ہیں، موضوع چوں کہ شریعت و طریقت ہے اس لئے ادائے مجبوری انہیں لکھنا پڑا۔ اور خود سیر و گلی کی کیفیت بیان میں سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:-

Click For More Books

مشکلوں میں آچھنسا ہوں سے یکس نواز چارہ سازی کر، غریب ناواں کے چارہ ساز
نفس و شیطان راہزن ہیں اور کٹھن ہے اسے ناواں ہوں، کھرنا طت، تجھ کو تیرا واسطہ
میرے ظاہر کو شریعت سے تو کر آراستہ نور مطلق کی جھلک کے باطن کو کر پیرا ستہ
اپنا ذوق و شوق درو و سنو یارب کر عطا اپنے ذکر و فکر، انش و معرفت کا ذکر مزا
جس طرف بھٹکے نظر اسے ہر جہاں تو ہی دیدہ و دل میں سراسر طرح بس جا تو ہی
مجھ کو خلوت انجمن میں دروٹن میں سے سفر دائمی اپنی طرف میری توجہ رکھ مگر
جام و حد کا پلا کر کر دے بخود مجھ کو یوں غیر کا خطرہ نہ آئے دل پر الیاست میں
درو و فرقت میں ترے امن نازگی کی شام ہو موت جب آئے تو صبح و صبح کا پیغام ہو
جس مقام قرب پر پہنچوں کہوں "ہل من مزید" میری ہر شب ہو شب قدر اور ہر دن روز عید
جب تری سرکار میں حاضر ہوں میں لیکر کتاب حکیم ہو جاہم نے بخشا ہے حساب بے کتاب
جب ہر پل پر جلو ان کی نگاہیں ساتھ ہوں "رب یتیم" کی صدائیں ہر قدم کی شہا ہوں
پیاس کی شدت میں یارب ب کوثر کر عطا تاب لیتی رہے میری زباں اس کا مزا
چھوڑ کر در کو ترے، جاتے کہاں تیرا گدا تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جلو سے کر عطا
یہ اشعار اگرچہ نہایت سادہ ہیں مگر پرتا شیریں، ص و دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔
یہ قول شاعر نہیں بلکہ الیسا قول ہے جو عمل کا آئینہ دے رہا ہے، وادعی خیاں میں بلند پروازیاں کس کو نہیں
آتیں مگر یہاں بات پرواز عمل کی ہے۔

(۳)

پچھلے بیس سال کے عرصہ میں حضرت نے جو مکاتیب تحریر فرمائے ان میں بھی کہیں کہیں اشعار
مل جاتے ہیں، حضرت کی زندگی کا بیشتر حصہ غمتاک حادثات سے بھرپور ہے، جوان اولاد کا ایک ایک کر کے
اٹھ جانا، انقلاب وطن کے بعد احباب ایک ایک کر کے جدا ہو جانا، یہ کیا کم قیامت تھی، مگر حضرت نے
زندگی کی تمام تلخیوں کو اپنے کمال عزم و ہمت سے گوارا بنا دیا، جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا۔
لیکن اس زمانے میں بھی جب کبھی حضرت کی طبیعت حاضر ہوتی تو مکاتیب میں فی البدیہہ شعر
تحریر فرماتے بعض مکاتیب پر پورے پورے منظوم ہیں، اگر حضرت کے مکاتیب بالاسیعیاب مطالعہ
کیا جائے تو بیشمار اشعار مل سکتے ہیں اور ایک گلدستہ تیار ہو سکتا ہے، راقم نے چند خطوط کے
مطالعہ سے اشعار منتخب کئے ہیں، حضرت کے بیشتر خطوط خالصین و مریدین کے نام ہیں، ان لئے

اشعار بہت سادہ و رواں ہیں، لیکن فی البدیہہ قلم برآشتہ لکھتے چلے جانا کمال سخن گوئی کی دلیل ہے، اگر
حضرت اس طرف توجہ فرماتے تو شعری دنیا میں ایک نیا اضافہ ہوتا۔۔۔ حضرت کے چند منتخبہ اشعار
تاریخی ترتیب کیسٹا یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۹۴۸ء میں حضرت قبلہؒ نے راقم الحروف کی چھوٹی ہمشیرہ کی طرف سے یہ اشعار تحریر فرمائے
تھے۔

تمہاری خواہر آج اس فکر میں ہے کہ اپنے بھائی کو کیوں کر بلاؤں
دل ہی طلبیں یہ کہتی ہے نسیم کہ ایسے چاند کو کیسے بلاؤں
ذکر الرحمن صاحب کے نام مئی ۱۹۵۱ء کے مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے۔
تمہارے تہنیت نامہ کا شکریہ، مبارک تمہیں عید
بعزت زندگی گزرے، خدا کی ہو تمہیں دید

ایک اور مخلص و معتقد فضل احمد صاحب دکرچی کے تہنیت نامہ کے جواب میں ۲۵ ستمبر ۱۹۵۱ء کو
حضرت نے جو گرامی نامہ ارسال فرمایا ہے اس میں یہ شعر ملتا ہے۔

فضل مولیٰ، فضل احمد، فضل اہل اللہ
کیا دعاویں تم کو، تم تو خود ہی عز و جاہ ہو
صوفی خیر و فکر صاحب کے نام ۶ مئی ۱۹۵۲ء کے مکتوب گرامی میں یہ اشعار ملتے ہیں۔
گھٹن دہریں رہے وہ شاد اور دشمن ہوں اس کے سب برباد
جس نے بھی مجھے مبارک باد حق سے پتا رہے سدا امداد
بھول جائے وہ غیر رب سب کو جو عمل بھی ہو اس سے جب عباد
ایک مولیٰ رہے اسے بس یاد راہ حق میں ہو سب کا سب معاد

اور اسی راہ پر رہے اس کی

خیر سے گامزن اہل اولاد

والسلام من النظر

۱۹۵۳ء کو راقم کے نام ایک مکتوب گرامی میں یہ شعر تحریر فرمایا۔

ہجر کے غم کا تصویر ہی اگر ہوتا علاج

بھوٹی کوڑی بھی نہ پھر وصل کی قیمت ہوتی

فانبا یہ شعر راقم کے مرقومہ اس شعر کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

Click For More Books

تھو کی خیال رائیاں دل سے نہیں جاتیں نکال کر تیری غفل سے تری غفل میں رہتے ہیں

۶ مئی ۱۹۵۴ء کو راقم کے نام ایک صحیفہ گرامی میں یہ شعر تحریر فرمایا تھا :-

مے مروتہ ان پہ نظر کہ یہ بت ہیں چند روز

تم اسہی خبر کو پوچھو کہ جسے اجل نہ آئے

اسی طرح ۲۰ جون ۱۹۵۴ء کے ایک مکتوب گرامی میں فضل احمد صاحب کے نام یہ شعر ملتا ہے :-

تہا بے تہنیت نامہ کا شکریہ و لیکن مری کیا عید جب تک ہو نہ میرے سلسلے تم

فضل احمد صاحب ہی کو ۲۱ مئی ۱۹۵۶ء کو ان کے تہنیت نامہ کے جواب میں حضرت نے پورا مکتوب شریف

منظوم تحریر فرمایا ہے، اس میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ وہی اشعار تحریر فرمائے ہیں جو فی محمد واکرم موصوف کے نام

تحریر کئے جا چکے ہیں۔
بجواب تہنیت

گلشن دہر میں رہے وہ شاد بس نے بھی مجھے مبارک باد

اور دشمن ہوں اس کے سب برابر حق سے پاتا رہے سدا امداد

بھول جائے وہ غیر رب سب کو ایک مولیٰ رہے اے بس یاد

جو عمل بھی اس سے ہو جب صادر راہ حق میں ہو سب کا سب معاد

اور اسہی راہ پر رہے اس کی

خیر سے گامزن سب اہل ولاد

والسلام من المظہر

۳۰ اپریل ۱۹۵۸ء کے ایک صحیفہ شریف میں فضل احمد صاحب کے نام یہ منظوم مضمون ملتا ہے :-

عید ہوان کو مبارک، پاک ہے جن کا مکان وہ رہیں زندہ سلامت بانیم بکیراں

جو عزیزوں سے پڑا ہو دور اس کو کیا خوشی ہو شیر اور گناہ کا بار رکھتا ہو گراں

ہاں تہاری گرد و عامیری اعانت کچھ کرے ہے یقیں مجھ کو کہ دے ہو کو بھی اس من امان

فقط مظہر

مکتوب ایہ موصوف کے نام ایک مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے :-

تہا مری تہنیت کا شکریہ، مبارک ہو تمہیں عید

جو زندہ سلامت رہے اس کی ہو تمہیں عید

Click For More Books

شیخ محمد یحییٰ مرحوم کے نام، جولائی ۱۹۵۸ء کے مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے :-

تہنیت نامہ کا شکر میں دیتا ہوں تمہیں

ایسی ایسی سینکڑوں عیدیں مبارک ہوں تمہیں

ذکر الرحمن صاحب کے نام، ۲۴ اپریل ۱۹۵۹ء کے صحیفہ گرامی میں یہ شعر ملتا ہے :-

مبارک باد! جس دی مبارک باد ہم کو

خدا رکھے اسے جس نے کیا ہے شاد ہم کو

فضل احمد - موصوف کے نام ۳ مئی ۱۹۶۰ء کے تہنیت نامہ کے جواب میں یہ منظوم مکتوب ملتا ہے :-

فضل علی فضل احمد ختم ہوتا ہے کہیں

ہاں مگر تیری توجہ پھر کئی فیضان سے

اب تو کوشش کا زمانہ آگیا جب نہ خیر

پاک ہتھ کو زنگ عیدان سے کیا رمضان

منظر

۱۷ جون ۱۹۶۱ء کے مکتوب گرامی میں مکتوب الیہ موصوف کے نام یہ شعر ملتا ہے :-

گنبد خضراء کا صدقہ ہو مبارک تم کو عید

فضل احمد سے پھلو پھلو ہے ہر روز عید

۱۲ مارچ ۱۹۶۲ء کو اپنے فرزند شعیب قاری حفیظ الرحمن صاحب کے تہنیت نامہ کے جواب میں جو

صحیفہ گرامی تحریر فرمایا تھا، اس میں یہ شعر ملتا ہے :-

مبارک باد! جس نے دی مبارک باد ہم کو

خدا رکھے اسے جس نے کیا ہے یاد ہم کو

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء کو فضل احمد صاحب کے تہنیت نامہ کے جواب میں پورا مکتوب شریف منظوم تحریر فرمایا

ہے یہاں من من نقل کیا جاتا ہے :-

فضل احمد کو مبارک ہی نظر آتی ہے عید

کیا اسی لائق ہے یہ بدکار، یہ ظلم عید

جو ہے مشغول دنیا میں اس کو کیا مفید

نام لیوا حضرت احمد کا ہوگا بس فرید

ہو مبارک تم کو بھی عید قرباں اک سعید

دی مبارک باد تم نے پر مری جاں یہ تو بتاؤ

علی اس کے اسطے ہے جو ہے مشغول دست

ہاں اگر حجت ہی اس کو ڈھانکے تو غرور

بھاپے وزخ کی وگرنہ اس کو پہنچے گی منظر

جس نے کی ان کی امانت ہو گیا بس ہولید

ذکر الرحمن صاحب کے نام ۱۶ مئی ۱۹۶۲ء کے ایک مکتوب گرامی میں اشعار ملتے ہیں جس میں مزاج کی چاشنی موجود ہے۔ ۱۔

عید قربان کی مبارک باد میں تم نے مجھے سو مبارکبادوں اور ناز و دوزخ بھی مجھے
خوب بکرا لائے ہو اے ذکر لیکن کیا وجہ اس کی بولی بھی۔ چکھلائی نہ کھلائی مجھے
۲ فروری ۱۹۶۳ء کے مکتوب گرامی میں اقم کے نام یہ شعر تحریر فرمایا۔ ۱۔

وہ تو غیروں کیلئے بھی یاد کا باعث بنی
ہم نے سمجھا تھا کہ بھلا دیگی کسی کو چشم تر

غالباً یہ مکتوب شریف اس وقت تحریر فرمایا ہے جب اقم قدم بوسی کے بعد وہی سے اپس پاکستان آیا۔
ذکر الرحمن صاحب کے نام ۸ مئی ۱۹۶۳ء کے مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے۔ ۱۔

عید قربان مبارک باد اس کو جو دیتا ہے مبارک مجھ کو
اسی طرح ۸ مئی ۱۹۶۳ء کے مکتوب گرامی میں شیخ محمد عیسیٰ مرحوم کے نام یہ شعر ملتا ہے۔ ۱۔
زندگی بھی مبارک باد تم کو جیسی ہی تم نے مبارکباد مجھ کو
فضل احمد صاحب کے نام ۹ جون ۱۹۶۳ء کے مکتوب گرامی میں یہ شعر نظر آتا ہے۔ ۱۔

عید قربان فضل احمد کو مبارک نہ ہو جنت الفردوس کی جانب منظر مرصا دو ہو
موصوف ہی کے نام ۲۲ اپریل ۱۹۶۳ء کے ایک گرامی نامہ میں یہ شعر ملتا ہے۔ ۱۔

عید قربان ہو مبارک اس کو لے جان منظر فضل تارہ کو جس نے آج قربان کر دیا
ذکر الرحمن صاحب کے نام اپریل ۱۹۶۳ء کے ایک مکتوب میں یہ شعر تحریر فرمایا ہے۔ ۱۔
ذکر الرحمن، منظر ہی کرتے رہو عافیت انشاء اللہ بہتری ہو

غلام قادر خاں کے نام ۱۹۶۶ء میں ایک مکتوب شریف میں یہ شعر ملتا ہے۔ ۱۔
تم سب ہی کو طاہرہ بیگم کی شادی ہو مبارک اور تمہارے حاسدوں کو ذل و خواری ہو مبارک
صوفی محمد زاہر کے نام ایک مکتوب گرامی میں یہ اشعار ملتے ہیں۔ ۱۔

عید کی خوشیاں مبارک ہو تمہیں اور پاکستان مبارک ہو تمہیں
ہم سے دور افتادگان کو کیا صحبت خوشیاں مبارک ہو تمہیں

حکیم محمد عمر قریشی (لاہور) کے نام ایک مکتوب گرامی میں یہ شعر ملتا ہے بلکہ شعر ہی مکتوب ہے۔ ۱۔
بچہ کو میری یاد کیلئے لکھتا ہوں کہ میرے لائق تو ہیں خار

(۴)

حضرت قبلہ کے فوق شعر کوئی نے طلبہ کی تدریس و تعلیم میں بڑی آسانیاں پیدا کر دی تھیں حضرت بالعموم منظوم نوٹس بنا کر مرحمت فرمایا کرتے تھے، جن کو ذہن نشیں اور حفظ کرنے میں بڑی سہولت ہو جایا کرتی تھی، مختلف علوم و فنون پر حضرت نے نوٹس تحریر فرمائے تھے، مثلاً صرف و نحو، منطق و فلسفہ، فقہ و علم الفرائض وغیرہ، اگر ان کو تلاش کر کے یک جا کیا جائے تو عربی طلبہ کیلئے بڑی مفید اور علمی چیز ہوگی، صرف و نحو سے متعلق حضرت کا ایک منظوم رسالہ ہے جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

بعد خدا خلق و نعت محمد مصطفیٰ	علم صرف و نحو کے سن اصطلاحات اے فنا
تا تجھے کامل و ناقص گفتگو میں ہو تمیز	صحیح الفاظ ترتیبوں کا لگ جائے پتا
لیکن اکثر میں عربی تجھ کو بتلاؤں گا لفظ	کیونکہ قرآن کی زبان عربی ہے ارباب لکساز
اور میرا اصل منشاء اس سے جاں ہے ہی	تو سمجھ لے تیرے مولیٰ نے ہے تجھ سے کیا کہا
حفظ قرآن کا بڑا ہے مرتبہ گرچہ و سہلے	بے معانی سمجھے اس کا کیسے حق ہو گا ادا
پس مری جاں فرض کو اپنے سمجھ اور یاد رکھ	جو بتاتا ہوں تجھے مرنے بہت پچھتاؤں گا
میں مثالیں پہلے اردو میں بتاؤں گا کہ تو	اصطلاحات عرب آسانی سے سمجھ بے معنا

لفظ کے اقسام

جو کسی کے بولنے میں بول نکلے ہے وہ لفظ	اب تجھے اقسام اس کے میں بتا دوں بے بہا
لفظ ہے دو قسم پر موضوع و مہمل و انما	پھر ہے موضوع یا مفرد یا مرکب جان ما

کلمہ کی اقسام

کہتے ہیں مفرد کو کلمہ یا در کھنا اے عزیز	اسم فعل و حرف ہیں سب اس کی قسمیں بے خفا
ان کو سہ اقسام کہتے ہیں اب ہر ایک کی	قسمیں و قسموں کی قسمیں حافظہ میں سلجا
اب میں قائم کر کے عنوان ان کی قسموں کی عزیز	تجھ کو بتلاتا ہوں آمادہ ہو جا، جی لگا

”نحوہ جس میں بیاں کلموں کے یا ہم جوڑ کا“

”سہ ہے بناوٹ کا بیاں جہاں سے کہتے ہیں صرف“

پس کسی عنوان کا مضمون پوچھے گا کوئی تو بلا جھجکے بلا کھٹکے اسے فوراً بتا

اسم کے اقسام

اسم کے اقسام متحد مشتق جاہد ہیں یا
اسم ذات اسم صفت واحد مشنی اور جمع
منصرف لا منصرف معرف مبہنی ہے وہ
معرفہ نکرہ مذکر یا مؤنث خوش ادا
اور کبریا مصغر پھر عربی کے خالصا
اور ثلاثی یا رباعی یا خمس سب سے ابا

اقسام مصدر

مصدر اصلی یا ہے جعلی مقتضب متصرف اور
پھر مجرور یا مزید اور مصدر میمی ہے اور
یا ہے لازم یا کہ ہے متعدی اسے جان صفا
مرۃ مقدار و حالت کے لئے بھی آئے گا

اسماء مشتق

فاعل مفعول ظرف آراء تفضیل و صفت
اور بھی اسماء چننا سما کے بتا دوں یاد رکھ
حاصل مصدر اور اسم حالیہ بالغہ مشتق بنا
مفعلة فعال فاعل اور فعال مت بھلا

نواں باب

کلمات

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

کرامات

حضرت قبلہ قدس سرہ کی بیشمار کرامات ہیں لیکن چوں کہ مردانِ خدا خود ایک زندہ کرامت ہیں ان کے اظہارِ عظمت کے لئے کسی کرامت کی ضرورت نہیں، جن کو ہم خوارق اور کرامات کہتے ہیں بعض اوقات وہ اغیار سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں، گوان کو اس قدر راج کہا جائے جو چیز لگانے اور ہنگانے میں بظاہر مشترک نظر آتی ہو وہ حقیقی عظمت کی اساس نہیں بن سکتی، اصل چیز سیرت و کردار ہے جس سے اغیار محروم ہیں، لیکن بعض طبائع اولیاء اللہ کی سوانح میں خوارق اور کرامات کو تلاش کرتی ہیں اور اسی کو اسبابِ عظمت قرار دیتی ہیں، یہ نہ ہوں تو ان کے لئے پوری سوانح بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے جہاں چہ حضرت کے مریدین و تلمیذین میں جس سے بھی حضرت کے حالات و کرامات دریافت کیں اس نے خوارق کو خاص اہمیت دی حالاں کہ عملی زندگی کے گوشہ گوشہ میں کرامات نظر آ سکتی تھیں، اس لئے ہم ان کے فنی سکون کے لئے حضرت کی بعض کرامات بیان کرتے ہیں، یہ کرامات یا تو ثقہ لوگوں سے سن کر قلم بند کی گئیں ہیں، یا خود مشاہدہ کیا ہے وہ لکھا گیا ہے، ————— واقعاتِ اجنبہ اور دیگر واقعات بھی اسی ضمن میں بیان کر دئے گئے ہیں۔

①

حضرت چوں کہ بے مثال عالم اور فقید المثال عالم تھے اس لئے آپ کے قیغے میں اجنبہ بھی تھے بعض لوگوں نے خود حضرت کے پاس آتے جاتے ان کو دیکھا ہے، انہیں حضرات میں مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ تھے، جو ہندوستان سے ہجرت کر کے یافض (حجاز) میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے تھے، اور وہیں وصال فرمایا۔ ————— مولانا نے مرحوم تقریباً چالیس برس قبل (ہجرت سے پہلے) مسجد فقہپوری میں رہے ہیں، مرحوم نے حضرت کو بہت قریب رکھا تھا وہ فرماتے تھے کہ ایک رات حضرت مسجد ہی میں آرام فرما رہے تھے، رات گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص حضرت کی آرام گاہ کے قریب بیٹھا ہے، مولانا نے مرحوم کو تشویش ہوئی، اور چاہا کہ قریب جا کر حقیقت حال دریافت کریں لیکن جوں ہی وہ قریب پہنچے وہ شخص اٹھ کر چلا، اس کا ایک پیچھن مسجد میں اور دوسرا گنبد پر تھا، یہ دیکھ کر مولانا حیران و ششدر ہو گئے، وہ شخص آگنا فانا غائب ہو گیا۔

(۲)

اسی قسم کا ایک واقعہ مشہور مبلغ مولانا عبدالعلیم میرٹھی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آیا۔ ایک زمانہ ہوا حضرت مسجد کے مغربی دالان کی چھت پر آرام فرمایا کرتے تھے، جس کا ایک اساتذہ حضرت کے کمرہ شریف کی گیلری میں سے ہوتا ہوا جاتا تھا، اسی زمانے میں مولانا نے موصوف تشریف لائے حضرت نے ان سے فرمایا کہ ”کمرے اندر آرام فرمائیں“، مگر مولانا چھت پر سونے کے لئے مصر تھے، چنانچہ اتارے انہوں نے نہیں آرام فرمایا، رات کے ایک دو بجے چانک مولانا کے جینے کی آواز آئی۔ ”مفتی صاحب! مفتی صاحب!“ حضرت فوراً اوپر تشریف لے گئے۔ مولانا سے حقیقت حال دریافت کی تو فرمایا کہ جب کچھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد کے بڑے گنبد کے کنگروں پر ایک لمبی چوڑی لاش کھائی ہوئی لٹا رکھی ہے۔ جوں ہی حضرت پہنچے وہ غائب ہو گئی، معلوم ہوا کہ اجنبی کی کارگزاریاں تھیں جو بالعموم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

(۳)

حکیم احمد حسین صاحب الموری جو شہرہ آفاق عالم دین اور صوفی حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے داماد ہیں بیان فرماتے تھے کہ ایک بار ان کے سینے میں ایسا شدید درد اٹھا کہ جلتا ہوا پیراشت ہو گیا، ایسا معلوم ہوا کہ کوئی سینے میں سوئیاں چھپورہا ہے، چنانچہ وہ علاج کے لئے الور سے دہلی آئے اور مسجد فتحپوری کے قریب کسی ڈاکٹر کو دکھایا، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا وہ مسجد چلے گئے ابھی جنوبی دالان میں تھے کہ اچانک پھر درد اٹھا اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑے سب لوگ جمع ہو گئے، اتنے میں حضرت بھی تشریف لے آئے، کچھ پڑھ کر سینہ پر دم کیا، درد جاتا رہا اور ہوش آیا۔ اس کے بعد حضرت حکیم صاحب کے اپنے کمرہ شریف میں لے گئے اور شفقت آمیز خٹکی کے ساتھ فرمایا کہ تم ہمارے پاس کیوں نہیں آئے؟ حضرت نے فرمایا کہ تم پر سحر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت نے سات تعویذات دے دیں اور فرمایا کہ دریا کے پانی میں بیری کے پتے ڈال کر اور ایک ایک تعویذ اس میں گھول کر سات دن نہایا جائے، ساتویں روز حضرت نے فرمایا کہ وہ خود الور تشریف لائیں گے، چنانچہ حضرت تشریف لے گئے۔ ایک لمبوں منگایا، اس کے دو ٹکڑے کئے، بیچ میں ایک تعویذ رکھ کر اس کو دھاگے سے باندھ دیا اور حکیم صاحب

حضرت مولانا رکن الدین شاہ روحانی رشتہ کے علاوہ حضرت کے بھائی بھی تھے آپ کا منہ اوسے حضرت مولانا

سے فرمایا کہ اس وقت اس کو تکیہ کے نیچے رکھ لیں اور جو کچھ اس خواب میں دیکھیں صبح کو من معن بیان کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حکیم صاحب کو خواب میں وہ سب کچھ دکھا یا گیا جو جادو کے سلسلے میں کیا گیا تھا، مکان کی وہ دھلیز بھی دکھائی گئی جہاں تعویذ وغیرہ دفن کیا گیا تھا اور جادو کرنے والے شخص کو بھی دکھایا گیا۔ جب حضرت سے یہ خواب عرض کیا گیا تو حضرت نے حکیم صاحب سے فرمایا ”مکان کی دھلیز کی جگہ تمہاری ذہن میں محفوظ ہے جو خواب میں دکھائی گئی؟“ انھوں نے فرمایا ”جی ہاں“۔ چنانچہ حضرت حکیم صاحب کے اس جگہ لے گئے اور فرمایا کہ اس جگہ کو کھودو، جب کھودا گیا تو اس میں سے پتلا نکلا جس کے سینے پر بیشمار سوئیاں گھپی ہوئی تھیں، حضرت نے اس کو دریا میں بہانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ دروہس نے زندگی اجیرن کر دی تھی، بالکل جاتا رہا۔ یہ حضرت کی عملیاتی کرامت ہے، اس قسم کی بے شمار کرامتیں ہیں۔

(۴)

تیس چونتیس سال ہوتے ہیں، ایک روز حضرت اپنے صاحبزادہ مولانا منور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو درس دے رہے تھے اٹھائے درس میں اچانک فرمایا کہ ”جاؤ اوپر جا کر دیکھو کسی نے کچھ کیا ہے؟“ چنانچہ صاحبزادہ موصوف اوپر تشریف لے گئے، واپس آ کر فرمایا کہ ”کچھ نہیں“۔ حضرت نے فرمایا ”پھر جا کر دیکھو مٹی کے گودے پر کیا رکھا ہوا ہے؟“۔ چنانچہ ابھی مرتبہ جو گئے تو واقعی وہاں ایک مٹی کی سکوری رکھی ہوئی تھی، وہ لا کر حضرت کے سامنے پیش کر دی، کھول کر دیکھا تو اس میں خون سے لکھے ہوئے دو تعویذ رکھے ہوئے ہیں اور ان میں سوئیاں گھپی ہوئی ہیں، معلوم ہوا کہ حضرت پر کسی دشمن نے جادو کیا تھا جو چشم بصیرت سے معلوم کر لیا گیا۔

(۵)

ملتان میں ایک شراستی سالہ بزرگ نے حضرت کے ایک مرید معتقد محمد صغیر صاحب کا کو ان سے اپنا ایک اقدیم بیان کیا، انھوں نے کہا کہ وہ اور ایک در صاحب ملاقات کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس زمانے میں حضرت مولانا رکن الدین شاہ صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے نماز عشاء کے بعد حضرت قبلہ اور حضرت صاحب مسجد فتحپوری کے جنوب مغربی والان کے اوپر چھت پر رونق افروز تھے، یہ دونوں صاحب خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، کچھ دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب آپ تشریف لیجائیں، راوی تو مصافحہ کر کے آپس تشریف لے آئے مگر دوسرے ساتھی

نے ہرنے پر اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ”دور جا کر زینے کے قریب بیٹھ جاؤ“ ان صاحب گمان
ہے کہ تھوڑے وقفہ کے بعد مجھے ایک ٹانگ نظر آئی، جو اتنی لمبی تھی کہ ٹخنے سے گھٹنے تک کا حصہ
چھت سے مسجد فتحپوری کے مینار تک تھا، اور مینار سے اوپر ٹانگ کا باقی حصہ، یہ وحشت ناک
منظر دیکھ کر وہ گھبرا کر بھاگے، چناں چہ کرتے پڑتے زینے کے نیچے آرہے۔

(۶)

عزیز الدین صاحب کراچی سے تحریر فرماتے ہیں کہ کسی نے کہا تھا کہ حضرت قبلہ کے قبضے
میں ایک جن ہیں جو شاہی مسجد فتحپوری کی بالائی منزل میں رہتے ہیں اور حضرت قبلہ کے درس و تدریس
سے استفادہ کرتے ہیں، یہ بات میں نے ان صاحب سے ہی نہیں بلکہ دہلی میں بہت سے لوگوں
کو کہہ سنا تھا۔

(مکتوب محررہ اپریل ۱۹۶۸ء)

(۷)

موصوف نے ایک در کرامت تحریر فرمائی ہے جو حضرت کے ایک مرید دیرینہ سیٹھ احمد دین
کلکتہ سے متعلق ہے، سیٹھ صاحب مرحوم نے خود موصوف سے اس کرامت کا ذکر کیا تھا، وہ
تحریر کرتے ہیں کہ سیٹھ صاحب کہتے تھے کہ بر

”بھیرہ ضلع شاہ پور (مغربی پاکستان) میں پیدا ہوا، جوانی کی عمر میں بغرض کاروبار
کلکتہ چلا گیا وہاں ایک پارٹی میں شامل ہو کر کوکین کا کاروبار شروع کر دیا۔
”یہ نشہ آور شے ان دنوں (۵۰ سال قبل) چین برآمد کی جاتی تھی، یہ لوگ اسی پر اکتفا نہیں
کرتے تھے بلکہ کلکتہ کے بڑے بڑے مارواڑی سیٹھ ساہوکاروں کو لکھتے تھے کہ ہمیں اس قدر پیہ
ور کار ہے ہمارے آدمی کو اس مقام پر پہنچا دو ورنہ زندگی سے ہاتھ دھو کر پڑے گا، قتل و غارت گری
کے اس کاروبار میں سیٹھ احمد دین صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بہت جلد اس گروہ کے سردار
بن گئے، کئی قتل و ڈکیتی کے مقدمات ان کے خلاف چلے لیکن ثبوت مکمل پیش ہونے کی وجہ سے
عدالت سے بری ہو جاتے، آخر گورنر بنگال جو اس وقت کوئی انگریز تھے اپنے خصوصی اختیار
سے پندرہ سال کے لئے بنگال چھوڑ دینے کا حکم دیا اور سیٹھ صاحب چند نگر کو اس وقت
حکومت فرانس کا مقبوضہ تھا چند روز رہے اور بھولی آگئے یہاں حضرت قبلہ سے بیعت ہوئے
اس وقت قطب لاکھ پور میں تھے، یہاں سے یہاں پہنچے کہ حضرت پیدائشی ولی کامل تھے

Click For More Books

اور یہ لایت آپ کو اپنے والد بزرگ (جو اپنے زمانہ کے قطاب تھے) سے ورثہ میں ملی تھی۔
سیٹھ صاحب حضرت قبلہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے رہے، عرض محروضات پیش کرتے رہے
وعدہ کرتے رہے کہ سابقہ زندگی کا اعادہ نہ کروں گا، کلکتہ چلے جانے کا حکم صادر فرمایا جائے
چناں چہ ایک نر ایسا بھی آیا، دریا سے سخاوت میں جوشن آیا، ارشاد ہوا:۔
”چلے جاؤ، گورنر تم کو بلائیں گے اور کہیں گے کہ تم بنگال کی سرحد میں کیسے داخل
ہوئے، فوراً بنگال چھوڑ دو، تم گورنر سے کہہ دینا کہ صاحب اب میں نہیں جاؤں گا
انشاء اللہ تمہارا بال بیکا نہ ہوگا، مگر یہ یاد رہے کہ اپنے وعدہ پر قائم رہنا،
بندگان خدا کو تکلیف نہ پہنچانا، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کچھ نہ
کرنا۔“

سیٹھ صاحب نے وعدہ کیا اور کلکتہ پہنچ گئے، شہر کے طول و عرض میں کھابلی مچ گئی گورنر
صاحب کو آمد کی اطلاع ہوئی، سیٹھ صاحب کو بلا لیا گیا، گورنر صاحب سخت ناراض ہوئے
اور حکم دیا فوراً بنگال کی حدود سے نکل جاؤ، سیٹھ صاحب نے حضرت قبلہ کا حکم بانی سنا دیا کہ
صاحب اب میں کلکتہ کو نہیں چھوڑ سکتا، یہ حکم بڑے گورنر صاحب کا ہے، گورنر صاحب منہ تکتے
رہ گئے اور سیٹھ صاحب کلکتہ میں رہتے رہے۔

(مکتوب محررہ اپریل ۱۹۶۸ء)

راقم الحروف نے اپنے بچپن میں سیٹھ صاحب کو دیکھا ہے، یہ ان کے آخری ایام تھے
ان کا قد تقریباً ساڑھے چھ فٹ ہوگا، وزن چار من، رنگ بالکل سیاہ، آنکھیں بڑی بڑی اور سرخ
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شعلے نکل رہے ہیں، جب سیٹھ تھو ان کے سانس لینے کی آواز پاس بیٹھنے والا آرام
سے سن سکتا تھا، غرض ان قسم جن یادوں معلوم ہوتے تھے، ان کے چہرے پر بلا کی مصیبت تھی۔

بڑے امیر کبیر اور نہایت فراخ دل تھے، حضرت سے کمال عقیدت تھی اور سب کچھ ار دینے
کے لئے تیار تھے، ایک واقعہ سے ان کی عقیدت اور دریا دلی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ سیٹھ صاحب نے حضرت کی دعوت کی، حضرت کسی وجہ سے ان کی قیام گاہ پر تشریف
نہیں لے جاسکتے تھے، فرمایا کہ کھانا یہیں لے آنا، چناں چہ جس ات دعوت تھی اس ات سیٹھ صاحب
چھ سات دیگیں ڈولیوں میں کھوا کر لانے، جس میں قسم قسم کے مرغین کھانے تھے، تیر، بشیر، مرغ

وغیر کی دیکھیں پکا ڈالیں۔۔۔۔۔ جب حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو نہایت ہی خفا ہوئے اور فرمایا کہ سب کھانا واپس لے جاؤ، حضرت فضول خرمی کو بہت ہی برا سمجھتے تھے، سیٹھ صاحب نے معافی چاہی اور عرض کیا آئندہ ایسا کروں گا، چنانچہ وہ کھانا غریب غریبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

۸

گورنمنٹ ڈگری کالج کوٹہ کی وائس پرنسپل پروفیسر سلمیہ سلطانہ صاحبہ دہلی کی ایک صاحبہ سے یہ واقعہ نقل کرتی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۱ء میں ان کا بیٹا برما کے محاذ جنگ پر لڑ رہا تھا وہ حضرت کے پاس گئیں اور جان کی حفاظت و سلامتی کے لئے ایک تعویذ لے کر اپنے بیٹے کو برما بھیج دیا ایکٹن محاذ پر وہ کچھ آرام کر رہے تھے کہ اچانک دشمن نے حملہ کر دیا، اس گٹر بڑ میں وہ تعویذ گم ہو گیا، انھوں نے دہلی اپنی والدہ کو لکھا، یہ پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض حال کیا، حضرت مسند سے اٹھ کر چھوٹے کمرے میں تشریف لے گئے اور جو تعویذ لا کر ان صاحبہ کو دیا وہ وہی تھا جو حضرت نے پہلی بار عنایت فرمایا تھا، جس کپڑے میں ان صاحبہ نے سیا تھا وہ اچھی طرح بچا ہوا تھا، یہ دیکھ کر وہ حیران و ششدر رہ گئیں، کہاں برما اور کہاں دہلی پہنچا تو کس طرح پہنچا، عقل انسانی ان راز ہائے سربستہ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

۹

دہلی میں عبد الستار خاں نامی ایک شخص تھے، جو بعض خوبوں کی وجہ سے مشہور و معروف تھے حضرت سے بیعت تھے اور بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ بڑے بہادر اور نڈر تھے، وہ راقم سے خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے کسی ہندو سیٹھ کو قتل کر دیا، جس کی پاداشت میں قید کئے گئے، مقدمہ چلا اور بالآخر پھانسی کی سزا سنائی گئی، انھیں دنوں حضرت نے ایک تعویذ چلایا جس میں بھجوا دیا، وہ پہن لیا، جمعہ کا دن تھا، نماز جمعہ سے قبل ان کو تختہ دار کی طرف لے جایا جا رہا تھا زندگی کا کوئی آسرا نہ تھا، پھانسی سے چند منٹ قبل ایک افسر نمودار ہوا اور اس نے کہا تھوڑو، چھوڑو، اس کچری کر دیا گیا ہے، اللہ اللہ وہ کونسی غیبی قوت تھی جس نے کئے فیصلوں کو اچانک بدل دیا، حضرت علی کریم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کیا خوب فرمایا ہے عرفۃ ربی بفضلہ العزائم۔۔۔۔۔ ارادوں میں ناکامی سے میں نے اپنے رب کو پہچانا ہے۔۔۔۔۔ نجات کی خبر سن کر عبد الستار خاں باغ باغ ہو گئے، جان میں جان آئی اور رہا ہونے کے بعد سیدھے حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، جمعہ کی نماز کے بعد ختم شریف کی عقل ہو رہی تھی خاموشی

کے ساتھ شریک ہو گئے، بعد میں قدم بڑی اور دست بڑی کے بعد سارا ماجرا سنایا، حاضرین سن کر حیران رہ گئے۔

عبدالستار خاں کا یہ واقعہ دہلی میں مشہور ہے، لیکن راقم کو خود موصوف نے سنایا۔ عبدالستار خاں وہی شخص ہیں جنہوں نے شاہ عراق کے قتل کی سازش کو واشکاف کیا تھا، اس سے بہت پہلے دہلی میں مولانا مظہر الدین شہید (مدیر اخبار وحدت الامان) کے قاتلین کو بھی پکڑا تھا۔

(۱۰)

بیس چھ سال کا عرصہ ہوا، دہلی میں ایک مشہور واعظ تھے، جن کا اسم گرامی مولانا شام احمد صاحب تھا (رحمۃ اللہ علیہ)۔ مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ وال چاول منیجر کی دکان بھی کرتے تھے، پتھر عالم تو نہ تھے لیکن تقریر بڑی دھواں دھار کرتے تھے، طبعاً ظریف تھے اس لئے عوام الناس میں ان کی تقریریں بہت پسند کی جاتی تھیں، موصوف حضرت کے معتقد تھے اور بھی محبت فرماتے تھے ایک مرتبہ اجین نے حضرت کے نام ایک خط آیا جس میں تحریر تھا کہ ایسے پتھر عالم کو بھیج دیں جو معترضین اسلام کا مسکت جواب دے سکے، حضرت نے مولانا کے موصوف کو بلا کر فرمایا کہ مناظرہ کے لئے آپ اجین تشریف لے جائیں۔ مولانا حیران و پریشان، کیوں کہ مناظرہ کے لئے بڑی ہمدردی اور تبحر کی ضرورت ہوتی ہے۔ چوں کہ حضرت کا ارشاد گرامی تھا اس لئے انکار کی جرأت نہ ہوئی اور مقرر کر لیا۔ اجین تشریف لے گئے، ہاتھوں پاؤں لٹکایا گیا، مناظرہ کی محفل گرم ہوئی، مولانا نے مرحوم کو ایک ایسی دلیل سوچی کہ مخالفین کے تمام دلائل باطل ہو کر رہ گئے اور فیصلہ مولانا کے حق میں رہا۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی جنہوں نے بلایا تھا، انہوں نے مولانا کو خوب خوب نوازا۔ یہ واقعہ اقم سے خود مولانا بیان فرماتے تھے وہ اپنی کامیابی پر خود حیرت زدہ تھے اور فرماتے تھے کہ یہ حضرت کی بہن کرامت ہے۔

(۱۱)

حضرت کے سر پر خاص حافظ صالحین صاحب جو برسوں حضرت کی خدمت میں حاضر رہے حضرت کی نسبت روحانی کے چند واقعات بیان کرتے تھے، من جملہ ان کے ایک ہے، پاکستان ہجرت سے پہلے جب حافظ صاحب دہلی میں تھے تو اس زمانے میں ان پر ایک کیفیت یہ گزری کہ جبہ حاضری کے بعد مسجد فتحپوری کے نکالی دروازہ سے نکل کر گھر کا رخ کرتے تو ایک میل

کے فاصلے کے باوجود اپنے محلے گھر اور اہل خانہ کو چشم خود دیکھتے، اس کیفیت پر ان کو چھجھلاہٹ ہوتی اور حیران تھے، کہ یہ ماجرا کیا ہے۔۔۔۔۔ انہیں دنوں حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ کچھ روشنی معلوم ہوتی ہے؟۔۔۔۔۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھا کہ شاید کوئی کار کی سیڈ لائٹ جیسی روشنی ہوگی جس کے متعلق حضرت دریافت فرما رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے نفی میں جواب دیا، جس پر حضرت کو حیرت ہوئی۔۔۔۔۔ مگر جب ہجرت کر کے پاکستان آئے اور امتداد زمانہ سے بصیرت قلبی پیدا ہوئی تو معلوم ہوا کہ روشنی سے مراد کوئی سیڈ لائٹ نہ تھی بلکہ انشراح صدق کی وہ کیفیت مراد تھی، جو اس زمانے میں حافظ صاحب موصوف پر طاری تھی۔

(۱۲)

حافظ موصوف ایک اور واقعہ بیان فرماتے تھے۔۔۔۔۔ انہوں نے کچھ بکریاں پال رکھی تھیں، ایک وز حضرت کو بکری کے دودھ کی ضرورت ہوئی تو حضرت نے اپنے عقیدت مند سیٹھا احمد مین پاکستانی سے کہلا کر بھیجا کہ حافظ صاحب کہنا کہ آج ہم کو دودھ دے جائیں۔۔۔۔۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ اسی روز میرا دل بھی چاہا کہ دودھ حضرت کی خدمت میں پیش کیا جائے، چنانچہ وہ دودھ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے دریافت فرمایا "سیٹھا احمد پنچ گئے تھے؟"۔۔۔۔۔ حافظ صاحب نے فرمایا "جی نہیں"۔۔۔۔۔ فرمایا کہ "دودھ کے لئے کہلا کر بھیجا تھا"۔۔۔۔۔ ابھی سیٹھا احمد راستہ ہی میں تھے کہ حافظ صاحب نے دودھ لے کر پنچ گئے، یہ حضرت کی نسبت روحانی اور حافظ صاحب کے تعلق خاطر کا اعجاز ہے۔

(۱۳)

حافظ صاحب مجدد نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا۔۔۔۔۔ دہلی میں جامع مسجد شاہ جہانی کے جنوبی دروازے کی طرف ایک رخت کے سایہ میں ایک مجذوب بیٹھا کرتے تھے، جن کو دہلی والے "دولھامیاں" کہا کرتے تھے، بڑے پایہ کے بزرگ تھے، ہمیشہ عریاں رہا کرتے تھے، بخود کی کیفیت طاری رہتی تھی، جو کچھ فرما دیا۔ ہو کر رہا۔ آنکھوں سے نابینا تھے مگر دل کے بینا تھے۔ جب کبھی حضرت اس طرف سے گزر فرماتے تو فوراً اپنی ستر پر کپڑا ڈال لیتے اور احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ ایک دن حضرت نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ "بھئی ادھر سے نہیں آیا کرو دولھامیاں کو تکلیف ہوتی ہے"۔ اس واقعہ سے حضرت کی روحانی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ نابینا مجذوب بھی آپ کی شوکت روحانی سے واقف ہے۔۔۔۔۔ یہی مجذوب کبھی کبھی ٹولی میں بیٹھ کر حضرت کو سلام کے لئے حاضر ہوتے تھے

مگر ادب و احترام کا یہ حال تھا کہ اپنی ستر پر پڑاؤ لیا کرتے تھے، کبھی عریاں حضرت کے سامنے تشریف نہیں لاتے، سچ ہے اہل حال ہی اہل حال کو جان سکتے ہیں، اہل قال کو ان حضرات کے مقامات کی کیا خبر ہے۔

(۱۴)

پچیس سال ہوتے ہیں حضرت کے مکان شریف کے ساتھ ہی عمارتی لکڑی کا ایک بڑا گودام تھا، ایک دن اچانک اس میں آگ لگ گئی، آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، آگ اگرچہ کچھ فاصلے پر تھی مگر گھر کے در و دیوار تمازت و حرارت سے تپ کھٹے تھے۔ گھبراہٹ میں گھر کا سامان منتقل کیا جانے لگا، حضرت اس وقت مسجد میں تھے، اطلاع دی گئی، فوراً تشریف لائے اور ایک پانی کا ٹونا بھر کر آگ کی طرف پھینکا، اس کا پھینکنا تھا کہ وہ آگ جو قابو سے باہر ہو چکی تھی اور قریب تھا کہ سارے علاقے کو جلا کر خاکستر کر دے اچانک کنٹرول میں آگئی اور چند گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد بجھا دی گئی۔

(۱۵)

ہر جمعہ کو حضرت کے کمرہ شریف میں ایک مجلس ہوا کرتی تھی، جس میں حضرت اپنے ارشادات گرامی سے نوازتے تھے، حاضرین نے بارہا اس حقیقت کو محسوس کیا کہ جو باتیں حضرت سے دریافت کرنی ہوتیں یا کسی بات کا دل میں خطرہ گزرتا اثنائے وعظ میں اس کا جواب مرحمت فرما دیتے۔ اس سلسلے میں عم محمد ریاض الدین احمد صاحب (اکاؤنٹنٹس آفیسر کراچی) اور برادر مرحوم مولانا منو احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذاتی تجربات بیان فرمائے۔

(۱۶)

جمعہ کی مجالس ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ اور دنوں میں بھی اس قسم کے واقعات سننے میں آتے ہیں، جہاں چہ زری تحقیقاتی ادارے (کوئٹہ) کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب نے خود راقم سے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے، جس نے میں ان کا وہلی میں قیام تھا ایک دن انھوں نے ایک خواب دیکھا، تعبیر دریافت کرنے کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرماتے تھے کہ یہ بیت مجلال کی وجہ سے کوئی بات زبان سے نہ نکل سکی اور خدا موشم اپس چلا آیا۔ دوسری مرتبہ پھر گئے، ایک دفعہ جوں ہی کمرہ شریف کی چوکھٹ کے اندر قدم رکھا خواب کی تعبیر خود بخود دل پر منکشف ہو گئی، پوچھنے کی بھی حاجت نہ رہی۔

(۱۷)

کراچی سے حضرت قبیلہ کے ایک مرید عزیز الدین صاحب نے اپنے مکتوب بحرہ اپریل ۱۹۶۸ء میں

Click For More Books

چند کرامات کا ذکر کیا ہے من جلالہ کے ایک ہے انہیں کے الفاظ میں سنئے :-
کسی کام کے لئے حضرت قبلہ کی خدمت میں عرض کیا، فرمایا، ”درویش شریف کے بعد
یہ دعا پڑھو“ ————— حسب الحکم درویش شریف اور دعا پڑھتا ————— مغرب کی نماز سے
فارغ ہو کر اس زمانے میں نیند کا غلبہ بہت ہوتا تھا اور عشاء کی نماز رہ جاتی، کچھ دن
بعد حضرت قبلہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حجرہ مبارک میں رونق افروز تھے اور
اتفاق سے کوئی اور نہیں تھا، قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، کچھ دیر بعد ارشاد
ہوا ————— ”تمہارے اس کا کیا ہوا؟“ ————— میں نے عرض کیا کہ ”حضرت بھی
کامیابی کی کوئی صحت نظر نہیں آتی“ حضرت قبلہ نے سکوت فرمایا، بعد چند لمحات،
ارشاد ہوا :-

”تمہاری عشاء کی نماز نہیں ہوتی؟“
میں حیران رہ گیا کہ حضرت کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی —————

(۱۸)

کراچی سے حکیم محمد ذاکر صاحب نے چند کرامات تحریر کر کے ارسال فرمائیں تھیں من جلالہ کے ایک
یہ کرامت تھی کہ جب ۱۹۴۵ء میں حضرت قبلہ قدس سرہ حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے جا رہے تھے
اسی سال حکیم صاحب موصوف نے بھی درخواست دی تھی، ان کی درخواست التوا میں ہی اور حضرت کی
درخواست منظور ہو گئی، جب حضرت دہلی سے عازم حرمین شریفین ہوئے تو حکیم صاحب نے عرض کیا :-
”حضرت والا تبار بندے کو چھوڑے جا رہے ہیں، ابھی تک فدوی کی جج
کی منظوری نہیں آئی“ ————— تو جناب قبلہ علی حضرت نے فرمایا کہ ”تم بھی
آ رہے ہو، پریشان مت ہو، ہر سال نہ ہو، ہم سے دیریں ملاقات ہو گی“

(مکتوب غرہ سہری ۱۹۶۸ء)

چنانچہ حضرت تشریف لے گئے، روانگی کے ہفتہ عشرے کے بعد حکیم صاحب کی بھی درخواست
منظور ہو گئی اور اجازت نامہ آگیا، حکیم صاحب بھی عازم بیت اللہ شریف ہو گئے اور مکہ معظمہ پہنچ گئے
اس وقت حضرت مدینہ منورہ تشریف رکھتے تھے، جبے آپس ہوئے تو حکیم شرف دست بوسی کیلئے
حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا :-

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ خود حکیم صاحب کی زبانی سنئے۔
نویں فی الحجہ کے روز مقام عرفات میں حضور والا تبار نے احقر ناچیز کو اپنے جوار
رحمت میں جگہ سے کر فرمایا کہ تم میرے پہلو میں بیٹھو گے، احقر نے ونیسا ہی کیا، احقر
فیوض برکات سے نوازا گیا، جب عرفات سے مزدلفہ پہنچا، وہ مکہ روانہ ہوئی تو
احقر نے سارے اساتذہ تمام ریت کے ذروں کو جواہرات کی شکل میں دیکھا
اور _____ تمام سنگ نیرے احقر کو رنگ بزرگ جواہرات دکھائی دیتے
تھے، اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی _____ روحانیت کا عجیب عالم تھا۔

(مکتوب مذکور)

حکیم صاحب موصوف نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جب کبھی کوئی مددگارے کر حضرت کی خدمت
میں حاضر ہوتا تو حضرت بغیر کبے مددگارے دل معلوم فرما لیتے اور از خود اس کا مداوا فرما دیتے۔

(۱۹)

۱۹۲۵ء میں حضرت نیابت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے، آیام حج میں حاجیوں
کو مدینہ منورہ میں زیادہ عرصہ قیام کی اجازت نہیں ملتی _____ محدود سے چند دن قیام کر کے
حاجیوں کو واپس جانا پڑتا ہے، مگر جب حضرت مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو حکومت جاز کی طرف
سے یہ کہدیا گیا کہ جتنی مدت قیام کرنا چاہیں اجازت ہے یہ حضرت کے عشق و محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
کی کرامت ہے۔

(۲۰)

زبانہ حج کا ایک اور واقعہ حضرت کے ایک مرید و مخلص محمد سلطان صاحب مرحوم (زری گوٹے والا)
نے حضرت کے ایک درمقدمہ سے نقل کیا ہے جو ۱۹۲۵ء میں حج کے لئے گئے تھے، انھوں نے بیان
کیا کہ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران حضرت علیل ہو گئے تھے، جب وہ عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت
بستر پر آرام فرما رہے تھے، نماز عصر کا وقت ہوا تو وہ اجازت لے کر مسجد حرام چلے گئے، جب
سب لنگ نیاز کے لئے کھڑے ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت پہلی صف میں موجود ہیں، نماز کے بعد
جب شخص حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو حضرت کو اسی طرح مصروف استراحت پایا یہ دیکھ کر
وہ حیران رہ گئے۔

خوابوں کی تعبیر کا ملکہ مجاز یوسفی ہے (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔ قدرت کی طرف سے یہ حکمت کو عنایت کیا گیا تھا، سچی تعبیرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات تھے اور اولیاء اللہ کی کرامات ہیں۔ بعض خوابوں کی تعبیرات واقعی کرامت بن کر سامنے آئیں۔

۱۹۲۷ء کے فسادات سے کچھ قبل راقم نے خواب دیکھا کہ مسجد فخریہ میں نماز جمعہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں، بکثرت لوگ جمع ہیں، شامیانے لگے ہوئے ہیں، محض مسجد میں غراب کے آگے جو مکبر ہے اس پر راقم اور دو اشخاص بیٹھے ہیں خطبہ پورہ کر رہے ہیں، اچانک شامیانوں کی رستیاں ٹوٹ گئیں اور وہ نمازیوں پر گر پڑے، ساتھ ہی مکبر کے پاس بھی ٹوٹ گئے اور ہم لوگ نیچے آ رہے، نمازیوں میں ایک صحیحان پیدا ہو گیا۔۔۔۔۔ جب یہ خواب حضرت سے عرض کیا تو چہرہ مبارک تشویش و فکر سے نرود معلوم ہو رہا تھا، حضرت نے جو کچھ فرمایا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دہلی کے مسلمانوں پر ایک عظیم آفت آنے والی ہے، چنانچہ ایک دو ماہ بعد وہ کشتہ خوں ہوا کہ الامان والحفیظ۔

(۲۲)

۵ ستمبر ۱۹۲۷ء کو نماز جمعہ کے بعد مسجد فخریہ کے شمالی دالان کی طرف دشمنوں نے یانے سستی بم پھینکا جس سے مسجد میں ایک کھرا مچ گیا۔ ۱۹۵۸ء تک مسجد فخریہ میں تقریباً سات بم پھینکے گئے دشمنوں کا منصوبہ یہ تھا کہ شاید دہشت زدہ ہو کر حضرت مسجد کو چھوڑ دیں گے اور اس طرح خانہ خدا پر ان کا قبضہ ہو جائیگا، مگر حضرت کے پاس استقامت میں ذرا الغرض نہ آئی۔۔۔۔۔ فسادات کے اس دور میں حضرت کا غم و ہمت، عزایت پسندی کی زندہ کرامت ہے۔ باوجود اس کے کہ مسجد کے تین دروازوں کے علاوہ مسجد میں داخل ہونے کے متعدد راستے موجود تھے مگر دشمنوں کو آخر وقت تک مسجد میں داخل ہونے کی ہمت نہ ہوئی۔۔۔۔۔ اس پر آشوب مانے میں مسجد کا محفوظ و مصئون رہنا کرامت پر کرامت ہے، پھر حضرت کے مقابلے پر قوی سے قوی تر دشمنوں کا دہشت زدہ ہو جانا مزید کرامت ہے۔

(۲۳)

۱۹۲۷ء کے فسادات کے دوران حضرت نے ادعیا سنو نہ پر مشتمل ایک کتابچہ خزینۃ الخیرات کے نام سے مرتب فرمایا تھا، جو دہلی میں طبع ہوا اور مختلف مسلم علاقوں میں تقسیم کیا گیا، اس کتابچہ کی چند کاپیاں حضرت نے اپنے ایک مرید خاص فضل محمد صاحب کو دیں کہ باڑ و صند و راہ کے مسلمانوں کو پہنچا دیں، فسادات کے دوران مسجد فخریہ سے اس کتابچہ تک پہنچنا چنانچہ ہلاکت میں

Click For More Books

گھنٹا رہیں کردار میں اللہ کی برطان



[Click For More Books](#)

کچھ ہوتا۔ حضرت کی روحانی بصیرت کی یہ زندہ کرامت ہے۔

(۲۵)

قاری حقیق الرحمن صاحب موصوف جب پاکستان پہنچے تو بھاول پور آکر مستقل سکونت اختیار کی کچھ روز ایک نیکل سپرنٹنڈنٹ انجینئر نے اپنے ہاں یہاں رکھا، ان کا مکان بغداد الجدید میں تھا، قریب ہی ایک مسجد میں نماز فجر کے بعد درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ قاری صاحب ممدوح ہندوستان سے لٹ کر آئے تھے، ہاتھ تنگ تھا مگر غیرت نے گوارا نہ کیا کہ کسی غیر کے سامنے اپنی حاجات کا ذکر کیا جائے کہ قاضی الحاجات خود گھبرانے لگے۔ چنانچہ ایک دن درس قرآن کے بعد ایک اجنبی شخص قاری صاحب کو ایک طرف لے گئے اور کہا کہ رات کو اس شکل و شمائل کے بزرگ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جو بزرگ مسجد میں درس قرآن دیے ہیں ان کی خدمت میں سو روپے پیش کر دو یہ کہہ کر اس نے سو روپے نذرانہ پیش کیا۔ بزرگ کی اس شخص نے جو شکل و صورت بتائی وہ بعینہ حضرت ہی کی شبیہ مبارک تھی، حضرت کے اس روحانی فیضان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

(۲۶)

حضرت کی صاحبزادی مرحومہ علیل تھیں، ان کے لئے ڈاکٹر نے ایک غلے اتجوزی کی بھی جو اس زمانے میں باہر سے سرسبز ڈول میں آیا کرتی تھی، حضرت مکان شریف میں تشریف رکھتے تھے، اس کے متعلق عرض کر دیا گیا، تھوڑی دیر بعد جب نماز مغرب کے لئے تشریف لیجانے لگے تو زینہ کے اندر داخل ہوتے ہی دست مبارک بڑھا کر وہی ڈبہ لیا اور راقم کو عنایت فرمایا، سخت حیرت ہوئی، زینہ میں کوئی متفنس تھا پھر نہ معلوم کس غیبی قوت نے غیر متوقع طور پر اس کرامت کو ظاہر کیا۔

(۲۷)

۱۹۴۷ء میں راقم کے برادر مرحوم مولانا منظور احمد صاحب علیل ہو گئے تھے، حضرت نے راقم سے فرمایا کہ ان کو لے کر کوئٹہ چلے جاؤ وہاں کی آب و ہوا شاید سازگار آئے۔ اس وقت نومبری کا زمانہ تھا۔ وہی سے کوئٹہ تک پہنچا سفر کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، حضرت نے ایک مرید کو بھی ہمراہ بھیجا جاتا مگر راقم نے بعض وجوہ کی بنا پر معذرت پیش کر دی، حضرت خاموش ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں برادر مرحوم وہی سے حیدرآباد آ گئے، اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں راقم بھی ان کی علالت کی وجہ سے پاکستان آ گیا، وقت گزرتا گیا، تعلیم سے فارغ ہو کر میرپور خاص میں ملازم ہو گیا، ۱۹۴۷ء میں کلاس فائن

میں ترقی دے کر کوٹہ بھیج دیا گیا۔ یہاں آ کر احساس ہوا کہ اٹھارہ سال پہلے حضرت نے جو کچھ فرمایا تھا وہ ہو کر رہا۔ میں نے کوٹہ آنا نہ چاہا مگر قدرت نے حضرت کے ارشاد گرامی کو پورا فرمایا

(۲۸)

۱۹۴۸ء کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہمشیر صاحبہ نے نقل فرمایا، انھوں نے فرمایا کہ لاہور سے ایک عورت کراچی آئی اور اس نے خبر دی کہ حضرت لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ خود زیارت بھی کر کے آئی ہے اور ایک تعویذ بھی لائی ہے، جب ہمشیر صاحبہ سے کہا تو ان کو یقین نہ آیا اس عورت نے کہا کہ تعویذ کھول کر دیکھ لیں، اپنے والد کا خط تو آپ پہنچتی ہوں گی؟ چنانچہ جب تعویذ کھول کر دیکھا گیا تو وہ حضرت ہی کا تحریر کردہ تھا۔ خیال ہوا کہ شاید لاہور تشریف لائے ہوں لیکن تھوڑی دیر بعد ڈاک سے حضرت کا گرامی نامہ دہلی سے موصول ہوا تو سخت تعجب ہوا۔

(۲۹)

۱۹۴۹ء میں اقم کے برادر مرحوم مولانا منظور احمد رحمتہ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک جنگل میں ہیشمار گائیں غول درغول جا رہی ہیں، سب بلی بلی سولھی سی ہیں مگر ایک موٹی تازی سربریدہ گائیں ان کے آگے آگے ہنمائی کر رہی ہے، اس کی گردن سے تازہ تازہ خون ٹپکے رہا ہے، مگر وہ چلتی چلی جا رہی ہے۔ یہ خواب حیدرآباد سے دہلی حضرت کی خدمت میں عرض کیا گیا، حضرت نے جو کچھ تحریر فرمایا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ پاکستان ایک زبردست سانحہ سے دوچار ہو رہا ہے اور کوئی عظیم شخصیت شہید کی جانے والی ہے، چنانچہ ایک دو سال بعد شہید ملت لیاقت علی خان کی شہادت نے اس تعبیر کی تصدیق کر دی۔

(۳۰)

مئی ۱۹۴۹ء میں جب برادر مرحوم مولانا منظور احمد کی حالت زیادہ خراب ہو گئی تو حضرت کو بذریعہ تار مطلع کیا گیا، تار کے جواب میں حضرت کا گرامی نامہ تیسرے روز مل گیا۔ حالانکہ اس نے مانے میں ایک دو روز میں تار پہنچتا تھا مگر پانچ چھ روز میں خط آتا تھا، نہ معلوم کس غیبی قوت نے فاصلوں کو مختصر کر دیا، اور تیسرے ہی روز گرامی نامہ مل گیا۔

(۳۱)

۱۹۵۳ء میں حضرت کے ایک مقصد حکیم علی مدنی صاحب کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جو انھوں نے قائم گنج (ضلع فرخ آباد، بھارت) سے اپنے مکتوب نمبر ۷۷۷ ابرار چ ۱۹۶۷ء میں اس طرح لکھا کہ

Click For More Books

بھیجا ہے ۔

۳۳۔ میں حضرت سریندر شریف تشریف لے گئے تھے، اجمہ آباد اور دہلی کے لوگ بھی تھے، میں بھی حضرت کے ہمراہ تھا، رات کے دس بجے کی گاڑی سے سفر کیا، جب صبح سریندر شریف کے اسٹیشن پر پہنچے تو نماز فجر کا وقت تھا، لہذا نماز کا اہتمام کیا گیا، جماعت کھڑی ہو گئی، حضرت امامت فرما رہے تھے، مجھے سب سے پہلی صف میں جگہ ملی، آپ کو یاد ہو گا، میری صدری میں ایک قطب نما رہتا ہے میں نے قطب نما سے رخ کھینچ لیا، میں شکوک ہو گیا کہ سمت غلط ہے، بہر حال میں نے قطب نما کے مطابق اپنا رخ ٹھیک کر کے نیت باندھ لی، جب نماز سے فارغ ہوئے، لوگ تانگوں میں بیٹھنا شروع ہو گئے جو پہلے سے روک لئے گئے تھے، حضرت کے اسطے تہنا تانگہ تھا، میں بھی بیٹھنے کی فکر میں جب آگے بڑھا تو حضرت نے بڑی شفقت سے اپنے برابر بٹھالیا۔ جب تانگے چلے تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ :-

قطب نما سے ذرا سیڑھی طرف کو مڑ کر کھڑا ہونا چاہیئے " بس میں سکتے ہیں ہو گیا اور بہت خوف مند ہوا کہ حضرت ہمارے سب حال سے واقف ہیں، اللہ اللہ اب ایسی بزرگ ہستی ہم بد نصیبوں کو کہاں ملے گی ؟

(۳۲)

۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے، سمسٹہ سے کچھ فاصلے پر راقم کی زرعی زمین تھی، جس کے لئے کافی دور پیدل چلنا پڑتا تھا کیوں کہ راستہ کچا تھا، زمین کی ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی اس لئے کئی میل کا چکر ہو جاتا تھا، بالعموم راقم کی طرف سے کوئی آدمی چلا جاتا۔ پنجاب کے علاقے میں گہوں کی فصلیں جون و جولائی میں کٹتی ہیں ان ایام میں تپتے محراؤں میں پھرنا بہت تکلیف دہ تھا، ایک مرتبہ مجبوراً راقم کو جانا پڑا اس زمانے میں سمسٹہ سے قریب بھاؤل پور میں ہی ہمیشہ کے ہاں مقیم تھا، سمسٹہ سے صبح چھ بجے زمین کا رخ کیا، دس گیارہ بجے ایک جگہ پہنچا تو ٹھوس دیوار آرم کیا پھر نماز ظہر کے بعد وہاں سے چل کر دوسری جگہ پہنچا، راستہ میں گرمی اور لو کی شدت نے بچپن کر دیا۔ اس بدوز محرائی دریاؤں کی زیارت کی جن کو سراب کہا جاتا ہے۔ ان کو جھوٹا کرنا، جوئے شیر لانے کے مترادف، خدا خدا کر کے جھوٹا کر دیا، اور ایک جگہ آرام کیا، پھر وہاں سے چلا تو شام چھ

Click For More Books

بچے سہمہ پینچا، بارہ گھنٹے پریشانی اور اضطراب میں گزرے بعد چلتے چلتے پیروں میں پھسلے پڑ گئے
کانٹوں کی زبان سوکھ گئی بیاس سے یارب
کوئی آبلہ پا پھر وادی پر خاریں آوے

وہ دن بڑا کٹھن گزرا۔۔۔۔۔ جب بھاول پور پہنچا تو وہاں دہلی سے ہمیشہ صاحب کے نام حضرت کا
گرامی نامہ آیا، اور راقم کے متعلق خاص طور سے دریافت فرمایا کہ وہ کیوں پریشان ہیں ان کی والدہ
مرحومہ خواب میں پریشان نظر آئیں۔۔۔۔۔ اللہ اللہ والدین کو کس کمال کا تعلق خاطر ہو رہا ہے

(۳۳)

حضرت کے فرزند نعمتی قاری حفیظ الرحمن بھاولپور سے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ ایک
بھس میں شریک تھے، جہاں ایک صاحب نے ایک دنیاوی عالم کو خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ
سے جا ملایا، قاری صاحب نے گواس بات کو دل سے بُرا جانا مگر خاموش رہے، اس خاموشی کی وجہ
سے چاروں نسبتیں سلب ہو گئیں اور طبیعت سخت پریشان ہو گئی، حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ
ارسال کیا جس میں پریشانی خاطر کی کا ذکر کیا، ابھی وہ خط بھاول پور کے ڈاک خانے میں ہو گا کہ رات
کو حضرت خواب میں تشریف لائے، تشفی و تسلی دی اور ایک دعا کی تلقین فرمائی، صبح چاروں نسبتیں
جاری ہو گئیں، مگر دعایا و نہ رہی، صرف ابتدائی کلمہ یاد رہ گیا، دوبارہ عریضہ ارسال کیا گیا، جواب
میں جو صحیفہ گرامی آیا اس میں وہی دعا تحریر فرمائی جو خواب میں تلقین فرمائی تھی۔

(۳۴)

جس زمانے میں اقم اپنی پھوپھی صاحبہ کے ہاں حیدرآباد میں مقیم تھا، ۱۹۵۳ء میں حضرت کا گرامی
نامہ محررہ ۳۰ دسمبر موصول ہوا، یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ مکتوب گرامی پر گھر کا نام مکمل بہتہ تحریر تھا،
نہ حیدرآباد تحریر فرمایا اور نہ مغربی پاکستان، اس کے باوجود نہ معلوم وہ کس طرح راقم تک پہنچ گیا،
جب اقم نے اپنے استاد گرامی مولانا ولایت احمد رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو
انھوں نے تحریر فرمایا:۔۔۔

”اس مسئلہ بے نشان ملک شہر کو جو کہ صرف نام نامی اہم گرامی و نشان کو شے
سامی کی مقناطیسی کشش سے جناب محترم حضرت مفتی اعظم زید مجاہد کی کرامت عظم
بن کر منزل مقصود پہنچا تھا۔“

(۱۶ فروری ۱۳۵۳ھ / یکم جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

[illegible]

54

ایک مرتبہ حضرت قبذہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف میں ان کی درگاہ واقع
مہندیاں (نئی دہلی) تشریف لے گئے۔۔۔ تقسیم ہند کے بعد عرس کی دو غفلتیں ہوتی تھیں
ایک صبح کو جس کی سرپرستی اور نگرانی مولانا احمد سعید مرحوم ناظم جمعیتہ العلماء ہند فرماتے تھے
اور دوسری شام کو ہوتی تھی، جس کی سرپرستی دہلی کے ایک قاری صاحب فرماتے تھے۔۔۔ حضرت
موقاری صاحب صوف شام کی محفل کی صدارت کے لئے لے گئے۔۔۔ یہ مجلس نماز مغرب سے
پہلے ختم ہو گئی، اس کے بعد درگاہ سے متصل مسجد میں نماز مغرب ہوئی،۔۔۔ نماز کے فوراً ہی بعد

۱۷ یہ حضرت قیصرؑ کے تیسرے صاحبِ اوسن ہیں۔

ہندوستان کے سابق وزیر داخلہ مسٹر جیو عرس میں شرکت کے لئے پہنچے۔ وزیر داخلہ کے آتے ہی قاری صاحب ان کی طرف متوجہ ہو گئے، ان کو ساتھ لے کر درگاہ کی طرف چلے گئے اور یہ خیال نہ رہا کہ حضرت کے لئے سواری کا انتظام کرنا ہے اور دولت خاں نے پہنچا ہے، جب حضرت نماز اور نوافل وغیرہ سے فارغ ہوئے تو کچھ دیر قاری صاحب کا انتظار فرمایا اس کے بعد اسی کیلئے اٹھ گئے چہرے سے ناراضگی اور خفگی کے آثار نمایاں تھے، جس شرک پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پہنچے ہاں اس زمانے میں دن کو سواری کا ملنا مشکل تھا چہ جائیکہ ات کو۔ احقر اور دیگر حضرات بھی حضرت کے پیچھے پیچھے تھے، دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر سواری نہ ملی اور حضرت وہاں کھڑے رہیں اور اسی اثنا میں وزیر داخلہ آگئے تو خواہ مخواہ سبکی سی ہوگی۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جوں ہی حضرت شرک پر پہنچے صد بلدیہ نور الدین بیرسٹر صاحب نے معلوم کہاں سے اپنی کار لے کر نمودار ہوئے، فوراً کار روکی اور حضرت کو نہایت عزت و احترام سے بٹھایا اور دولت کدے سے چھوڑ کر گئے، راقم حضرت کے ہمراہ تھا، اس واقعہ کو تقریباً دس سال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت نے کبھی کسی وزیر یا حاکم سے ملنا گوارہ نہ کیا، فقر خیزوں کے نمایاں شاں نہیں، اس موقع پر قاری صاحب کا وزیر داخلہ کی طرف متوجہ ہونا حضرت کو نہ بھایا، چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو حضرت کی خدمت میں لاتے کہاں کہ خود بھی ان کی ملاقات میں نحو ہو گئے یہ انسانی کمزوری ہے۔

(۳۷)

حضرت قبلہ کے فرزند سبقتی قاری حفیظ الرحمن صاحب نے حج بیت اللہ شریف سے واپسی پر ۱۹۵۳ء میں ایک خواب لکھا کہ موصوف حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دو زانو بیٹھے ہیں، مقوڑی دیر میں خوابہ نقشبند کے پاس دو آدمی بیعت ہونے کے لئے آئے، خواجہ موصوف نے قاری صاحب سے فرمایا کہ ان کو بیعت کر لو۔ قاری صاحب نے پاکستان پہنچ کر یہ خواب حضرت کی خدمت میں عرض کیا، حضرت نے جواب تحریر فرمایا کہ ان بندگان نے مجھ سے بھی فرمایا ہے، اسی لئے تمہیں نقشبند یہ سلسلے میں بیعت کی اجازت دی جاتی ہے۔

(۳۸)

حضرت کے ایک مرید مصطفیٰ اعظمی خان رام پوری کراچی سے چند کرامات تحریر فرماتے ہیں، من جملہ ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت دہلی میں ایک بزرگ سیرجی عبد الصمد مرحوم کی سالانہ فاتحہ میں تشریف لے گئے، مصطفیٰ اعظمی خان نے یہ تحریر لکھی کہ وہ اسی کے وقت رات کافی گزر چکی

Click For More Books

تھی، حضرت نے مصطفیٰ علی صاحب سے تانگہ لانے کے لئے فرمایا، وہ تانگہ لینے گئے تو اس دن اتفاق سے تانگہ اسٹینڈ پر بھی کوئی تانگہ نہ تھا، تلاش بسیار کے بعد یوں و نامراد واپس لوٹ رہے ہیں اور حضرت کا تصور دل میں جھٹے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

”سرکار مجھے تانگہ اپنے لئے نہیں چاہیے آپ ہی کے لئے چاہیے، تانگہ جلد بھیج دیجئے اتنا کہتا تھا کہ گھوڑے کی ٹاپ کی آواز آئی تو دیکھا قاضی حوض کی طرف سے ایک سفید گھوڑا اور بالکل نیا جگمگ تانگہ ہوا پراڑا چلا آ رہا ہے۔“

(مکتوب نمبر ۱۹۶۸ء)

چنان چہ وہ تانگہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے،۔

(۳۹)

شعبۃ السنہ، مشرقی پنجاب کے اسٹنٹ ڈائریکٹر جناب سردار جوگندر سنگھ نے اپنے مکتوب نمبر ۲۵ اپریل ۱۹۶۸ء (از پٹیا) ایک واقعہ ایک شخص حکیم دیاسنگھ سندھو سے نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”ایک شخص حکیم دیاسنگھ سندھو میں انہوں نے مجھے ایک خواب بتایا تھا جس میں حضورؐ حضرت قبلہؑ (سرد) ان کو ملے تھے، خواب کیا عالم بیداری یا نیم بیداری میں حضورؐ ان سے ملاقی ہوئے تھے، چوں کہ حکیم صاحب نے کور کو مسئلہ پوچھنا تھا اس لئے حضورؐ ان کو تخت پر بیٹھے — حکیم صاحب بتاتے تھے کہ حضورؐ کو میں نے نیم بیداری میں بالکل صحیح صوت میں دیکھا تھا، چوں کہ حضورؐ حضرت مفتی مقبول الرحمنؒ کے پیر تھے اس لئے تخت غیبی پر ایک طرف مفتی مقبول الرحمنؒ دوسری جانب حضورؐ تھے، حکیم صاحب کہتے تھے کہ میرے جسد سیلائی نے جسم سے نکل کر حضورؐ کو سلام کیا تھا۔“

(۴۰)

جب حضرت ۱۹۶۱ء میں پاکستان تشریف لائے تو کراچی کے زمانہ قیام میں حضرت کی صاحبزادی نے حضرت قبلہؑ اور دوسرے عزیزوں کو اپنے ہاں مدعو کیا، جب حضرت کھانے سے فارغ ہو کر تشریف لے جانے لگے تو صاحبزادی کو ایک لفافہ مرحمت فرمایا، جب بعد میں لفافہ کھولا گیا تو اس میں تین سو روپے تھے، صاحبزادی فرماتی ہیں کہ اس دعوت پر اتنی ہی رقم خرچ کی گئی تھی۔

Click For More Books

(۴۱)

کراچی ہی کے زمانہ قیام میں (۱۹۶۱ء) حضرت کے مرید غلصہ جناب شیخ محمد سعید صاحب نے حضرت کو ہاؤسنگ سوسائٹی میں اپنے ہاں مدعو کیا، جب دعوت دینے آئے تو بکثرت لوگ موجود تھے انہوں نے جوش و خروش اور فرط عقیدت میں تمام حاضرین کو دعوت دے دی اور یہ بھی کہا کہ تمام لوگوں کے لئے حضرت کی قیام گاہ (نازلی ہوٹل، لارنس روڈ) سے ہاؤسنگ سوسائٹی تک سواری کا بھی انتظام کریں گے۔ شدہ شدہ خبر اور لوگوں کو بھی ہو گئی چناں چہ دعوت والے دن دو ڈھائی سو آدمی جمع ہو گئے جن کو بسوں، ٹیکسیوں اور کاروں کے ذریعہ پہنچایا گیا۔ شیخ محمد سعید صاحب نے کھانے کا انتظام صرف ان لوگوں کے لئے کیا تھا جن کو انہوں نے مدعو کیا تھا، جم غفیر دیکھ کر وہ کچھ پریشان سے ہو گئے، مگر پھر حضرت کے فیوض و برکات کی طرف خیال کیا تو بسم اللہ کر کے کھانا کھلوا دیا۔ دو تین سو آدمیوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور پھر بہت سا کھانا بچ بھی رہا، شیخ محمد سعید صاحب خود کہتے تھے کہ یہ دیکھ کر میں خود حیران رہ گیا، یہ شخص حضرت ہی کی کرامت تھی۔ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ کی یاد دلاتا ہے جب آپ کے ہمراہ دعوت میں بہت سے صحابہ چلے گئے تھے اور صاحب خانہ پریشان ہو گئے تھے، مگر جب کھانا نکالا گیا تو نکلتا چلا گیا اور اتنی برکت ہوئی کہ کھانے کے بعد بہت سا بچ رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کھایا ہی نہیں گیا۔

(۴۲)

۱۹۶۱ء ہی میں جب حضرت چند یوم کے لئے شیخ محمد سعید صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے ایک عجیب و غریب واقعہ مشاہدہ ہوا۔ ایک اجنبی شخص جو محمد سعید صاحب کی کوٹھی سے کچھ فاصلہ پر رہتے تھے ان کو رات خواب میں حضرت کا دیدار کرایا گیا اور اقامت گاہ کا پورا نقشہ سامنے کر لیا جب صبح بیدار ہوئے تو تلاش کرتے کرتے حضرت کی اقامت گاہ تک پہنچ گئے، اور ان کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ ات کو خواب میں جس بزرگ کی زیارت کرائی گئی تھی وہ بعینہ حضرت ہی کی شبیہ مبارک تھی۔ چناں چہ وہ صاحب حضرت کو اپنے ہاں لے گئے اور اکثر اہل خانہ حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

(۴۳)

۱۹ جمادی الاول ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۱ء حضرت کراچی سے حیدرآباد تشریف

Click For More Books

لے گئے اور وہاں اپنے عزیز ہستی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ ایک روز یہ راقم بھی حاضر تھا، دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا، حضرت کا سادہ کھانا تیار ہو گیا تھا جو حضرت کے سامنے پیش کر دیا گیا گلاؤں کے لئے جو خصوصی کھانا پکے ہوا تھا اس میں ذرا تاخیر تھی، حضرت نے جب کھانا شروع کیا تو راقم بھی پاس ہی کھڑا ہوا تھا، فرمایا کہ تم بھی شریک ہو جاؤ۔ اس سے قبل حضرت مفتی صاحب بھی حضرت کے اصرار سے شریک ہو گئے تھے۔ راقم نے یہ خیال کیا کہ کھانا تھوڑا ہے اگر شریک ہو گیا تو حضرت سیر ہو کر تنا دل نہ فرما سکیں گے۔ اس لئے معذرت پیش کی، حضرت نے دوبارہ فرمایا، اب اقم بھی شریک ہو گیا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ کسی عیب خاص طور پر سری پکا کر حضرت کے لئے بھیجی جو چھ سات آدمیوں کے لئے کافی تھی، چناں چہ وہ بھی سامنے رکھ دی گئی، خوب سیر ہو کر کھایا۔

(۴۴)

۱۹۶۱ء ہی میں حضرت کے کراچی میں زمانہ قیام کے دوران حضرت کے ایک مرید محمد یوسف صاحب (جولڑکانہ میں رہتے تھے اور اس وقت تنگ دستی کی حالت میں تھے) حضرت کو ایک عریضہ لکھا اور دیدار کا اشتیاق ظاہر کیا، حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ حیدر آباد آکر مل لیں، اُدھر حضرت کا گرامی نامہ پہنچا اور اُدھر ان کے حالات ایسے سازگار ہوئے کہ تنگ دستی خوشحالی میں تبدیل ہو گئی ز اور راہ میسر آگیا، چناں چہ جب حضرت حیدر آباد تشریف لائے تو محمد یوسف صاحب نے لاڑکانہ سے حاضر ہو کر شرف قدم بوسی حاصل کیا اور ایک دو روز کے بعد واپس چلے گئے۔ جب گھر پہنچے تو ان کی اہلیہ نے کہا کہ دل تو یہ چاہتا تھا کہ حضرت غریب خان نے پر تشریف لاتے اور برکت ہوتی۔ چناں چہ ایک دن کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت بنفس نفیس عالم ظاہر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اب تو برکت ہو گئی؟ اس کے بعد واپس تشریف لے گئے، اس واقعہ سے محمد یوسف صاحب مبہوت سے ہو گئے، حضرت کے تشریف لے جانے کے فوراً بعد جو گلی میں دیکھا تو کسی کا نام و نشان نہ تھا، دور تک دیکھا پتا نہ ملا۔ یہ واقعہ محمد یوسف صاحب نے خوب بیان کیا ہے۔

(۴۵)

صلتان میں حضرت کے ایک مرید غلام صغیر احمد صاحب کا کو ان اقامت گزیں ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ۱۹۴۷ء کے خون ریز فسادات کے دوران وہ کچھ گزری جس کے قصوں نے

راتوں کی نیند حرام کر دی، سالہا سال تک آرام نہ کر سکے، ۱۹۶۴ء میں جب حضرت دوسری بار پاکستان تشریف لائے تو ملتان بھی تشریف لے گئے اور ان کے ہاں قیام فرمایا، اسی قیام کے دوران صغیر احمد صاحب حضرت سے بیٹ ہو گئے، بیعت ہونا تھا کہ سکون و اطمینان کی متاع برد ل گئی، برسوں کے بعد ات کو آرام سے نیند آئی اور بے خوابی کی وہ کیفیت جس نے زندگی کو جہنم بنا دیا تھا، جاتی رہی۔

(۳۶)

حیدرآباد میں حضرت کی ہمیشہ مقیم ہیں، جس مکان میں وہ رہتی ہیں وہ بظاہر نہایت شاندار معلوم ہوتا تھا اور پختہ نظر آتا تھا، لیکن اچانک اس کا ایک حصہ گر پڑا۔ واقعہ یہ ہوا کہ رات کو تمام اہل خانہ سو رہے تھے، کچھ دالان میں بھی آرام کر رہے تھے، ہمیشہ موصوف کی صاحبزادی اسی دالان میں سو رہی تھیں، خواب میں حضرت قبلہ قدس سرہ اور آپ کے عم محترم حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی، دونوں حضرات پریشان معلوم ہوتے تھے، حضرت نے موصوف سے فرمایا کہ اس دالان سے فوراً نکل جاؤ۔ فوراً ہی آنکھ کھل گئی اور ایک سیڑجھ نکل، سب لوگ فوراً کمرہ اور دالان سے نکل صحن میں آ گئے، اچانک دالان کی کڑیوں کے چٹخنے کی آواز آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چودہ کڑیاں ٹوٹ کر ایک بردست دہما کہ کے ساتھ نیچے آ پیں، پھٹ کا ایک بڑا حصہ منہدم ہو گیا، خاک دھول سے ساری فضا دھواں دھار ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا مکان گر گیا ہے، جب مطلع صاف ہوا تو حقیقت حال معلوم ہوئی، اگر حضرت بروقت خواب میں تشریف نہ لاتے تو نہ معلوم اہل خانہ پر کیا کچھ گزرتی — اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم فرمایا۔

(۳۷)

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے کچھ عرصہ قبل جنگ کے آثار بالکل شتھے، دونوں ممالک میں اس خون ریز جنگ کی امید تھی، اسی زمانے میں راقم نے ایک خواب دیکھا — آسمان پر چاند نے سیال شکل اختیار کر لی ہے، پارہ کی طرح لرز رہا ہے، اچانک اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک مغرب میں غروب ہو گیا اور دوسرا مشرق میں، فضا آسمانی پر ایسی تاریکی چھا گئی کہ الامان و الحفیظ، قیامت کی گھڑی معلوم ہوتی تھی، سب لوگ اور یہ راقم بھی توبہ و استغفار میں مصروف تھے کہ اچانک پھر روشنی نمودار ہوئی، اور وہ دونوں ٹکڑے اپنے

اپنے افق سے باہر آئے اور راقم کی نگاہوں کے سامنے مل گئے، پورا چاند ہو گیا، پھر چاند تیزی کے ساتھ آسمان کی بلندیوں کی طرف چلا جاتا کہ اوپر جا کر ٹہر گیا اور سارا عالم جگمگا اٹھا۔
راقم نے یہ خواب حضرت کی خدمت میں دہلی عرض کیا، حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ تھلہ خواب پاکستان کے تھے، بہترین کچھ قلمی مدد اس کی محفوظی کی دعا کرتے ہیں ہاں بنام میں اس کیلئے ترقی معلوم ہوتی ہے۔
اس دور میں جب کہ دور دور جنگ کے آثار نہ تھے، اس تعبیر نے چونکا سا دیا، وقت گزرتا گیا اور آخر کار وہی کچھ ہوا جو حضرت نے فرمایا تھا۔

(۲۸)

جنگ (۱۹۶۵ء) سے کچھ روز قبل حضرت کے فرزند نسیتی قاری حفیظ الرحمن صاحب نے دہلی تشریف لے گئے تھے کہ اچانک جنگ شروع ہو گئی، وہ وہیں مجبوس ہو گئے، صاحب ادگان وغیرہ پاکستان میں تھے، سخت تشویش تھی جب جنگ میں ذرا شدت ہوتی اور گھبراہٹ ہوتی، اس بحیثی کے عالم میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت کو بڑے سکون و اطمینان سے اپنے دینی مشاغل و معمولات میں مصروف پاتے اور سکون کی وہ دولت ملتی کہ باید و شاید، حضرت کے سامنے پریشانی کا اظہار کرتے تو حضرت ہی فرماتے کہ فکر نہ کرو سب بخیریت ہیں، اللہ پر بھروسہ رکھو۔ حالانکہ اس وقت دہلی کے اخبارات میں جلی حروف سے ”لاہور پر قبضہ“ حیدر آباد کی طرف مارچ“ اور کراچی کے ایک حصہ کو بمباری سے اثر دینے کی خبریں شائع ہو رہی تھیں، جو یقیناً ایک پاکستانی کے لئے تشویش کا باعث تھیں مگر حضرت نے ہر بار یہی فرمایا کہ فکر نہ کرو سب بخیریت سے ہیں، نہ چال چہ جب جنگ کے بادل چھٹے تو معلوم ہوا کہ تمام اہل خانہ بخیریت ہیں در کسی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی، بات یہ ہے کہ جن حضرات کے دل عشق الہی سے منور ہو جاتے ہیں تو وہ تنویر قلب میں وہ کچھ مشاہدہ فرماتے ہیں جو عام نگاہوں سے ادھل جاتا ہے۔

(۲۹)

محمد سرور کا مران (ٹکٹ کلکٹر۔ میرپور خاص) نے اپنے مکتوب خمرہ ۹ اپریل ۱۹۶۸ء میں حضرت کے فیضانِ اہل کرامات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت قبلہ چوں کہ عرصہ دراز کے بعد پاکستان آئے تھے اور میں بذاتِ خود پیر میں گیا تھا اس لئے ملاقات بہت کم ہوتی تھی، اور جب بھی میں حضور کی خدمت شریف میں حاضر ہوا ان کی ہر سب شخصیت اور چہرہ و حال کے سامنے ہمیشہ میری زبان گنگ ہو جاتی تھی، گو میرے دل میں جو مقصد

Click For More Books

اتھا، اس کو زبان پر لاتے ہوئے نہ معلوم مجھے کیوں خوف محسوس ہوتا تھا تاہم جب بھی میں ان کے پاس
میں اپنی لڑائی و مقصد بغیر کسی کوشش کے پورا ہو جاتا تھا،
دوران جنگ ۱۹۶۵ء میں وہیں (دہلی) رک گیا تھا اس لئے عارضی دینے کے لئے گھریا مسجد
ان چلا جاتا تھا اور حضرت کے فیض سے فیض یاب ہوتا تھا، انہیں دنوں مجھے رشتہ داروں نے کہا
ہوں کہ تمہیں اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہوئے پانچ یا چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے، ممکن ہے کہ نوکری چھوٹ
لئے۔۔۔ مجھے اللہ پر بھروسہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بزرگوں و رنیک بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے
میں نے پرجوش جذبے کے تحت میں گیا لیکن وہاں پہنچ کر زبان بند ہو گئی میں نے ہر ممکن کوشش کی
لیکن تو بہت لوگ مسئلے مسائل لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے جس میں کافی وقت صرف ہوتا تھا۔
غیر میرے ساتھ خلیفہ محمد عمر (لاہوری گیٹ، لاہور، ساکن ماضی باڑہ ہندوراؤ۔ دہلی) تھے میں نے ان سے
مقصد بیان کیا، خلیفہ جی نے حضرت کی توجہ میری طرف مبذول کرائی اور میرا دعا بیان کیا، حضرت
نے دعا کی اور میری طرف دیکھنے لگے، لیکن میں اس سوچ میں گم تھا کہ حضرت مجھے ہمیشہ اسی طرح ہی
دیکھتے رہیں وہیں ان کے فیض سے اسی طرح فیض یاب ہوتا رہوں۔ یقین جانیئے جب میں
واپس پاکستان آیا تو اپنے ڈوٹریل آفس ڈیوٹی کے لئے گیا، وہاں تو ایسا تھا کہ جیسے میں کہیں گیا
ہی نہیں ہوں، بغیر کسی وجہ پوچھے مجھے ڈیوٹی مل گئی اور سب حیران تھے کہ مجھے کس نے ڈیوٹی دی۔
اسی قسم کا ایک اور واقعہ برادر محمد احمد قریشی (اکاؤنٹنٹس فیئر پی اینڈ ٹی برانچ، لاہور) نے
راقم الحروف کو بتایا تھا جو خود ان کے ساتھ پیش آیا تھا۔

۵۰

۴ شعبان المظلم ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء کو شام پانچ اور چھ کے درمیان حضرت کا
دہلی میں صال ہوا، راقم اس زمانے میں کوئٹہ میں تھا، اور اس شام قیامت سے بالکل بے خبر اسی
روز رات کو حضرت کی زیارت ہوئی حضرت نے غیر معمولی محبت و شفقت کے ساتھ راقم کو بغل گیر فرمایا
اور شفقی و تسلی دی، جب صبح بیدار ہوا تو قلب کو کافی سکون تھا، ۵ شعبان کی صبح کو جب کالج گیا تو
وہاں جناب نے بتایا کہ رات آل انڈیا ریڈیو نے حضرت کے سانچے ارجنٹال کا اعلان کیا ہے، یہ
خان کاہ خیرین کو دل کھرم میں مستغرق ہو گیا، دل پہ قیامت گزری، رات کا خواب اور حضرت کا بیکرا
شفقت کے ساتھ گلے لگانا یاد آ گیا۔۔۔ یہ حضرت کے روحانی تعارفات کی کرامت ہے، اس
قسم کے کئی واقعات ہندو پاک کے مختلف علاقوں سے سننے میں آئے۔

Click For More Books

(۵۱)

حکیم علی الدینی صاحب حضرت کے معتقدین و مخلصین میں ہیں، موصوف نے قائم گنج (ضلع فتح آباد) ہندوستان سے اپنے مکتوب غرہ ۲۲ فروری ۱۹۶۷ء میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے :-
”واقعہ یہ ہے کہ میں نے ماہ جون ۱۹۶۶ء میں حضرت کی خدمت اقدس میں عرضیہ ارسال کیا تھا اور حضرت کی مزاج پر کسی کی تھی، حضرت نے جواب میں عاقبت بخیر ہونے کی دعا فرمائی ہے اور ہم برصیبوں سے جدائی کی اطلاع دی ہے، میں اسی وقت سے مایوس ہو گیا تھا اور بہت کوشش کی کہ حضرت کی قدم پوسی حاصل کروں مگر سوائے افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا، آخر نومبر کی تاریخوں میں یعنی حضرت کے وصال کے وقت چار پانچ یوم بعد نماز مغرب سجد میں سب لوگ چلے جاتے تھے، تو ایک زبردست نسبت بلا ارادہ طاری ہوتی تھی اور ایک شہنی مثل آفتاب کے معلوم ہوتی تھی دنیا سے نفرت اور خدا سے محبت، یہ کیفیت دن رات کم و بیش رہی، آخر میں سمجھ میں آیا کہ یہ حضرت کا فیض روحانی تھا جس سے آپ نے نوازا، اسی کیفیت کو میں اب تک یاد کرتا ہوں، کاش وہ کیفیت ہمیشہ رہتی! — اور ہر تعلق رکھنے والے کو آپ نے نوازا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے طفیل ہم عاصیوں کو بھی معاف فرما دے، آمین ثم آمین۔“

(۵۲)

حضرت کے ایک اور مرید غلام الدین صاحب نے اپنے مکتوب غرہ ستمبر ۱۹۶۷ء میں ملاحظہ سے تحریر کیا :-

”میں کیا عرض کروں کہ میرے پیشوا کیا تھے، میرے لئے اور میرے لئے کیا ایک عالم کیلئے ان کا وجود پاک اور روح مقدس باعث برکت اور رحمت — آپ کے وصال سے ۳ یوم قبل میری تینوں لڑکیوں کو خواب میں زیارت ہوئی اور فرمایا ”ایمان اللہ“ اور شعبان المعظم کی ۵ شب کو احقر نے دیکھا اور حضور کی زیارت کی — احقر کیا عرض کرے، خدا جانے آج تک میں نے نہ کسی کو ایسا حسین پایا اور نہ جیل۔ حضو کی ہر ایک اداسہ کار و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہوئی تھی، اللہ کے محبوب کے پڑاٹے تھے اور اس کی توحید کے متوالے، ہم بدمست ہیں کہ ایسا مبارک مقدس سایہ عاطفت ہمارے سر پر سے اٹھ جائے۔“
اسی قسم کے واقعات کراچی، حیدرآباد اور بھاولپور وغیرہ میں احباب کو پیش آئے، ان واقعات سے حضرت کے فیض عظیم اور نسبت روحانی کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۵۳) حضرت کے مصال کی اندوہ ناک خبر جب کراچی پہنچی تو حضرت کے فرزند اکبر مفتی محمد مظفر احمد صاحب دہلی جانے کے لئے کوشش شروع کر دی، تین مراحل طے کرنے تھے، انٹرنیشنل پاسپورٹ کا بنوانا، ویزا حاصل کرنا اور ایک چینج حاصل کرنا۔ ان مراحل کو جلد طے کر لینا تقریباً ناممکن تھا۔ کوشش کے دوران حضرت مفتی صاحب مدوح کو حضرت کی زیارت ہوئی اور اشارہ ملا کہ سب مراحل جلد از جلد طے ہو جائیں گے، چنانچہ تین چار روز کے اندر اندر یہ تینوں مسئلے حل ہو گئے اور آپ دہلی تشریف لے گئے۔

(۵۴) وصال سے قبل حضرت نے اپنے مرید خاص محمد سلطان صاحب مرحوم کو ایک مکتوب گرامی کراچی ارسال فرمایا تھا، جنوری ۱۹۷۶ء میں اقم مرحوم سے ملا، انہوں نے حضرت کا مکتوب گرامی دکھایا، اس کے مفہوم سے اطمینان تھا کہ عنقریب حضرت کا وصال ہونے والا ہے اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مکتوب لیدر وائل بحق ہو جائیں گے، چنانچہ یہی ہوا نومبر ۱۹۷۶ء میں حضرت کا وصال ہوا اور جنوری ۱۹۷۷ء میں محمد سلطان صاحب کا انتقال ہوا۔

(۵۵) تذکرہ ہذا کے کاتب مولانا عبدالباقی صاحب نے عالم نیم بیداری کا ایک اقعہ بیان فرمایا موصوف تذکرے کے پہلے حصے کو پائیہ تکمیل کو پہنچا کر دوسرے حصے کی کتابت شروع کر فرما لے تھے، اس سے پہلے کہ کتابت شروع ہوا انہوں نے نیم بیداری کے عالم میں تقریباً مشاہدہ فرمایا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے اس دوات میں کچھ ڈالا جس سے مولانا نے موصوف کتابت فرماتے تھے، اور پھر یہ مرکب مولانا کو اپنے ہاتھ سے پلایا، مولانا فرماتے ہیں کہ میری طبیعت بالکل سیر ہو گئی اور پیٹ بھر گیا، بیداری کے بعد بھی کافی دیر تک اس فیضان کا احساس رہا اور طبیعت میں خاص شگفتگی رہی۔

۳۰۳

وسوال باب



سائنچہ ارتحالہ

Click For More Books

وصال

بعد از وفات تربت مابرز میں مجو
در سینہ مردم عارف مزار ما است

وصال سے چند سال قبل محبت الہی اور عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں محویت و اشتراق کا یہ عالم تھا کہ فلولق تو مخلوق اولاد کی محبت بھی صفحہ دل سے محو ہو گئی تھی چنانچہ ۱۹۶۱ء میں جب حضرت کراچی تشریف لائے تھے، راقم خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور پیشہ محترمہ کا سلام نیا عرض کیا، بار بار عرض کرنے پر بھی حضرت ان کو نہ پہچان سکے، تھوڑے وقفہ کے بعد فرمایا "ہاں ہاں وہ تو تمہاری بہن ہیں"۔ اسی طرح ۱۹۶۲ء میں جبے دسری بار پاکستان تشریف لائے تو حیدر آباد میں ایک خانگی مجلس میں جس میں حضرت کے فرزند نبی، صاحب ادبی اور ان کے بچے موجود تھے اور اقام بھی تھا۔ ایک ایک کا نام لے لے کر فرمایا کہ اس سے محبت تھی نہ ہی، اس سے محبت تھی نہ ہی پھر فرمایا کہ "قلب کی طرف دیکھتا ہوں تو اس کے اندر کسی کی محبت نہیں پاتا"۔ اس پر حضرت کے فرزند نسبتی حضرت مفتی محمد عطاء صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ حضرت بفضلہ تعالیٰ آپ مقام فنا فی اللہ پر فائز ہیں یہ تو بہت اعلیٰ مقام ہے۔ حضرت خاموشی کے ساتھ سنتے رہے، کچھ نہیں فرمایا، محفل پر سکوت کا عالم تھا، آج معلوم ہوا تھا کہ محبت الہی کس شئی لطیف کا نام ہے، ع وہ شئی کچھ اور ہے کہتے ہیں جان پاک جسے

اپنی اولاد کے نام فراموش کر دینا، دل سے ان کی اور ان کی اولاد کی محبت مٹا دینا اور ساری محبتیں اللہ عزوجل کی محبت میں گم کر دینا، کوئی آسان کام نہیں، اسی محویت و تعلق الی اللہ سے عظمت کردار کا اندازہ ہوتا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بگیا نہ دل کو

عجب چیز ہے لذت آشنائی

اولاد کے بعد انسان کو مال و دولت سے انیت و محبت ہوتی ہے، حضرت نے زندگی بھر اس کی طرف توجہ نہ فرمائی، سچ ہے اہل دل کے لئے غم روزگار و بال جان ہے، اس کو تو صرف اپنے مولا کی چاہت ہوتی ہے، اور اس چاہت کے سامنے ساری چاہتیں سچ معلوم ہوتی ہیں

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ مل جائے سمجھی کچھ

سو سوالوں سے ہی اک سوال اچھا ہے

انتقال سے چند سال قبل حضرت کے عجز و انکسار اور خشیت الہی کا یہ عالم تھا کہ احباب غلصین کے نام جو مکاتیب گرامی آرہے تھے اس میں حسن عاقبت کیلئے دعا مانگوائی جا رہی تھی۔ ۱۹۶۱ء میں جب حضرت کراچی سے حیدرآباد تشریف لے جا رہے تھے تو روانگی سے قبل حضرت کے ایک مرید باخلاص شیخ محمد سعید صاحب نے دعا کی درخواست کی۔ فرمایا کہ فقیر اس لئے یہاں آیا تھا کہ آپ اپنی حسن عاقبت کے لئے دعا کراتا۔ حضرت کی خشیت الہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد دلاتی ہے۔ ۱۹۶۲ء میں جب سری بار پاکستان تشریف لائے تو لاہور سے دہلی روانگی سے قبل حضرت کے فرزند نسبتی قاری حفیظ الرحمن صاحب نے فرمایا کہ حضرت کچھ اور دن قیام فرمائیں اس میں شک نہیں کہ لاہور میں اولیاء اللہ ہیں مگر حضرت کی صحبت گرامی میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قریب محسوس ہوتا ہے۔ حضرت نے جواباً جو کچھ فرمایا اس کو قاری صاحب مدوح نے اس طرح تحریر فرمایا ہے :-

”میں تو تمہارے پیروں کی مٹی کے برابر بھی اپنے آپ کو نہیں سمجھتا۔ اللہ اکبر! احقر نے اسی وقت حضرت کے قدم مبارک چوم لیے اور سر قدموں پر رکھ دیا، احقر کے سر پر حضرت نے ہاتھ مبارک رکھا اور دعا فرمائی۔“

(مکتوب عرہ ۲، باب ۱۷، ۱۹۶۷ء)

اللہ کی عظمت شان کا اندازہ ان کی شان عجز سے ہوتا ہے

عباد گرامی صحبت ہے حرف معذوری

وصال سے چند ماہ پیشتر حضرت نے بعض احباب کے نام جو مکاتیب گرامی ارسال فرمائے ان میں اپنی وفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ۱۹۶۶ء میں اپنے فرزند نسبتی حضرت مفتی محمد ثناء صاحب جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا اس میں صراحتاً اپنے وصال کی اطلاع دی ہے، اسی طرح ایک مخلص معتقد حکیم علی بخشی صاحب (قائم گنج ضلع فرخ آباد، بھارت) اپنے مکتوب عرہ ۲ فروری ۱۹۶۷ء میں تحریر فرماتے ہیں :-

”واقعہ یہ ہے کہ میں نے ماہ جون ۱۹۶۶ء میں حضرت کی خدمت اقدس میں عرض کیا

ارسال کیا تھا اور حضرت کی مزاج پرسی کی تھی، حضرت نے جواب میں عاقبت بخیر

ہونے کی دعا فرمائی ہے اور ہم بد نصیبوں سے جدائی کی اطلاع دی ہے۔
حضرت کئی سال تک مسلسل علی رہے مگر اس طویل علالت کے دوران خود کو اس طرح سنبھالے رکھا
کہ حیرت ہوتی ہے، نقاہت مصنف کی وجہ سے چلتے چلتے پیر لڑکھڑا جاتے تھے مگر کسی غلصہ محب کی
مجان نہ تھی کہ سہارا دینے کے لئے آگے بڑھ سکے، حضرت کی طبع غیور کو رفیق اعلیٰ کے ہوتے کسی کی
دست گیری پسند تھی، ہر جمعہ کو حسب معمول مسجد شریف تشریف لاتے اور بدستور مجلس ہوتی، نماز
پنج گانہ کھڑے ہو کر ادا فرماتے حتیٰ کہ رمضان المبارک میں پورے روزے رکھتے اور تراویح
جماعت کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھتے، عبادات خصوصاً رمضان المبارک میں جو روحانی قوت مشاہدے
میں آتی وہ حیرت انگیز تھی۔ جو پیکر نحیف ۲۴ گھنٹوں میں یک چپاتی بھی نوش نہ فرماتا ہو، ضعف
ونقاہت حد سے گزر چکی ہو، لیکن پھر بھی جب اس مولائے کریم کے حضور حاضر ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا
ہے کہ پیکر نازنین سے قوتوں کے چشمے ابل رہے ہیں، عام انسانی عقل اس مجیر العقول مشاہدے
کو سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے۔

حضرت کے روزانہ کے مذہبی اور علمی معمولات آخر وقت تک جاری رہے، پاک بند میں حضرت
کے ہزاروں مخلصین و معتقدین ہیں، سب کے خطوط اس کے خود جوابات مرحمت فرماتے، آخری ایام میں
بیشتر علمی کام لپٹے لپٹے انجام دیتے تھے، پاک بند سے آنے والے بیشتر فتووں کے جوابات بھی خود
تحریر فرماتے تھے حتیٰ کہ انتقال سے ایک گھنٹے قبل تک حضرت کے دینی خدمت کا یہ سرچشمہ اُبلتا
رہا اور پھر اچانک بند ہو گیا، حضرت نے تقدیس قلم اور خدمت دین کا حق ادا کر دیا۔

مسلسل علالت نقاہت کے باوجود دین کی خدمت کے لئے خود کو وقف کر دینا، اپنے
آرام و سکون کو دوسروں کی راحت کے لئے قربان کر دینا، یہ ایسی صفات ہیں جو نہ صرف عوام
بلکہ خواص کے لئے بھی مشعل راہ ہیں، حضرت نے خود کو اس طرح سنبھالے رکھا کہ آخر وقت تک
کسی کو تکلیف نہ دی اور اس طرح تشریف لے گئے جیسے گل سے بوٹے گل جایا کرتی ہے۔

آخری ایام میں ملاقاتیوں کے لئے حضرت نے عشرِ مغرب کا درمیانی وقت رکھا تھا، اس
وقت جو بھی آتا محروم نہ جاتا، وصال کے دن طبع گرامی ٹھیک تھی بظاہر آثارِ فراق نظر نہ آتے تھے، مگر
مشیت الہی فیصلہ کر چکی تھی، اس روز جب ملاقات کے وقت مخلصین حاضر ہوئے، اطلاع دی گئی
فرمایا، "ان سے کہو کہ اب نہیں ملیں گے۔" محبوب حقیقی سے وصال کا وقت قریب گیا ہے، اب
اس حیرم ناز میں غیری کی گنجائش نہیں، نماز عصر سے فارغ ہونے کے کچھ دیر بعد اچانک رفیق اعلیٰ

سے اعلیٰ ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون ۵

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاری دل
الذات ان کی نکاح ہونے دو بارہ نہ کیا

عرصہ ہوا حضرت نے اپنے منظم شجرہ طریقت میں یہ دعائیہ شعر تحریر فرمایا تھا۔ ۵

دردِ فرقت میں تھے اس زندگی کی شام ہو
موت جب آئے تو صبح وصل کا پیغام ہو

حضرت کی یہ دعا مقبول ہوئی، شامِ زندگی ۱۲ شعبان المعظم کی شام کو ہوئی۔ وہ شام جو صبح بہا

وصل کی تمہید تھی۔ شجرہ مذکور میں حضرت نے ایک جگہ یہ دعائیہ شعر بھی تحریر فرمایا ہے ۵

خاتمہ بالخیر ہو، سکرات کی سختی نہ ہو

روحِ جہنیری طرفِ جلتے لے سیتی ہو

حضرت کا منظر وصال اس دعا کی مقبولیت کی نشانی ہے، سکرات کی سختی آن واحد کیلئے

بھی نہ ہوئی اور روحِ پاک نے عین کی پستیوں سے آسمان کی بلندیوں کی طرف اٹھتی چلی گئی۔

حضرت کا وصال ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ مطابق بدھ ۲ نومبر ۱۹۶۶ء بروز پیر بوقت

پانچ بج کر بیس منٹ پر ہوا۔ اور گلشنِ طریقت کا یہ گل سرسبز ہمیشہ رہے کیلئے محبوب ہو گیا ایسی مبارک

ماریج تھی، ایسی مبارک ساعت تھی، کیسا مبارک دن تھا! ۵

بہر بہار گل، از زیر گل بر آرو سر
گلے بر وقت کہ ناید بصد بہار وگر

وصال کی خبر آنا فانا سار سے شہر میں پھیل گئی، غمزہ اور سوگوار عقیدت مند غمکدے کی

طرف چل پڑے، ہموڑی دیر میں ایک ہجوم ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کا وصال کیا ہوا

دہلی کا سہاگ لٹ گیا۔ انٹرم کو نسل کے ممبر عبد الباقی صاحب نے حکومت ہند کو باضابطہ

اس حادثہ جان کاہ سے مطلع کیا، چنانچہ آل انڈیا ریڈیو نے اسی روز اپنی رات کی نشریات

میں وصال کجاں گداز خبر نشر کی جو پاک ہند اور بیرونی ممالک میں پھیل گئی آل انڈیا ریڈیو، دہلی

۵ ماہنامہ "پیام شرق" (دہلی) کے شمارہ جنوری ۱۹۶۷ء میں "یا وکار تاریخی واقعات" کے تحت

۱۱۱۱ حضرت کا یوم وصال بدھ ۲ شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۶۶ء لکھا ہے جو صحیح ہے

۱۸ نومبر ۱۹۶۶ء کو رات یہ خبر نشر کی۔

"Mufti Muhammad Mazharullah
died this evening at Masjid Fateh
Puri Delhi. The last rites will be
performed at nine o'clock tomorrow"

یہ خبر ریڈیو پاکستان کراچی نے بھی مقامی خبروں میں نشر کی، دوسری روز پاکستان کے
تقریباً تمام اخبارات میں یہ خبر آگئی، اور ہر جگہ مریدین و معتقدین میں صف ماتم بچھ گئی۔ بزمین جہاز سے
آئیوائے حضرات نے بتایا کہ مدینہ منورہ میں حضرت کے لئے نماز پورچولانا علیہ السلام صاحب
مدفن نماز خوانی کرائی اور مکہ معظمہ میں بھی یہ خبر عام تھی۔

حضرت کو ان حضرات نے غسل دیا۔۔۔ مولانا مشرف احمد صاحب اور مولانا محمد احمد صاحب
(دونوں حضرت کے صاحبزادگان ہیں عالم اور حافظ قرآن ہیں) مسلم احمد صاحب مولوی نذیر احمد
مرحوم (مشہور ادیب) کے پوتے ہیں نیک نسل اور عالم ہیں حضرت کو موصوف سے خاص محبت تھی
ڈاکٹر سعید احمد (حضرت کے صاحبزادے ہیں حضرت کی ان پر خاص نظر تھی) مولوی محمد میاں سلمہ
(حضرت کے پوتے ہیں عالم اور حافظ قرآن ہیں) تجہیز و تکفین کے بعد میت شریف رات بھر لٹکائے
پر زیارت گاہ خاص عام رہی اور صبح ۸ بجے مسجد فتحپوری میں حیدر عام کے لئے لائی گئی، مسجد مذکورہ
جس میں تیس پالیس ہزار آدمی آتے ہیں۔

شام ۴ بجے قلعہ جہاں سے بھری ہوئی تھی، میت شریف اسی حجرے میں رکھ دی گئی، جہاں
صبح و صبا دیدار سے تشنگا ہیں سب درو شا و کام ہوا کرتی تھیں، آج یہ آخری دیدار ہے، اب
پھر کبھی نصیبت ہوگا، درو دیوار سے صبرت ٹپکتے ہیں۔۔۔ معتقدین و مریدین آنسوؤں
کی ندیں گزر رہے ہیں، ایک روز سے سے اخل ہوتے ہیں دوسرے روز سے سے نکل
جاتے ہیں، ایسا معاملہ ہو رہا ہے آج یتیم و یتیم ہو گئے۔۔۔ حرم انبیاء ہی حرم انبیاء ہی ہے
محرم محمد مسلم احمد صاحب نے اس آخری دیدار کی کیفیت مجھ کو اس طرح تحریر فرمائی ہے۔۔
"صبح حضرت کی میت حضرت کے حجرے میں رکھی ہوئی تھی، کفن ہوا تھا منہ سے انساؤں کا سیلا
تھا جو آ رہا تھا، طے ہوا کہ تدفین فتح پوری میں ہوگی، اور نماز دس بجے صبح ہوگی، مگر ایسا ہوا، امام
جامع مسجد (مولوی عبدالمجید صاحب) قاضی بجاو (صدر مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری) مولانا زید

(سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ، دہلی) سب ہی تھے، سب نے یہ طے کیا نماز اب جامع مسجد ہوگی، جنازے میں بانس بندھے اور ایک انسان جس نے سہارا سواٹے خدا کے کسی کا نہ لیا تھا، کندھوں پر سوار انسانی سمند سے گزرتا ہوا جامع مسجد پہنچا، پولیس کا معقول انتظام، نماز ہوئی، مولانا زید نے پڑھائی اور پھر جنازہ وایا چاندنی چوک، فچٹوی آگیا اور کس نے دفن کیا، کیا ہوا، نہ میں دیکھ سکا، نہ مجھے میں تاب تھی غیر مسلم حضرات تحویرت تھے کہ یہ کون ہے کہ جس کے ساتھ اتنا ہجوم ہے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی نے بھی رسالہ منادی بابت دسمبر ۱۹۶۶ء میں جلوس جنازہ، نماز جنازہ اور تدفین کے چشم دید حالات اس طرح لکھے ہیں :-

”بیان کیا جاتا ہے کہ شام کو وضو کر کے حضرت سجاد سے پر تشریف فرما تھے کہ روح پروراز کر گئی، وصال کی خبر آنا فائساری دلی میں پھیل گئی، دوسرے دن صبح نو بجے نماز جنازہ کا اعلان ہوا تھا اور خیال تھا کہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب میں تدفین ہوگی لیکن مجمع کی کثرت کیوجہ سے سارے انتظامات درم برہم ہو گئے اور ہزار ہا کا جمع حضرت کے جنازے کو کندھوں پر پراٹھاٹھے جامع مسجد کی طرف لے چلا، بڑیوں کا کٹرہ، فراشیں خانہ، لال کنواں، سرکی والان حوض قاضی، چاوڑی بازار، کے تمام راستے بند ہو گئے، ٹریفک پولیس کو بھی سخت دشواریاں پیش آئیں، کندھا دینے والوں کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب جلوس کا اگلا حصہ جامع مسجد پہنچا ہے پچھلا حصہ قاضی پر موجود تھا۔ جامع مسجد میں ال آفتاب کے بعد دلی کے مشہور گوشہ نشین عالم اور بزرگ حضرت مولانا ابوالحسن زید فاضل جامعہ ازہر و سجادہ نشین خانقاہ مرزا مظہر جانان نے نماز جنازہ پڑھائی اور یہاں سے جنازہ چاندنی چوک ہوتا ہوا پھر دوبارہ مسجد جامع فچٹوی پہنچا اور مسجد کے صحن ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ حضرت کا آخری سفر مسجد سے شروع ہوا اور مسجد ہی پر ختم ہوا اور مع حب الہی سے سرشار اس بزرگ کو جو امام شہر بھی تھا اور صاحب سجادہ بھی، ہزاروں مومن مسجد سے مسجد تک کے سفر میں اس طرح دوش بڈش لے گئے کہ حافظ کا یہ شعر نئے معنی مفہوم میں سب پر آشکار ہو گیا :-

زکوئے میکہ و شوش بڈش می بردند

امام شہر کہ سجادہ می کشید بڈش

ریڈیو اور اشتہارات کے ذریعہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ نماز جنازہ مسجد فتحپوری میں ہوگی اور تدفین درگاہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ میں جہاں برسوں پہلے حضرت نے اپنا سرواوا تیار کر لیا تھا، آج وہی قبر کھل چکی ہے، جلوس جنازہ منزل کی طرف روانہ ہونے والا ہے کہ اچانک ہواؤں کا رخ پلٹ گیا، یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ کیوں کر ہوا؟ — کوئی غیبی طاقت تھی جس نے دلوں کو موڑ دیا۔ — انیس سال قبل ۱۹۴۷ء کے خون ریز فسادات کے دوران جب کہ دشمنان اسلام مسجد شریف کو گھیر لیا تھا، تمام سہاے بھوسٹ چکے تھے، تمام آسے ٹوٹ چکے تھے، مسجد میں محصور مختصر مسلمانوں کی جماعت نے جو مجبور و بیکس تھی حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ وقت بہت نازک ہے مسجد شریف کو مقفل کر کے کسی محفوظ مقام پر تشریف لے چلیں تو اس پیکرِ زینتِ استقامت نے فرمایا: ”اگر قیامت کے دن خداوند تعالیٰ نے پوچھا کہ ہم نے اپنا گھر تعمیر کیا تھا تو اس کو کس پر چھوڑ کر چلا گیا تھا تو میں کیا جواب دے دوں گا؟“

مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے آج اس خدمتِ جلیلہ کا انعام دیا جا رہا ہے ورنہ سعبہ سوفیری ثمیٰ بجزاء اجزاء الاوفیٰ وان الی سبک المنتہیٰ — حضرت نے اس بتلارِ مصیبت کے وقت خانہ خدا کو نہ چھوڑا تو اب اللہ تعالیٰ کیسے گوارہ فرما سکتا تھا کہ اس مہمانِ عزیز (قدس سرہ العزیز) کو لیوں فراموش کر دیا جائے، قیامت تک کے لئے مہمانی کے اعزاز سے نوازا گیا۔ — حضرت نے اپنی بے پناہ استقامت سے غارِ ثور کی سنت کو زندہ کر کے مسجد کی فضاؤں کو لاشعرا ان اللہ معتنا کی جدائے جانِ آفرین سے متمور فرما دیا جس نے زندگی بھر پوری سنت میں خود کو مستغرق رکھا اس آخری سنت سے کیسے محروم کیا جاسکتا تھا، مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں محبوب کی تربت شریف ہے تو مسجد ہی کے ایک گوشہ میں حب بھی آرام کر رہا ہے۔

حضرت کا مزار مبارک مسجد فتحپوری کے صحن میں شمال مشرق کی طرف درگاہ حضرت میاں شاہ نانورحمۃ اللہ علیہ میں شہداء جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) اور میراں شاہ موصوف کے مزارات کے درمیان کشادہ جگہ میں زیارت گاہِ خاص عام ہے۔

۱۷۔ اس درگاہ کا تفصیلی ذکر حصہ اول میں مسجد فتحپوری کے ذیل میں کیا جا چکا ہے۔

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے

یہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطہر انوار

مختلف اخبارات و رسائل میں حضرت کے لئے قطعات تاریخ وفات شائع ہوئے تھے جن کا تفصیلی ذکر علیحدہ باب میں کر دیا گیا ہے یہاں قمر سنبھلی کے دو قطعات نقل کئے جاتے ہیں جن سے بالترتیب سنہ ہجری اور سنہ عیسوی استخراج ہوتا ہے :-

اٹھ گیا کون بزمِ دنیا سے یوں جو ہر شخص غمِ بدوش ہے آج

دمِ روشن تھی جس کے راہِ سلوک اسے قمر شمع وہ خاموش ہے آج

۱۳۸۶ھ

منظرِ علم وہ فقیرِ عصر
لکھ قمر عیسوی میں سالِ حوال
آہ دنیا سے ہو گیا روپوش
ہائے شمعِ تصوف بس خاموش
۱۹۶۶ء

اسی طرح ابوالکلام ضیاء الدین شمسى ٹہرانی نے یہ قطعہ تاریخ لکھا ہے :-

روحِ شمسِ بجاں تمام راحتِ بادا
تاریخ وصال منظرِ شمسِ بجاں
قرشِ بجاں شانِ کرامتِ بادا
ہاتفِ گفتہ عنبرِ بق رحمتِ بادا
۱۹۶۶ء

جنابِ اظہر لدی نے حضرت کی وفاتِ حسرتِ آیات پر ایک مرثیہ تحریر فرمایا ہے، حضرت کی وفاتِ جلوسِ جنازہ اور تدفین کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ آنکھوں کے سامنے تصویر پھر جاتی ہے

مرثیہ

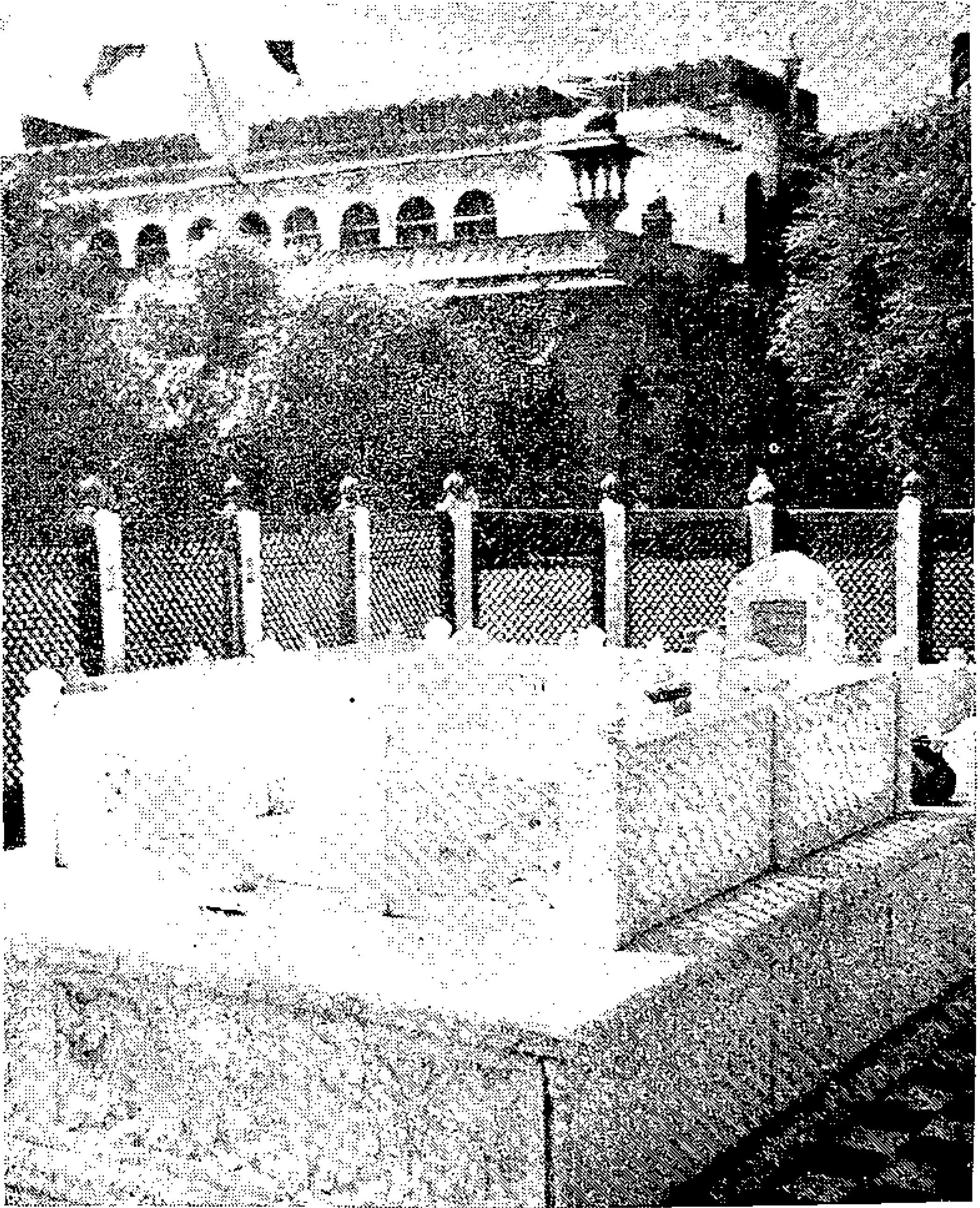
بروفاتِ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد منظر اللہ علیہ شاہی مسجد فتحپوری دہلی قدس سرہ العزیز

۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء

۱۲ شعبان ۱۳۸۶ھ

شاہ محمد منظر اللہ شاہ رخصت ہو گئے
وسے کے یوں از غبدائی آہِ رستہ ہر گئے

پیامِ مشرق (دہلی)، ۱۲، دسمبر ۱۹۶۶ء، ص-۲۵



مرقد انور

حضرت مفتی اعظم الحاج شاہ محمد مظہر اللہ رحمہ اللہ علیہ جو مسجد جامع
فتحپوری (دہلی) میں جنوب مغربی سمت درگاہ حضرت سیراں شاہ نانو
رحمہ اللہ علیہ کے وسط میں واقع ہے

Click For More Books

اہل اہل نظر اہل محبت کے سرور
روز و شب ملنے کو تھے کہ شاہ اٹھے ہر نماز
ہر لمحہ ہر سانس تھا ذکر خدا میں نغمہ ن
چوہہ شعبان العظم اور پندرہویں تھی ات
رات بھر زیارت اہل دل آتے رہے
شہ سواری پندرہ شعبان العظم کی صبح
فتحی شہری مسجد سے چلا شاہی جلوس
ایک جوہر پناہ تھا شہ سواری جب چلی
لال کنواں حوض قاضی چلوڑی بازار سے
کی ادھام مسجد میں جنازہ کی نماز
جامع مسجد اور چاندنی چوک سے ہوتا ہوا

نقشبندی سلسلہ عالیہ کے مہار نور
اگیا حکم خدا و اہل ہوئے بہر نیاز
وقت آخر بھی رہے یاد خدا ہی میں مگن
جب ہوئے روپوش نیلے شہ عالی صفائے
خون دل خون جگر آنکھوں سے برسائے رہے
تھی روانہ ہوئے منزل شان شاہان کیراج
سرخسید تھے جلو میں عاشقان پر خلوص
سوگ میں منساں تھے بازار کوچہ و گلی
گزرے اہل ل جنازہ اپنے گاندھوں پر
زید صاحب کی قیادت میں بعد عجز و نیاز
پہنچا واپس فتحی شہری یہ جلوس با خدا

حضرت قدس سرہ کا جلوس جنازہ مسجد فتح پور کے جنوبی دروازے سے روانہ ہوا تھا جنوبی دروازے
سے جامع مسجد جاتے ہوئے جن مقامات سے گزرنا پڑتا ہے لال کنواں، حوض قاضی، اور چاؤڑی
بازار انہیں کے نام ہیں۔

جو لوگ جلوس جنازہ میں شریک تھے ان کا بیان ہے کہ ایک لاکھ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بہہ
رہا تھا، دہلی میں مسلم علاقوں میں حضرت کے سوگ میں ہڑتال بھی ہو گئی تھی۔

سال غروب قضا سے قبل ہوا ہے، اس لئے پندرہویں شعبان کی رات کہنا حقیقت، اربعہ کے خلاف
ہے، اس میں شک نہیں آفتاب عالم عرفاں کے غروب منیکے بعد پندرہویں ات شروع ہو گئی۔

حضرت مولانا ابوالحسن زید مظاہر العالی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سے چشم چراغ حضرت شاہ ابوالنیر
صاحب کے جانشین ہیں، بتجملہ عالم اور صوفی باصفا ہیں، حضرت مرحوم کو آپت میں تعلق خاطر تھا۔

جامع مسجد سے مسجد فتحی کے مشرقی دروازہ سے اعلیٰ ہونے کے لئے چاندنی چوک سے
گزرنا پڑتا ہے، حضرت کا جلوس جنازہ اسی راستہ واپس ہوا اور مشرقی دروازے سے
اسی منزل پر آپ پہنچا جہاں سے چلا تھا۔

صحیح مجید میں ہوئے مدفون شاہوں کے شاہ قرب نالو شاہ میں ہے آخری آرام گاہ
چھپ گیا چاند بدلی میں ہمیشہ کے لئے سب غلامان شہ والا ترپتے ہی رہے
آہ محمد مظہر اللہ شاہ رخصت ہو گئے مسندِ پٹی کے عالیجہ شاہ رخصت ہو گئے

اس طرح ختمِ انکسار کا افسانہ ہوا

جس نے بھی دیکھا سنا، دل گیر و یوانہ ہوا

نوٹ: یہ مرثیہ جمعۃ الوداع (رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ) کے موقع پر لاہور میں جو حضرت قدس سرہ کی چہلم کی فاتحہ ہوئی اس میں جناب انکسار دہلوی نے پڑھا۔

۱۔ مسجد فتحپوری کے صحن میں شرقی دروازے کے قریب ایک رنگاہ ہے جو نالو شاہ کے نام سے مشہور ہے اس درگاہ میں شیخ جلال الدین تھانی سہری کی اولاد میں چند بزرگوں کے مزارات ہیں، غرض ۱۸۵۷ء کے بعض شہنشاہوں کے بھی مزارات ہیں، حضرت قدس سرہ کا مزار مبارک اس درگاہ کے وسط میں بنا ہوا ہے، تفصیلی حالات مسجد فتحپوری کے ذکر میں ملاحظہ کریں۔

۲۔ حضرت امام علی شاہ مکان شرقی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور شیخ طریقت تھے حضرت قدس سرہ کے جدِ امجد حضرت مولانا محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ مدرس کے خلیفہ تھے، آپ ہی کی ذات گرامی سے مسجد فتحپوری دہلی میں خانقاہ مسعودیہ کو فروغ ہوا، اسی مسند پر حضرت قدس سرہ رونق افروز ہوئے اور ۶۰ سال تک مخلوق کو مستفیض فرمایا۔

گیارہواں باب

تغزیت نامہ

تعزیت نامے

○

حضرت قبلہ قدس اللہ سرہ العزیز کے سانچہ ارتحال پر بہت سے محسنوں اور عزیزوں نے تعزیت نامے ارسال کئے اور شرکت غم سے محبت و شفقت کا حق ادا کیا، جزا ہم اللہ احسن الجزاء۔ بعض محسنین و مجاہدین کے مکاتیب تحذیرتِ نعت کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

①

حضرت العلامة مولانا مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی، حیدرآباد پاکستان

مرسلہ ۲۹ نومبر ۱۹۶۶ء

مولانا سلیم الرحمن

اسلام علیکم، جب حضرت کے رحلت کی خبر سنی تو کوہِ غم ٹوٹ پڑا۔ بار بار انا اللہ پڑھتا رہا اور فوراً کچھ پڑھ کر حضرت کو ایصالِ ثواب کیا اور بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا کہ ٹھٹھو کے نام سے سہ دست یہ حضرت کو پہنچا دیا جائے، مغفرت اور علو درجات کے لئے اس متبرکے ات میں دعا کرتا رہا، دوسرے روز وہی سے تار بھی آگیا اور تار کا جواب رستہ دیدیا، اور اب تعزیت میں خطا لکھ رہا ہوں، اور آپ کو بھی لکھ رہا ہوں، جب میں خود مبتلائے الم ہوں تو آپ کو کیا تسلی دے سکتا ہوں بہر حال رضا بقضا بھی ان قرب کی چیزوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مقبرین بندوں کے اوصاف جلیلہ ہم کو اور آپ کو عطا فرمائے اور حضرت کو ہم سب سے نفع پہنچائے اور اس طریقہ اولیاء پر ہم اور آپ سب قائم رہیں جو حضرت کی خوشنودی کا باعث ہو۔

محمد محمود

②

محترمی و مکرمی حکیم قاضی مشتاق احمد صاحب ام عنائیہ (فاضل الطب البجرات وہی) اگرچہ

مرسلہ ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ ۲۹ نومبر ۱۹۶۶ء

باسمہ سبحانہ

بچہ مشغولِ کرم دیدہ و دلِ راکہ دورم
دلِ ترامی طلبد، دیدہ ترامی خواہد

اسلام علیکم وعلیٰ اہلکم۔ بعد ما وجب اس کہ وفعتہ اور اچانک علی حضرت قبا امام صاحب کے محال
شریف کی اطلاع دہلی ریڈیو سے معلوم ہو کر ناقابل بیان و ظہار صد مہ عظیم ہوا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ
رَاجِعُونَ۔ ع

حضرت قبلہ کی ذات گرامی اہل ایمان کے لئے یقیناً و حزمًا بابرہ متیقنہ، قرآنی اصطلاح میں فیسیلۃ تھی، لاریب آنحضرتؐ کی ذات سامی شیخ العالم تھی، آپ شریعت کے بلجار، طریقت کے ماوا، اور ہم تمام مسعودیوں کے لئے بحیثیت بقیۃ السلف تھی، آپ کا مثالی تقویٰ اور ورع جملہ عقیدت مند ائمہ و اہل بیت و اہل بیت کے واسن ولایت کے لئے سلف کا نمونہ تھی، صد افسوس کہ آج باقی مائے مشیت الہی وہ ردار رحمت ہم غم نصیبوں سے بظاہر علیحدہ ہو گئی ہے لیکن بطون سے نزدیک تر اور فیض رساں ہے، اہل توفیق بقدر علاقہ و ارادت مستفیض ہو رہے ہیں، اور ہوتے رہیں گے۔

آہ! آج وہ ذات جامع الصفات ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ہے جس کی زیارت عبادت تھی، الحمد للہ کہ حضرت عظیم البرکت سہمتہ اللہ علیہ کی ظاہری و باطنی اولاد انجاد آج ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے بفضلہ مرہم کا قورہ ہیں، موجود ہیں اور اس حال نواز تبسم کی جھلک تو خدا واد طور پر آں جناب کی ذات گرامی میں موجود ہے، رب جمیم کریم خائے ارشاد آباد رکھے

جذبات مافی الضمیر کے مزید اظہار کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔۔۔۔۔ اس وقت۔۔۔۔۔
بالا خصار بلکہ بالا پجارت، بادیدہ گریاں و دل بریاں اپنے قلبی اور روحانی تاثرات پیش کرتے ہوئے
دل و جان سے شریکِ غم ہے۔۔۔۔۔ آں جناب کو تلقین صبر جمیل آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔

غفر الله له ولوالديه

(۳۳)
محترمی انور عباس صاحب پروگریس آفیسر پاکستان سکرٹریٹ، لاہور
مرسلہ نمبر ۱۹۴۶ء

مکرمی مسعود صاحب

اسلام علیکم، آپ کے دو خطوط ملے، یکے بعد دیگرے غم اور مفارقت کے دو داغ واقعی امتحان
عظیم ہیں، جوان سال بچپنی کو جدا ہونے (بھی) کچھ دن بھی نہ گزر سکتے تھے کہ پدر بزرگوار داغ مفارقت
دے گئے، حق تعالیٰ مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو اور دیگر افراد خانہ کو صبر جمیل عطا
فرمائے آمین۔

یوں تو ہر موت، اندوہ و غم کا سبب ہوتی ہے، لیکن ایک عالم کی موت تو درحقیقت عالم
کی موت ہوتی ہے، جس کی موت پر غم و اندوہ کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، آج کی مادہ پرست
دنیا میں صدق دل سے اللہ کا نام لینے والوں اور اس کا نام پھیلانے والوں کا وجود ایک بڑا سٹریہ ہے، اس
لحاظ سے آپ کے ال بزرگوار کی وفات ایک ایسا نقصان ہے جس کا اندازہ بہت مشکل ہے، حقیقت تو
یہ ہے کہ انسان جو شخص ہے اور اللہ کی حکمتوں کو سمجھنے سے قاصر ————— فقط

شریک غم
عباس

(۳۴)
محترمی پروفیسر عبدالقدیر سلیم صاحب شعبہ فلسفہ گورنمنٹ کالج، میرپور خاص
مرسلہ نمبر ۱۹۴۶ء

براہر گرامی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الم نامہ ملا عباس سے ذرا دیر قبل مسعود علی صاحب نے بتلایا تھا کہ جب تک میں یہ خبر چھپی ہے، ہائے کیونکر
تغزیت کروں اور کیا لکھوں؟ داغ غم پر اگندہ ہے اور قلم سکنتہ زدہ، یقین نہیں آتا تھا کہ یہ ہو سکتا ہے،
ایک تو بجز کا عالم اور اس پر یہ صدمہ، اللہ تعالیٰ آپ کو صبر و ہمت ارزانی فرمائیں، !
باپ سب ہی جوتے ہیں، مگر کیسے پدر، عالم با عمل و عبت رسول میں غرق، سادگی اور ایمان
جسم آپ کے لئے باعث فخر اور اہل دلی کے لئے باعث عزیمت کامیاب زندگی گزار رہی، اپنے نیک

Click For More Books

مختصر سی صحبت اور دید جو مجھ ناچیز کو نصیب ہوئی تھی، تا عمر یاد رہے گی، ایسے عالم، بے نفس
دلوں کو جوڑنے والے، ورثۃ الانبیاء، کہتے ہیں؟ اگلیوں پر گئے جاسکتے ہیں، ان میں سے ایک کا
اٹھ جانا واقعی متاع بے بہا کا چھن جانا ہے، موت العالم موت العالم، مگر مالک حقیقی کی صفی
اور خوشی، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائیں ————— فقط

۵

مخدوم معتمدی استاد گرامی قباذہ اکثر علامہ مصطفیٰ انصاری مفتی العالی (ایم ایس پی بیچ ڈی۔ ڈی۔ ایلٹ)
صدر شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد، مضرع پاکستان

6A4

عزیز گرامی منزلت و اسم مجدکم

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ کل جمعہ کو گرامی نامہ ملا۔ قبلہ الہ صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کی خبر سے سخت قلق ہوا انا اللہ وانا الیہ راجعون، ایسی برگزیدہ ہستی اس دور میں کہاں؟ اللہ پاک ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کے اپنے حفظ و اماں میں رکھے اور جبریل و رحمت فرمائے، آمین ثم آمین۔

کل اتفاق سے جمعہ تھا تو حلقہ والے تمام حضرات نے ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنے کی سعادت حاصل کی، واقعی بے حد قلق ہے اور الفاظ نہیں کہ آپ کو تسلی دے سکوں، اللہ پاک صبرِ عطا فرمائے اور حضرت علیہ الرحمہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہم سب کے توفیق و رفیقِ حال فرمائے، آمین ثم آمین، انشاء اللہ مفتی محمد صاحب قبلہ کی خدمت میں بھی آج حاضر ہو کر تعزیت کروں گا۔

دہلی آپ خط لکھیں تو بھائی صاحبان اور تمام اعزہ کی خدمت میں میری طرف سے سو ڈیابہ سلام سنوں اور تعزیت عرض کر دیں، اللہ پاک صبرِ عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط والسلام

احقر غلام مصطفیٰ خاں

(۴)

عبدیق محترم ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی (ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)؛
انچارج شعبہ چینی، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد، مغربی پاکستان

۷۸۶

مرسلہ ۲ دسمبر ۱۹۶۶ء

افنی المکرم

اسلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کارڈ ملا۔ والد ماجد کے ارتحال کی خبر اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو گئی تھی، بڑا صدمہ ہوا، اللہ
تعالیٰ انہیں پے جو رحمت اعلیٰ علمیتیں میں مقام کریم پر متمکن کرے۔ اور آپ لوگوں کے حق میں صبر
جیل ارزانی فرمائے۔

بزرگوں کا سایہ بڑی نعمت ہے جب تک قائم رہے اللہ کی بڑی رحمت ہے لیکن بہر حال
اسے ایک دن اٹھنا ہوتا ہے کل نفس ذائقۃ الموت۔ انک میت وانہم مدیتون۔
موت سے کس کو رستگاری ہے

آج وہ کل ہماری باری ہے

پھر بھی صدمہ تقاضا ہے بشریت ہے، لاکھوں کو بھی شے جانیں لو لے کی یاد آتے ہی دل پر غم کے بادل چھا
جاتے ہیں، نہ اپنی بھرداری کچھ کام آتی ہے نہ نا اچھین کی نصیحت میں خود کو اس کا اہل نہیں پاتا کہ آپ کو
سمجھاؤں اور لکھوں کہ غم نہ کیجئے، اللہ پر بھروسہ کیجئے، صبر سے کام لیجئے۔ یہ باتیں آپ مجھ سے بہتر جانتے
ہیں اور زیادہ صحیح طریقہ پر خود کو سمجھا سکتے ہیں، فقط اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر میری بے مصرف، بیکار
زندگی اس موقع پر آپ کے کسی کام آسکتی ہے تو اسے دے کر مجھے یہ سکون حاصل ہو گا کہ میں بھی
دنیا میں کوئی کام کر گیا

شرف الدین

(۵)

حضرت مولانا مولوی الحاج محمد عارف اللہ صاحب مدظلہ العالی صاحب کججیتہ علما پاکستان اسلام آباد

۷۸۶

مرسلہ ۴ دسمبر ۱۹۶۶ء

عزیز زید لطف

سلام مسنون، غم نامہ ملا، جو کہ میں نے اپنے عزیزوں کے ساتھ اور عزیز نواخل

Click For More Books

میں مشغول تھا ایک صاحب انڈیا ریڈیو کے حوالہ سے پالیسی سنایا۔ خبر سن کر جو کیفیت قلب پر گزری اس کا اظہار الفاظ کے ذریعہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وقت فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کیا۔
آپ ایک شفیق باپ سے محروم ہو گئے لیکن اہل سنت و جماعت ایک عظیم روحانی پیشوا سے محروم ہو گئی
ابا کا برین اسٹھتے جا رہے ہیں حق تعالیٰ ہی اپنے دین کا محافظ ہے ع
آج وہ کل ہماری باری ہے

دلی دعا ہے کہ حضرت مہر کو جو ارخاص نصیب ہو اور آپ کو ہم کو سب کے صبر جمیل مرحمت ہو ع
ایک چراغ اوز بکھا اور بڑھی تاریکی

میں آپ کے اس عظیم غم میں برابر کا شریک ہوں

دعا گو

شاہ محمد عارف اللہ قادری

۴ دسمبر ۱۹۶۶ء

محترم و مکرم جناب فخر محمد ماجد صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج، جوہر آباد
مرسدہ ۸ دسمبر ۱۹۶۶ء

گرامی قدردانا صاحب

اسلام علیکم۔ آپ کا خط یہ روح فرسا خبر لایا کہ آپ کے والد محترم اس جہان فانی سے واپس آ کر
طرف حلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون! سخت قلع ہوا، میں اس صدمہ سے دوچار
ہو چکا ہوں اس لئے آپ کے احساسات کو بخوبی سمجھ سکتا ہوں، لیکن آپ کا رنج مجھ سے سوا ہے کہ ایک
تو آپ ان کے انتقال کے وقت ان سے دور تھے اور دوسرے محروم ہندوستانی مسلمانوں کے پشتیان
تھے، خدا انہیں غرق رحمت کرے اور کمرٹ کرٹ جنت نصیب کیے سے، خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے
میں آپ کے غم میں زور شریک ہوں

والسلام

آپ کا شریک غم

ماجد

ایک بار پھر دلی افسوس کے ساتھ۔

⑨

محترم المقام حضرت مولانا مولوی محمد اسحاق خان سرسندی، مظلہ العالی (از اولاد حضرت مجدد الف ثانی) میسر پورہ
مرسدہ ۹ دسمبر ۱۹۶۶ء

لو كان الدنيا تدوم ولو احد
لكان فيها رسول الله فخلا

محترم المقام جناب مولانا مسعود صاحب سلمکرم بکرم البقاکم

نامہ محبت کاشف احوال ہوا، مولانا کی وفات حسرت آیات پر جتنا بھی غم کیا جائے وہ تھوڑا ہے، میں
ان دنوں میں کراچی تھا، اور اسی صبح جنگ اخبار میں مولانا کی وفات کا اندوہناک احوال معلوم کر کے مفتی مظفر
صاحب کے پاس گیا، مفتی صاحب خود موجود نہیں تھے، ان کے صاحب زادے مسجد آرام باغ میں فاتحہ دے رہے
تھے، میں نے ہاں بٹھیرا، دوپہر کو لنگر کھایا۔

بھائی، مفتی صاحب کی وفات پورے عالم اسلام کے لئے بلکہ پورے اہل سنت و جماعت کے
صحیح عقائد والوں کے لئے افسوس ناک اندوہناک ہے، اس پر جتنا رنج و غم کیا جائے یا حسرت کے
اشک بہائے جائیں، تھوڑے ہیں۔ حضور پاک کی حدیث ہے جو حضور نے اپنے صاحب زادے ابراہیم
کے لئے فرمائی۔۔۔ میں مولانا کے لئے اس صلیب پر کھڑا ہوں، قل مع العین و
یخزن القلب لا نقول الا ما یرضی بنا وانا بفراقک یا مولانا لمحنت فتنون۔ مگر
جب کہ لباس حیات دنیا مستعار ہے عیش و نشاط اس کہنہ رباط کا ناپاٹیدار ہے، لا محالہ یہ کہنا
پڑتا ہے ۵

ماہرہ محکوم حکم تقیر ایم

کردہ ناکردہ اختیاری نیست

اللهم لا تحر مناجیہا ولا تفتنا بعدھا، ان الله وانا الیہ راجعون۔ آپ مجھے بھی
محزونین و مہجورین میں شمار کریں، انشاء اللہ تعالیٰ اگر بالمشافہ ملاقات ہوئی تو مولانا کے فضائل
و کمالات بیان کر کے کچھ دل کی بھڑاس نکالیں گے ۵

دنیا عالم عشرت، عقبی غم اعمال

آسویگی از ناد و جہاں فاصلہ دار

آپ کا دعا گو و غم شریک

محمد اسحاق مجیدی

(۱۰)

مخدومی و معظمی حضرت قبلہ دیوان ستیہ آل رسول صاحب ظلہ العالی (دیوان گاہ خواجہ معین الدین چشتی)
از شہاد -

ٹیلیگرام

مرسلہ ۱۰ دسمبر ۱۹۶۶ء

All deeply grieved by sad demise
of your revered father and pray
That Almighty grant him Jannatul
Firdaus and fortitude to
bereaved family

Diwan Al - e - Rasul.

(۱۱)

برادر محترم پروفیسر عبدالقدیر سلیم صاحب شعبہ فلسفہ گورنمنٹ ڈگری کالج، میرپور خاص

مرسلہ ۱۸ دسمبر ۱۹۶۶ء

برادر گرامی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے، آپ کا دوسرا خط چند روز پہلے
موصول ہوا تھا، جواب میں تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں، آپ نے سچ لکھا ہے کہ سب سے بڑا صدمہ ہے
جو ایک نیک نیت بیٹے کو پہنچ سکتا ہے یوں دنیا میں ایسے بد بخت بچوں کی کمی نہیں رہی ہے جو ستا چھتہ
روزہ کے لئے اپنے والدین کے اٹھ جانے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

ان چند روز میں مسلسل سوچتا رہا کہ کس طرح آپ کو دلاسا دوں ورنہ کیا کلمات ہو سکتے ہیں،
جن سے آپ کے قلب مضطرب نہ ہو، بارے قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہ دکھائی گئی
جو انتہائی حالت اضطراب میں انسانی روح کو تسکین دے سکے الا بذکر اللہ تعظم ثن القلوب
کی نص قطعی بھی اس پر شاید ہے، اور میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ جب مسائل کے گھپانہ نہ صیراں و بریم
کی تاریکیوں میں امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی، اس وقت کلام الہی کے پڑھنے سے ایک خاص
لذت، صبر و استقامت و بہت محسوس ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت ہم کائنات کی عظیم ترین قوت

ہم کلام ہوتے ہیں۔۔۔ دنیا اپنی تمام روشنیوں اور تاریکیوں سمیت، اپنی اس صحت زمانی و مکانی کے باوجود ایک حقیر ذرہ معلوم ہوتی ہے، اور جلال و جمال الہی کے سائے اور حفاظت میں ہم خود کو انتہائی محفوظ محسوس کرتے ہیں اور اللہ جس کا ولی ہو اسے کیا خوف و حزن :-

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ع

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا !

حیات انسانی دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی امانت ہے چند روز کے لئے اسے نیا اور اہل دنیا کے سپرد کرتے ہیں اور پھر واپس بلا لیتے ہیں، اس میں مقصود خود صاحب حیات کا امتحان بھی ہے اور اہل دنیا کا بھی۔ مبارک ہیں یہ لوگ جو اس کا اچھا استعمال کرتے ہیں یہ لوگ کم ہیں، مگر بقول حضرت عیسیٰؑ یہی زمین کا نمک ہیں۔۔۔۔۔

برادر گرامی ! ہماری اس حیات چند روزہ کی حقیقت اس دایگی فرض کی مدت سے کچھ زیادہ نہیں جو کھینٹ ملازم کے ہم گزارتے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ اصل حیات تو حیات ابدی ہے و ما الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ قَالَ كَذٰلِكَ نَقُوْلُ الْبَشٰرِیْنَ اَوَّلَیْحِیٰوۃِیَوْمِؕ اِس پر شاہد ہیں۔ جدائی بے حد شاق ہے، اس میں کوئی شک نہیں لیکن کیا یہ امر عیاشیست نہیں کہ ہر سانس اور ہر لمحہ ہمیں اپنے بچھڑے ہوؤں پیاروں، لائق احترام ہستیوں سے قریب کر رہا ہے سقراط کی طرح ذرا ان مسرتوں کا اندازہ تو لگا لیے جب ہم ان سے ملاقات کا موقع ملے گا، ان کے خیالات سے مستفید ہونے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے موقع ملاں گے (ان شاء اللہ)۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا وقت ہو گا، بڑے بڑے علماء، صلحاء، اہل دل، اہل بصیرت و نظر کجا ہوں گے، پھر ان ملاقاتوں کے لطف کو غارت کرنے والا یہ احساس بھی ہو گا کہ صحبت عارضی ہے۔۔۔۔۔ جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے، بلکہ یہ مزید بھی دائمی ہوں گے اللہ تعالیٰ ہر ان افضال اور فضل عظم یعنی اپنے دیدار و حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت سے مشرف فرمائیں، ظاہر ہے کہ اس خوش نصیبی کا تمام تردد اور مدار اللہ تعالیٰ کی عنایت و نوازش پر ہے مگر دوسری طرف ہم پر بھی لازم ہے کہ خود کو ان نوازشات کا مستحق بنانے کی سعی کریں۔ یہ چند پریشیاں خیالیاں ہیں، آپ ماشاء اللہ خود بڑے عالم اور اہل دل ہیں، آپ کی ذات خود دوسروں کے لئے ڈھارس اور سہارا ہے، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مشکلیں آسان فرمائیں، کیوں کہ جس کا سہارا ہے وہ کبھی زمین پر نہیں گرے گا۔

Click For More Books

رہتی اور جس کا دل خدا کی طرف اغب ہو، دونوں عالم اسے سچ دکھائی دیتے ہیں
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

نقطہ آب کا بجائی
عبدالقدیر سلیم

(۱۲)

مختر میکر می مولانا الحاج محبوب الہی صاحب سابق پرنسپل اور ٹیٹل کالج، دہلی
از لاہور

مرسلہ دسمبر ۱۹۶۶ء

عزیز محترم سلام اللہ و رزقکم الصبر علی ما اصابکم

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع یہاں بعض
حضرات سے معلوم ہو چکی تھی اور میں میرپور خاص ایک عریضہ تعزیت لکھنے والا تھا کہ غم نامہ موصول ہو کر
باعث صدمہ رنج و ملال ہوا، حضرت مرحوم کا سایہ البرز گوار ہونے کی حیثیت سے بھی اور صرف روحانی
کی جہت سے بھی سایہ رحمت تھا، اس سے مخرومی ناقابل تلافی نقصان ہے جبرۃ اللہ تعالیٰ جو حکم
خلفاء شیدائہ رحمہ اللہ۔

چوں کہ یہ ساعت مقررہ اور اجل موحل بتقدیر خداوندی تعالیٰ شانہ ناگزیر تھی اور خدا کی مرضی کو اپنی مرضی پر
ترجیح دینا بلکہ اپنی مرضی اس کی مرضی میں فنا کر دینا بندہ کا اولین فریضہ ہے، اس لئے مقام صبر ہے
مولا کریم ہمت موصولہ صبر عطا کرے آمین اور حضرت مرحوم کو جوار قدسی میں مقام رفیع نصیب فرمائے
آمین اہ طلالہ علیہ شایبہ رحمتہ۔

احقر محبوب الہی عفی عنہ

والسلام

(۱۳)

برادر محترم خواجہ حسن ثانی نظامی دام مجید ہم (صاحبزادہ خواجہ حسن نظامی مرحوم) دہلی

مرسلہ ۲۶ جنوری ۱۹۶۶ء

محترم بھائی مسعود صاحب

اسلام علیکم ابھی آپ کا ۱۰ جنوری کا خط ملا، حضرت مفتی صاحب کی ذات گرامی واقعی ایسی تھی کہ میں

Click For More Books

آپ سے تعزیت کروں اور آپ مجھ سے تعزیت کریں، تاہم آپ کے تو وہ والد بھی تھے اس لئے آپ کے غم کا کون سا تھوڑے سا تھوڑا سا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہی ہم سب کو صبر جمیل عطا فرما سکتا ہے۔

سوم اور چالیسویں پر بھی آپ کا انتظار رہا۔

اس اطلاع سے خوشی ہوئی کہ آپ حضرت کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ میری کوئی خدمت کا راند ہو سکے تو بعد شوق حاضر ہوں۔ سترھویں سے فرصت مل جائے تو انشاء اللہ اخبارات کے تراشے بھجواؤں گا۔

ہفتے عشرے میں اللہ ماجد کے ہر کارنے یارت حرمین اور حج کے لئے روانگی کا ارادہ ہے دعا فرمائیں۔

مخلص آپ کا
حسن ثانی نظامی

(۱۴)

صدیق محترم ڈاکٹر محمد حکیم جان صاحب کوزہ بانڈی، ریاست سواست

مرسلہ ۲۲ مئی ۱۹۶۷ء

عزیزم پرفیسر محمد مسعود احمد صاحب دہلی

وعلیکم السلام رحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کارڈ بہت تازہ کے بعد ملا، سرسری نظر ڈالنے پر کتاب نصف الملاقات کی خوشی حاصل ہوئی لیکن صداقتوں سے کہ مضمون پڑھنے کے بعد معدن الحقائق والدقائق، منبع علم و فضیلت، والد ماجد کے انتقال پر طالع پریدیہ نچ و طالع لائق حال ہوا، فرط غم و الم کی وجہ سے آپ کو سرفست جواب دینے کی جرأت بھی نہ کر سکا، آپ کے والد بزرگوار مجسمہ علم و عمل تھے، اس نے ارفانی سے رحلت فرما کر وہاں بحق ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون، میں درمیکر والد بزرگوار اس غم میں آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، دعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دیں اور آپ اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین !

والسلام

محمد حکیم جان

(۱۵)

حضرت استاد محترم مولانا عبدالرحمن صاحب استاد مدرسہ اسلامیہ کھڑپچا، ضلع ملتان

مرسلہ ۲۲ مئی ۱۹۶۷ء

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

نحمدہ ونصلی علی سلسولہ الکریم علی الہ واصحابہ اجمعین و
علی سائر الانبیاء المرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

عزیز محترم و مکرم جناب مسوٰجہ صاحبہ بیحدکم

اسلام علیکم رحمۃ اللہ۔ طالب خیر بانی، چند سال کے بعد آں جناب کا اعزاز نامہ، عنایت نامہ، محبت نامہ
موجب سرور کثیر ہوا، الحمد للہ کہ آں جناب بخیر و عافیت ہیں۔ والد ماجد مفتی اعظم امام شاہی
مسجد فتح پور ہی دہلی مرحومہ اللہ علیہ رحمۃ کاملہ واسعۃ کی وفات وصال پر جبنا غم کیا
جائے وہ بہت کم ہے۔ کلام پاک میں صاف رشاد ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی وفات پر آسمان
روتا ہے، والد ماجد محاسن و کمالات کے جامع و مخزن و منبوع و معدن و مجمع اور حافظ کلام اللہ
تھے، اور بہت سخی تھے اور خوش تحریر تھے اور علماء کرام کے طبقے میں یہ یمینوں صفات بہت کم
ملتی ہیں۔ اور بہت صاحب محبت مروت تھے، خلاصہ یہ کہ زبان قلم، تقریر و تحریر
سے قاصرین اللہم اجعل قبرہ موضۃ عن ریاض الجنۃ اللہم ارفع درجۃ فی
المہدیین واخلف فی عقبہ فی القابرین واغفر لنا ولہ یا رب العالمین۔

والسلام مع الاکرام

آپ کا قدیمی مسنون، پروردہ نوازشات و عنایات

عبدالرحمن عینی عنہ

بارِ صوالِ باب



اخبارات و رسائل

اخبارات رسائل

حضرت قندہ قدس سرہ العزیز کے عالم و فضل و زہد و تقویٰ کا دور و نزدیک شہر تھا، چنانچہ آپ کی حیات مبارکہ میں ور وصال کے بعد پاک و ہند کے اخبارات رسائل میں خراج عقیدت پیش کیا جاتا رہا تلاٹ جستجو کے بعد چند اخبارات رسائل دستیاب ہوئے ہیں ہم انہیں میں سے انتخاب کر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے حضرت کی ہمہ گیر شہرت، عالم گیر مقبولیت اور جہاں گیر شوکت و عظمت کا پچھلے اندازہ ہو سکے گا۔

ماہ نامہ عقیدت (نئی دہلی) کے جولائی و اگست ۱۹۶۲ء کے شمارے میں علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت قندہ قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی پر ”مفتی اعظم“ کے عنوان سے ایک مقالہ ظلم بند فرمایا تھا، یہاں سالہ مذکور کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

①

تفسیر حدیث، فقہ و محقول ریاضی و اقلیدس اور ادب انشاء میں، کمال مہارت ہے، فقہ کی جرحیات پر اس قدر عبور ہے کہ مخالفین بھی لوہا مانے نہیں، اور کمال کے مترف میں، مسائل تصوف سے بھی غایت درجہ آگاہی ہے گویا کہ آپ علم و ہنر اور فضل و کمال کے اتھا سمندر ہیں، کیسا ہی پیچیدہ مسئلہ ہو آپ ادنیٰ توجہ سے حل فرما دیتے ہیں۔ اسلوب بیان ایسا پاکیزہ اور شائستہ ہے کہ ہر بات دل میں ترقی چلی جاتی ہے۔ اور ذرا بھی بار خاطر نہیں ہوتی۔ (ص ۲۸)

②

حضرت قندہ کے حسن اخلاق کا وصف اگرچہ عام ہے اور ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق فیض یا ہے لیکن ایسا بھی ہے کہ ہر کوئی آپ کی شفقت کو اپنے لئے مخصوص سمجھتا ہے، مگر جن امراء میرے تمکنت کا شائبہ بھی ہوتا ہے ان سے ملاقات میں خود اری کا وصف جلوہ گر رہتا ہے، ایک بار نواز عثمان علی خان سابق والی حیدر آباد کوں نے پیغام بھیجا کہ فلاں وقت آپ تشریف لے آئیں مجھے بعض مسائل کے متعلق گفتگو کرنی ہے، آپ نے قاصد سے فرمایا ”ضرورت انہیں ہے ان ہی کو آنا چاہیے۔“ (ص ۲۹)



سب سے گئے اور معذرت کے سوا انہیں کچھ کرتے نہ بن پڑی۔ (ص-۲۹)

(29-00)

⑤

(ص-۳۰)

اظہارِ غم کرتے ہوئے اپنے ولیّ آثار کا اظہار کیا ہے، عنوان ہے ۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی

Click For More Books

شریعت اور طریقت کے الیوانوں میں اداسی چھا گئی
اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے یہاں اس میں سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱)

حضرت مفتی مظہر اللہ صاحب انٹنی برس سے زیادہ عمر پائی اور ساری عمر دین حق کی خدمت میں
گزاری۔ دنیا کو ان کو صرف امام مسجد جامع فتحپوری دلی اور مفتی اعظم ہی کی حیثیت سے نہ جانتی تھی بلکہ
ایک لائق کامل اور پیر مرشد کی حیثیت سے بھی دور دورا ان کا شہر تھا اور بے شمار مخلوق ان کے حلقہ
ارادت میں شامل تھی، اور مخالف موافق ہر حلقے میں ان کی عزت کی جاتی تھی۔ (ص - ۴۲)

(۲)

شریعت کی پابندی کرنے میں وہ بے حد محتاط تھے لیکن دوسرے علماء اور مفتیوں کی طرح
تقریریں کرنے اور زبردستی اپنی بات منوانے کے قائل نہ تھے، وہ تقریر سے زیادہ تاثیر دکھایا کرتے
تھے اور دلی والوں نے ان کے خلوص کی تاثیر کا یہ کرشمہ تو آخر تک دیکھا کہ حضرت مرحوم عین قوالی کے
وقت درگاہ حضرت محبوب پاک ہیں یا کسی دوسری درگاہ اور خانقاہ میں حاضر ہوتے ہیں وراں کو
دیکھتے ہی صاحب سجادہ اور متعلمین نے قوال کو اشارہ کیا ہے کہ سازا اور مزامیر بند کر دو اور
بابے کے بغیر کلام سناؤ۔ مفتی صاحب مرحوم زیادہ تر نقش بند یہ سلسلے میں بیعت لیتے تھے اور
اس سلسلے کے آداب کے مطابق بابے کے ساتھ قوالی نہیں سنتے تھے۔ تاہم دوسرے ہٹا ڈھم
مولوی کی طرح وہ کسی کو قوالی نہ سننے پر مجبور بھی نہ کرتے تھے، لیکن ان کی ہر جان
مرنج طبیعت اور زہد و ورع کا ہر شخص پر ایسا اثر تھا کہ ان کو دیکھتے ہی بابے بند کر دے جاتے
تھے، اور کوشش ہوتی تھی کہ کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف نہ ہو حالانکہ ان کے برعکس
جب ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے بار سوخ اور با اثر مخالف سماع علماء درگاہوں
میں آتے تھے تو ان میں سے کسی کے لئے بھی بابے بند نہیں کمائے جاتے تھے اور مزامیر کے
ساتھ قوالی جاری رہتی تھی۔ (ص - ۴۳)

(۳)

بیان کیا جاتا ہے کہ شام کو وضو کر کے حضرت سجادہ پر تشریف فرما تھے کہ روح پُراز
گر گئی، وصال کی خبر آنا فانا ساری دلی میں پھیل گئی، دوسرے دن صبح نو بجے نماز جنازہ کا اعلان
ہوا تھا، اور خیال تھا کہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب میں تدفین ہوگی، لیکن مجمع کثیر کا بڑا

سے سارے انتظامات درہم برہم ہو گئے اور ہزار ہا کا بیچ حضرت کے جنازے کو کندھوں پر اٹھانے
جامع مسجد کی طرف لیے چلا، بیڑیوں کا کٹھن فراش خانہ، لال کنواں، سرکی والاں، حوض قاضی،
چاڈری بانڈار کے تمام راستے بند ہو گئے، ٹریفک پولیس کو بھی سخت دشواریاں پیش آئیں، کندھا دینے
والوں کی کثرت کا اندازہ اس کی جاسکتا ہے کہ جب جالوں کا اگلا حصہ جامع مسجد پر پہنچا ہے، پچھلا
حصہ قاضی محمد قاضی پر موجود تھا۔

(۴)

جامع مسجد میں زوالی قتب کے بعد دلی کے مشہور گوشہ نشین عالم اور بزرگ حضرت مولانا ابوالحسن
فاضل جامعہ ازہر و مجاہدہ نشین خانقاہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے نماز جنازہ پڑھائی اور یہاں سے
جنازہ چاندنی چوک ہوتا ہوا پھر دوبارہ مسجد جامع فتحپوری پہنچا اور مسجد کے صحن ہی میں تدفین عمل
میں آئی۔ دلی اور اطراف کے بے شمار مسلمان جن میں ہر خیال اور عقیدے کے لوگ تھے نماز جنازہ
اور تدفین میں شریک ہوئے، جلوس میں غیر مسلموں نے بھی کثیر تعداد میں حصہ لیا، چاندنی چوک
اور چاڈری بازار جو خالصتاً ہندوؤں کے علاقے ہیں، ہندو سکھ دوکاندار جنازے کو دیکھ کر
احترام سے کھڑے ہو جاتے تھے، چاڈری بازار میں تو جنازے پر پھول بھی برسائے گئے یہ سارا
انتظام بالکل غیر اختیاری طور پر اور پہلے سے طے کئے بغیر ہوا، راستے بھی خود بخود بند ہوتے چلے
گئے یعنی ہر قسم کی سواریوں کا آنا جانا روکے یا گیا۔ اور جنازہ بھی غیر اختیاری طور پر پہلے جامع مسجد
پہنچا اور نماز کے بعد پھر دوبارہ فتح پوری کی جامع مسجد میں آ گیا، حالاں کہ اعلان یہ ہوا تھا کہ
نماز جنازہ فتح پوری میں ورتدفین درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ ان
لوگوں کی مقبولیت اور ہر دل عزیز دنیا کو دکھانا چاہتا تھا جو ساری عمر شہرت سے پرہیز کر گوشہ
نشین رہتے ہیں اور خاموشی سے دین کی خدمت کرتے ہیں۔ (ص - ۵)

(۵)

حضرت کا آخری سفر مسجد سے شروع ہوا اور مسجد پر ختم ہوا اور مٹے جب الٹی سے سرشار اس
بزرگے جو امام شہر بھی تھا اور صاحب مجاہدہ بھی ہزاروں مومن مسجد سے مسجد تک کے سفر میں اس
طرح دوش بدوش لے گئے کہ حافظہ کا یہ شعر نئے معنی و مفہوم میں سب پر آشکار ہو گیا کہ
زکوئے میکہ دوش بدوش می روند
امام شہر کہ سجادہ می کشید بدوش

(ص - ۵)

اخبار الجمعیۃ (دہلی) نے حضرت کے سانحہ ارتحال کو نمایاں طور پر شائع کرتے ہوئے لکھا۔
آسمان سلوک طریقت کا آفتاب غروب ہو گیا
دہلی ۹ نومبر۔ یہ خبر انتہائی حزن و ملال کے ساتھ پڑھی جائیگی کہ
فتح پوری مسجد کے شاہی امام حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب نے
کل شام ۵ بج کر ۲۰ منٹ پر اس دار فانی کو خیر باد کہہ دیا۔

انا لله وانا الیہ راجعون

جنازہ دن کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مسجد فتحپوری سے جامع مسجد لایا گیا جہاں بارہ بج کر
نومنتہر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ میں یک بڑا ہجوم تھا، جمعیتہ علمائے ہند، اخبار الجمعیۃ اور دیگر
اداروں کے نمائندگان اور شہر کے معززین و عوام نماز جنازہ میں شریک ہوئے، بعد نماز جنازہ
مسجد فتحپوری واپس لایا گیا جہاں ظہر کے بعد جسد خاکی کو سپرد آغوش رحمت کر دیا گیا۔
استقال پر ملال کی خبر ملتے ہی شام کو بغرض تعزیت ناظم اعلیٰ جمعیتہ علمائے ہند حضرت مولانا
اسعد فی، حضرت مولانا عبدالخلیم صدیقی، مولانا وحید الدین قاسمی صاحب ناظم جمعیتہ علمائے ہند
اور جنرل منیجر اخبار الجمعیۃ دہلی مرحوم کے موات کو بہتر شریف لے گئے اور دوپہر تک پس ماندگان کے
پاس بیٹھے رہے، جمعیتہ علمائے ہند اور اخبار الجمعیۃ دونوں مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں
اور پس ماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعا۔

(الجمعیۃ (دہلی) ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء)

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی نے حضرت قبلہ قدس سرہ کے سانحہ ارتحال پر اپنے معلم فکیر
تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے الجمعیۃ (۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء) میں تحریر فرمایا۔
حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب کی وفات حضرت آیات ملت کیلئے ایک فوس ناک سانحہ
اور دینی حلقہ کے لئے ایک قابل تلافی سانحہ ہے۔

مفتی صاحب ایک عالم باعمل و رفیقہ حنفی کے مروجہ جزئیات پر اچھی نظر رکھنے والے بزرگ تھے
موصوف عرصہ سے شدید علالت میں مبتلا تھے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے تھے۔

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں مفتی صاحب نے برصغیر استقلال کا ثبوت دیا، اور مسجد فتحپوری کی
روحانی عظمت کو برقرار رکھا، مفتی صاحب نے مشائخ دہلی کی امت لال پسندانہ روش کو بڑی حد تک نبھایا
اور عقائد کے فتنہ کو پھیلانے والے طبقہ کی کبھی بہت افزائی نہیں کی۔

حضرت حق حضرت مفتی صاحب کے اعلیٰ علمین میں اعلیٰ مراتب عطا فرمائے، اور مفتی صاحب کے شریف سیرت جانشین مولانا الحاج حافظ محمد احمد صاحب نام شاہی مسجد فتحپوری کو اس امر کی توفیق دے کر وہ اپنے والد محترم کا روحانی فیض جاری رکھ سکیں۔

اخلاق حسین قاسمی

اخبار ہمارا دور (دہلی) کے مدیر اعلیٰ عبد الجبار دہلوی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سانچہ ارتحال کی خبر ۲ نومبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں سیاہ حاشیہ کے کر نمایاں طور پر شائع کی انہوں نے لکھا۔

۳۱

ناظرین کرام یہ غمناک خبر پڑھ کر انتہائی مغموم و نالاں ہوں گے کہ ۱۷ شعبان المعظم کو بعد عصر مفتی اعظم حضرت مفتی محمد مظہر اللہ صاحب گدار عالم فردوس ہو گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون، حضرت مفتی اعظم نقشبندیہ سلسلے کے بڑے بزرگ و رولی کامل تھے، اس صدمہ جالی گاہ میں ادارہ ہمارا دو حضرت موصوف کے صاحب ادگان اور پسماندگان اور متوسلین کے برابر کا شریک ہے، حق تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔

(ادارہ)

اخبار دعوت (دہلی) نے بھی ۲ نومبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں یہ خبر نمایاں طور پر شائع کی، اس نے لکھا۔ دہلی ۳۰ نومبر، جیسا کہ پہلے اطلاع دی جا چکی ہے شاہی مسجد فتحپوری دہلی کے امام مفتی مولانا مظہر اللہ صاحب ۲۸ نومبر کی شام کو انتقال ہو گیا، جنازہ دوسرے دن تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مسجد فتحپوری سے جامع مسجد لایا گیا جہاں بارہ بجکر نو منٹ پر نماز جنازہ ادا کی گئی جنازے میں شہر کے مسلم اکابرین و عوام نے بڑی تعداد میں شرکت کی بعد نماز جنازہ مسجد فتحپوری لایا گیا جہاں ظہر بعد مرحوم کے بعد خاک کی کو سپرینٹنڈنٹ لایا گیا۔

اخبار الجمعیت (دہلی) نے ۲ نومبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں بھی حضرت مرحوم کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا :-

اس خبر کو مسلمان حلقوں میں بڑے سنج و فسوس کے ساتھ سنا گیا کہ مسجد فتحپوری دہلی کے شاہی امام مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب اس نیاٹے فانی سے رحلت فرما گئے، مرحوم مسلمانوں کے ہر طبقے میں احترام اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور وہ متوسلین کا ایک بہت بڑا حلقہ رکھتے تھے۔ مرحوم کی اہمیت حاصل رہی، عوام و خواص انہیں ایک

Click For More Books

عالم دین کے ساتھ مرخان مرغ بزرگ کی حیثیت سے پہچانتے تھے، مرحوم نے ۸۰ سال عمر پاٹی اور تمام عمر شاہی مسجد کی خدمت کرتے رہے، فقیہی مسجد دلی اپنی قدامت اور بناوٹ میں بڑی شاہی جامع مسجد کے ہم پایہ ہے جو ہر نماز کے وقت لوگوں سے بھری رہتی ہے، کچھ دنوں سے مرحوم کو بڑی نقاہت تھی، اور امانت کے فرائض ان کے صاحبزادے انجام دیا کرتے تھے، دعا ہے کہ غفار و شہداء خدا انہیں اپنے آغوش رحمت میں جگہ دے اور صاحبزادگان اور توسلین کو صبر و نعمت سے نوازے۔

پندرہ روزہ غریبے از دہلی نے ۵ دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں پورے جوش و خروش کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ وصال و دیگر تفصیلات صفحہ اول پر نمایاں طور پر شائع کیں اس نے لکھا۔

دنیا سے تصوف کا شہنشاہ اور آسمانِ علم و عمل کا آفتاب غروب ہو گیا
اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الحاج مفتی اعظم مولانا محمد ظہار اللہ شاہ صاحب کا انتقال پرمال
مسلمانان اہل سنت میں صفا ماتم، نماز جنازہ میں عتیدت منڈل کاٹھاٹھیں مارتا ہوا ہجوم
دلی شہبان المبارک کی پندرہویں شب بروز پیر بعد نماز مغرب نیائے اہل سنت میں یہ
خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی گئی کہ دنیا سے تصوف کے شہنشاہ اور آسمانِ علم و عمل کا درخشندہ
آفتاب غروب ہو گیا یعنی حضرت الحاج مفتی اعظم مولانا محمد ظہار اللہ شاہ صاحب نقشبندی مجددی
شاہی امام مسجد فقیہی دہلوی دنیا سے فانی سے رحلت فرما کر اپنے معبود حقیقی سے جملے انا للہ
وانا الیہ ارجعون۔

حضرت کے وصال کی خبر دلی میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور پورا شہر ماتم کدہ بنا ہوا تھا، کل انڈیا
ریڈیو نے تقریباً سات مرتبہ حضرت کے وصال کی خبر ریلیز کی، مغرب کے بعد ہی سے حضرت کے دو لاکھ
پر عتیدت مندوں کا بے پناہ ہجوم تھا، ساری رات ہزاروں عتیدت مندوں نے اپنے محبوب
پیشوا کا آخری دیدار کیا، صبح دس بجے تک مسجد فقیہی میں حضرت کا آخری دیدار کرنے والوں کا
ٹھاٹھیں مارتا ہوا ہجوم نظر آ رہا تھا، ۲۹ نومبر صبح ۱۰ بجے حضرت کا جنازہ مسجد فقیہی سے براستہ
فراش خانہ لال کنواں، سرکی والاں، حوض قاضی، اور چاوڑی بازار سے جامع مسجد شاہجہانی
میں لایا گیا، تمام اساتذہ میں ہزاروں عتیدت مندوں نے انتہائی رنج و غم کے ساتھ اس مقدس
جسسی کا آخری دیدار کیا، حضرت کی نماز جنازہ جامع مسجد میں حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی

صاحب نقشبندی مجتہدی نے پڑھائی اور تقریباً تیس ہزار افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی، عوام کے علاوہ علمائے کرام اور مشائخ عظام کی ایک کثیر تعداد نماز میں شریک تھی، جامع مسجد سے حضرت کا جنازہ براستہ اسپتال روڈ، چاندنی چوک، نوآرہ سے مسجد فتحپوری لے جایا گیا جہاں علوم شریعت و معرفت کے اس پیش بہا خزانہ کو ہمیشہ کیلئے سپرد خاک کر دیا گیا۔ دلی کے تمام اخبارات نے اس خبر کو نہایت ہی عقیدت اور رنج و غم کے ساتھ صفحہ اول پر شائع کیا اور اس من دلی کے مختلف مسلم علاقوں میں حضرت کے غم میں ہڑتال کی گئی۔

(جلد ۱، شمارہ ۲، ص ۱)

پندرہ روز پیام مشرق (دلی) کے مدیر مہتمم سقن فاروقی صاحب نے ۱۹۴۲ء کی اشاعت میں یہ تحریر پیغام شائع کیا :-

وفاتِ حسرتِ آیات

عالم باعمل، فاضل بے بدل، فقیہ لیگانہ حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب مدنی حنفی نقشبندی شاہی امام مسجد فتحپوری، دہلی نے بتاریخ ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ (۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء) بوقت شام دہائی اہل کولبیک کہا اور شریعت و طریقت کا یہ مہربان عین غروبِ فتا کے وقت ہمیشہ کے لئے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

اللہ جل شانہ اپنی مغفرت کاملہ سے نوازے اور جنت فردوس میں مراتب عالیہ سے سرفراز فرمائے حضرت مفتی صاحب کی وفات سے آپ کے معتقدین و متوسلین کو بالخصوص ورامت مسلمہ کو بالعموم جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی اس دورِ محط الرجال میں ممکن نہیں وراس اعتبار سے ان کے انتقال پر جس قدر بھی حسرت ملال کا اظہار کیا جائے وہ کم ہے۔
ادارہ پیام مشرق اس غم میں حضرت مفتی صاحب کے متعلقین و معتقدین کے ساتھ شریک ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

محمد مظہر اللہ آپ کا تاریخی نام نامی ہے یعنی ۱۳۰۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور وفات کے وقت عمر شریف ۸۳ سال تھی، آپ نے پورے ساٹھ سال تک نہایت صریح و تقویٰ اور کمال تدبیر کے ساتھ دہلی کی عظیم الشان شاہی مسجد فتحپوری میں امامت فرمائی اور افتاء کی جلیل القدر خدمات انجام دیں آپ کی ننانوے سالہ خدمت حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب مدنی حنفی نقشبندی شاہی دہلی کے سرگاہ

Click For More Books

نرسا شاہ ابی بختر نے ۵ شعبان کو قبل غروب کی جامع مسجد شاہجہانی میں پڑھائی، وہی اور بیرون دہلی
بے ہزاروں مسلمانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور بعد نماز ظہر مسجد فتحپوری کے
موسی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ (ادارہ)

ہفت روزہ "استقامت" (کانپور) ۳۰ دسمبر ۱۹۶۶ء مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۶۶ء جلد
۱۰، شمارہ نمبر ۱ میں حضرت قبلہ کے سانچہ ارتحال کی خبر نمایاں طور پر شائع کی گئی۔ قاضی محمد محبوب علی
فی شہرامروہ کے لطف حکم سے یہ شمارہ ماقم کو مل گیا تھا۔ اخبار مذکور نے لکھا ہے :-

حضرت مفتی مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب کی وفات حسرت آیات

آخری وقت تک اسلام و سنت کی خدمت کے فریضہ کی انجام دہی

جامع مسجد شاہی فتحپوری دہلی کے خلیفہ مفتی حضرت علامہ مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب نے تقریباً
ایک سو کی عمر میں ۵ شعبان المعظم کو بعد نماز مغرب جان، جان آفرین کے پیڑ کی انا اللہ وانا الیہ
ارجعون۔

آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر اثر فوری طور پر سارے شہر میں پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے
حضرت مرحوم کی قیام گاہ پر سینکڑوں سوگواروں کا ہجوم ہو گیا، حضرت اکابر علمائے اہل سنت و
جماعت میں سے تھے، آپ کی فراست ایمانی اور تفقہ فی الدین کو ہر طبقہ میں مقبولیت اور ہر عمر کی
فی اور اپنوں کے ساتھ غیروں کو بھی آپ کے فتاویٰ قابل قبول ہوتے تھے، حکومت اور حکام بھی
آپ کی علمی قدر و منزلت کا احترام کرتے تھے، تیسری صدی ہجری کے آغاز ہی سے آپ نے اسلام
سنت کی تبلیغ خدمت کی انجام دہی شروع کی اور آخر وقت تک اس فریضہ کی ادائیگی جاری رکھی،
وفات کے روز بھی ظہر کے وقت ایک فتویٰ تحریر فرمایا۔ ———— نقشبندی، چشتی، صابری اور قادری
چاروں سلسلوں سے حضرت کی وابستگی تھی، زہد اتقا، عبادت و ریاضت، شب بیداری اور تہجد گزاری
میں قابل رشک حیثیت رکھتے تھے، کیا عجب اس صلہ میں رفیق الہی کی طلبی کے لئے شب بیداری کی مبارک
سعادت کا انتخاب کیا گیا جو ایک مرد مومن کے لئے سب سے بڑی سعادت اور باعث نجات ہے، مولانا
نبارک تعالیٰ مرحوم کی آخری آرام گاہ کو نور و نہایت سے ہمور کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی
توفیق سے نوازے۔ آمین،

ماہنامہ استقامت (دہلی)، جنوری ۱۹۶۷ء، صفحہ ۱۵، کالم ۱-۲ پر پیراستہ جہاب
محمد حسن قادری کی حضرت کو اسل ذیل سے خراج عقیدت پیش کیا :-

سلوک و معرفت اور طریقت کے شیانیوں و علمی حلقوں میں یہ خبر انتہائی حزن و ملال اور
تاسف کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ مسجد فتحپوری کے شاہی امام حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب
۲۸ نومبر کو واصل حق ہو گئے۔

ان اللہ قرانا الیہ راجعون

خدا کی شان ہے کہ جس شاہی مسجد کی امامت مرحوم نے ساری عمر کی اور خدمت کر سکتے،
جوان سے بوڑھے ہوئے اسی مسجد کے مہم ہیں آپ کے ابدی نیند سلا دیا گیا اور اسی مقدس شاہی
مسجد میں آپ کو جگہ ملی۔ مرحوم سلوک و طریقت کے امام تو تھے ہی شریعت کے بھی ایک مسلم عالم تھے اور
مسلمانوں کے ایک طبقہ فکر کی نمائندگی کا آپ کو فخر حاصل رہا، منصب قضا پر بھی آپ کامیابی کے
ساتھ سرفراز رہے، مسلمان شریعی قناد سے کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، مرحوم
نہایت منکسر المزاج، سلیم الطبع، ملنسار اور اپنے متوسلین کے لئے معقیدت کی تکیہ گاہ تھے اور آخر تک
آپ کو برصیت اور مقبولیت کا مقام حاصل رہا۔

انتقال کے بعد دلی میں جگہ جگہ قرائن خوانی ہوئی اور آپ کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا،
مسلمانوں کے لئے آپ کی رحلت ایک جانکاہ حادثہ ہے، پرانے بزرگوار باب تقویٰ خاں خاں
ہی باقی رہ گئے ہیں، دلی میں آپ کا وجود بسا غنیمت تھا، اب ایسے لوگ شاید مستقبل میں نظر نہ آسکیں
گئے، مشائخ طریقت کی سندیں روز بروز خالی ہوتی جا رہی ہیں اور جانے والوں کا جانشین
قسمت ہی سے دستیاب ہوتا ہے، آپ کی جگہ خالی ہو چکی ہے جسے مشکل ہی پر کیا جاسکے گا،
مرحوم ایک مدت سے علیل چلے آتے تھے اور امامت کے فرائض آپ کے فرزند (مولانا محمد حجت)
انجام دیا کرتے تھے، اب آپ کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ اور امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز
شاہی مسجد کی امامت اور خدمت میں کوئی کوتاہی کی جائیگی، دعا ہے کہ خالق اکبر مرحوم کو کوثر شکر و
جنت نصیب کئے، اور آپ پر خدا کی رحمتوں کا سایہ ہو اور اعزہ و اقرباء و متوسلین کو جناب
احدیت سے صبر جمیل کی توفیق ملے، آمین۔

پاکستانی اخبارات

آل انڈیا ریڈیو کے ات کے نشریہ میں حضرت کے سماع

وصال کی خبر سنائی گئی تو پاکستان میں حضرت کے معتقدین

اور متوسلین میں صاف ماتم چھ گئی، کراچی، اور لاہور کے اخبارات نے اس خبر کو شائع کیا، کراچی

کے اخبار "آغا" نے "اور" کے ساتھ اس طرح شائع کیا۔

دہلی، ۲۹ نومبر یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ سننی جائے گی کہ کل فقیہ دہلی میں مشہور عالم دین اور بزرگ مفتی محمد مظہر اللہ کا انتقال ہو گیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے انتقال کی خبر سن کر شہر کے مسلمانوں میں بے رحمی کی لہر دوڑ گئی، مفتی صاحب کے آج سپر خاک کیا جا رہا ہے، دہلی میں مسلمانوں نے اظہار غم کے طور پر آج ہڑتال کی ہے، ہزاروں مسلمان ان کے جنازے میں شرکت کے لئے جوق در جوق، پہنچ رہے ہیں، مفتی صاحب مرحوم مسجد فقیہی کے امام تھے، اور بھارت اور پاکستان میں ان کے ہزاروں مریدین اور معتقدین موجود ہیں، ادارہ آغاز مفتی صاحب کے سانحہ ارتحال پر دہلی تعزیت پیش کرتا ہے (کالم ۵، ص ۱-۱)

اخبار جنگ (کراچی) نے یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں یہ خبر شائع کی :-
کراچی۔ ۲۹ نومبر۔ آل انڈیا ریڈیو کی اطلاع کے مطابق برصغیر پاک بھارت کے ممتاز عالم دین مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام جامع مسجد فقیہی (دہلی) کا انتقال کر گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون، آج دہلی میں انہیں سپر خاک کر دیا گیا، کل دہلی کے مسلمانوں نے ان کے سوگ میں اپنا کاروبار بند رکھا، مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لئے جمعرات یکم دسمبر کو صبح نو بجے جامع مسجد آرام باغ میں قرآن خوانی ہوگی۔

اخبار انجام (کراچی) نے بھی یکم دسمبر مطابق، اشعبان المعظم کے شمارے میں یہ خبر اس طرح شائع کی :-

دہلی۔ ۲۹ نومبر۔ مشہور عالم دین اور بزرگ مفتی محمد مظہر اللہ کا گزشتہ روز یہاں انتقال ہو گیا، مرحوم دہلی کی مسجد فقیہی کے امام تھے، مفتی صاحب کے آج سپر خاک کر دیا گیا، ہزاروں مسلمانوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی، مسلمانوں نے اظہار غم کے لئے اپنی دکانیں کل اور آج بند رکھیں، مفتی محمد مظہر اللہ مرحوم کے بھارت اور پاکستان میں ہزاروں مرید اور معتقدین ہیں۔

پاکستان ٹائمز (لاہور) نے بھی یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں حضرت مرحوم کے سانحہ وصال کی خبر شائع کی یہاں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے :-

”بدھ کے روز لاہور آنے والی اطلاعات کے مطابق مفتی شاہ محمد مظہر اللہ امام جامع مسجد فقیہی (دہلی) طویل علالت کے بعد پیر کے روز دہلی میں انتقال فرما گئے“
اخبار نئی روشنی (کراچی) نے ۲۹ دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں ایک طویل (اداریہ سپر

قلم کیا یہاں اس کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

امام اہل سنت کی رحلت
دہلی کی بزم صوفیاء و افتاء و علماء سونی ہو گئی

①

۲۹ نومبر مطابق ۵ ایشبان المعظم امام اہل سنت مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا قاری مفتی مظہر اللہ
نقشبندی جتوئی کا وصال ہو گیا، اور یوں صرف دہلی بلکہ برصغیر کی بزم صوفیاء و علماء سونی ہو گئی
حضرت علامہ مفتی مظہر اللہ صاحب دہلی کی مسجد جہاں نماز المعروف مسجد شاہجہانی کے بعد دہلی
سب سے بڑی مسجد جامع فتحپوری کے شاہی امام زینت عرابہ منبر تھے، حضرت مرحوم نے نسلا بعد نسل یہ
شاہجہانی سے یہ منصب پایا تھا۔ آپ ایک جید عالم ہی نہ تھے بلکہ حدیث وفقہ کے امام وقت تھے اور
شرعیہ طریقت کی شمع فروزاں تھے۔

②

حضرت علامہ مفتی مظہر اللہ اگرچہ بظاہر ایک گوشہ نشین بزرگ تھے، لیکن جن لوگوں کو ان کا
قرب حاصل تھا یا ان کی دینی خدمات غلط فہمی سے اقف تھے وہ جانتے ہیں کہ دہلی میں — لاکھوں
مسلمانوں کی ذہنی و فکری رہنمائی فرمائی۔

③

ان کی جرأت کا یہ اہم تھا کہ جب مسجد فتحپوری میں ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء گڈ وڈیہ بلڈنگ سے سنگسار
ہندوؤں نے پھیلایم نازیوں پر پھینک کر مسلمانوں کے قتل عام کا اعلان و آغاز کیا تو حضرت مرحوم نے
اپنے مقام سے خدا بھی جنبش کی، مسلمانوں کو روکا، فلسفہ شہادت و جہاد سے آگاہ فرما کر تعلقین
صبر و استقامت کی اعلا اس کے بعد اکتوبر کے آخر تک کوئی جمعہ ہو سکا اور نواح مسجد کے تمام مسلمانوں
کو مکانات چھوڑ کر جامع مسجد کے اکثر قریب علاقے میں بے گھر ہو گیا، حضرت مفتی اعظم خود مظہر اللہ
مسجد کے بلا بولی گلی میں سوار ہو کر خیال مقیم رہے، مریڈل کی درخواست اور ہندوؤں کی دھمکیوں
کے باوجود جہاد یہ علاقہ چھوڑ سنبھرا نہ ہوئے۔ چنانچہ تاخیر غیبی ساتھ رہی، سنگسار
کے سلسلے میں ۱۰ شبے روز فائرنگ کے باوجود مسندین ناپاک عزائم گزند رسانی میں کامیاب
ہوئے، یہی حضرت مفتی مظہر اللہ صاحب کے پاس استقلال میں لغزش نہ آئی توکل پر خدا وہ اسی
بلکہ مقیم رہے اور مسجد فتحپوری میں نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ حالات اعتدال پر آ گئے تو بھی

انہوں نے کسی بندہ و غلام علی یا کسی کانگریس فزیر وغیرہ کی تائید و تعریف کی ——— مسلمانوں کے شکستہ گروں کو اللہ رب العزت اور اس کے نبی برحق محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اغب فرماتے رہے، ارشاد ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی آزمائش کرتے ہیں اور سورۃ العصر کی تفسیر بیان فرما کر ایمان پورا مقامات، محل صالح کی ترغیب حق پر قیام اور متعین صبر فرماتے اور کہتے کہ مسلمانوں کیلئے یہ دور مکی ہے۔
(دکالم ۳، ص ۲-۲)

(۴)

حضرت مفتی مخرم چند سال کا عمر عہد ہوا پاکستان بھی تشریف لائے تھے صرف اپنے معتقدین کی درخواست پر، مختصر عرصہ کے اس قیام میں ہزار ہا افراد نے اس عاشق نیر والی کے دست حق پرست پر توبہ و استغفار کی، اور شرف بیعت حاصل کیا جب مریدین نے قیام پاکستان کی درخواست کی تو فرمایا کہ دہلی کے بے گھر مسلمانوں کو بھی ایک خادم کی ضرورت ہے، یہاں اللہ کا کرم ہے آپ سب کا کرم ہے۔
ہیں خدا پاکستان کو اپنی رحمت سے نواز رہا ہے فقیر کے لئے دہلی کا گوشہ کافی ہے، جسے چھوڑنا ممکن نہیں اللہ اللہ یہ شان تھی حضرت مفتی اعظم کی۔

(۵)

مفتی اعظم مولانا محمد ظہیر اللہ صاحب مرحوم نے شریک بید گنج میں بھی نمایاں حصہ لیا تھا اور امیر شریعت حضرت محدث علی گڑھی اعلیٰ اللہ تعالیٰ (مقامہ) کے ساتھ انہوں نے بہت کچھ حصہ لیا، بہر حال اس دور پر فتن میں صرف دہلی کے بے یاؤمد و کار راسخ العقیدہ مسلمانوں کی تسکین قلب بکرم صغیر مسلمانوں کی ہمنوائی کے لئے ان کی ذات گرامی بڑی خدمت و رحمت تھی۔ ان کا وصال حقیقتاً موت العالم موت العالم کے مصداق ہے، ان کی وفات سے شمع بزم اقیاء خاموش ہو گئی، سند فقہ اسلامی خالی اور دہلی سونی ہو گئی، ان کی ذات گرامی علمائے حق و سلف صالحین کا نمونہ کمال تھی، اتباع شریعت میں ان کا ثانی نہ تھا تقویٰ بزرگی میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے، وہ ہر العلوم ظاہری و باطنی تھے، صاحب کشف و کرامات تھے، دہلی اور کراچی میں ان کے وصال پر لاکھوں مریدین کا سوگوار ہونا لازم ہے، اور اہل سنت کی مرثیہ خوانی برحق ہے، موفیاء و مشائخین جس قدر بھی ملول ہوں وہ کم ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں تعزیت خصوصی عنایت فرمائے ——— آمین

(دکالم ۳ و ۴، ص ۲-۲)

ماہنامہ "نصاب" مصطفیٰ (گورنمنٹ) کے شمارہ ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۷ء میں مولانا زاہد عیسائی نے حضرت کے ساتھ انتقال کے موقع پر ادارہ قلم بند کیا تھا، افسوس یہ شمارہ دستیاب نہ ہو سکا۔

Click For More Books

۱۳۸۶ھ میں شائع ہوا :-

حیدرآباد، ۵ دسمبر صبح بیچتہ اہل سنت والجماعت حیدرآباد و حافظ محمد حنیف نقشبندی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ امام اہل سنت رشید ہدایت شاہ رحمہ اللہ مفتی اعظم اکا وصال ایک عظیم سانحہ اور پوری دنیا نے اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی خسارہ ہے، مرحوم ایک عظیم المرتبت عالم دین ہی نہیں بلکہ روحانی پیشوا بھی تھے جن کے فیض برکات سے لاکھوں مانہ مستفیض ہوئے تھے اور رشید ہدایت کا یہ چشمہ ہندو پاک ہی کو نہیں بلکہ پورے عالم اسلامی کو سیراب کرتا تھا، آپ کے حال پر ہلال سے جو کمی رونما ہوئی ہے وہ مدتوں پر نہ ہو سکے گی، دعا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(کالم، ۲، ۷، ۸، ص-۶)

پاک ہند کی خباثات میں فاتحہ خوانی کی خبریں

حضرت مرحوم کے سانچہ وصال پر اظہارِ غم کے لئے مختلف مقامات پر تعزیتی جلسے ہوئے اور فاتحہ خوانی کی گئی چند خبریں اخبارات کے ذریعے ہم کو پہنچی ہیں یہاں صرف ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(اخبار الجمعۃ "ادبی")، ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء

”شرف منزل“ میں اظہارِ تعزیت

بزمِ راحت اور کانگریس نیشنل اسٹڈی سرکل کی جانب سے حضرت مولانا مفتی

منظر اللہ صاحب کی وفات پر تعزیتی قرار دوا واپس کی گئی۔

اخبار دعوت (دہلی) ۴ دسمبر ۱۹۶۶ء

جامعہ نعیمیہ

مولانا محمد ظہیر اللہ صاحب مام شاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی کو ایصال ثواب

کے لئے اجتماع فراش خانہ یکم دسمبر، ارشدیہاں بعد نماز عشاء منعقد ہوا جس

ہیں دعاے مغفرت کی گئی۔

اخبار تہج (وہی) ۵ دسمبر ۱۹۶۶ء

ولی۔ ہم و ہمیر جناب حضرت مولانا الحاج مفتی اعظم محمد مظہر اللہ صاحب مام شاری

مسجد جامع فتحپوری دہلی زیر اہتمام عید میلاد النبیؐ فراراش خانہ دہلی، رہائش جناب
ایس ایم سلیم الدین صاحب ————— یکم دسمبر کو بعد نماز عشاء منعقد ہوگا
جس میں جناب محمد طیب صاحب قریشی شریفی، جناب ایس ایم سلیم الدین، جناب
نصیر احمد صاحب امرہوی و دیگر اہل عقیدت حضرات نے اظہار عقیدت کیا اور
دعائے مغفرت کی۔

اخبار الجمیعة (دہلی) ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء

بروز جمعرات ۹ ربیعہ صبح مسجد فتحپوری دہلی میں قرآن خوانی ہوگی اور مفتی
منظر اللہ صاحب کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا جائے گا۔ محمد احمد
صاحب امام مسجد فتحپوری دہلی کی عقیدت مند حضرات سے استدعا ہے کہ زیادہ
سے زیادہ تعداد میں شریک ہو کر ثواب دارین حاصل کریں۔

(ادارہ)

اخبار جنگ (کراچی) یکم دسمبر ۱۹۶۶ء ص ۱۰، کالم ۷۰

اطلاع ضروری

جملا حباب و البستگان سلسلہ شریفہ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت
امام اہل سنت مفتی اعظم الحاج شاہ حافظ محمد منظر اللہ صاحب امام شامی مسجد
فتحپوری دہلی کا بروز پیر دہلی میں انتقال ہو گیا، بروز جمعرات صبح ۹ بجے بتاریخ
۷ اشعبان المعظم جامع مسجد آرام باغ میں قرآن خوانی و قل شریف ہوگا
اور جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ قرآن خوانی ہوگی اور تعزیتی جلسہ ہوگا۔

اخبار جنگ (کراچی) ۲۲ نومبر ۱۹۶۶ء ۷ اشعبان ۱۳۸۶ھ ص ۷۰، کالم ۶۰

کراچی ۲۰ نومبر ۱۹۶۶ء کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا منظر اللہ صاحب کے سوگ
کے سلسلے میں یکم دسمبر بروز جمعرات صبح نو بجے جامع مسجد آرام باغ میں قرآن
خوانی ہوگی۔ دہلی میں مسجد فتحپوری کے پیشوا امام تھے اور آپ کا وصال ۲۸
نومبر کو دہلی میں ہوا تھا۔

اخبار نئی روشنی (کراچی) ۲۲ نومبر ص ۴۰، کالم ۳۰

امام اہل سنت حضرت مفتی اعظم ہند الحاج حافظ شاہ محمد منظر اللہ مرحوم امام

● Click For More Books

۳۴۶

شاہی مسجد فتحپوری دہلی کے ایصالِ ثواب کے لئے برونز اتوار بنا رہے ہیں
المظلم صبح ۸ بجے بمقام اولیاء جامع مسجد ایریا کھ-۳۶، لاہور میں
قرآن خوانی و قیل شریف ہوگا۔

اخبار جنگ (کراچی) ۱۷ دسمبر ۱۹۶۶ء ۱۳ شعبان ۱۳۸۶ھ ص-۲، کالم-۴

کراچی، محدث مجوز مرکزی جمعیت علمائے پاکستان کے دفتر میں مولانا مفتی محمد شفیع
صاحب کی روح کو ایصالِ ثواب کیا گیا اور ایک تجویز تعزیت منظور کی گئی جس
میں مولانا کے مرحوم کے خاندان کے تمام افراد سے گھوٹا اور مولانا منظر احمد
صاحب کے مخصوصہ ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے، تجویز میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ
مولانا کے انتقال سے نیلے اہل سنت کا نقصان عظیم ہوا ہے، اللہ
تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

اخبار امروز (لاہور) یکم دسمبر ۱۹۶۶ء

لاہور، ۳۰ نومبر یکم دسمبر ۲ بجے ۵ بجے شام تک بنوم ایسا ب
طریق نقشبندیہ منظر یہ کے زیر ہتمام حضرت مفتی محمد منظر اللہ شاہ رحمۃ اللہ
علیہ کی رسم قیل شریف حاجی رفیق الدین پان والے کے مکان واقع جالند
روڈ نئی انارکلی میں ہوگی۔

اخبار پاکستان ٹائمز (لاہور) یکم دسمبر ۱۹۶۶ء

حاجی رفیق الدین صاحب کے دولت کد سے واقع جان محمد روڈ نئی انارکلی
میں ۱۱ نماز ظہر کے بعد آپ کے لئے قرآن خوانی ہوگی۔

حضرت کی سالانہ فاتحہ کے سلسلے میں پہلے عرس شریف کراچی اور لاہور میں ماحصل ہتمام
کیا گیا، کراچی میں بڑے بڑے اشتہارات شائع کئے گئے جن کا یہ مضمون تھا:-

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، ربیب شریعت، طریقت، واقف اسرار حقیقت، امام اہل سنت حضرت
مولانا مفتی مولوی حافظ قاری ابی واستاذی و مجازی مفتی اعظم الہند الحاج محمد منظر اللہ شاہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی، مجددی، قادری چشتی شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی کا عرس مبارک
مندرجہ ذیل اوقات میں ہوگا:-

۱۷ شعبان ۱۳۸۶ھ صبح ۱۱ بجے ۱۲ بجے شام ۵ بجے ۶ بجے

Click For More Books

آرام باغ کراچی میں جلسہ ہوگا، جس میں علمائے کرام فضائل شب برات اور آپ کی سیرت مبارکہ پر روشنی ڈالیں گے۔

۱۵ اشعبان المعظم بروز جمعہ بمقام جناح مسجد آرٹیلری میلن لا بعد نماز ظہر تا عصر تلاوت قرآن پاک بعد نماز عصر قل شریف ہوگا۔

کسی طرح لاہور میں عرس شریف کے موقع پر جو دعوت نامے شائع ہوئے ان کا یہ مضمون تھا :-
سلطان العارفین، قدوة السالکین، یگانہ حضرت صمدیت، مقبول بارگاہ اہیت
شاید تاجدار ہدفی، مستغرق الی اللہ، مظہر العلوم الخلیف الخفی، اعلیٰ حضرت مفتی اعظم اہل
سنت والجماعت شاہ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب قدس سرہ العزیز خطیب شاہی مسجد جامع،
فتح پوری دہلی کا پہلا عرس مبارک منجانب ہزیم ارباب طریقت نقشبندیہ مظہریہ لاہور
مورخہ ۱۲ اشعبان المعظم ۱۳۸۷ھ مطابق ۷ افروریبر ۱۹۶۷ء بروز جمعہ المبارک بعد نماز
عشاء بر مکان حاجی رفیق الدین صاحب پان والے واقع جان محمد روڈ نئی انارکلی
لاہور منعقد ہوگا۔

لاہور کے اخبارات کے ذریعہ بھی عرس شریف کا اعلان کیا گیا چنانچہ مندرجہ ذیل اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی :-

”ہزیم ارباب طریقت نقشبندیہ مظہریہ کے زیر اہتمام جمعہ ۷ افروریبر کو بعد نماز عشاء مفتی
اعظم مولانا شاہ محمد مظہر اللہ کا پہلا سالانہ عرس حاجی رفیق الدین (پان والے)
کے مکان واقع جان محمد روڈ، نئی انارکلی میں منعقد ہوگا۔“
(کوہستان) (۷ افروریبر ۱۹۶۷ء)، نوائے وقت (۱۶ نومبر ۱۹۶۷ء)، مشرق (۱۶ نومبر ۱۹۶۷ء)
اخبارات کے علاوہ اشتہارات کے ذریعہ بھی اعلان کیا گیا چنانچہ اس موقع پر ہزیم
ارباب طریقت نقشبندیہ مظہریہ، لاہور کی جانب سے جو اشتہار شائع ہوا اس کا مضمون یہ تھا :-

سالانہ عرس شریف

حضرت سلطان العارفین، قدوة السالکین، اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم اہل سنت والجماعت
شاہ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خطیب شاہی مسجد جامع، فتح پوری دہلی

کا

پہلا عرس مبارک

زیب و صدارت

حضرت صدر الشیخ آغا فضل عثمان جان مجذبی کابلی دامت برکاتہم العالی
منعقد ہوگا

بوق ورجوق تشریف لاکر سعادت دارین حاصل کریں

نوٹ :- اس مضمون کے بعد ان قراء اور مقررین کرام کے اسماء گرامی ہیں۔ قاری علامہ سولہ
صاحب، حضرت علامہ مفتی محمد منوہ صاحب، پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب، مفتی محمد حسین صاحب نصیری
مفتی ابجاز ولی صاحب ضوی، مولوی محمد اکرم حسین صاحب مجذبی، مولانا خلیل احمد صاحب قادری
اور حافظ محمد صدیق مظہری — اشتہار کے اوپر مقام اور تاریخ عرس وغیرہ بھی دی ہے

تیسرا باب

مناقب

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

مناقب

حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی مدح میں اکثر شعراء نے مناقب قصائد لکھیں، ابتدائی دور کے قصائد میں صرف علامہ محمد شریف کٹی کا عربی قصیدہ دستیاب ہو سکا ہے جو انہوں نے تیس سال قبل ۱۹۳۹ء میں پیش کیا تھا، ۱۹۴۵ء میں جب حضرت زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ سے واپسی تشریف لائے تو اس موقع پر بھی غلامین نے منقبتیں پیش کیں، حضرت علامہ ابوالکلام آزاد دہلوی مرحوم نے بھی اسی مبارک موقع پر منقبت پیش کی تھی، مگر افسوس یہ تمام ادبی سرمایہ محفوظ نہ رکھا جاسکا، ۱۹۶۱ء میں حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے تو اس موقع پر اکثر معتقد شعراء نے منقبتیں پیش کیں جو محفوظ رہ گئی ہیں اسی طرح ۱۹۶۶ء میں حضرت کے وصال کے موقع پر جو منقبتیں یا قطعات تاریخ وصال لکھے گئے یا شائع کئے گئے ان میں سے بعض محفوظ کر لئے گئے، چند منقبتیں شاید شکوہ الفاظ و معنی کے اعتبار سے اور دیگر فنی خوبیوں کے لحاظ سے کم تر درجہ کی سمجھی جائیں مگر یہ بزمِ مشاعرہ نہیں بزمِ عشق ہے، جنوں محبت میں جس نے جو کچھ کہا ہے وہ سب پیش کیا جا رہا ہے۔

①

قصیدہ

فی صلح مولانا مفتی الحاج امام صاحب مسجد فتح پوری ادام اللہ فیوضہم
الاقول لنا لئلا نسقینا
وتنهانی یا ضاحکین عمدا
وکننا للجمال مسخرینا
وکان الوقت صاف تشدینا
وعدنا یا ملحمة فی غرام
انما فی حب دھرا فی ہلو
من الوجہات وراڈا قد شہمنا
فمئی بالوصال علی حق
بلعن من نغمیم الصوت یدعو
وقوی فی الانام وقد علما ہم
گو و سل لعشق دھرا مشہرینا
وکننا للجمال مسخرینا
وکان الوقت صاف تشدینا
بغرف لعلو تشبی النسا معینا
قطفنا لجلنا، الیا مہینا
یتمل لانس حقا واطربینا
جمیع الناس سکر می مذعنینا
من الصرباء سکر و ارقصینا

فرقص لنا عشا هو النذل في
عزام بين تقبيل وضمد
وقطف لورد من نخل العذاري
ورشف لخم من ثغر الخوافي
وشكر من رقيق الثغر شقيا
كذا اهل لهوى يرو واحد ثيا
ولكن الانام لهم شئون
قاهل لعلم مورد هم جميعا
امام كامل يدعى بحق
امام المسجد المشهور قدما
وراث منصبا يدعوه شاهي
نحق الله يدعو باعتصام
ادمه يا الهى فى سرور
مع الانجال يا ربى قصنه
وبالا قطاب يا ربى مرجونا

ولحن الشعر شادا لها مينا
وجان الوصل بين الحاضرينا
حياة القلب عند لفاصدنا
مدام الفرح شان العائمينا
وهو الحضر قصدا لطالبينا
نعيم العبر نجوى العاشقينا
وفى الازواق شتى سائرنا
امام القوم خير السالكينا
محمد منظر الله الامينا
فكپورى مقام الذاكرينا
من الاباء حقا مستبيننا
وارشاد احب الصالحينا
بحرمة خير خلقك اجمعينا
وللاسلام دوما مخلصينا
تقبل من شريف المارحينا

بقلم الضعيف عبد الله محمد شريف الملكى مؤرخ الهند العربى ١٣٥٨ هـ ١٩٣٩ ع

(۲)

منقبت

دمح حضرت هو الما مفتى اعظم الحاج محمد منظر الله واست برکاتہم العالی
منظر شان حضرت داور
سرت افراشته به نئے فلک
سینہ تو خیزنے صمدانہ
دستہا زبردست تو مہمور
ماہ فائدہ دین پیغمبر
اہل سر پیش تو شیدہ بسر
یعنی صدمت مساور المصنہ
دست تو پر ز ساقی کوثر

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

زہے تقدیر سا کستان پاک یافت از ہند بے بہا جوھر
اسم والائے جوھر موصوف مظهر القدر بہ تسبیہ اظہر
پاہناوہ بخاک خطہ پاک خطہ پاک شذر پا اظہر

مقدمت شد چو کہکشاں تابان

مطالع شد چو مطلع خاور

اسے کہ از ہر زروئے شمس و قمر دے کہ خاکت بشتیری ہمسر
منقلب کرد جنبش نظرت بخت و اثر و بقسمت یاور
حضرت الحاج مفتی محمود نقش بندی و قادری ز الور
واعظ و عالم اجل در عہد عارف و راہ معرفت رہبر
سوئے ہندوستان بعد اصرار چارہ سال پس نمود سفر
تحفہ آور و بہر تشنہ لبان لبترا احمد حضرت مظهر
فصل دائم بسا ند بر سر منت بے بدل ہنساوہ بسر

مطلع بازہ سیا و ردوم

پہلوں من الشمس و شمس و اظہر

اندریں دور کیست طالع و ر مثل خند اسم اہل این کشور؟
شد مقدر زیارت حضرت صد ہزاراں سپاس از داور
اسے کہ فرخندہ ہے سلیمان بخت دے نجستہ قدوم و فرخ فر
پیش تو تہہ کنند زانوئے خویش عالماں عارفان سخن گستر
القیات تو نروبان عروج نفست ہجو ابن مریم اثر
ما غریبان دور افتادہ غرضہ دایم بہر قرب نظر
ہمنہ ارکان انجمن تبلیغ ارمغان آورند قلب و جگر
خاصا حضرت بدایونی صرف تبلیغ ہست شام و سحر
بر سر باہماندہ پر تو تو تابہ ادوار دور شمس و قمر

پیشکش خادم حمایت ساخت

این گریوارہ تبار نظر

پیش کردہ

قاضی محمد حیات اللہ، پرنسپل دانش کدہ، کراچی، ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۱ء۔

(۳)

منقبت

درود حضرت الحاج مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد فتنہ پوری - دہلی

عالم و فاضل، فقہیہ مقتدا سائے عارفان	شیخ دوراں مظہر اللہ مفتی ہندوستان
اسے خوش قسمت کہ پاکستان میں ہی آئے ہوئے	ستمندانِ زیارت سب کے سب ہیں شاد و بال
آپ اصحاب سلف کی ہیں مقدس یاد و گار	کائنات اتقا کے ہیں آپ روح رواں
ہیں امام اہل سنت ارض پاک ہند میں	علم و فضل و زہد میں ہیں آپ مشہور جہاں
گو خطیب با صفا مسجد فتح پوری میں ہیں	ایشیا میں آپ کی عزت مگر ہے بے کراں
ہیں خدا و مصطفیٰ کے عشق میں سرشار آپ	صاف نور معرفت ہے آپ کے رخ سے عیاں
آپ کے ہیں محترف سب عالمائے ارض پاک	آپ کی تقدیس کے قائل ہیں سب پیر و جوان
قد جو ہر شاہ داند یا بداند جو ہری	آپ ہ جو ہر میں جس کمال حق ہیں قدر داں

۱۔ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی مدظلہ العالی نے ۱۹۶۱ء میں کراچی میں حضرت قبلہ قدس سرہ کی آمد کے موقع پر ۱۶ اکتوبر کو اپنے دولت کدے پر عصرانہ دیا تھا، یہ منقبت اس میں پڑی گئی تھی

۲۔ حضرت قبلہ قدس سرہ ۱۹۶۱ء تک پاکستان تشریف نہیں لائے تھے اور نہ کوئی ارادہ تھا

حضرت کے بڑے داماد اور حضرت مولانا رکن الدین صاحب کے جانشین حضرت مولانا محمد محمود صاحب مدظلہ العالی دہلی تشریف لے گئے اور حضرت کو پاکستان تشریف لانے پر مجبور کر دیا

موصوفیہ پر حضرت کی خاص نظر تھی، ان کی محبت کی خاطر حضرت نے دعوت قبول فرمائی اور ۱۹۶۱ء میں پہلی بار پاکستان تشریف لائے، منقبت کا دوسرا بند اسی پس منظر میں پڑھا جائے۔

آپ کا آنا مبارک مجلس اجلاس کو
روز افزوں اتقا ہو آپ کا مخلوق میں
آپ کا سایہ رہے قائم جہانِ زہد میں
ہے ملاقات آپ کی وجہ سکون و دوستان
آپ کو خیر پائیں آپ عیش وصال
آپ ہیں صدر شریعت آپ میر کاروان
ہے ضیاء دیرینہ واقف مظہر اللہ شاہ سے
حضرت ممدوح ہیں دیرینہ میرے مہربان

پیش کردہ مولانا ضیاء القادری بدایونی متخلص بہ ضیاء، ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء کراچی

(۴)

منقبت

در مدح حضرت الحاج مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد فتحپوری دہلی
مدظلہ العالی

کراچی میں ہوئی آمد ہے ایک شیخ طریقت کی
وہ عالم جن کے فضل کی ہے دھوم ہر جانب
جناب مظہر اللہ مفتی اعظم فتح پوری !
ہمیشہ سر کیف تبلیغ سنت میں رہتے ہیں
تمامی عالموں نے انجمن تبلیغ کے مل کر
کھلا اہلا و سہلا مرحبا کا شور غفل میں
مسرت خیز ہے جس سے فضا اہل شریعت کی
ہنی مرکز ہے دہلی آپ کے علم و فضیلت کی
فتح پوری ہوئی جن سے ہمیشہ اہل سنت کی
ہے شہرت چار جانب آپ کے رشد و ہدایت کی
برائے خیر مقدم حامی منزل ہے دعوت کی
ہر اک عالم ہر اک شیخ طریقت جس نے شرکت کی

سلام قادری تنہا نہیں اک مہرِ خلائق کا

ہے قائل ساری دنیا، معترفان کی عظمت کا

پیش کردہ مولانا عبد السلام باندوی مرحوم متخلص بہ سلام، ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء کراچی

یہ منقبت بھی حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی مدظلہ العالی کی طرف سے دئے گئے مہمان

میں حضرت ضیاء بدایونی نے پیش کی تھی۔

یہ منقبت حامی منزل میں ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو مولانا عبد السلام باندوی مرحوم نے

پیش کی تھی۔

محبت

اشرف المصنفات حضرت زینب ناز عت مدظلہا
بسلامت تشریف آوری

مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب
مفتی محمد قریب علی صاحب
مفتی محمد قریب علی صاحب

خوش وقت ہے بہاریں لے کے وقت خوشگوار آیا
عجب ہے گوچہ حسرت کے سنگ و خشت کا جلو
نگاہ آرزو پر وقت درمی تویر چپائی ہے
خدا شہد ہے پوچھو دیدہ ارماں نے کیا کیا
مقدس سے زیارت ہو گئی ہے ایسے پیکر کی
تجلی جسکی حسن اتفاقیں ہر طرح کا حل
شرعیہ کا جو مال ہے طریقت میں جو مال ہے
جو پیرو اپنے مرشد کا جو پیروں میں بہت بہتر
وہ ذات پاک پاکستان میں تشریف آلی
یہ لطف و مہربانی یہ توجہ ہم غلاموں پر
نہے مسود قسمت آج لمحے کی سیسہ آگے
تمنا دید کی نگلی کہ اب حاصل حضور ہے

عمر آج کا دن کیا ہے روز عید ہے مجھ کو
بہر صورت نگاہ خاص کی امید ہے مجھ کو

عاجز و ناچیز محمد عمر قریشی منہری نقشبندی لاہور

عکس منقبت از حضرت زینب نازوی جو ۱۹۶۱ء میں قیام لاہور کے دوران
حکیم محمد عمر قریشی صاحب نے حضرت قدم سرہ العزیز کی خدمت میں پیش کی

Click For More Books

Marfa <https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

⑤

سبح

کلام حق ہے فرمان محمدؐ
یہی کہتے ہیں مل کر سب حق آگاہ
زبہ شان خدا شان محمدؐ
یقیناً ہیں محمدؐ منظر اللہ
پیش کردہ عزیز الملک مولانا محمد یوسف سلیمانی، کراچی، ۱۹۶۱ء

⑥

نذر عقیدت

اشرف کربسبح الکلام حضرت زیبا ناروی مدظلہ

بسلسلہ تشریف آوری

حضرت امیر شریعت، پیر طریقت، کامل الا تقیاء، امام اہل سنت والجماعت
آقا فی و مولانی حضرت محمد مظہر اللہ شاہ صاحب نقشبندی مجددی شتی قادری

دام فیوضہم الجاری

خطیب مسجد جامع — فتح پوری دہلی

خوشا وقتے، بہائیں لے کے وقت خوشگوار آیا
عجب ہے کوچہ حسرت کے سنگ و خشت کا جاوا
نگاہ آرزو برق قادری تنویر چھپائی ہے
خدا شاہد نہ پوچھو ویرہ ارمان نے کیا دیکھا؟
مقدر سے زیارت ہو گئی ہے ایسے پیکر کی
تجلی جس کی حسن اتھائیں ہر طرح کا مل
شریعت کا جو حاصل ہے طریقت میں جو کمال ہے
جو پیرو اپنے مرشد کا جو پیروں میں بہت بہتر
وہ ذات پاک پاکستان میں تشریف لے آئی
یہ لطف مہربانی یہ توجہ ہم غلاموں کا

خوشا روزے کہ روز کامگار و سازگار آیا
نظر آیا نظر کو آفتاب چشت کا جساوا
جدھر دیکھو ہمار نقشبندی رنگ لائی ہے
جبین دل ہے پایہ زمین حسن جسد کا
کہ جس کی ہر نظر اک موج دیکھی حوض کوثر کی
تصرف جس کے اہل ذوق کی امید کا حاصل
رسول اللہ کی سچی محبت جس کی منزل ہے
جو ہر دم مہرباں ہر طور سے اپنے مریدوں پر
ہرے غریب کدو تیرے ہی مقدسے ضیا پائی
یہ توجہ ہم غلاموں کا

Click For More Books

زہے مسعود قسمت آج لمحے کیا سید آئے
محمد مظہر اللہ شاہ تشریف اس طرف لائے
تنادید کی نگلی، کہ اب حاصل حضور ہے
خدا رکھے جہرہ دیکھو فضا نوری ہی نوری ہے
عمر آج کا دن کیا ہے، روز عید ہے مجھ کو
بہر صورت نگاہ خاص کی امید ہے مجھ کو

پیش کردہ
عاجز و ناچیز محمد عمر قریشی مظہری نقشبندی، لاہور، ۱۹۴۱ء

۷

منقبت

در شان والاحصاف، قطب الاقطاب، بحر اسرار الہیہ، دلیل عرفا و محققین، ختم علماء،
راسخین، شیخ الاسلام و المسلمین، حضرت مفتی اعظم، مولانا مولوی الحاج المظفر
محمد مظہر اللہ شاہ صاحب نقشبندی، بخاری، شیعہ القادری دہلوی، ولایت بگرام
العالی۔

محمد مظہر اللہ میرے مافی میرے ملجا ہیں
میرے ہاتھوں میں دامن ہے محمد مظہر اللہ کا
حضور قلب ہے کہہ کر سکون قلب پاتا ہوں
الہی وقت آخر ہو میرے روز زبان جہاں
فرشتے قبر میں کہہ کر اٹھائیں مظہری مجھ کو
کہوں گا حشر میں بھی غم سے پیش خدا ہو کر
خدا شاہد ہے مجھ کو ناز ہے یوں اپنی قسمت پر

رہے ہر دم ہی لبہ پر محمد احمد مظہر
محمد مظہر اللہ میرے آقا میرے مولیٰ ہیں

عمر حسنہ

کترینہ بنگال ویدیا مظہر سہری محمد احمد قریشی دہلوی، لاہور، ۱۹۴۱ء

۵

ہوا الظاہر

۷۸۶

در منقبت قدوة السالکین، زبدۃ العارفین، حجتہ الکاملین، سند الواصلین، منظر
العلوم الخفی والجلی، مرشدی و مولائی اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم، مولانا مولوی الحاج
الحافظ محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی مجددی چشتی قادری دہلوی، دامت برکاتہم
العالی۔

محمد مظہر اللہ ہیں محمد مظہر اللہ ہیں
مری آنکھوں سے دیکھ کر کوئی جلوے حسن مظہر کے
علی جن کی بدولت، دولت حب نبی مجھ کو
یہ ہادی، زہیر عالم، امام و مفتی اعظم
بیان کیا کروں تعریف اپنے پیر و مرشد کی
مجھے یہ فخر حاصل ہے، میں اس پر ناز کرتا ہوں
بچہ اللہ کہ فیض شیخ سے پر میرا دامن ہے
میرے پیش نظر ہر دم محمد مظہر اللہ ہیں
محمد مظہر اللہ، مظہر انوار طیب ہیں
وہ میرے قبیلہ ہیں، کعبہ جہاں مظہر اللہ ہیں
بہ اوصاف حمید پیر کامل سب میں یکتا ہیں
یہ اعلیٰ ہیں، یہ بالا ہیں، یہ اسفند ہیں یہ اولیٰ ہیں
کہ میرے سر پہ بھی سایہ فغن سرکار والا ہیں
بچہ اللہ کہ شیخ من مظہر دین و دنیا ہیں

محمد احمد احقر گداٹے کوچہ مظہر
منبارک ہو ترے حامی محمد مظہر اللہ ہیں

نذر عقیقہ

غلام غلاماں و ربہ مظہری محمد احمد قریشی دہلوی، لاہور، ۱۹۶۱ء

۹

ہوا الظاہر

سلام نیاز

محضو سرکار عالی مرتبت، یگانہ حضرت صہیت، امام اہل سنت، مظہر العلوم الخفی والجلی
مرشدی، مولائی، ولجائی، مفتی اعظم الحاج الحافظ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی چشتی قادری دہلوی

Click For More Books

السلام اسے بادشاہ ما السلام	السلام اسے عز و جاہ ما السلام
السلام اسے راحت ما السلام	السلام اسے کعبہ ما السلام
السلام اسے قبۃ ما السلام	السلام اسے یمن حج ایماں اسلام
السلام اسے نائب ختم رسل	السلام اسے نائب جانی جاں اسلام
السلام اسے ہادی دنیا و دین	السلام اسے نائب غنتار کل
السلام اسے صاحب وثن جنہیں	السلام اسے رہنمائے بہترین
السلام اسے صاحب خلق عظیم	السلام اسے صاحب بے حسنین
السلام اسے حضرت مسند نشین	السلام اسے صاحب عقل سلیم
ماغیرت بے کساں اس توئی	السلام اسے صورت مہربین
	یا محمد منظر اللہ شاہ ولی

اک نگاہ لطف از بہر خدا

بر سنگ دربار عالی، خاک پا

نذر عقیدہ

غلام غلامان و دربار منظری محمد احمد قریشی دہلوی لاہور۔

①

منقبت

وہ مدح اعلیٰ حضرت شیخ طریقت مفتی اعظم شاہ محمد منظر اللہ قدس سرہ العزیز

خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی۔

بہار گلشن احمد محمد منظر اللہ ہیں	خدا کی رحمت بے حد محمد منظر اللہ ہیں
عطا ہے رب اکبر اور شمع نور ایمانی	حبیب ذات احمد ہے حبیب ذات لاثانی
مکاہیں فیض کا چشمہ رخ انور ہے نورانی	ضیائے نور ایماں سے مزین جن کی پیشانی
حقیقت میں شریعت کے سراپا پیکر صادق	خدا کے دین کے مفتی، ہمارے رہبر و حافظ
انہیں حاصل ہوئی صدیق اکبر کی وراثت بھی	علی شہر خدا کی مل گئی ان کو خلافت بھی
ہوئے مروجہ مسلمان دین حق سے جس گھڑی غافل	تو دہلی میں خدا نے کرویا پنیا ولی کامل

برسے انساں کو بھی بہتر سے بہتر کر دیا جس نے
محمد مصطفیٰ کے خلق کا چشمہ کیا جاری
جمال نور ایماں سے کئے روشن سبھی قالب
چراغ حق جلایا دل کے ہر اک آشیانے میں
سر منبر ہمیشہ وعظ فرمایا حقیقت کا
معطر ہو گئے جس کی اوا سے گل بھی پودے بھی
طبیعت کیفیت افروز کر دی ہے اداسوں کی
مقام خاص حق نے دیدیا گلزار اقدس میں
انہیں جنت و لائیں گے یقیناً شافع عشر
بنا وہ مرد مومن اور گناہوں سے کرمی تو بہ
تبسم خیز حضرت کا ابھی چہرہ نظر آئے

نگاہ فیض سے پتھر کو پار سس کر دیا جس نے
لٹائی مٹھیاں بھر بھر کے جس رحمت باری
مراویں ان کو دے دیں جو مرادوں کے پوٹوں
شعائیں دین حق کی اور پھیلا دیں زمانے میں
سبق دنیا کو بخشا ہے شریعت اور طریقت کا
ریاض نقشبندی میں لگائے ایسے پودے بھی
بجھائی تشنگی علم صداقت کے پیاسوں کی
رسائی آپ کی ہے ہر گھڑی دربار اقدس میں
میسر ہو گیا جن کو جہاں میں دامن منکسر
در منظر پر روتا ہو گیا واپس ہوا ہنستا
نگاہ دل سے دیکھو تو ابھی جلوہ نظر آئے

فلک پر جس طرح ستارے نور ساماں میں
پرستار ہی ایسے ہی کوثر طور ساماں میں
پیش کردہ شیخ محمد احمد گوثر صدیقی، لاہور

۱۱

منقبت

در مدح حضرت امام اہل سنت، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام شامی
مسجد جامع فتح پوری، دہلی

قطب دوراں تھے مظہر اللہ شاہ
دین کا ذکر ہر گھڑی لب پر
گل شریعت کے جس میں کھلتے تھے
رہبر ملت و طریقت تھے
رونق بزم زیست تھی ان سے
جن کے سینوں میں درواحد تھا
نور ایماں تھے مظہر اللہ شاہ
دین کی جاں تھے مظہر اللہ شاہ
وہ گلستاں تھے مظہر اللہ شاہ
درس ایماں تھے مظہر اللہ شاہ
شیخ فیض اں تھے مظہر اللہ شاہ
ان کے درماں تھے مظہر اللہ شاہ

مفتی دین احمد رسل
جن کو قربت ملی، ہوئے کامل
حق کے فرماں تھے منظر اللہ شاہ
فیض عرفاں تھے منظر اللہ شاہ

نوری نوران میں تھا کوثر
روئے خداں تھے منظر اللہ شاہ
پیش کردہ شیخ محمد احمد کوثر صدیقی، لاہور

(۱۲)

منقبت

در درج اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، واقف اسرار طریقت شریعت، مفتی اعظم شاہ
محمد منظر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی۔

گزاری عمر اپنی تم نے ساری فتح پوری میں
ملے وہ چودہ شعبان المعظم، پیر کو حق سے
اجالا ہندو پاکستاں میں ہے علم کا جس کے
خدا نے اپنے گھر میں دی جگہ تم کو مرے مرشد
پیشوا سے بادۂ عرفاں کے متوالے یہاں آکر
وہ جس کو چاہیے عرفاں کی دولت لینے کو آئے
بدامسجد فتح پوری سے ہوں یہ کب گوارا تھا
خدا کا قرب حاصل ہو گیا عشق محمد سے
مرے مرشد کے مرقد پر ہو بارش نور کی گل زار

بنی تربت بھی بالآخر تہاری فتح پوری میں
محمد منظر اللہ جاں ہماری فتح پوری میں
وہ شمع بجھ گئی، افسوس، پیاری فتح پوری میں
رہے گی قبر مشترک، تہساری فتح پوری میں
جو چشمہ پہلے تھا، اب بھی ہے جاری فتح پوری میں
مزار منظر اللہ پر بھکاری فتح پوری میں
گھڑی وہ امتحان کی سب گزاری فتح پوری میں
انہوں نے آخرت اپنی سنواری فتح پوری میں
پہلے ہر قسم ہی بادہساری فتح پوری میں

جناب گل زار نے دو منقبتیں اور لکھی ہیں جن کے منتخبہ اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں :-
آنکھیں ہیں بند، سر ہیں جھکے اہل بزم کے
اپنے تو پھر بھی اپنے ہیں، اپنوں کا ذکر کیا
نظر کریم ہو اس پر محمد منظر اللہ
پیش نظر ہر ایک کے ہی جلوہ تہسار ہے
غیروں کی بھی زباں پر شہرہ تہسار ہے
گل زار جس کا نام ہے، سنگت تہسار ہے

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

ہمارے حامی و پیرو ہمارے پیشوا تم ہو
نہیں ثانی کوئی اس وقت ہندو پاک و نول میں
خدا نے زندگی کے امتحان میں فتح پوری دی
محمد مظہر اللہ کیا بتائیں کہ کیا تم ہو ؟
ہو جان نقش بندی اور نشان اولیاء تم ہو
فتح پوری بھی شاہد ہے امام باشرع تم ہو

قطعات تاریخ وصال

①

قطعہ

تاریخ وصال

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ الخیرہ منطیب

شاہی مسجد جامع فتحپوری، دہلی

تب تک نفساں، تاب نا تواناں ہیں
ز نور الفت حسنے کہ مظہر اللہ است
توئی سکوں گہ دل سے عروس گلے گل
تو نازنین جہانی، جہاں بتواناں
بسیز وہ صد و ہشتاد و شش سن ہجری
کہ آفتاب درخشان علم و فضل نہفت
بہ پائے خاک نشینے جبین دوراں ہیں
بہر کجا کہ بخواہی، جمال جاناں ہیں
نقاب چہرہ کشا، سوئے دل فروشاں ہیں
بگرد خویش، بجوم نیاز کیشاں ہیں
دو شنبہ از پس عمرو و لطف شعباں ہیں
جہاں سیاہ شد اسے دل بکنج بحر اں ہیں

نسیم صبح خیالش، انیس شام غم است
قمر سوز و دریں آتش آب حیاں ہیں

آصف جاہ قمر دہلوی

جناب قمر دہلوی نے اس مصرع سے ماوہ تاریخ وفات نکالا ہے :-

تاریخ وصال امام اہلسنت

۶۱۹۶۶

(۲)

جناب ابوالکمال احمد شمس کاظمی ظہرائی نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے :-
روحش بچناں تمام راحت باوا قریش بہ جہاں نشان کرامت باوا
تاریخ وصال مظہر اللہ بحسن ہاتھ گفتہ غریق رحمت باوا

۱۹۹۶ء

(۳)

قطعہ تاریخ وفات

پیر طریقت، آقائی، مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ شاہ نقشبندی دہلوی
نور اللہ مرقدہ -

گل، چراغ بزم عرفاں ہو گیا	مظہر اللہ شاہ رخصت ہو گئے
بس کہ شیرازہ پریشاں ہو گیا	چل بسی خاکی جسد سے روح پاک
یک بیک فانوس عریاں ہو گیا	جلتے جلے شمع ہستی، بجھ گئی
شام کے دامن میں پنہاں ہو گیا	چودھویں شعبان کو یہ ماہ تاب
روئیں آنکھیں دل پریشاں ہو گیا	سانے کی جس گھڑی آئی خبر
اور اک اک اشک طوفان ہو گیا	اشک بن کر بہہ رہا ہے خون دل
دراغ دل، شمع فروزاں ہو گیا	نور غم سے دل میں لو اٹھنے لگی
جا بجا ماتم کا سا ماں ہو گیا	صرف دلی تک نہیں محدود غم
چاک ہر گل کا گریباں ہو گیا	چھا گئی گلزار ہستی پر خسراں
دڑہ دڑہ آج گریاں ہو گیا	آہ یہ پیر طریقت کی وفات
لحہ حشر ساں ہو گیا	حشر کی تہید ہے مومن کی موت
زینت گلزار خسواں ہو گیا	نقشبندی گل کد سے کا یہ گلاب

اسے قریشی تم کہو تاریخ غم

زندہ دل خلوت میں پنہاں ہو گیا

زیبا ناری

یہ قطعہ میں آیتا قصہ نہیں لائے

نوٹ :- یہ قلم حضرت زیبا ناری نے حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے مرید باخلاص حکیم محمد عمر قریشی کیلئے لکھا تھا اس

Click For More Books

بعض اخبارات و رسائل نے حضرت مرحوم کے سانحہ ارتحال پر معتقدین نے جو اشعار کہے تھے شائع کئے ہیں جن میں تاریخیں بھی ہیں، چند اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں :-

(۴)

اخبار انجام (کراچی) یکم دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۷، کالم ۷۸

مفتی مظہر اللہؒ حافظ غازی آبادی

مظہر اللہ ہو گئے رخصت مفتی ہند نقش بند زماں

یادگار زمانہ تھے یہ لوگ عصر حاضر میں اب جواب کہاں

(۵)

پندرہ روز غریب نواز (دہلی) ۱۵ دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۱

اظہار غم از قیصر نظامی

آہ قیصر کج گویا کیسا چراغ انجمن

گلشن علم و عمل کا پاسبان جاں نثار

(۶)

رسالہ نوری کرن (ایرٹی)، فروری ۱۹۶۶ء، ص ۷

حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کام ہو سونپا تھا حق نے آپ کو پورا اس کو جب کہ حضرت کر گئے

جانب جنت رواں الطاف پھر مظہر اللہ بنیم دشا سے ہوئے

۱۳۴۷ھ

الطاف انصاری سلطان پوری

مظہر اللہ شاہ رخصت ہو گئے دار فانی سے سوئے باغ نعیم

یہ دعا ہے رحمتیں نازل کرے مظہر اللہ شاہ پہ رب کریم !

۱۹۶۶ء

الطاف انصاری سلطان پوری

(۷)

پیام مشرق (دہلی) ۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۲۵

۳۶۲

اٹھ گیا کون بزم دنیا سے
یوں جو ہر شخص غم بدوش ہے آج
دم سے روشن تھی جس کے راہ سلوک
اسے قمر شمع وہ خموش ہے آج

۱۳۸۶ م

منظر علم وہ فقر یہ عصر
آہ دنیا سے ہو گیا روپوش
لکھ قمر عیسوی میں سال وصال
ہائے شمع تصوف اب ہے خموش

۱۹۶۶

چودھواں باب

اولادِ امجاد

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اولادِ امجد

اولاد کے معاملے میں حضرت قبلہ قدس سرہ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم رہا، حضرت کے ہاں سات صاحب ادبے اور نو صاحب ادبیاں تولد ہوئیں جن میں سے بفضلہ تعالیٰ پانچ صاحبزادے اور چھ صاحبزادیوں بقید حیات ہیں، حضرت قبلہ کی اولاد، اولاد کی اولاد اور پھر ان کی اولاد پاک ہند کے مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہے مثلاً دہلی، علی گڑھ، اندور، کراچی، حیدرآباد، شکارپور، کوئٹہ، بھاولپور، احمد پور شرقیہ، اور راولپنڈی — رب تبارک و تعالیٰ کے اس کرم خاص کو دیکھ کر بیساختہ زبان پر آتا ہے مثلاً کمثل شجرة طيبة اصلها ثابتة و فرعها فی السماء۔

حضرت کے چار اول صاحب ادبے (ماسوائے اس فقیر کے) عالم و فاضل و رتبہ سے بڑھ کر یہ کہ متبع شریعت ہیں، دو صاحب ادبے جن کا انتقال ہو گیا وہ بھی فضل و کمال اور زہد و تقویٰ میں یکتا تھے رحمہما اللہ تعالیٰ، رسالہ منادی (نئی دہلی) کے دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں خواجہ حسن ثانی نظامی نے حضرت کے سانچے ارتحال پر اظہار رنج کرتے ہوئے صاحبزادگان کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :-

”حضرت مفتی صاحب نے پانچ صاحب ادگان اپنی یادگار چھوڑے ہیں، مولانا مظفر صاحب، مولانا مشرف صاحب، مولانا مسعود صاحب، مولانا محمد احمد صاحب اور مولانا سعید احمد صاحب، یہ پانچوں کے پانچوں ماشاء اللہ عالم ہیں، مولانا مسعود صاحب تو قلم کار کی حیثیت سے بھی ہندو پاک میں نمایاں مقام کے مالک ہیں ورنہ ان کی کئی نگارشات منظر عام پر آچکی ہیں۔“ (ص ۵۰)

ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی) کے شمارہ جولائی و اگست ۱۹۶۷ء میں علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت کے سوانح و حالات پر ایک مقالہ شائع کیا ہے اس کے آخر میں اولاد کے بارے میں ان الفاظ میں ظہر خیال کرتے ہیں :-

”آپ کثیر الاولاد ہیں، پانچ صاحب ادبے ہیں جو لائق و فائق ہیں، اور چھ صاحبزادیاں ہیں بڑے صاحب ادبے الحاج مولوی مظفر احمد صاحب مفتی پاکستان ہیں، متعدد خلفاء ہیں، مفتی

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

محمد محمود الوری، مفتی حیدر آباد سندھ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (ص - ۳۰)
حضرت کی اولاد اجماد تو ماشاء اللہ متبع شریعت ہے ہی لیکن بفضلہ تعالیٰ اولاد کی اولاد بھی
متبع شریعت ہے، حضرت کے پوتے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی ہیں، حضرت کے
چھ فرزند ان نسبتی (واماد) بھی ماشاء اللہ متبع شریعت ہیں اور صاحب نسبت بھی ہیں، یعنی حضرت
علامہ مفتی محمد محمود صاحب حضرت قاری سید حفیظ الرحمن صاحب جناب مولوی شفیق احمد مرحوم،
جناب الحاج عبدالخالق صاحب جناب حکیم فرید الدین صاحب جناب سید عبدالعزیز صاحب ورجباب
محمد نسیم صاحب ان حضرات میں بالخصوص الحاج مفتی محمد محمود صاحب ورجباب الحاج قاری حفیظ الرحمن
صاحب اپنی مثال آپ ہیں۔ اتباع شریعت کا یہ اہتمام فی زمانہ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے
اس خصوص میں حضرت کا گھرانہ یگانہ و یکتا نظر آتا ہے۔

اب ہم حضرت کی اولاد اجماد کے حالات مجملہ تحریر کرتے ہیں :-

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب

آپ کی ولادت باسعادت دہلی میں ہوئی، حفظ قرآن اور علم تجوید قاری فضل الدین صاحب
(مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری، دہلی) سے حاصل کیا، علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل بھی مدرسہ مذکور
میں فرمائی اور ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۲ء میں سند حدیث حاصل کی، اس کے بعد علم طب کی طرف متوجہ
ہوئے اور اس فن میں بھی کمال حاصل کیا۔

حضرت مفتی صاحب پندرہ سال کی عمر سے مسجد جامع فتحپوری میں نیابت کے فرائض
انجام دیتے رہے، بعد میں جب سند حدیث مل گئی تو فتویٰ نویسی کی ذمہ داری بھی تفویض
کرمی گئی، حضرت مفتی صاحب کو فقہی مسائل پر پورا پورا عبور حاصل ہے، تقریباً چالیس
سال سے فتوے تحریر فرما رہے ہیں۔

امامت و فتویٰ نویسی کے علاوہ ایک عرصہ مسجد فتح پوری میں بعد نماز جمعہ درس قرآن
بھی دیتے رہے، جس سے بیشتر لوگ مستفیض ہوئے اس کے علاوہ آپ نے تبلیغ و ارشاد
کا کام جاری رکھا، اور ہزاروں ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں و دیگر مذاہب کے لوگوں
کو مشرف باسلام فرمایا۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی کمال حاصل کیا اور حضرت مولانا

[Click For More Books](#)

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

رکن الدین شاہ قدس سرہ العزیز کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے اور شیخ طریقت کی صحبت سے مستفیض ہوئے، حضرت قبلہ الدیوبند قدس سرہ العزیز نے بھی سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت و اجازت سے نوازا، اس کے علاوہ ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۸ء میں حضرت ضیاء معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ولید حضرت آغا جان مدظلہ العالی نے چاروں سلاسل میں بیعت کی اجازت فرمائی۔۔۔۔۔ حضرت مفتی صاحب تعلیم و تلقین اور بیعت و ارشاد کے ساتھ تعویذات و عملیات میں بھی پورا پورا کمال حاصل کیا۔۔۔

حضرت مفتی صاحب کی سیرت و کردار میں جو صفت نمایاں نظر آتی ہے وہ بے خوفی و بے باکی ہے بڑے بڑے حاکم کا جاہ و جلال ان کو حق بات کہنے سے نہیں روک سکتا۔۔۔ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حضرت مفتی صاحب تقریباً ۲۶ سال مسجد جامع فتح پوری میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۹۴۷ء میں چوں کہ دہلی کی زمین مسلمانوں کے لئے تنگ ہو گئی تھی اس لئے مجبوراً پاکستان ہجرت فرمائی اور کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی، یہاں بیس سال سے فتویٰ نویسی، قضا، طبابت اور تعویذات و عملیات وغیرہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور پاکستان کے ان چندہ اور متبحر عالموں اور فقیہوں میں ہیں، فقہی مسائل پر جن کی مہارت مسلم ہے، آپ نے بکثرت فتوے تحریر فرمائے اگر جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم مجلدات تیار ہو سکتی ہیں، فتووں کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کے علمی مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے اور تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ ہر صدمہ میں پینتیس سال سے جاری ہے، یہاں چند رسائل سے مضامین کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

نمونہ تحریر

①

علم غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک علم غیب ذاتی دوسری علم غیب عطائی۔ علم غیب ذاتی وہ ہے جو بغیر کسی کے بتائے خود اپنے آپ حاصل ہو، یہ سوائے خدا کے قدوس کے اور کسی کو حاصل نہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا :- **لِلّٰہِ غِیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** یعنی اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کا علم غیب۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا

ان اللہ عندہ علم الساعة ينزل الغيث ويعلم ما في الارحام وما تدري
نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس باى ارض تموت ان اللہ علیہ
خبیرہ تحقیق اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے، اور اتار تا ہے بارش کو اور جانتا ہے جو کچھ
رحموں میں ہے، — کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ کونسی
زمین میں مرے گا (یعنی کہاں مرے گا) بیشک اللہ جانتا ہے (ہر ایک کو) اور ہر ایک کی خبر رکھنے
والا ہے — دوسری قسم (علم غیب بھائی وہ ہے جو باعلام اللہ مخلوق کو بھی حاصل ہے
چنانچہ ارشاد باری ہے وعلمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً
یعنی اسے محبوب تم کو وہ چیزیں سکھائیں جن کو تم نہیں جانتے تھے اللہ کا کتنا بڑا فضل تم پر ہے؟
(ماہنامہ المرشد ادبی) جلد ۲، شمارہ ۴ و ۵ ماہ

ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ص ۱۸۷

(۲)

قولہ تعالیٰ یا ایہا النبی حرض لمومنین علی القتال الایۃ (پ) (اے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کو لڑائی کا شوق دلاؤ، اگر تم میں سے پیشل مروصہ کرنے والے ہوں گے
تو وہ تنویر غالب ہوں گے اور جو تم میں سے سوہوں گے تو وہ ایک ہزار کفار پر غالب آئیں
گئے یہ اس لئے کہ وہ کفار (یہ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کا حمایتی اور مددگار اللہ ہے مگر کفار کا
حمایتی اللہ نہیں ہے، قولہ تعالیٰ ذلک بان اللہ مولی الذین امنوا وان الکافرین
لا مولی لہم) (پ) بیشک اللہ ایمان والوں کا حمایتی و مددگار ہے اور کفار کا اللہ مددگار
نہیں، قولہ تعالیٰ قاتلواہم یغذبہم اللہ، باید یہم الایۃ لڑو کفار سے (ہم تو یہ
چاہتے ہیں) تاکہ تمہارے ہاتھوں لڑان پر عذاب کرے اور ان کو ذلیل اور رسوا کرے
اور ان پر تم کو غالب کر دے اور مومنین کے قلوب کو ٹھنڈا کر دے اور ان کے دل کی جلن
مکالے جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے اور وہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

(رسالہ الجہاد مؤلفہ حضرت مفتی صاحب

مطبوعہ مشہور آفٹنڈ پریس کراچی، ص ۸۷)

(۳)

جہاد وہ عظیم الشان شے ہے جس میں بندہ اپنی راحت و آرام، مال و اسباب یہاں تک

کہ اپنی محبوبہ بن جان، قربان کر دیتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی صرف رضا مندی و خوشنودی ہی منظور ہوتی ہے وہ مالک کل اس قربانی کا عمدہ صلہ جنت اور اپنی خوشی و رضا — عطا فرماتا ہے۔
لیکن اس سے زیادہ مہتمم بالشان چیز یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کو ہمیشہ معصیات سے بچائے اور اطاعات الہی پر کامزن رہے اسی بنا پر نبی کریم روف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد سے لوٹتے وقت فرمایا جہاد الا صغر الی جہاد الا کبر ہم لوٹ آئے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف۔
(رسالہ الجہاد، ص ۱۱)

اولاد و امجاد حضرت مفتی صاحب کے ہاں تین صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیائیں ہیں ایک صاحبزادے اوی عالم جوانی میں انتقال کر گئیں — تینوں صاحبزادے ماشاء اللہ نیک صالح ہیں سب بڑے صاحبزادے عزیز محمد ظفر سلمہ حافظ قرآن اور قاری ہیں، علم تجوید اور فن قرأت میں خاص کمال حاصل کیا ہے آواز میں بڑا سوز و گداز ہے، ان خوبیوں کے ساتھ علوم جدیدہ سے بھی واقف ہیں و ربی۔ کام کیا ہے، جدید عربی سے بھی واقف ہیں، مطالعہ جاری ہے، مولیٰ تعالیٰ عزیز موصوف کے علم و عمر میں برکت و ترقی عطا فرمائے آمین،
دوسرے صاحبزادے عزیز محمد اظہار احمد صاحب عزیز موصوف سے ایک سال چھوٹے ہیں یہ بھی ماشاء اللہ حافظ قرآن ہیں بڑے ذہین و فطین ہیں، انہوں نے بھی بی۔ کام کیا ہے، اور آج کل ایک چھٹے عہدے پر ملازم ہیں۔

تیسرے صاحبزادے مولوی نذرا احمد سلمہ ابھی زیر تعلیم ہیں، انگریزی علوم کے ساتھ ساتھ جامعہ ملیہ کراچی میں فن طب کی تحصیل کر رہے ہیں، عزیز موصوف کو جدید فارسی پر کافی عبور ہے، مولیٰ تعالیٰ تمام صاحبزادگان کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے۔ آمین

مفتی اعظم حضرت مولانا الحاج محمد مشرف احمد صاحب

آپ دہلی میں پیدا ہوئے، حفظ قرآن اور تجوید قرأت کی تکمیل کے بعد ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء میں مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتحپوری، دہلی سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں سند تکمیل حاصل کی، اسی کیفیت کے ساتھ فن طب میں بھی سند حاصل کی اور بھارت تادمہ پیدا کی، ابتدا میں کچھ عرصہ دہلی میں رہے اور مسجد جامع فتحپوری میں نائب مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے پھر قصبہ نوح میں گورنمنٹ ہائی اسکول میں استاد و دینیات مقرر ہو گئے، چند سال یہاں گزار کر پھر دہلی تشریف لے آئے

Click For More Books

اور یہاں مسجد شیعان (باڑہ ہندوراؤ) میں خطیب مقرر ہوئے، سالہا سال فرائض امامت و خطابت انجام دیتے رہے اس کے علاوہ مطب بھی فرماتے رہے، حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہ کے وصال سے چند سال قبل مسجد فتحپوری میں جمعہ کو خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے حضرت کے وصال کے بعد فتویٰ نویسی اور خطابت کے امور آپ ہی سرانجام دے رہے ہیں اور امامت بھی فرما رہے ہیں،

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے ۱۹۶۱ء میں حضرت مولانا محمد شرف احمد صاحب کے نام ایک خلافت نامہ تحریر فرمایا تھا جس میں امامت، خانقاہ مسعودیہ کی جانشینی اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں آپ کو تفویض کی تھیں، اس کے علاوہ بعض نصائح بھی تحریر فرمائی تھیں جو ہر انسان خصوصاً صاحب قندار شخصیتوں کے لئے مفید اور سبق آموز ہو سکتی ہیں، اصل تحریر فارسی میں ہے، یہاں بعض مواعظی نکات پیش کئے جاتے ہیں :-

- ① - آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء و پیروی میں مشغول رہیں۔
 - ② - منعم حقیقی کی ذات کے سوا کسی سے کوئی غرض اور لالچ نہ رکھیں۔
 - ③ - اپنے دامن ہمت کو غبار مضرت سے آلودہ نہ کریں۔
 - ④ - خدا کے بندوں کی تربیت کے علاوہ ظاہر و باطن میں کوئی مطلوب مقصود نہ ہو۔
 - ⑤ - حتی الامکان کوشش کریں کہ مقتدی و طالبین اور نسبی و دینی بھائی بہنیں خوش رہیں۔
- بنظاہر یہ باتیں معمولی نظر آتی ہیں لیکن بنظر تحقق دیکھا جائے تو اقتدار و حکومت کے بہت سے نکمے معلوم ہو جاتے ہیں، عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اقتدار ملنے کے بعد انسان پابندی شریعت اور پیروی سنت کا خیال نہیں رکھتا جس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس لئے تلقین فرمائی کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا خیال رکھا جائے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، اقتدار و عہدہ مل جانے کے بعد بعض اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ انسان حرص ہو ایں مبتلا ہو جاتا ہے، اور یہ حرص اس کو جاوہ شریعت سے ہٹا دیتی ہے اس لئے فرمایا کہ اقتدار کو نعمت حق تعالیٰ کا عطا ہے سمجھتے ہوئے توجہ اسی ذات واحد کی طرف رکھیں کہ یہی توجہ تمام امراض روحانی کا علاج ہے، وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔

ایک بڑی چیز جو اقتدار حاصل کرنے کے بعد پیدا ہو جاتی ہے، سیرت کی دورنگی ہے، ظاہر

Click For More Books

کچھ اور باطن کچھ۔ اسی منافقت کو دور جہد میں ڈپلو ماسی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جو جہد پر سیاست میں محبوب بھی نہیں لیکن اسلام و ورنگی کا داعی نہیں بلکہ ایک نئی کا معلن ہے صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة۔ ع

یک رنگی و آزادی لئے بہت مڑانہ

اسی لئے حضرتؑ نے تلقین فرمائی کہ اہل مقصود و بندہ گان خدا کی فلاح و بہبود کے علاوہ اور کوئی نہ ہو، اخلاص ہی وہ شئی ہے جس سے ایک نئی پیدا ہو سکتی ہے۔

صاحبِ اقتدار کو اگر کسی شخص سے مضرت و تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی آتش انتقام بھڑک اٹھتی ہے، جو خام سیرت کی علامت ہے، بسا اوقات یہ آگ خود اس کے جسم و جان کیلئے ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے، کسی کی ایذا رسانی پر انتقام نہ لینا بلکہ جذبہ انتقام کو ناپا ہر او باطناً جگہ نہ دینا عزیمت کی نشانی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ ہر آتش انتقام کو سرد کرنے کے لئے کافی ہے، حضرتؑ نے اسی عزیمت پسندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اے من بہت کو غبار مضرت سے آلودہ نہ کریں۔“

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانان

انوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی

اقتدار کے وقت ماتحتوں اور عزیزوں کو خوش رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اس نفسیاتی کمزوری کا بھی حضرتؑ نے پورا پورا خیال رکھا اور نصیحت فرمائی کہ زندگی ایسی گزرے کہ محبت کی فضا سازگار رہے، اور نفاق و بیچینی کی تلخیاں دور ہو جائیں، اپنے اور بیگانے سب خوش و خرم نظر آئیں۔

آسائش دو گیتی تفسیر اس دو حرف است

باد و ستان مروت باد شمنان مدارا

حضرت مفتی صاحب فن قرأت، حفظ قرآن کریم، علوم عربیہ بالتخصیص فقہ اسلامی پر کمال رکھتے ہیں اور اپنی مثال آپ ہیں، تقریباً تیس سال سے فتوے تحریر فرما رہے ہیں، جو نہایت فاضلانہ اور تحقیق و کاوش کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف علمی رسائل میں مضامین بھی تحریر فرماتے رہے ہیں، آپ کے علمی و فقہی اور مذہبی نگارشات کو جمع کیا جائے تو کئی ضخیم

Click For More Books

جملات تیار ہو سکتی ہیں، مگر آپ خاموشی کے ساتھ خدمت دین میں مصروف ہیں۔
آپ کو تقریر کا خاص ملکہ حاصل ہے، طبیعت نکتہ رس پائی ہے، کئی کئی گھنٹے فاضلانہ اور
عالمانہ تقریر فرماتے ہیں، تبلیغ و ارشاد کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں، آپ کے دست حق
پرست پر بیت سے غیر مسلم مشرف باسلام ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں۔
حضرت مفتی صاحب علوم مظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی کمال رکھتے ہیں آپ
سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں، خلافت
واجازت سے حضرت قبلہ وال ماجد قدس سرہ العزیز نے نوازا ہے، آپ کے بکثرت مریدین و
مقتدیین ہیں۔

فن طب میں خاص مہارت رکھتے ہیں، آپ کے مطب سے پیشمار مریض فیض یاب ہوتے
ہیں، طبیعت بے نیازانہ و فقیرانہ پائی ہے اس لئے علاج پر تاثیر ہے، تعویذات و عملیات وغیرہ
میں بھی کمال حاصل ہے۔ بفضلہ تعالیٰ آپ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف سے
نارز ہیں، تقریباً بیس سال سے تصنیف تالیف کا سلسلہ جاری ہے، آپ کی نگارشات کے مطالعے
سے زبان دانی اور بے پناہ قوت اظہار کے ساتھ ساتھ تبحر علمی اور تحقیقی شان کا اندازہ ہوتا
ہے۔

نمونہ تحریر

①

علامہ زنجشیری جنات کے وجود کے قائل نہ تھے، زمانہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ
اللہ علیہ کا تھا، جنات آپ کی خدمت میں آکر مستفیض ہوا کرتے تھے ایک دن آپ نے جنات
سے دریافت فرمایا ابھکل کیا کیا ہو رہا ہے؟ اس کے جواب میں علامہ زنجشیری کا ذکر
آیا، عرض کیا حضور زنجشیری قرآن کریم کی تفسیر لکھ رہے ہیں جو نصف تک پہنچ گئی ہے، آپ نے
فرمایا کہ جو کچھ لکھا ہے وہ یہاں لے آؤ، پھاں چہ وہ لے آئے، آپ نے اس کو نقل کر کے اپنے
ہاں رکھی اور اصل کو وہیں رکھوا دیا، پھر زنجشیری جب آئے تو آپ نے وہ نقل دکھائی، دیکھتے ہی
حیرت میں رہ گئے، کہنے لگے اگر یہ تفسیر اپنی بتاتا ہوں تو تعجب یہ ہے کہ میرا نسخہ دوسرے تک پہنچا
کیسے؟ حالانکہ میں نے اس کو نہایت حفاظت کے ساتھ مقفل کر کے رکھا ہے اور اگر کسی دوسرے

کی کہوں تو معانی کثیرہ الفاظ کثیرہ اور ان کی وضع و ترتیب کس کس چیز میں اور کہاں تک توار و مانوں ،
عقل کچھ کام نہیں کرتی ، اپنے فرمایا یہ تفسیر تمہاری ہی ہے ، جنات نے ہم کو لا کرسی ہے ، تو پھر علا
ز معشری کو جنات کے وجود کا قائل ہونا پڑا۔ (روح البیان ص ۶۷)

(۲)

واضح ہو کہ خطیب کا سامعین کے مواجہ میں ہونا مسنون ہے اور یہ آلہ (لاؤڈ اسپیکر) خطیب
کی مواجہت میں بلا ضرورت حائل ہو کر سنت مواجہت کا مزاحم ہوتا ہے ، اس طرح سامعین
کا خطیب کے مواجہ ہونا مسنون ہے ، یہاں تک کہ جو لوگ خطیب سے دائیں بائیں جانب ہیں ان
کا بھی خطیب کی جانب رخ کرنا سنت ہے اس آلہ کے استعمال کی صورت میں یہ سنت بھی ،
مفقود ہوتی ہے کہ اب خطیب کی جگہ خود یہ آلہ اس کا قائم مقام ہو گیا ہے اگرچہ سامعین کی طرف
سے روگرداں ہے مگر خطیب کے فرائض تو وہی انجام دے رہا ہے ، — نیز خطیب کا
کھڑا ہونا بھی سنت کے درجہ میں ضروری ہے اس آلہ کے ہوتے ہوئے یہ ضرورت بھی ایک
حد تک باقی نہیں رہتی — خطیب کا منبر پر ہونا بھی مسنون ہے جس میں ایک حکمت یہ
بھی ہے کہ خطیب کے مشروع و غیر مشروع حالات کا دور تک معائنہ و مشاہدہ ہو سکے اور اس کے
جذبات حالیہ قوم پر اثر انداز ہو سکیں ، یہ آلہ اس سنت کے بھی بعض مقاصد میں مزاحم ہے۔
(رسالہ قصد السبیل ، مطبوعہ دہلی ، ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء ، ص ۱۲۷-۱۵۱)

اولاد اجداد حضرت مفتی صاحب کے چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں ، سب سے
بڑے صاحبزادے مولوی محمد میاں سلمی نے علوم عقلیہ و نقلیہ میں تکمیل کی سند
درجہ عالیہ مسجد فتحپوری ، دہلی حاصل کی ہے ، عزیز موصوف سلمی بڑے ذہین و فطین اور فاضل
عالم جوان ہے ، حافظ قرآن ہیں و علم تجوید قرأت میں بھی پورا پورا کمال حاصل ہے ، علوم تجزیہ
میں بھی درک ہے ، فن طب میں بھی مہارت رکھتے ہیں ، تشخیص و تجویز ماہرانہ ہے ، مولیٰ تعالیٰ
عزیز موصوف کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے ، آمین ! دوسرے صاحبزادے مولوی
احمد میاں سلمی حافظ قرآن ہیں و علوم عربیہ کی تحصیل میں مصروف ہیں ، باقی صاحبزادگان بھی
حافظ قرآن ہیں و علوم عربیہ فارسیہ حاصل کر رہے ہیں ، — آپ کے ایک امادہ ہیں ، جناب
قاری ڈاکٹر محمد ضوان اللہ صاحب ، مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ میں ، شعبہ دینیات میں استاد ہیں ،
اور بڑی خوبیوں کے مالک ہیں ۔

حضرت الحاج حافظ قاری مولانا محمد احمد صاحب

آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی، ابتداً فی تعلیم حضرت مولانا ابجد قدس سرہ العزیز سے حاصل کی، برادران گرامی اور برادر نسبی قاری سید حفیظ الرحمن صاحب سے تجوید قرأت کی تحصیل کی اور قرآن پاک حفظ کیا، اور اس میں وہ کمال پیدا کیا کہ باید و شاید، ساہا سال سے مسجد جامع فتح پوری دہلی میں رمضان المبارک میں قرآن پاک سناتے ہیں، دور و نزدیک سے لوگ آتے ہیں، ہزاروں کے اجتماع میں بغیر لاٹوڈ اسپیکر کے ہر شخص تلاوت قرآن سے منظوم و مستر ہو تا ہے بلند آہنگی کے علاوہ آواز میں سوز و گداز ہے، آپ کے بکثرت تلامذہ ہیں۔

مولانا نے موصوف نے قرآن پاک کی تعلیم سے فارغ ہو کر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی طرف باقاعدہ توجہ کی، حضرت قبلہ قدس سرہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور مدرسہ نعمانیہ (دہلی) میں داخل ہو کر ایک عرصہ تعلیم حاصل کی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں سند تکمیل حاصل کی جس کی نقل یہاں پیش کی جاتی ہے:-

الاسناد من البدین لولہ الاسناد لقال من شاء ماشاء، رواہ مسلم شریف فی خطبہ صحیحہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی شرفنا بتقید الہ جلال واخرجنا من حوض الجرح والوج
العدل والکمال تنزه ذاتہ عن سمة النقص والنوال والصلوة والسلام علی
حبیبہ البیب صاحب احسن الجمال ذی الفضل والکمال، صفاتہ مشہورۃ
واحدیثہ مسطورۃ تفرّد ذاتہ العزیز فہو کرم المطلق وبلا اتباع احق،
متواتر کلامہ بالکتاب لمحق، الیہ ینتہی اسانید الاثر ونبأ کل فیہ ما غیر
وما غیر وعلی آلہ وصحبہ المصابیم الغرر والمفلحیم الدّرر۔ اما بعد فیقول
العبد الفقیر الی ربہ الغنی القدیر الداعی بالدعاء العزیز المذید محمد بن
المذعوب عبد اللہ شید بن الفاضل مجلیل والعالِم النبیل ذی الفضل لعظیم
المولوی السید محمد عبد المحکم المرحوم المظفور الدہلوی، ناظم المدرّسة
النعمانیة الاسلامیة العربیة الواقعة فی بداد دہلی ایدھا اللہ تبارک
وتعالی وابدھا المأوقع الفراع للفاضل الادیب الکامل والعالِم التقی

العامل مولوی محمد احمد بن مفتی مظہر اللہ صاحب المتوطن فی الدہلی من
کتب لفقہہ والحديث واصولہا والتفسیر والادب البیان والحکمة والمنطق
وغیر ذلک مما تذکر تفصیلہا علی مدرسی مد رستی الذی اثبتت اسما ہم
العالیہ فی الدیل والتمس منی ان اعطیہ قرطاسا لستند وهو الجدید ذلک
ولست هناك ولكن اللہ تبارک وتعالیٰ یفعل ما یشاء وهو القدر علی کل شیء
شاء فلجبته وعممته بالعمامة المستحبة لما روی عبد الرحمن بن عوف
رضی اللہ عنہ قال عمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسدد لها بین یدي
ومن خلفی رواہ البوراء وأوصیہ بالتقوی فاتھا السبیل لا قوی والمرجوا
منہ ان لا یخاف فی اللہ لومة لائم وان لا ینسانی واشیانہ فی الدعاء الخیر
وأخرج عونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوة والسلام علی ریحمة
العالمین وآلہ وصحبہ الطیبین الطاہرین الی یوم الدین -

تفصیل الکتب

مثنیہ المصلی، شرح مائتہ عامل، قدوسی، کافیہ، شرح تہذیب، کنز الدقائق
شرح ملا جامی، قطبی تصورات، جلالین شریف، مختصر المعانی، ہدایۃ النحو
السیاقوی، قطبی تصدیقات، پارسہ تبارک، نور الانوار، تسلم، سبعة معلقہ
تلخیص مفتاح، ملا حسن، میبذی، شرح عقائد نسفی، مراحہ الاسرار، عربی
علم الصیغہ، اصول الشاشی، مقامات، اقلیدس، رشیدیہ، ہدایا ولین
ہدایہ آخرین، مشکوٰۃ شریف، منتخب الفکر، بیضاوی شریف، قاضی مبارک
تصریح، حمد اللہ، مطول، مثنی، صدرا، امور عامہ، توفیق تلویح
اشارات، دیوان حماسہ، حکیم بنجاری شریف، حکیم مسلم شریف، سنن
ابوداود شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، شمائل
ترمذی -

اس سند پر ان چار حضرات کے دستخط ثبت ہیں :-

۱۔ مولوی عبد المجید صاحب ہتھم مدرسہ نعمانیہ دہلی

۲۔ مولوی عبد الخالق صاحب، صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ -

۳۰ - مولوی سید محمد موسیٰ صاحب مدرس مدرسہ نعمانیہ -

۳۱ - مولوی عبدالحق صاحب مدرس مدرسہ نعمانیہ -

حضرت مولانا محمد احمد صاحب علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، بلکہ اس کے لئے ڈینیٹل سرکاری سیکھی اور اس میں وہ کمال حاصل کیا کہ دہلی کے ماہرین ڈینیٹل سہجن آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں حضرت مولانا نے موصوف نے نو عمری ہی سے مسجد جامع فتح پوری میں امامت کے فرائض انجام دینے شروع کر دیئے تھے، یہ زمانہ تھا جب کہ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز شاہی امام و خطیب تھے، اور حضرت مولانا محمد مظفر احمد صاحب نائب امام تھے، تقسیم ہند کے بعد جب حضرت مولانا محمد مظفر احمد صاحب پاکستان تشریف لے آئے تو حضرت مولانا محمد احمد صاحب نیابت کے فرائض انجام دینے لگے، کچھ عرصہ بعد حضرت قبلہ کافی ضعیف و نحیف ہو گئے تو امامت و خطابت کا سارا بار حضرت مولانا نے موصوف کے دوش پر آگیا، چنانچہ آپ نے اس فرض کو بحسن و خوبی انجام دیا، اور حضرت کے وصال تک تیس سال کے طویل عرصہ تک اس فرض کو انجام دیکر حق خدمت ادا کیا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب کی نیابت و امامت کا اجمالی ذکر کر دیا جائے۔

سنی مجلس وقاف (دہلی) نے اپنے فیصلے مورخہ ۲ مارچ ۱۹۴۴ء کی رو سے حضرت مولانا محمد احمد صاحب کو مسجد جامع فتح پوری دہلی کا نائب امام مقرر کر دیا تھا، پھر جب شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم اس مجلس کے صدر ہوئے تو مجلس کے ایک اجلاس منعقدہ ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو سابقہ فیصلے کی توثیق کر دی گئی۔ مئی ۱۹۶۰ء میں حضرت نے ایک تحریر کے ذریعہ اپنے بڑے صاحب نے اوسے مولانا مفتی محمد شرف احمد صاحب کو امامت جانشینی اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں تفویض کیں تھیں، لیکن ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۶ء تک مولانا محمد احمد صاحب امامت فرماتے رہے۔ حضرت کے وصال سے چند روز قبل، حضرت کے ایما پر (بقول سکریٹری وقف بورڈ) مولانا محمد احمد صاحب کو یکم نومبر ۱۹۶۶ء سے مسجد جامع فتح پوری کے منصب امامت و خطابت پر فائز کیا گیا جس کی اطلاع بعد میں دہلی کے اخبارات میں بھی آگئی، چنانچہ اخبار الجمعیۃ (دہلی) کے شمارہ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء میں یہ خبر اس طرح شائع ہوئی ہے :-

حضرت مفتی صاحب کی خواہش کے مطابق دلی وقف بورڈ نے اپنے مجلس منعقدہ ۱۲ نومبر ۱۹۶۶ء میں مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو مسجد فتح پوری کی امامت

کے لئے فیصلہ کر دیا تھا جس کی اطلاع حضرت مفتی صاحب کو دے دی گئی تھی، اس اطلاع پر حضرت مفتی صاحب نے مسرت کا اظہار فرمایا تھا اور دعا بھی دی تھی۔

اسی طرح اخبار دعوت (دہلی) کے شمارہ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۶۶ء میں بھی یہ خبر شائع ہوئی تھی۔

مولانا نے موصوف چوں کہ اپنی فنی مشغولیات میں منہمک ہے اس لئے تقریر تحریر کی طرف زیادہ توجہ نہ فرما سکے، لیکن تقسیم ہند کے بعد چوں کہ ذمہ اریاں زیادہ ہو گئی تھیں اس لئے اس طرف بھی توجہ کی، مولانا کبھی کبھی تقریر فرماتے ہیں، زبان نہایت صاف اور شستہ ہوتی ہے، موزوں مناسب ل اشعار سے مرصع اور ادبی رنگ لئے ہوئے، دہلی کی شکسالی زبان بولتے ہیں، اظہار پر بڑی قدرت ہے، طبیعت میں گداز عشق بھی ہے، حضرت قبلہ قدس سرہ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہیں، اور ایک عرصہ صحبت سے مستفیض ہوئے ہیں، اس لئے بصیر قلبی پیدا ہو گئی ہے، زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ سے مستفیض ہیں، آپ کی سیرت کا ممتاز جوہر استقامت و پامردی ہے چنانچہ ۱۹۶۶ء میں فسادات کے دوران جبکہ مسجد جامع فتح پوری دشمنوں کے نرسے میں تھی آپ حضرت والد ماجد قدس سرہ کی رفاقت میں رہے اور بڑی استقامت کے ساتھ امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اور حق خدمت ادا کیا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تصنیف تالیف میں مولانا کی کوئی قابل ذکر یادگار نہیں البتہ نمونہ کے طور پر ان کی تحریر کا یہاں ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ چند سوالات کے جوابات میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کا ایک فتویٰ بعنوان ”دائرہ افتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ“ دہلی سے شائع ہوا تھا، حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے ان جوابات کی تصدیق فرماتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔

نمونہ تحریر

سبحان اللہ سبحان اللہ! کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس میں کسی مشکک کیلئے تشکیک کی گنجائش رکھی ہو، جو اللہ کے بندے تعصب نفسانیت سے پاک ہیں ان کے لئے تو دھنوج حق کا ان جوابات میں کافی سامان موجود ہے، رہے وہ لوگ جو آیت کریمہ کلا بل سامان علیٰ قلوبہم ما کانوا یکسبون کے مصداق ہیں تو ان سے تو قبول حق کی امید رکھنا محالات سے ہے اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ یہ جو یہاں حق کو ظاہر فرما رہے ہیں وہاں ہدایت و ضلالت کے مطابق کی شناخت کے لئے بھی ایک کسوٹی کی حیثیت رکھتے

ہیں، علاوہ ازیں صرف عوام ہی کو گمراہی سے بچا رہے ہیں بلکہ علمائے معاصرین کے لئے بعض تنبیہات ان میں مضمر ہیں، اور اس کا تو صراحت کے ساتھ اظہار فرمایا ہے کہ علماء کو چاہیے کہ مسئولیت کی موافقت یا مخالفت کا اثر ہرگز نہ گزرا ظہار حق سے ان کو باز نہ رکھے یہ ایسی زریں تہنیت ہدایت ہے کہ جو ان کے حزر جان بنانے کے قابل ہے، چنانچہ نفوس قطعید کا بھی یہی ارشاد ہے فقال تعالیٰ ولا یحزمنکم شدتان قوم علی ان لا تعدلوا۔ اعدلوا ہوا قرب للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ بخیر بما تعملون امید ہے کہ حضرت کا یہ فتویٰ عوام کی غلط فہمیوں کو دور کرنے والا اور جن خواص کی قسمت میں ہدایت لکھی ہے ان کے عداو کو رفع کرنے والا ہوگا،

نہایت درجہ افسوس ہوتا ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ جب کسی کے مخالف ہوتے ہیں یا اس کے مقابل اپنا کوئی فائدہ دیکھتے ہیں تو شتمہ برابر بھی خوف خدا نہیں رہتا، ان پر وہ بہتان باندھتے ہیں جس سے خلوق کی نظر میں وہ ذلیل ہو جائے، خواہ اپنا دینی نقصان کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ (ص ۲۳ و ۲۴)

آپ کے پانچ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں، سب بڑے **اولاد اجماد** صاحبزادے مولوی مکرم احمد سلمہ حافظ قرآن ہیں و علم تجوید قرأت سے واقف ہیں، مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کر رہے ہیں اور انشاء اللہ درجہ حدیث میں ہیں، بڑے ذہین اور نیک صالح ہیں، حضرت قبلہ قدس سرہ کی صحبت کیسے کیا اثر سے ایک عرصہ مستفیض رہے، اس لئے طبیعت نے حضرت کی بعض خوبیوں کو قبول کیا ہے، مولیٰ تعالیٰ صاحبزادہ موصوف کو علمی اور روحانی ترقیات سے نوازے، دوسرے صاحبزادے مولوی محمد معظم احمد سلمہ بھی حافظ قرآن ہیں، اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں علوم عربیہ کی تحصیل کر رہے ہیں، باقی صاحبزادگان ابھی چھوٹے ہیں، قرآن کریم کی تحصیل میں مصروف ہیں۔

فاضل نوجوان حضرت مولانا منور احمد مرحوم

حضرت مولانا دہلی میں پیدا ہوئے، خوب صوت و خوب سیرت خواں تھے، ابتدائی تعلیم اور کتب عربیہ حضرت قبلہ قدس سرہ سے پڑھیں اسی کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے لئے مدرسہ نعمانیہ دہلی میں داخل ہو گئے اور ایک عرصہ تک پڑھتے رہے پھر مسلسل علالت کی وجہ سے تعلیم

Click For More Books

جاری نہ رکھ سکے۔ تعلیم کے تھمتھ فنون لطیفہ خطاطی، نقاشی، بٹاک میکانک وغیرہ کی تحصیل بھی کی اور اسی کو ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی کمال حاصل کیا، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضور قبلہ قدس سرہ العزیز سے شرف بیعت حاصل کیا اور ایک عرصہ صحبت عالیہ سے مستفیض ہوتے رہے جس سے بصیر قلبی اور گداز دل حاصل ہوا۔

مولانا نے مرحوم کو تقریر کا خاص ملکہ تھا بیس بائیس سال کی عمر میں بڑی بے باکی کے ساتھ بڑے بڑے اجتماعات میں فاضلانہ اور پرجوش تقریر فرمایا کرتے تھے، جس کو دیکھ کر سب حیران ہوتے تھے، یہ ملکہ اسخو جوبرسوں کی محنت شاقہ اور ریاضات شدیدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے مولیٰ تعالیٰ نے فطری طور پر وصیت فرمایا تھا، بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ایک دن میں کئی کئی تقریریں کی ہیں، مگر اس کو دور جدید کے علماء کی طرح اپنا پیشہ نہیں بنایا۔ تقاریر کا اصل محرک خدمت دین اور عشق رسول کریم تھا۔

حضرت مولانا نے مرحوم کو اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق و محبت تھی، ان کی تقاریر میں سوز و گداز اسی عشق سے پیدا ہو گیا تھا، ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو۔ علامات کے زلزلے میں بھی برابر تقریر فرماتے رہے، ڈاکٹروں و حکیموں نے منع کیا مگر جوش جنوں کی جولا نیوں کے سامنے ال تذبذب کی واما ندگیاں قابل دید تھیں چناں چہ مع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر میں مہلک امراض مسل اور دق میں مبتلا ہو گئے اور بڑی بڑی تکلیفیں سہیں، اس عمر میں ان کا تحمل و بردباری دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، زندگی کی کٹھن کٹھن منزل کو اپنی قوت ایمانی سے سر کر لیا، بہت سے اوقات مشاہدہ میں آئے جن سے اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔ نو عمری کا زمانہ تھا، بازار میں جا رہے تھے کہ ایک حادثہ میں ٹانگ ٹوٹ گئی، درد و کرب کے آثار چہرے سے نمایاں تھے مگر اٹ ٹانگ کی، ایک عرصہ ہسپتال میں رہے ہاں ہڈی کو جوڑنے کے لئے بغیر بیہوش کئے دوبار ٹانگ کاٹی گئی مگر بحال کیا کہ ایک آہ بھی زباں سے نکل جائے، یہ تحمل و برداشت دیکھ کر خود ڈاکٹر حیران تھے۔

اسی طرح عالم جوانی میں مرض دق و سل میں مبتلا ہو گئے، اسی کے ساتھ ساتھ کمر کے نیچے ایک پھوڑا بھی نکلا جو ناسور کی شکل اختیار کر رہا تھا، ان پے در پے امراض نے زندگی

کو پُرورد و بنا دیا تھا، مگر دل کا حال عبادت کرنے والوں پر ظاہر نہ فرماتے، خصوصاً جب حضرت
قبلہ قدس سرہ تشریف لاتے تو عہدِ چہرے کو ہشاش بشاش بنا لیتے کہ کہیں اللہ واحد کے قلب
نازک کو تکلیف نہ پہنچے۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ خرنزدی

جس روز صبح وصال ہوئے والا ہے اس روز شام کو حضرت عبادت کیلئے تشریف لائے
مزارِ پُرسی فرمائی تو حضرت مولانا نے فرمایا میں بالکل اچھا ہوں۔ حالانکہ یوم وصال قریب
آچکا ہے، اللہ اللہ الدین کی دلاریاں ہوں تو اس طرح ہوں۔ وفاداری سی وفاداری
ہے کہ بسترِ مرگ پر اللہ محترم علیہ الرحمۃ کے قلبِ نازک کا پورا پورا خیال رکھا۔

حضرت مولانا کا وصال ۱۹۴۶ء میں ہوا، ایک روز صبح نماز فجر سے قبل بڑے اطمینانِ قلب کے
ساتھ جان عزیزِ بھان آفریں کے سپرد کر دی، یا ایہا النفس المطمئنة ارجعی الی صاحبک براۃ
مرضتیا فاذهبی فی عبادی وادخلی جنتی۔ غسل دے کر کفنا یا گیا اور جب بیدار عام کے لئے
لا یا گیا تو چہرے کی تابناکیاں قابلِ دید تھیں حاضرین بے ساختہ دستِ پیشانی کو بوسہ دیا، اور عقیدت
کے آنسو بہائے، نماز جنازہ میں ہزاروں انسان شریک ہوئے، جن راہوں سے جلوس جنازہ گزرا
وہاں شریک روکے یا گیا، عجب پُر کیف منظر تھا۔

حضرت مولانا کے انتقال کے بعد بعض کرامات ظہور میں آئیں بعض کا ذکر کیا جاتا ہے :-

- ① جس وقت غسل دیا جا رہا تھا دور دور بادلوں کا نام نشان نہ تھا، لیکن اچانک بادل کا ایک
ٹکڑا آسمان پر نودار ہو ا اور نقشِ سہارک پر حمت کی پھوار برساتا ہوا چلا گیا۔
- ② انتقال کے چند روز بعد ایک عزیزِ علی احمد صاحب نے (جو آجکل اٹلی میں ہیں) دہلی کے
ایک مقام پر مولانا کو چشمِ خود دیکھا، ملاقات ہوئی، گفتگو بھی ہوئی، اس وقت یہ
خیال نہ رہا کہ مولانا تو وصال فرما چکے ہیں، جب ملاقات کے بعد مولانا چلے گئے تو
علی احمد صاحب کو معاً خیال آیا کہ وہ تو وصال فرما چکے ہیں، مگر کربو دیکھا تو دور دور
پتہ نہ ملا۔

- ③ تدفین کے کئی روز بعد حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز حضرت مولانا کے مزارِ واقع
درگاہِ حضرت خواجہ جیالقی باللہ پیر ال خانہ کے بچوں کو لے گئے، فاتحہ کے بعد کیا

Click For More Books

دیکھتے ہیں کہ قبر کے ایک گوشہ میں ایک ترقوازہ سنگترہ رکھا ہوا ہے کہ اس سے بڑا اور لیسا
لذیذ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ انتقال کے بعد بھی بچوں کو خوب ضیافت فرمائی،
سب بچوں کو تقسیم کروایا گیا۔

مولانا نے مرحوم کی حیات و فاکرتی تو وہ دین و مذہب و علم و ادب کی بہت خدمت کرتے
چھوٹی عمر میں جو کچھ انہوں نے کیا اس سے مستقبل کی ترقیاں بے حجاب نظر آتی تھیں، مگر مولیٰ
تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ان کی تعاریر کے ایک دو مسودے محفوظ رہ گئے ہیں، یہاں
ایک تقریر سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے :-

نمونہ تقریر

امام ابن جریر عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحت کے انوار اس متن (ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)
کے گوشوں پر جھلک رہے تھے جب ہی تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرکار (صلی اللہ علیہ
وسلم) ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ابوبکر :-

”لم یحی فنی حقیقة غیرہ بی“

”یعنی مجھے ٹھیک ٹھیک جیسا کہ میں ہوں کسی نے میرے رب کے سوا نہیں دیکھا۔“ جس
کسی نے دیکھا اپنی قابلیت کے لحاظ سے دیکھا لیکن حقیقت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رب
کے علاوہ کسی نے نہ دیکھا، عاشق کہتا ہے

ترا چاں کہ توئی دیدہ کجا بیند ؟

بقدر بینش خود ہر کسے کند اوارک

غور کیجئے! بشریت سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاکہ پیش کروں، امام بخاری
رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور عین راستہ
سے گزر فرماتے تو تلاش کرنے والا جان لیتا کہ اس راستہ سے گزر فرمایا ہے کہ وہ راستہ
خوشبو سے مہلک جاتا تھا، محدث اسحق فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھنا کہ یہ خوشبو، استعمال خوشبو
سے تھی بلکہ یہ خلاق حقیقی خوشبو تھی اور پیدائشی آپ کا جسم مبارک مطہر تھا، شیخ محقق،
مدارج شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کو اس کی سسرال رخصت کرنا چاہا
خوشبو نہ تھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کہ کچھ خوشبو مل جائے، حضور نے شیشی طلب فرمائی

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اور اس میں عطر ڈالا اور اپنے پسینہ معطر سے تھوڑا سا پسینہ بھی ڈال دیا اور فرمایا کہ اسے لگا دو، جو اس نے یہ خوشبو لگائی تو تمام مدینہ معطر ہو گیا، یہاں تک کہ ہر مدینہ نے اس گھر کا نام بیت الطیبین رکھا، فاصلہ بریلوی فرماتے ہیں :-

واللہ جوں جوں جاؤں مرے گل کا پسینہ

مانگے نہ کبھی عطر نہ چاہے دھن پھول

حضور کے دست مبارک وہ تھے جس مریض پر وہ دست شفا پہنچا، مرض دور ہو گیا، نہیں نہیں بلکہ اس مریض میں جان آگئی۔ انگشت مبارک سے اگر سوچ کو لوٹنے کا حکم فرماتے ہیں تو آفتاب غروب ہونے پر افق آسمانی پر طلعت ریزہ ہوتا ہے۔

چہرہ اقدس کے حسن و جمال کا یہ عالم ہے اور روئے زیبائی کی تابشوں کا یہ منظر ہے کہ آفتاب نبوت، مہتاب رسالت کی چمکیلی کرنیں جب سینہ پاک ابن رواحہ رضی اللہ عنہ پر پڑتی ہیں تو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں :-

لولہ تکن فیہ آیات مبینة وکان منظرہ بنبدیک بالخبز

یعنی اے لوگو! اگرچہ آپ حجرات اور آیات بینات پیش نہ بھی فرماتے، تب بھی آپ کا چہرہ وہ تھا، تم کو نبوت کی خبر دے رہا تھا یعنی انوار نبوت و رسالت جھلک رہے تھے اُس روئے جاناں میں۔

مولانا نے مرحوم دہلی میں پیدا ہوئے، قرآن کریم
فاضل فوجوں مولانا منظور احمد مرحوم
اور علوم عقلیہ نقلیہ کی ابتدائی تعلیم حضرت قبلہ قدس سرہ
سے حاصل کی پھر ۱۹۲۷ء میں مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتحپور، دہلی میں داخل ہو گئے اور ۱۹۳۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

حضرت مولانا نے مرحوم نے انیس سال کی چھوٹی عمر میں علوم عقلیہ نقلیہ میں سند تکمیل حاصل کی اور پورے جامعہ میل دل آئے، معاشقان المعظم ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۹ء کو مدرسہ عالیہ مسجد فتحپور میں جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا، جس میں حضرت قبلہ قدس سرہ، خواجہ حسن نظامی مرحوم، خواجہ محمد شفیع، ڈاکٹر ذاکر حسین (موجودہ صدر جمہوریہ ہند) وغیرہ عمائدین و اکابرین موجود تھے، نتیجہ کا اعلان ہوا تو سر

یا قہاس مولانا نے مرحوم کے ایک مسئلے سے مبارک ہے جس پر ثنائی نہیں کی گئی، جو کچھ لکھا گیا ہے قلم پر ہاتھ

فہرست مولانا نے مرحوم کا نام تھا، سب حضرات حیران رہ گئے، ڈاکٹر ذاکر حسین نے دستار بندی کی رسم ادا کی اور مولانا کو خصوصی مبارک باد دی۔

مولانا نے مرحوم نے جن اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا حضرت قبلہ قدس سرہ کے علاوہ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:-

مولانا محمد شریف اللہ، مولانا ولایت احمد مرحوم، مولانا عبدالرحمن، مولانا اشتیاق الرحمن مرحوم، مولانا سجاد حسین، مولانا عبدالقادر مرحوم، مولانا ناصر خلیق اور مولانا عبدالطمان مرحوم ۱۹۴۶ء میں مولانا درس نظامیہ سے فارغ ہوئے اور دوسرے ہی سال دہلی میں فسادات شروع ہو گئے، مسلمانوں کیلئے عرصہ حیات تنگ ہو گیا، اور ترقی کی راہیں مسدود نظر آنے لگیں، مجلس وقاف دہلی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جو طالب علم جامعہ میں آئے گا اس کو اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ ازہر، مصر بھیجا جائے گا مگر فسادات نے اس امید کو بھی خاک میں ملا دیا چنانچہ مولانا نے مرحوم خرابی صحت اور تلاش معاش کے سلسلے میں ۱۹۴۷ء کے آخر میں پاکستان تشریف لائے، اور اپنی عمر محترمہ کے ہاں حیدرآباد قیام کیا، یہاں کہ علالت نے کچھ کام کرنے کی مہلت نہ دی چنانچہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی — اور بالآخر مئی ۱۹۴۹ء میں حیدرآباد ہی میں وصال فرمایا۔ عکسے برفت کہ نایب جسد بہار دگر۔

مولانا نے مرحوم کی سیرت میں صبر تحمل کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، علالت کے زمانے میں بھی جس بڑاشت کا ثبوت دیا وہ اس عمر کے مرخصوں سے مستبعد ہے، ایام علالت میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے،

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور

پشیمانیاں ہیں گناہوں پہ لیکن بڑے ہی مزے کی پشیمانیاں ہیں
دوسری بات جو ایام علالت میں دیکھی گئی وہ والد محترم کی دلداری کا پورا پورا خیال تھا، باوجودیکہ مرض الموت میں مبتلا تھے، اور یقین تھا کہ چند روز میں اس دنیا سے فانی سے جلت کر جائیں گے مگر ہمارا لیکر حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنی خیریت کا ذکر تھا اور صحت کی خوش خبری، اللہ اکبر دلدار ہی ہو تو ایسی ہو۔

مئی ۱۹۴۹ء کے آخری عشر میں جب حالت نازک ہو گئی تو حضرت قبلہ کو اطلاع دی گئی،

حضرت نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ عزیمت کی تاریخ میں سنہ ۱۳۴۹ء سے لکھے جانے کے قابل ہے۔
فرمایا :-

”ہر وقت مولیٰ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں کہ ایک ہی دو اتریاق کا حکم رکھتی ہے۔“

(محرمہ ۱۳۴۹ء از دہلی)

چند روز بعد جب صال کی اطلاع دی گئی، تو بجائے بیچینی و اضطراب کے سکون و طمانیت سے
معموہ مکتوب گرامی آیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہل اللہ عین ابتداء میں کیسے مطمئن ہوتے ہیں
یہ اطمینان و سکون دنیا سے محروم ہوتا جاتا ہے، حضرت نے جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا ”مکتوبات منظرہ“
میں شامل کر دیا گیا ہے، یہاں صرف اس کا ابتدائی حصہ نقل کیا جاتا ہے :-

حیف و چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیم و بہار آخر شد

لَا مَا اعطَى وَلَهُ مَا اخَذَ وَعِنْدَ لَا اَجَلَ مَسْهُ

اندوہ گسٹا من بکنا رکیبائی آرام گرفتہ باشد

والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مولیٰ تعالیٰ اس جاں کاہ صدمہ پر تہیں صبر عطا
فرمائے اور اس پر اجر عظیم سے سرفراز فرمائے، مرحوم جن خوبوں کے مالک تھے ان
پر نظر رکھتے ہوئے امید قوی ہے کہ عطا یاے عظیم سے ان کو نواز لیا ہوگا، مولیٰ
تعالیٰ اس سے بھی زائد ان کے درجات بلند فرمائے۔

الی آخرہ

مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر جب دہلی پہنچی تو ان کے استاد گرامی مولانا ولایت احمد رحمۃ
اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مولانا کی حیات اسی کرتی تو وہ اپنے زمانہ کے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
ہوتے۔ مگر افسوس قدرت نے یہ متاع عزیز لے لی، اور جن پھولوں سے چین کی امیدیں وابستہ
تھیں وہ زیر زمین دفن کر دیئے گئے :-

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اسے لٹیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

حضرت قبضہ نے اکثر مکتوبات میں ساندہ کے ان اقوال کا ذکر کیا ہے جو ہم نے ”مکتوبات منظرہ“ میں شامل کر دیئے

ہیں ان مکتوبات کے ساتھ ہی ان کے حوالہ دیا ہے کہ ان سے بے پناہ محبت تھی۔

مولانا نے مرحوم کو علم ادب اور دین مذہب سے خاص لگاؤ تھا، اگر ان کی حیات وفا کرتی تو وہ معلوم وہ کیا کچھ خدمت کرتے مگر حیف و خاک میں کیا جوتیں ہوں گی کہ یہاں ہو گئیں — علوم عربیہ سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے ۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء کے درمیان کراچی کے لئے دار لکھی نظام الاوقات کی تقویم حضرت قبلہ کی نگرانی میں مرتب کی تھی جو ۱۹۲۷ء میں کوئٹہ سے شائع ہو چکی، مولانا نے مرحوم نے تقریر تحریر کی طرف بھی توجہ فرمائی، دہلی میں ایک وصال میں تقریریں فرمائیں ان کی تقریر کا انداز بڑا سنجیدہ و متین ہوتا تھا، حسن اتفاق سے ان کی تقریر کے دو تین مسودے محفوظ رکھے ہیں جو نظر ثانی سے محروم رہے، بہر کیف یہاں تین اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

نمونہ تقریر

① وَأَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ط

انعامات باری تعالیٰ لا متناہی اور بے شمار ہیں، میں کو دیکھئے کہ آپ کے لئے معاش بنایا، آپ اس میں اپنے لئے روزی مہتا کرتے ہیں اور طرح طرح کے اپنے ضروری کام انجام دیتے ہیں، اور آپ کے آرام کے لئے رات کو بنایا، آپ کے لئے زمین کو فرش معتدل بنایا، آپ کے لئے رزق کو پیدا کیا اور قسم قسم کے پھل پیدا کئے اور آپ اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے کہ آپ کسے دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سننے کے لئے کان، چلنے کے لئے پیر بنائے؟ غرض کہ ہر آن انسان پر احسانات باری تعالیٰ کی بارش ہوتی ہے کہ انسان اس میں غرق ہوتا ہے اور کچھ اس کو خبر نہیں ہوتی — لیکن قربان جائیے آقا اور مولیٰ کے کہ ہر وقت اپنے بندہ کی نگہداشت کرتا ہے، اس کو رزق دیتا ہے، حیات اور بقا بخشتا ہے اگرچہ بندہ کی طرف سے ہر ساعت غفلت ہی غفلت ہوتی ہے ۵

تجھ کو اتنا قریب پاتا ہوں یا ذکر نا بھی بھول جاتا ہوں
خدا کی قسم اگر ایک دلی سے نعمت کا شکریہ عمر بھر ادا کیا جائے تو اس کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا، کجا کہ تمام نعمتوں کا؟ — یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ سب سے بڑی نعمت وجود اور حیات ہے، کیوں کہ جو وہی ہر تمام نعمتیں مرتب ہوتی ہیں اور وجود

ہی تمام کمالات کا منبع ہے، یہی وجہ ہے کہ جن ذات میں وجود عین ذات ہو تو وہ ذات منبع کمالات ہوتی ہے جیسا کہ ذات باری تعالیٰ کہ اس میں وجود عین ذات ہے اور واجب تعالیٰ منبع کمالات اور سرچشمہ عجائبات ہے تو وجود اصل نعمت ہے تو جن ذات کے صدقے میں وجود ملے وہ ذات کتنی بڑی نعمت ہوگی؟ — ہاں ہاں وجود نہیں ملا مگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور وسیلے سے چناں چہ حدیث میں وارد ہے :-

لَوْلَا اَنْتَ لَمْ يَخْلُقْ الْجَنَّةُ وَالْاِنْسُ

”اے محبوب اگر آپ نہ ہوتے تو میں تمام انسانوں اور جنوں کو پیدا نہیں فرماتا“ اور بات بھی یہی ہے کہ اگر محبوب نہیں تو اور چیزوں سے کیا واسطہ؟ — ایجادِ عالم کا سبب کیوں نہ ہوں جب کہ عالم کی جان ہیں اعلیٰ حضرت بریلوی کیا خوب فرماتے ہیں :-
وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں نہ کچھ نہ ہو
جان میں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

تو حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے کسی نعمت پر بھی احسان نہیں بتایا سوائے آنحضرت کے، چناں چہ فرماتا ہے :-
كَذَٰلِكَ عَلَّمَ الْمُوْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

”بلاشبہ حق تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ انہیں میں سے ان کو رسول مرحمت فرمایا“
تو جب دینی کسی نعمت کا شکر واجب ہے تو کیا نعمتِ عظمیٰ کا شکر واجب ہوگا؟ — اور جب
ادنیٰ کسی نعمت کا ذکر واجب ہے تو کیا نعمتِ اعلیٰ کا ذکر واجب ہوگا؟ — جب کہ ہر نعمت کا شکر و
ذکر واجب ہے تو کیا نعمتِ عظمیٰ اور اعلیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر واجب ہوگا؟
— یقیناً ہوگا۔ یاد رکھئے کہ اس سرچشمہ نعمت کا شکر ادا کیا تو تمام نعمتوں کا شکر ادا
کیا، کیوں کہ جب اس نعمت کا شکر ادا کیا جس کے طفیل میں وجود ملا اور جو ہر تمام نعمتیں متفرع
ہوتی ہیں تو گویا کہ تمام نعمتوں کا شکر ادا کیا، تو ذکر حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) واجب ہے، اسی
کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَاَقِمْنَ صَلٰتِ رَبَّكَ خَشَعًا

”اور اپنے پروردگار کی نعمت کا ذکر کرو“

”اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرو“ — یہاں نعمت کی اصناف رب کی جانب سے تو

Click For More Books

اضافت تخصیص کے لئے تو ہے نہیں کیوں کہ تمام نعمتیں اللہ ہی کی ہیں، غیر کی تو ہیں نہیں جو باری تعالیٰ فرمائے کہ اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرو اور غیر کی نعمت کا ذکر نہ کرو۔۔۔ یہاں اضافت تعظیم کے لئے ہے نعمت کی عظمت بیان کرنے کے لئے کہ اس نعمت کو یاد کرو جو عظیم ہے، جس کو خالق مطلق کے ساتھ خصوصی لگاؤ اور خصوصی نسبت و تعلق ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو! اللہ اللہ! این چہ بوالعجبیت کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تو فرمائے ذکر کرو، چرچا کرو اور خود بھی جا بجا اپنے محبوب کا ذکر بکثرت فرمائے اور کہنے والے بد بخت یہ ہیں کہ ذکر محبوب بدعت ہے، اسے ذکر محبوب بدعت نہیں بلکہ بدعت تو تم ہو، تم حضور کے زمانہ اطہر میں کب تھے؟ آنحضرت کا ذکر تو قرآن شریف میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی تو کیا صحیف مقدس اور حدیث پاک بھی بدعت ہے؟۔۔۔ میں تو کہتا ہوں کہ حضور کا ذکر شریف جب سے دنیا قائم ہے ہوتا چلا آ رہا ہے اور جب تک دنیا قائم ہے حضور کا ذکر پاک ہوتا رہے گا اور کیوں نہ ہو جس کا ذکر رب العزت بلند کرے اس کو کوئی نیچا کر سکتا ہے؟۔۔۔ کس کی طاقت ہے کہ اس کو پست کر دے؟۔۔۔ پست کرنے والے خود پست ہو جائیں گے لیکن نہ ہو گا پست تو ذکر محبوب نہ ہو گا، چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

وَمَنْ قَعَنَّا لَكَ ذِكْرًا لَّعَنَ

اے محبوب ہم نے تمہارے ذکر کو بلند و اعلیٰ کر دیا ہے کسی کی طاقت اور مجال نہیں کہ تمہارے ذکر کو پست کر دے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے، خواہ عالم آخرت ہو یا دنیا، سرسبز نعمت و مجسم حمت ہیں، چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:-

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

(حصر کے ساتھ فرماتا ہے) کہ اے محبوب ہم نے تم کو نہیں مبعوث فرمایا مگر عالم کے لئے رحمت بنا کر۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

”اور باری تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا ورنہ حالیکہ آپ ان میں موجود ہوں“ یعنی آپ تو رحمت ہیں عالم کے لئے اور یہ کہیں ہو سکتا ہے کہ جہاں رحمت ہو وہاں عذاب نازل ہو؟ تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہاں کے لئے مجسم حمت ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا

Click For More Books

کافر حیوان ہوں یا غیر حیوان ————— خصوصاً مسلمانوں کے لئے بد جہانم رؤف و رحیم ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَبِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ لَّحِيمٌ
”اور مؤمنین پر مشفق و مہربان ہیں“

ان کی رحمت تو دیکھئے کہ اپنی تمام امت کو بخشوا یا اور جب تک اضحیٰ نہیں ہوئے جب تک اپنی امت پر روزِ خِرام نہیں کمرالی ————— پچاس نمازوں کے بجائے پانچ نمازیں فرض کروائیں لیکن ثوابِ تمام ہی رکھا ————— اور امتوں کی عبادت کے لئے خاص مواضع ہوا کرتے تھے لیکن اس امت کے لئے تمام زمین مسجد بنا دی گئی، پھلی امتوں کی عمریں طویل ہوا کرتی تھیں تو وہ عبادت میں سبقت لیجاتے ہوئے نظر آنے لگے لیکن قربان جائیے فضلِ کریم کے کہ اس قہیہ و تراوی امت کو ایک ایسی شبِ مبارکہ مرحمت فرمادی جس کی عبادت ایک ہزار ماہ سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح عبادت میں امتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سبقت لیجانے والوں میں شامل کر دیا، اللہ اللہ بڑی بڑی عمر لے بیچھے ہے جاتے ہیں ورنہ چھوٹی عمر الے آگے بڑھ رہے ہیں، کیا عرض کیا جائے بیشمار نعمتیں و رحمتیں ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہمیں ملیں، ملتی ہیں اور ملتی رہیں گی، چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

اللَّهُ يَعْطِي وَأَنَا قَاسِمٌ
”اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں“

②

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

انسان جب بھی کوئی شے خریدتا ہے جب کہ وہ اس کو پسندیدہ ہو، اور کلیہ قاعدہ ہے عقل کا مقتضی بھی یہ ہے ————— ”اشترا“ کے معنی عربی میں ”خریدنے“ کے ہوتے ہیں تو آیت شریفہ کے یہ معنی ہوتے کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو بعض جنت کے خرید لیا ہے۔ ————— یعنی اسے مسلمانوں ہیں تمہاری جائیں بھاگئیں ہیں اور پسند آگئی ہیں اس لئے ہم نے تم کو ثبوت دے کر ان کو خرید لیا اور اپنا لیا ہے۔

اب یہاں غور طلب امر یہ ایک تو یہ کہ آیا یہاں حقیقی مصنوعی بیع و شرا ہے؟ دوسرا یہ کہ پسندیدگی کی وجہ کیا ہے؟ ————— حق تعالیٰ نے اپنے محبوب سرکار و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ لوگوں کو بتا دیں کہ تمہارا سبب جو ایک ہے تمہارا خالق واحد ہے وہی اور صرف ہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کا کوئی شریک ہمسپر نہیں وہی سب کا خالق مالک ہے سب اس کے بندے اور مخلوق ہیں۔

یہ آواز اس ماحول میں بالکل نوکھی اور نرالی تھی، جب کہ ہر طرف شرک کفر پھیلا ہوا تھا، حتیٰ کہ وہ جگہ جو توحید کا منبع اور مرکز تھی وہ اب کفر و شرک کا مرکز بن چکی تھی، لوگوں کے دلوں میں کفر و الحاد راسخ ہو چکا تھا، یہی وجہ تھی کہ کسی نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غبنوں کہا، کسی نے مسخر کہا، کسی نے دیوانہ کہا۔ قسم قسم کی ایذا میں اور تکلیفیں دیں لیکن وہ صبر ضبط کا مستحکم پہاڑ اپنی جگہ پر ڈھارہا، اور ایک آواز حق بلند فرماتا رہا کہ اسے دنیا کے انسانوں! تباہی اور ہلاکت کی طرف جانے والوں! اپنے خالق و مالک کے سرکشوں! ظلم اور شرک کے متوالوں! ادھر آؤ۔ ذات واحد کی طرف متوجہ ہو، اسی کے آگے سرنگوں ہو، دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اس لائق نہیں کہ اس کے آگے جھکا جائے، اس کی سزا وار نہیں کہ اس سے ڈرا جائے اس کا محکوم بنا جائے، سوائے ایک ذات خدا کے۔

چند ازل شریف الطبع انسانوں نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو لبیک کہا اور سرکار کے دست مبارک پر بیعت کی، اپنی جانوں اور مالوں کو اپنے مولیٰ کے ہاتھ فروخت کر دیا یعنی اپنا سب کچھ اپنے مالک کے ہاتھ سونپے یا۔

یہ وہ لوگ تھے جو صبر ضبط، تحمل و بردباری اور انسانیت و شرافت کا پتلا بن چکے تھے، یہ وہ لوگ تھے جو جذبہ ایمانی اور اخوت اسلامی کا مجسمہ بن چکے تھے، یہ وہ لوگ تھے جن میں خلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سرایت کر چکا تھا، یہ وہ لوگ تھے جو ایشیاء و قربانی کا پیکر بن چکے تھے، یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے پایہ ثبات کو دنیا میں تصور انسانی آنے والی مشکل سے مشکل و سخت سے سخت مصائب تکالیف متحرک نہیں کر سکتی تھیں، جنہوں نے میدان عمل میں آکر صحابہ کے پہاڑوں کی بھیانک گھاٹیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ عبور کر لیا، یہ وہ لوگ تھے جن کو اپنے مولیٰ کی حقیقی معرفت حاصل ہو چکی تھی، جو نور حق سے مستنیر ہو چکے تھے، جنہوں نے راہ حق میں اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کو قربان کر دیا تھا، جن کو ہدایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سرگما کر

جینا سکھا دیا تھا۔

حیدرآباد (مغربی پاکستان) میں ہوا اور میں مدفون ہوئے

مولانا مرحوم کا انتقال اکیس سال کی عمر میں ۱۹۴۹ء میں

طاہر الف یکتا اللہ کا لکھ

حضرت یکتا طہوی نے یہ مادہ تاریخ نکالا ہے :-

خدا کا یہ محبوب منظور احمد

۲۱۹

Click For More Books

راقم الحروف محمد مسعود احمد راقم الحروف کی دہلی میں ولادت ہوئی، قرآن کریم اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں حضرت قبلہ الد ماجد قدس

سرسے پڑھیں، ۱۹۴۲ء میں مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری، دہلی میں داخلہ لیا اور ہاں باقاعدہ علوم عربیہ کی تحصیل شروع کی مگر حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی علمی ہمنائی برابر رفیق راہ رہی، مدرسہ مذکور میں تقریباً چار سال عربی علوم و فنون کی تحصیل کے بعد ۱۹۴۵ء میں اورینٹل کالج مسجد فتح پوری، دہلی میں داخلہ لیا اور یہاں دو سال فارسی علوم و ادب کی تحصیل کی، ۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب یونیورسٹی (سولن) سے منشی فاضل (Honours in Persian) کا امتحان پاس کیا۔

مذکور میں راقم کے برادر مرحوم مولانا منظور احمد پاکستان شریف لے آئے تھے اور یہاں ذکر سخت علیل ہو گئے چنانچہ راقم ان کی تیمارداری کے لئے ۱۹۴۸ء میں پاکستان آیا اور حیدرآباد میں اپنی عمہ مکرمہ کے ہاں قیام کیا ۱۹۴۹ء میں برادر موصوف انتقال فرما گئے اور احقر مستقل طور پر یہیں کا ہو کر رہ گیا۔

برادر مرحوم کے سانچہ ارتحال نے زندگی کو غمناک بنا دیا تھا، مگر عمہ مکرمہ کی بے پناہ شفقتوں نے بڑی ہمت افزائی فرمائی اور پاکستان میں تعلیم کا سلسلہ پھر جاری کیا چنانچہ ۱۹۵۱ء میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۵۲ء میں پہلے مذکور یونیورسٹی سے ادیب فاضل (Honours in Urdu) کا امتحان پاس کیا پھر انٹر میڈیٹ کا۔ ۱۹۵۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اس کے بعد سندھ مذکور ہی میں سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد میں ایم۔ اے (اردو)

میں داخلہ لے لیا، یہاں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں جیسا استاد کامل نصیب ہوا جن کی صحبت کیمیا اثر نے قلب و دماغ کو جلا بخشی، ۱۹۵۸ء میں مذکور یونیورسٹی سے ایم۔ اے پاس کیا اور بفضلہ تعالیٰ پوری یونیورسٹی میں قیام رہا، جس کے صلے میں گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے گولڈ میڈل اور اس چانسلر کی طرف سے سلور میڈل دیا گیا، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا اور مشفقین و خیرین کی تعلیم و تربیت اور دعاؤں کے شیریں ثمرات و زینہ احقر کس لائق تھا؟

راقم نے جن اساتذہ گرامی سے باقاعدہ طور پر یا کچھ عرصہ کے لئے استفادہ کیا ہے، حدیثِ نعمت کے طور پر ان کے اسماء گرامی تحریر کرتا ہوں۔

حضرت قبلہ الد ماجد قدس سرہ، مولانا محمد شریف اللہ، مولانا سجاد حسین، مولانا عبدالرحمن، مولانا ولایت احمد

مولانا اشفاق الرحمنؒ، مولانا عبد القادرؒ، اور مولانا ناصر خلیقؒ۔

○ فارسی علوم کے اساتذہ ○

حضرت قبدلہ الداجہ قدس سرہ، مولانا محبوب الہیؒ، مولانا محمد ادریسؒ، اور مولانا عبد السمیعؒ۔

○ انگریزی علوم کے اساتذہ ○

ماسٹر حبیب اللہ مرحوم، حاجی محمد سلیمان، حاجی عبد الخالق، ماسٹر رضی الرحمن، پروفیسر مقبول احمد، پروفیسر عبدالرشید، پروفیسر آرمین ایم ناز، پروفیسر نیاز احمد، اور پروفیسر حبیب حلیل احمد۔

○ ادب و ادب کے اساتذہ ○

پروفیسر امجدیج ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر خان رشید اللہ خان، ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی اور پروفیسر غلام مرتضیٰ خاں۔

۱۹۵۶ء میں اقم دہلی حاضر ہوا تھا، حضرت الداجہ قدس اللہ سرہ العزیز نے سلسلہ عالیشانہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرما کر سکون جاودان بخشا، فی الحقیقت یہ روحانی تعلق بہار زندگی ہے اگر بیعت نہ ہوتا تو باوجود تحصیل علوم کے نامی کا شدید احساس تھا۔ علوم و فنون دہن کی اصلاح تو کر سکتے ہیں مگر دل کی اصلاح ان کے بس کی بات نہیں بلکہ ماغ کی اصلاح بھی دل ہی کی روشنی میں ہوتی ہے۔

کاروبار جہاں سنورتے ہیں ہوش جب بخودی سے ملتا ہے
راقم کی علمی زندگی کا آغاز ۱۹۵۶ء ہی سے ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی قبل ۱۹۵۲ء سے جب
لیوپولڈ اسد کی کتاب "اسلام ایٹ دی کر اس روڈز" کے بعض ابواب کو اردو میں منتقل کیا تھا۔
۱۹۵۷ء میں سندھ یونیورسٹی کے انعامی مقابلہ میں حصہ لیا اور وکی وکنی اور چاسٹر کی شاعری
کے تقابلی مطالعے پر ایک مضمون پیش کر کے واحد انعام حاصل کیا۔ ۱۹۵۸ء میں ہندوستان
کے مشہور فاضل ڈاکٹر تارا چند کی کتاب "دی انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر" کا اردو
ترجمہ کیا، اور ایک مبسوط مقدمہ لکھا، یہ ترجمہ لندن ہندو اسلامی اثرات کے نام سے
۱۹۶۲ء میں مجلس ترقی ادب، لاہور کی طرف سے شائع ہوا۔ ۱۹۵۹ء ہی میں سندھ

یونیورسٹی کے جسٹس محمد حسین ترک کی کتاب "دی اکاؤنٹس سٹری آف حیدر آباد" کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۹۵۸ء ہی میں حیدر آباد کی معاشی تاریخ کے نام سے حیدر آباد سے شائع ہوا، سند مذکور ہی میں بعض رفیقوں کی مندرجہ ذیل کتابوں کے اردو تراجم میں معاونت کی :-

① ایچ۔ اے۔ آر۔ گب : چھترزم

② میکڈانلڈ : اسلامک جیورس پروڈنس

۱۹۵۸ء میں ایم۔ اے کرنے کے فوراً ہی بعد پروفیسر ٹائی۔ ایس۔ طاہر علی (پرنسپل شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج، میرپور خاص) کی اعانت و عنایت اور اللہ کے فضل و کرم سے مذکورہ کالج میں ۱۱ اگست ۱۹۵۸ء کو عارضی طور پر بحیثیت لیکچرار تقرر ہوا، اسی سال مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن، لاہور کے اجلاس منعقدہ نومبر ۱۹۵۸ء میں انٹرویو دیا اور بفضلہ تعالیٰ کامیاب رہا۔ ۱۹۶۰ء میں دو سال کا عبوری دور گزر جانے کے بعد گورنر مغربی پاکستان نے ملازمت کو مستقل کر دیا، ۱۱ اگست ۱۹۵۸ء سے ۱۸ اگست ۱۹۶۶ء تک آٹھ سال گورنمنٹ کالج میرپور خاص میں کام کرتا رہا۔ ۵ اگست ۱۹۶۵ء کو مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن، لاہور کے اجلاس میں رد و پروفیسر کی ایک اسامی کے لئے انٹرویو دیا، اور بفضلہ تعالیٰ اس میں کامیاب رہا، چنانچہ گورنمنٹ ڈگری کالج، کوٹہ کے لئے بحیثیت پروفیسر منتخب کیا گیا، ۱۹ اگست ۱۹۶۶ء کو میرپور خاص سے یہاں کر چارج لیا، فی الحال یہیں کام کر رہا ہوں۔

میرپور خاص سے کوٹہ تباد لے کے بعد کالج کے قدیم رفقاء نے جو خطوط لکھے اور ان میں جن نیک جذبات کا اظہار فرمایا وہ تحریثِ نعمت اور اظہارِ تشکر و امتنان کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں، عا شا و کلا تفاخر مقصود نہیں، حضرت کے فیض تربیت کا اعجاز و کھانا ہے کہ مجھ جیسے نا اہل شخص کو بھی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا، ورنہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں سے خوبے اکتا ہوں۔

①

راجہ ایف۔ ایم مابعد سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج میرپور خاص

_____ کلاس II منتخب ہونے پر دلی مبارکباد قبول فرمائیے، آپ کی ذات سے اس عہدے کو شرف پہنچے گا، اگر حقیقی معنوں میں کوئی اس کا حقدار ہے تو وہ آپ ہیں، میں صمیم قلب سے آپ کے لئے نیک تمناؤں کا حامل ہوں و دعا گو ہوں کہ خدا آپ کو اسٹیج بھی اعلیٰ مدارج عطا فرمائے آمین۔

(از لاہور، ۲۷ اگست ۱۹۶۶ء)

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

عبدالباری صاحب، استاد تاریخ عمومی، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص
آپ کی ذات بابرکت کی موجودگی میرے لئے ایک بہت بڑا سہارا تھی۔
(از میرپور خاص، ۳۱ اگست ۱۹۶۶ء)

عبدالعزیز خاں صاحب، استاد شعبہ انگریزی، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص
ہم آپ کو بہت ہی یاد کرتے ہیں، آپ کی مفارقت کو میرپور خاص کی فضا میں محسوس کر رہی ہیں
ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پھر اس علاقے میں بھیجے۔
(مرسلہ ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء)

ترجمہ انگریزی

مسعود علی صاحب، استاد تاریخ اسلام، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص
آپ کی جدائی نے ہمارے حلقے میں خلا پیدا کر دیا مگر آپ کی ترقی کی خاطر یہ قربانی بھی گوارہ
ہے، فی الحقیقت ہمارے درمیان آپ کی موجودگی باعث برکت و صدمت تھی، آپ کی علمی بصیرت
اور مفید مشورے قابل قدر تھے اور سکون بخشنے والے تھے۔ اب ہمیں بس کاشید احمد اس ہے۔
(از میرپور خاص، ۳ ستمبر ۱۹۶۶ء)

غلام حسین بیچاوری، استاد عربی، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص
آپ کے جانے سے جو کالج میں خلا پیدا ہو گیا ہے وہ شاید ہی پُر ہو سکے، ہر انسان میں قادر
حکیم نے الگ الگ خوبیاں رکھی ہیں جس طرح جسم کے تمام اعضاء اپنا جدا گانہ مقام رکھتے ہیں تاہم
قلب جگر اور دماغ و نظر کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا واصلہ ماقال
ولیس علی اللہ بنستکر ان یجمع العالم فی واحد
آپ ہمیشہ استاد کے ایسا ہیستے تھے جس سے نہ فقط طلباء (مگر) بلکہ اساتذہ بھی فیضان
فیض یاب تھے۔ ویسے تو تبادلہ ایک رزم بن چکا ہے لیکن بعض رسومات باعث خوشی
ہوتی ہیں اور بعض باعث رنج و غم اور اس شافی انداز میں ہے۔

(از میرپور خاص، ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء)

(۶) شمشاد علی خاں صاحب، استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص مجھے جناب کی ترقی اور بہتری پر انتہائی خوشی ہے لیکن آپ کی موجودگی میرے لئے بہت بڑا سہارا تھی، وہ سہارا جاتا رہا، اس کے باعث اکثر پریشان ہو جاتا ہوں، دوسرے کہ میں یوں تو آپ سے کم ہی ملتا تھا لیکن جب بھی ملتا اور بیٹھتا تو کچھ نہ کچھ سیکھ لیتا، اب کا ہے کا ہے کا وہ سلسلہ بھی جاتا رہا، میرے حق میں دعا فرمائیے۔

(از میرپور خاص، ستمبر ۱۹۶۲ء)

آغاز ملازمت سے پہلے ہی طالب علمی کے زمانے میں مضمون نگاری کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، پھر ۱۹۵۸ء میں ملازمت کے بعد تحقیقی مقالات کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا اور بفضلہ تعالیٰ گزشتہ دس برسوں میں ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا، جو مضامین اور مقالات شائع ہو چکے ہیں ان کی ایک جمالی فہرست تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کی جاتی ہے، یہ تفصیلات محض تحدیثِ نعمت کے طور پر پیش کی جا رہی ہیں :-

۱۹۵۷ء | محرابِ حریم (لاہور) کے اپریل کے شمارے میں ایک مضمون بعنوان "نقطہ کمال" شائع ہوا۔

۱۹۵۹ء | ① گورنمنٹ کالج، میرپور خاص کے مجلہ لطیف کے سالانہ میل یک مقالہ بعنوان "اسلامی رواداری" شائع ہوا جس کو بعد میں نیو کاسل (انگلستان) کے رسالہ سٹریٹس کے شمارہ ۱۹۶۰ء میں بھی شائع کیا گیا ② ایک مقالہ بعنوان "نگین دہلوی" ماہنامہ فاران (کراچی) کے شمارہ ستمبر میں شائع ہوا ③ ایک مقالہ بعنوان "حضرت نگین، غالب کی نظریں" رسالہ اردو (کراچی) کے شمارہ اکتوبر میں شائع ہوا ④ ایک مقالہ بعنوان "سماح" رسالہ فاران (کراچی) کے شمارہ نومبر میں شائع ہوا۔

۱۹۶۰ء | ⑤ ایک مقالہ بعنوان "ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد" رسالہ فاران (کراچی) کے شمارہ مارچ میں شائع ہوا ⑥ ایک مقالہ بعنوان "حضرت نگین شاہ جہاں آبادی" رسالہ برہان (دہلی) کے تین شماروں میں، جون، اوریلا فی میں مسلسل شائع ہوا ⑦ ایک مقالہ بعنوان "خواجہ خورشید اور ان کی فارسی رباعیات" رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے دو شماروں اکتوبر اور نومبر میں بالترتیب شائع ہوا ⑧ ایک مقالہ بعنوان "جمال الدین ہاشمی

Click For More Books

الخطیب رسالہ برہان (دہلی) کے دو شماروں نومبر اور دسمبر میں مسلسل شائع ہوا ⑨ ایک مقالہ بعنوان حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی رسالہ اردو (کراچی) کے شمارہ اپریل میں شائع ہوا، ⑩ ایک مضمون بعنوان جگر مراد آبادی خیدر آباد سندھ کے ایک سالنامے میں شائع ہوا ⑪ ایک مقالہ بعنوان حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی رسالہ برہان (دہلی) کے دو شماروں اپریل و مئی میں شائع ہوا۔ ⑫ ایک مقالہ بعنوان حضرت غمگین اور مرزا غالب کے جواب میں ن کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے مئی کے شمارے میں شائع ہوا ⑬ ایک مقالہ بعنوان آقائے سرسندی رسالہ قومی زبان (کراچی) کے لئے لکھا گیا جو بہت بعد میں ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا ⑭ ایک مفصل و مبسوط مقالہ بعنوان شیخ احمد سرسندی رسالہ معارف (اعظم گڑھ) میں جون ۱۹۶۱ء سے فروری ۱۹۶۲ء تک بالترتیب نو قسطوں میں شائع ہوا، اس مقالہ کو ماہنامہ الفرقان (لکھنؤ) نے ستمبر ۱۹۶۱ء سے اپریل ۱۹۶۲ء تک چھ قسطوں میں بالترتیب شائع کیا، اسی مقالہ کا ایک باب بعنوان اکبری دور رسالہ ایشیاء (لاہور) کے نومبر ۱۹۶۱ء کے شمارے میں شائع ہوا ⑮ ایک مقالہ بعنوان اسلما اخیار کی نظر میں رسالہ الاسلام (دہلی) کے اکتوبر کے شمارے میں شائع ہوا ⑯ ایک مضمون بعنوان اقبال و نظریہ پاکستان رسالہ فاران (کراچی) کے اگست کے شمارے میں شائع ہوا۔ ⑰ ایک مفصل و مبسوط مقالہ شاہ نجم غوث گوالیاری کے عنوان سے رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے پانچ شماروں میں (جولائی تا دسمبر) مسلسل شائع ہوا، بعد میں یہ مقالہ ترمیم و اضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں ۱۹۶۲ء میں میرپور خاص (مغربی پاکستان) سے شائع ہوا ⑱ ایک مقالہ بعنوان الجواہر الخمسة رسالہ برہان دہلی میں اپریل کے شمارے میں شائع ہوا ⑲ ایک مضمون بعنوان ولی کے محسن سخن رسالہ لطیف گورنمنٹ کالج، میرپور خاص کے سالنامہ میں شائع ہوا ⑳ ایک مضمون بعنوان بابائے اردو سے چند ملاقاتیں رسالہ قومی زبان (کراچی) کے یکم مئی ۱۹۶۲ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ ㉑ ایک مقالہ بعنوان غالب کے متصوفانہ خیالات رسالہ صریح نامہ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ کے سالنامہ میں شائع ہوا۔

۱۹۶۳ء ㉒ ایک مقالہ بعنوان میر سید علی غمگین رسالہ نوائے ادب (بمبئی) کے اپریل کے شمارے میں شائع ہوا ㉓ ایک مقالہ بعنوان مکاتیب غالب۔

رسالہ لطیف (میرپور خاص) کے سالنامہ میں شائع ہوا (۲۲) ایک انگریزی مضمون بعنوان "طلمس ملکیت" (The Fallacy of Possession) رسالہ مذکور میں شائع ہوا (۲۵) ایک مقالہ بعنوان "بارہویں صدی ہجری میں قرآن پاک کے اردو تراجم اور تفاسیر" رسالہ نوائے ادب بمبئی کے جولائی کے شمارے میں شائع ہوا (۲۶) رسالہ فتویہ کے عنوان سے ایک مقالہ رسالہ الفرقان (لکھنؤ) کے مئی ۱۹۶۳ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ مقالہ مذکور کا ابتدائی حصہ رسالہ المنظر (کراچی) میں بھی شائع ہوا۔

۱۹۶۳ء (۲۷) علامہ اقبال اور مجتہد الف ثانی کے عنوان سے ایک مقالہ رسالہ اقبال ریویو، کراچی کے جنوری کے شمارے میں شائع ہوا، بعد میں اس مقالہ کا ایک حصہ رسالہ مخزن (ہالا) میں بھی شائع ہوا۔ (۲۸) ایک مقالہ بعنوان "اقبال کے فلسفہ خودی میں مقام عبودیت" رسالہ اقبال ریویو (کراچی) کے جولائی کے شمارے میں شائع ہوا (۲۹) ایک مقالہ بعنوان "پاک ہند میں قرآن حکیم کا پہلا ہندی ترجمہ اور تفسیر" رسالہ لطیف (میرپور خاص) کے سالنامہ میں شائع ہوا۔ (۳۰) ایک مقالہ بعنوان "مرزا غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی مکتوب" رسالہ اردو نامہ (کراچی) کے شمارہ اکتوبر و دسمبر میں شائع ہوا۔

۱۹۶۵ء (۳۱) ایک مقالہ بعنوان "شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں" رسالہ اقبال ریویو (کراچی) کے جنوری ۱۹۶۵ء کے شمارے میں شائع ہوا، (۳۲) ایک مقالہ بعنوان "حضرت مجدد مغرب میں" رسالہ فکر و نظر (کراچی) کے ستمبر کے شمارے میں شائع ہوا، (۳۳) ایک مقالہ بعنوان "رباعیات نگین" مجلہ لطیف (میرپور خاص) کے سالنامہ میں شائع ہوا (۳۴) ایک انگریزی مضمون بعنوان "مغزوہ پوست" (The Nut And The Shell) رسالہ مذکور میں شائع ہوا۔

۱۹۶۶ء (۳۵) ایک مفصل و مبسوط مقالہ بعنوان "اردو کے مختلف نام اور ان کی تاریخ" سنہ ہی نوائے ادب بمبئی کے دسمبر و جنوری اور اکتوبر میں شائع ہوا (۳۶) ایک مضمون بعنوان "فارسی پارہ دو کے اشعار" مجلہ لطیف (میرپور خاص) کے سالنامہ میں شائع ہوا (۳۷) دوسرا انگریزی مضمون بعنوان "اللفظ" (The Word) رسالہ مذکور میں شائع ہوا (۳۸) ایک مقالہ بعنوان "عبدلرشید خاں لائق" ماہنامہ قومی زبان (کراچی) کے اکتوبر اور نومبر کے شماروں میں شائع ہوا۔ (۳۹) ایک مقالہ بعنوان "غیر ملکی

زبانوں میں تصانیف اقبال کے تراجم "مجلد صریح نامہ" (مطبوعہ اردو) سندھ یونیورسٹی (حیدر آباد) کے سالنامہ میں شائع ہوا، (۴۰) ایک مقالہ بعنوان "شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ" ماہنامہ ثقافت (لاہور) (موجودہ المصنف) کے نمبر کے شمارے میں شائع ہوا، (۴۱) ایک مقالہ بعنوان "آداب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم" ماہنامہ سلسبیل (لاہور) کے نمبر کے شمارے میں شائع ہوا۔

۱۹۶۸ء | (۴۲) ایک مقالہ بعنوان "شعر و شاعری" ماہنامہ فاران (کراچی) کے اگست کے شمارے میں شائع ہوا، (۴۳) دوسرا مقالہ بعنوان "اردو کی ترقی پر تقسیم ہند کے اثرات" مجلہ بولان (کوئٹہ) کے سالنامہ میں شائع ہوا، (۴۴) تیسرا مقالہ بعنوان "حضرت مہدی اعظم محمد مصطفیٰ روزنامہ "سعادت" (لاہل پور) میں شائع ہوا، (۴۵) چوتھا مقالہ بعنوان "کتب دہلوی اور ان کا غیر مطبوعہ کلام" ماہنامہ قومی زبان (کراچی) کے لئے لکھا گیا۔

مندرجہ ذیل مضامین تیار ہیں

- (۴۶) ————— قرآن حکیم اپنے آئینے میں
- (۴۷) ————— مکاتیب عبدالواحد کتبا دہلوی
- (۴۸) ————— پاک ہند کی جنگ کا اثر اردو ادب پر
- (۴۹) ————— سعادت

ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "میر سید علی خاں" انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (لاہور) میں شامل کیا گیا ہے۔
مندرجہ بالا مطبوعہ غیر مطبوعہ مقالات مضامین کے علاوہ ڈاکٹریٹ کے لئے ایک مبسوط اور مفصل مقالہ بعنوان "قرآن پاک کے اردو تراجم و تفاسیر" (ایک تاریخی جائزہ) لکھا ہے، یہ مقالہ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۵ء تک تقریباً سات سال کے طویل عرصہ میں پایہ تکمیل تک پہنچا ہے، ٹائپ شدہ فُل سکیپ سائز کے ایک ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے ہے، چون کہ هنوز اشاعت پذیر نہیں ہوا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افادیت عامہ کے لئے اس کا مختصر تعارف کر دیا جائے۔

بادیہ النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں قرآن پاک کے ترجمے اور تفسیریں محدودے چند ہوں گی، مگر پانچ سال مسلسل تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جزوی اور مکمل قرآن کے اردو ترجموں کی تعداد سو سے زائد ہے اور تفسیریں تقریباً چار سو ہیں۔ تحقیق کے سلسلے میں پاک ہند اور بیرونی ممالک کے تقریباً ۱۱ کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا اور تقریباً چھ سو کتابیں بالواسطہ

Click For More Books

یابلا واسطہ مطالعہ کی گئیں، مقالہ کا اجمالی خاکہ یہ ہے :-

دیباچہ کے بعد مفصل و مبسوط مقدمہ ہے جس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بحث کی گئی ہے :-

- ① قرآن حکیم اپنے آئینے میں ② قرآن حکیم کے قدیم نسخے ③ تفسیر اور اس کے طریقے ④ ابتدائی تفاسیر پر تاریخی نظر ⑤ ابتدائی تفاسیر پر تنقیدی نظر ⑥ عربی تفاسیر کا عہد بعہد ارتقاء ⑦ پاک ہند میں مسلمانوں کی آمد اور ان کی تبلیغی کوششیں ⑧ پاک ہند میں پہلا ترجمہ اور تفسیر ⑨ پاک ہند کی عربی تفسیریں ⑩ پاک ہند کی درسی تفسیریں ⑪ فارسی زبان میں پہلا ترجمہ اور تفسیر ⑫ فارسی تراجم و تفاسیر کا عہد بعہد ارتقاء ⑬ مختلف مشرقی اور مغربی زبانوں میں قرآن حکیم کے ترجمے اور تفسیریں ⑭ مغربی اور مشرقی زبانوں میں جماعت احمدیہ کے ترجمے اور تفسیریں ⑮ پاکستان کی بعض اہم زبانوں میں ترجمے اور تفسیریں -

مقدمہ کے بعد اصل مقالہ شروع ہوتا ہے جو مندرجہ ذیل نو ابواب پر مشتمل ہے :-

- پہلا باب : دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کی تفسیریں
 - دوسرا باب : بارھویں صدی ہجری کی تفسیریں
 - تیسرا باب : تیرھویں صدی ہجری کی تفسیریں
 - چوتھا باب : (۱) چودھویں صدی ہجری کی تفسیریں
 - پانچواں باب : (ب) چودھویں صدی ہجری کی تفسیریں
 - چھٹا باب : مختلف مکاتب فکر اور ان کی تفسیریں
 - ساتواں باب : دور حاضر کے مفسرین — ان کے مفسرانہ اور ادیبانہ اسالیب
 - آٹھواں باب : تیرھویں صدی ہجری کے مترجمین قرآن
 - نواں باب : چودھویں صدی ہجری کے مترجمین قرآن
- ابواب کے بعد کتب خانوں کی فہرست ہے اس کے بعد ماخذ و مراجع کی فہرست کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، حصہ اول میں تفاسیر قرآن، حصہ دوم میں تراجم قرآن اور حصہ سوم میں دیگر ماخذ کی جامع فہرست ہے۔

مقالات کے علاوہ اقم کی چند مطبوعہ کتابیں بھی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے :-

- ①- حیدر آباد کی معاشی تاریخ (مصنف محمد حسین ترک) مہر مجتہ اقم الحروف مطبوعہ حیدر آباد سندھ ۱۹۵۴ء
- ②- شاہ محمد غوث گوالیاری، مطبوعہ میرپور خاص، ۱۹۶۲ء
- ③- تمدن ہندوستانی اثرات، (مؤلف ڈاکٹر تارا چند) مہر مجتہ اقم الحروف مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۲ء
- ④- دائمی تقویم، (مصنف مولوی منظور احمد) مہر مجتہ اقم الحروف مطبوعہ کوئٹہ، ۱۹۶۶ء
- ⑤- منظر الاخلاق، (مصنف حضرت شاہ محمد مظہر اللہ) مہر مجتہ اقم الحروف مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۸ء
- ⑥- ارکان دین، (مصنف مولوی منظور احمد) مہر مجتہ اقم الحروف مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۸ء

منہج ذیل کتابیں سیرت دین ہیں

- ①- مکاتیب مظہری، جلد اول، (حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ کے دو ہزار مکاتیب گرامی کا انتخاب، بیضا تیار ہو گیا ہے ۱۹۶۹ء میں شاعت متوقع ہے)
- ②- فتاویٰ مظہری، جلد اول، (حضرت مفتی صاحب ممدوح کے علمی اور تحقیقی فتوؤں کا مجموعہ، مسودہ تیار ہو گیا ہے، تبصیر کا کام باقی ہے، ۱۹۷۰ء تک اشاعت متوقع ہے)
- ③- منظر العقائد، (مصنف حضرت مفتی صاحب ممدوح، ترتیب و تحشیہ اقم الحروف)
- ④- شیخ احمد سیرندی مجدد الف ثانی، (سوانح اور علمی اصلاحی کارناموں کا تفصیلی اور تحقیقی جائزہ)
- ⑤- مکاشفۃ الاسرار، (میر سید علی غمگین دہلوی کے دیوان رباعیات (اردو) خطوط انڈیا آفس لائبریری، لندن کی ترتیب و تحشیہ)
- ⑥- خطوط مشاہیر، (راقم الحروف کے نام پاک ہند اور بیرونی ممالک کے فضلاء کے علمی اور ادبی خطوط کا مجموعہ)
- ⑦- ویرنا کے دو شریف ادبے، (مصنف ولیم شیکسپیر ترجمہ اردو راقم الحروف)

آج کل اقم گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ میں بحیثیت پروفیسر اور صدر شعبہ اردو کام کر رہے ہیں تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہے مولیٰ تعالیٰ دین و ملت اور علم ادب کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے تاکہ متاع حیات رائیگاں نہ جائے آمین۔
راقم کی اولاد میں ایک صاحب ادبی ہیں۔

ڈاکٹر مولوی محمد سعید احمد سلمہ | مولوی سعد احمد سلمہ دہلی میں پیدا ہوئے، صاحب ادب و گان ہیں حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے محبوب فرزند ہیں بچپن سے لے کر جوانی تک حضرت کی صحبت کیمیا اثر میں گزری، اس لئے ان کی سیرت میں حضرت کی بعض خوبیاں نظر آتی ہیں، قرآن کریم اور عربی و فارسی کی تعلیم حضرت قبلہ سے حاصل کی، کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ سجدہ فتح پوری میں بھی پڑھا، مشرقی پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کی سند حاصل کی، جسے پورے فن طب میں سند حاصل کی اور کلکتہ سے ہومیوپیث میں ڈی۔ ایچ۔ پی کی ڈگری لی، دس پندرہ سال سے پریکٹس کر رہے ہیں اور دہلی کے کامیاب رجسٹرڈ میڈیکل پریکٹیشنر ہیں، فن طب میں برادر گرامی مولانا مشرف احمد صاحب کی صحبت میں مہارت حاصل کی اور یونانی علاج بھی کرتے ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کے فیض کو جاری رکھے آمین۔

عزیز موصوف نے چوں کہ حضرت قبلہ کی صحبت میں ایک عرصہ گزارا ہے اس لئے سخن فہمی سخن سنجی کا ذوق سلیم ہے، آواز میں بھی سوز ہے اس لئے گداز قلب سے خالی نہیں، قرآن کریم اور اشعار خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں، حضرت کو عزیز موصوف سے جو خاص انیسیت و محبت تھی ان خطوط سے واضح ہوتی ہے جو ۱۹۶۶ء میں سفر حج کے دوران کراچی اور کاسران سے دہلی بھیجے تھے اور جو سفر حج کے تذکرے میں مناسب مقام پر نقل کر دئے گئے ہیں۔

عزیز موصوف کی اولاد میں ایک صاحب ادب و غضنفر سلمہ و ایک صاحب ادبی ہیں مولیٰ تعالیٰ دونوں کی عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

پندروال باب

خلفاء و سفراء

خلفاء و سفراء

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز کے خلفاء اور سفراء پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں، مریدین و معتقدین کی تعداد تو ہزاروں سے متجاوز ہے اور ان کا دائرہ بہت وسیع ہے چنانچہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان، شمالی ہند، جنوبی ہند، مشرقی ہند اور وسط ہند وغیرہ میں بکثرت مریدین و معتقدین موجود ہیں جن کی جامع فہرست پیش کرنا تقریباً ناممکن ہے ورنہ ان پر بھی ایک علیحدہ باب قائم کیا جاتا، صرف کراچی (مغربی پاکستان) میں تقریباً چھ سو مریدین ہوں گے، معتقدین اور مخلصین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاک ہند کے مختلف علاقوں میں مریدین و معتقدین کی مجموعی تعداد کتنی ہو گی۔ حضرت قدس سرہ کے خلفاء و سفراء کی صحیح تعداد بھی معلوم نہ ہو سکی، تلاش و جستجو کے بعد بعض حضرات کے اسماء گرامی معلوم ہوئے ہیں وہ پیش کئے جاتے ہیں :-

خلفاء

- پاکستان**
- ① حضرت العلاء مفتی محمد دوس صاحب الہری خلیفہ الرشید حضرت مولانا کرن الدین شاہ - حیدرآباد
 - ② حضرت مولانا مفتی محمد مظہر احمد صاحب خلیفہ اکبر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ العزیز - کراچی
 - ③ حضرت الحاج حافظ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب فرزند نسبتی حضرت مفتی اعظم - بھاولپور
 - ④ صاحبزادہ مولانا ابوالخیر محمد بیہ صاحب خلیفہ الرشید حضرت مولانا مفتی محمد دوس صاحب - حیدرآباد

- ہندوستان**
- ⑤ حضرت مولانا حافظ قاری مفتی محمد شرف احمد صاحب خلیفہ اصغر حضرت مفتی اعظم - دہلی
 - ⑥ حضرت مولانا مفتی محمد مقبول الرحمن بیہتمہ اللہ علیہ - سیوہارہ (ضلع مجبور بھارت)
 - ⑦ سید ابوالکمال احمد ضیاء الدین کاظمی شمس پورانی - علی گڑھ (بھارت)

سفراء

- پاکستان**
- ① جناب بشیر احمد صاحب بیہتمہ اللہ علیہ - کراچی (مغربی پاکستان)

کراچی (مغربی پاکستان)

۲) جناب حافظ محمد صالح بن صاحب

۳) جناب حکیم محمد رفیع اکبر صاحب

۴) جناب صوفی فضل احمد صاحب

۵) جناب محمد یوسف صاحب

۶) جناب سید نواب علی شاہ صاحب

۷) جناب قاضی صفدر حسن صاحب مدنی

۸) جناب محمد احمد صاحب قریشی

حیدر آباد

لاہور

”

دھام پور (ضلع بجنور بھارت)

۹) جناب حکیم محمد عاقل صاحب نظری بھٹی

ٹونک (راجستھان بھارت)

۱۰) جناب مولانا غلام احمد صاحب نظری

۱۱) جناب محمد عثمان صاحب

ہندوستان

مندرجہ بالا خلفاء میں حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب اور صاحبہ اودہ ابوالخیر محمد زبیر صاحب کے حالات تذکرہ ہذا کے پہلے حصے میں اعلیٰ حضرت محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کے باب میں حضرت مولانا رکن الدین شاہ قدس سرہ کے ذیل میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شرف احمد صاحب کے حالات دوسرے حصے میں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد و امجاد کے باب میں بیان کر دیئے گئے ہیں، باقی خلفاء و سفراء میں جن جن حضرات کے حالات معلوم ہو سکے وہ مختصراً تحریر کئے جا رہے ہیں۔

جن حضرات سے رابطہ قائم ہو سکا انہوں نے ازراہ کرم اپنے حالات خود تحریر کر کے بھیجے، راقم نے ان کو مختصراً اپنے طور پر پیش کر رہا ہے، بعض حضرات نے اپنے حالات کے ساتھ حضرت علیہ الرحمۃ کی کرامات بھی تحریر فرمائیں جو بکثرت ہیں اور ان کے مشاہدے میں آئی ہیں چوں کہ کرامات سے متعلق باب کی کتابت مکمل ہو چکی تھی اس لئے مجبوراً ہر ایک کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کی نوشتہ کرامات بھی پیش کی جائیں گے۔

الحاج مولانا فیض قاری محمد حفیظ الرحمن صاحب

تقریباً ۱۹۱۳ء میں کھڑ (خان پور ضلع انبالہ) میں قاری صاحب کی ولادت باسعادت ہوئی،

آپ کا تعلق شہر سمانہ کے سادات مخلم سے ہے، اجداد میں حضرت شاہ مہلول، حضرت شاہ عثمان اور حضرت شاہ اسماعیل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات اب بھی سمانہ میں مرجع خلافت ہیں۔
قاری صاحب کے والد ماجد قدس سرہ کا اسم گرامی عبدالرحمن تھا جو پاکستان ہجرت کے بعد بھاول پور میں فعال فرما گئے، قاری عبدالرحمن مرحوم بلند پایہ قاری تھے، مدرسہ حمانیہ (کھڑ) سے مہتمم بھی تھے، سب سے قرات پر عبور کامل حاصل تھا، ہزاروں تلامذہ پنجاب وغیرہ کے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ — آپ نہ صرف ایک بالکمال قاری تھے بلکہ سلسلہ چشتیہ کے ایک برگزیدہ اور باکرامت بزرگ تھے شہر سمانہ اور گرد و فواح میں سینکڑوں گاؤں آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے، مغربی پاکستان میں بھی آپ کے ہزاروں مریدین و معتقدین پھیلے ہوئے ہیں۔

قاری حفیظ الرحمن صاحب نے اپنے والد ماجد قدس سرہ کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا، قرآن پاک حفظ کیا اور سب سے قرات میں مہارت تامہ پیدا کی، فقہ و حدیث وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کی، کچھ عرصہ لاہور میں مدرسہ حزب الاحناف میں مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب سے بھی انہیں علوم کی تحصیل کی۔

قاری صاحب بچپن ہی سے عبادات و ریاضات کی طرف مائل تھے، ایام شیرخوارگی میں آپ کے والد مرحوم نماز تہجد کے وقت ایک درویش (جن کو بابا ٹونڈہ کہتے تھے) کی گود میں لٹا آیا کرتے تھے، وہ ذکر چہری فرمایا کرتے تھے، انہیں کی صحبت کا اعجاز تھا کہ جب قاری صاحب نے زباں کھولی تو ذکر اسم ذات جاری تھا، بچپن کے ایام میں کبھی کبھی کوڑ کی طرف رغبت نہ ہوئی بلکہ نہر کے کنارے جب کبھی ٹکی کھیلنے کی گلی مٹی سے مسجدیں بنایا کرتے تھے جو بعد میں حقیقت بن کر سامنے آئیں چنانچہ آپ نے بکثرت مساجد تعمیر کرائیں، صرف پاکستان میں بائیس مساجد کا یا تو سنگ بنیاد رکھا ہے یا تعمیر کرائی ہیں، کراچی میں کلیٹن روڈ کی جامع مسجد کارنگ بنیاد بھی آپ ہی نے رکھا تھا، تعمیر مساجد میں آپ کے ذوق و شوق کو دیکھ کر آیت قرآنی یاد آتی ہے :-

انما یعمل مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر الخ

تعلق مع اللہ ہی کی وجہ سے ہے کہ آپ کو حضرات اہل اللہ اور مزارات اہل اللہ سے بے پناہ انس و محبت ہے، گفتگوں کا شکر و سخیال جیل کر مزارات پر حاضر ہوتے ہیں اور مستفیض ہوتے ہیں

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو بے حد عشق و محبت ہے بلکہ مخلوق الہی سے تعلقات کی بنیاد یہ ہے جہاں ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے رات رات بھر گزار دیتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتی وہ دو عالم سے کرتی ہے بگائے دل کو۔ محب چیز ہے لذت آشنائی

رب تبارک و تعالیٰ اور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے یہی عشق کامل دوبار کشاں کشاں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کے لئے گیا، زیارت کی سعادت بے عشق کو اور جلا بخششی اور قلب میں گداحتگی پیدا ہو گئی۔

قبلہ قاری صاحب اکیس سال کی عمر میں تقریباً ۱۹۳۴ء میں دہلی تشریف لائے جہاں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری قدس سرہ کی صاحب ادبی سے آپ کا عقد مسنون ہوا، اسی زمانے میں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری میں بحیثیت مدرس تجوید و قرأت آپ کا تقرر ہو گیا، ۱۹۴۷ء تک یہیں پڑھاتے رہے، تقسیم ہونے فسادات کی آگ کو بھڑکایا تو دہلی کی فضا میں تنگ ہو گئیں چناں چہ مجبوراً ہجرت فرما کر پاکستان میں بھاول پور کے مقام پر مستقل سکونت اختیار کی، جہاں اول اول کپڑے کی تجارت کی بعد میں نواب بھاول پور نے دو مربے زرعی زمین عنایت فرمادی جس سے گزیر بسر معقول طور پر ہونے لگی، قاری صاحب آجکل بھاول پور ہی میں مقیم ہیں۔

قبلہ قاری صاحب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا رکن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اور سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد مرحوم حضرت قاری عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے اجازت مرحمت فرما کر خلافت سے نوازا اور آپ ہی کو سجادہ نشین بنایا۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت و خلافت کی یہ صوت ہوئی کہ ۱۹۵۵ء میں جب قاری صاحب پہلی مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو واپسی میں دوران سفر رات خواب میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی جو خلافت و اجازت کی طرف مشیر تھے، چناں چہ جب یہ خواب حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں دہلی عرض کیا گیا تو آپ نے اجازت و خلافت سے نوازا اور ایک صاحب ڈاکٹر کلیم الرحمن کو بیعت کرنے کی ہدایت فرما کر سلسلہ کا آغاز بھی فرمادیا، دونوں سلاسل میں قاری صاحب کے مریدین و معتقدین اور تلامذہ ہندوستان اور پاکستان میں موجود ہیں۔ اجازت کے سلسلے میں قاری صاحب کے نام حضرت نے جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا تھا وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

موضوع ۱۹۵۳ء

ربیع فوادی و منتہائے سراوی سلمکم

وعلیکم السلام علی من لیکم من قبل العلمام ————— کلیم الرحمن صاحب نے خط لکھا تھا جس کے جواب میں ان کو تہارے سپرد کر دیا تھا لیکن جب تم نے ملے اور ان کا خط آیا تو اس میں اپنا پتہ نہ لکھا، اس لئے ان کے پتے پر جواب نہ دیا جا (سکا)۔ خیر وہ آئیں تو بیعت کر لیا ورنہ خیر اور دوسرے اللہ کے بندوں کو بھی اپنے مولیٰ کا نام سکھلاؤ، اسی سے سلسلے میں ترقی ہو جائیگی، انشاء اللہ تعالیٰ، یہ انہی حضرات کا فیضان ہے جس نے فقیر کے قلب میں ڈالا اور ایک موقع بھی پیش کر دیا

فقط والسلام

محمد مظہر اللہ

قاری صاحب کو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے اور حضرت قبلہ کو قاری صاحب سے بیعت و محبت تھی، اس محبت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ قاری صاحب حضرت کے فرزند نسبتی تھے بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ قاری صاحب عاشق رسول ہیں، حضرت کے مکاتیب گرامی جو قاری صاحب کے نام موصول ہوئے ان سے انتہائی محبت و الفت کا اندازہ ہوتا ہے، یہ تمام مکاتیب ”مکاتیب مظہری“ کی جلد اول میں شامل کر دئے گئے ہیں یہاں صرف دو مکاتیب گرامی پیش کئے جاتے ہیں پہلا علالت کی خبر سن کر ارسال فرمایا ہے اور دوسرا حج بیت اللہ شریف کی خبر سن کر ارسال فرمایا ہے۔

(۱)

موضوع ۱۹۲۷ء

اعزى قارى صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ و اوصکم الی غایتہ مایتمناکم

اسلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ ————— صحیفہ شریفہ موصول ہو کر باعث تسکین خاطر ہوا لیکن چوں کہ قلب نہایت درجہ مجروح ہو چکا ہے، آپ کی بیماری کی خبر کی تاب نہ لا سکا، کیا بتلاؤ کس درجہ قلق و اضطراب ہے، بہت تسکین دیتا ہوں لیکن یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ اب بس کا نہیں رہا، بڑا فکر ہے کہ ان آخری ایام میں جب مخلوق کی جانب ایسی توجہ ہی تو انجام کی کیا کیفیت رہے گی، آپ کی دعا اس وقت مقرون اجابت ہے دعا کریں کہ مولیٰ تعالیٰ ہماری آپ کی توجہ صرف اپنی طرف رکھے

فقط والسلام

محمد مظہر اللہ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

عزیز و افراتیز او صلکم اللہ تعالیٰ الی غایت مایتناکم

و علیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔۔۔۔۔ فقیر بہ تن آپ کی طرف متوجہ ہے اور اس

خوشی کا اندازہ تحریر میں نہیں آ سکتا، اس تعالیٰ کا بھی شکر ہے کہ اس نے میرے چاہتے عزیز کو ایک ایسی نعمت سے عطا فرمانے کا ارادہ فرمالیا ہے جس کے استحقاق کی قابلیت اپنے میں ہم موجود نہیں ہوتے اپنی حاضری کے وقت بھی بار بار مسجد نبوی کے در و دیوار پر نظر اٹھا کر یہ سوچتا رہتا تھا کہ یہ منظر خواب میں مجھے میسر ہے یا واقع میں یہ نعمت مجھے عطا کی گئی ہے؟ ————— یہی اس وقت حال ہے،

امید ہے کہ مجھے دعا سے نہ بھولیں گے۔

فقط والسلام

محمد علي

قبلہ قاری صاحب اقم الحروف پر بڑی شفقت فرماتے ہیں، اس فقیر پر آپ کے بیشمار احسانات ہیں، جن کا صلہ مولیٰ تعالیٰ خزانہ غیب سے عطا فرمائے آمین، آپ کے بھائیوں میں مولوی عبدالرحیم صاحب بھی بڑی محبت فرماتے ہیں ان کے بھی اس فقیر پر احسانات ہیں فیض اسم اللہ احسن الجزاء۔

قاری صاحب کی اولاد امجاد میں چار صاحب نے اد سے اور چار صاحب زادیاں ہیں جن میں ایک صاحب نے ادی وصال کر گئیں، بقیہ تین صاحب زادیاں ماشاء اللہ صاحب اولاد میں صاحبزادگان میں بڑے صاحب نے اد سے سید محمد ظاہر ملازمت کے ساتھ ساتھ ایم۔ اے کی تیاری کر رہے ہیں دوسرے صاحب زادے سید محمد عارف ایم۔ اے کر چکے ہیں و رشکار پور میں گورنمنٹ کالج میں لیکچرر ہیں، تیسرے صاحب نے اد سے سید محمد اہلبی۔ اے کر رہے ہیں اور چوتھے صاحب نے اد سے سید محمد فاخر میٹرک میں پڑھ رہے ہیں، ماشاء اللہ تمام صاحب زادگان نیک صلح اور پابند صوم و صلوٰۃ ہیں، تذکرۃ ہذا کے بیسیویں باب میں حضرت قبلہ حمزہ اللہ علیہ کے شجرۃ نسب کے ذیل میں قاری صاحب کی اولاد امجاد کا نام بنام ذکر کروایا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی مقبول الرحمن رحمۃ اللہ علیہ

ابتداء میں کیرت پور میں مقیم رہے پھر سیوہارہ (ضلع بجنور - بھارت) میں مستقل قیام فرمایا
آپ کے والد بزرگوار سلسلہ چشتیہ کے ایک برگزیدہ بزرگ اور سجادہ نشین تھے آپ کا سلسلہ

ارادت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔

چوں کہ مفتی صاحب مرحوم کے والد بزرگوار مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے رفیق تھے اس لئے مفتی صاحب کی دینی تعلیم مدرسہ یونین میں ہوئی، مفتی صاحب حافظ قرآن بھی تھے اور عربی علوم کے علاوہ بمبئی یونیورسٹی سے فارسی میں بھی سند حاصل کی تھی، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ سرکاری محکمے میں اہل مد مقرر ہو گئے تھے۔

ابتداء میں حضرت خلیل احمد صاحب چشتی سے بیعت ہوئے لیکن جب کہ معظمہ ہجرت کر گئے تو پھر حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت گرامی سے مستفیض ہوئے اور منازل سلوک طے کئے حضرت ہی نے مفتی صاحب کو اجازت اور خلافت سے نوازا، ہندوستان میں آپ کے بکثرت مریدین و معتقدین ہیں، سیوہارہ کے گرد و نواح میں آپ کی ذات مرجع خلافت تھی، ”محبوب الہی“ کے لقب سے گاؤں گاؤں اور گھر گھر آپ کا شہرہ تھا۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب گورنر مشرقی پنجاب (بھارت) سے بھی مفتی صاحب کی عزیزداری ہوتی تھی مفتی صاحب کے بہنوئی بھی ممبر پارلیمنٹ تھے، ان کے وصال کے بعد ان کے صاحب زادگان محمد قاسم صاحب اور محمد عارف صاحب اور بیوہ ہمشیرہ کی مفتی صاحب نے کفالت کی، آخر میں ملازمت چھوڑ کر خدمت خلق میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے، اخیر عمر تک شادی بھی نہیں کی، تقریباً ستر سال کی عمر میں سیوہارہ میں وصال فرمایا۔

سید ابوالکمال احمد ضیاء الدین کاظمی طہرانی

جناب کاظمی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری و باطنی دونوں سے نوازا ہے، آپ پہلے ٹونک (راجستھان) میں مقیم تھے مگر آجکل علی گڑھ (یو۔ پی) میں مسلم یونیورسٹی میں تقابل السنہ پر تحقیق کر رہے ہیں، راقم نے بذریعہ مراسلت حضرت قبلہ قدس سرہ کے مکاتیب گرامی وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ مختصراً اپنے حالات و کوائف بھی تحریر فرمادیں، ممدوح نے وعدہ فرمایا تھا مگر اپنی علمی مصروفیات کی وجہ سے اس سال نہ فرما سکے، آج مفتی صاحب کے حالات جناب سردار جوگندر سنگھ اسسٹنٹ ڈائریکٹر شعبہ السنہ، ششما (بھارت) نے راقم کو ذرا راہ نوازش و کرم ارسال فرمائے تھے، سردار صاحب موصوف مفتی صاحب سے بیعت تھے لیکن بعد میں حضرت قبلہ کی طرف رجوع کیا اور اپنے تمام عقیدت و محبت ہو گئی، حضرت کی صحبت سے مستفید ہو کر بڑا کمال حاصل کیا اس وقت ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہے، پشاور میں مقیم ہیں، راقم سے بہت محبت فرماتے ہیں، جنراہم اللہ حسن الخیر

جناب کاظمی صاحب نے جو مکتوب گرامی ارسال کیا تھا اس سے مجھ کو کچھ ان کے متعلق معلوم ہو سکتا ہے اس لئے سروسٹ وہی مکتوب پیش کیا جاتا ہے ۔

۴۲ - آفتاب مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ - یو۔ پی

۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء

شہزادہ اعلیٰ حضرت دامت معالیکم

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا کریم نامہ ٹونک (راجستھان) پہنچا، فقیر کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ سندی و مولائی اعلیٰ حضرت محمد مظہر اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے سوانح پاک اور مکاتیب گرامی شاخ فرما رہے ہیں۔ فقیر سے اعلیٰ حضرت کا ۱۲ سال (بارہ برس) روحانی تعلق رہا اور تاہر یہ رشتہ روحانی انشاء اللہ قائم ہے گا۔ فقیر کے پاس اعلیٰ حضرت کے متعدد مکتوبات ہیں، کیا آپ کو اصل مکتوبات درکار ہیں یا ان کی نقول ترتیب کر کے ارسال خدمت کروں؟۔ جیسا حکم ہو مطلع فرمائیے، مکاتیب مختلف موضوعات پر ہیں۔

فقیر اعلیٰ حضرت کے ارشاد سے منصب ارفاء چھوڑ کر علی گڑھ آیا تھا، اور یہاں مختلف علوم میں سند فراغت حاصل کی، ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان بھی پاس کیا، اعلیٰ حضرت نے وکالت سے مطلقاً منع فرمایا تو وکالت چھوڑ دی، اعلیٰ حضرت نے حکم دیا کہ فقیر کو علی کام مل جائے گا، اللہ اللہ اعلیٰ حضرت کی حیات ظاہری میں ہی فقیر پسرپنج فیلو آف یو۔ جی۔ سی ہو گیا، آج کل انگریزی میں قلم اسنے کے تقابلی مطالعے پر کتاب لکھ رہا ہوں۔

مرسلہ

سگ بارگاہ مظہری

سید ابوالکمال احمد ضیاء الدین کاظمی شمس طہرانی غفرلہ

مندرجہ بالا مکتوب موصول ہونے کے بعد تقریباً دو ماہ تک انتظار کیا پھر یاد دہانی کے طور پر ایک

اور خط ارسال کیا، اس کے جواب میں ایک مکتوب عرصہ ۵ جون ۱۹۶۵ء صادر ہوا، اس میں پھر

دعہ دہرایا گیا اور تحریر کیا ۔

”فقیر مکتوبات صاف کر رہا ہے اس تاخیر سے آپ پریشان ہرگز نہ ہوں، فقیر مختصر طور پر اپنے حقیر حالات زندگی بھی لکھ رہا ہے بالخصوص جو حضرت آقائے نعمت رضی اللہ عنہ کی نظر کشیدہ اثر

سے متعلق ہیں، آپ کے حسب منشاء سب چیزیں ارسال کرنے والا ہوں۔

لیکن ڈھائی ماہ گزر جانے کے بعد بھی نہ معلوم کن وجوہات کی بنا پر موعودہ چیزیں ارسال نہ فرما سکے، چوں کہ خلفاء و سفراء کے باب کی کتابت میں پہلے ہی کافی تعویق ہو گئی تھی اس لئے سہرست یہی مناسب سمجھا کہ اس وقت تو اتنے ہی پر سکتا کیا جائے، بعد میں حالات ملنے پر دوسرے اڈیشن میں اضافہ کر دیا جائے گا۔

جناب کاظمی صاحب کو مکتوب نگاری کا اچھا ملکہ ہے، حضرت قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں جو مکاتیب ارسال فرماتے تھے ان میں محبت و عقیدت کے ساتھ ساتھ شان ادبیت اور شان علمیت نمایاں نظر آتی ہے۔ — فروری ۱۹۶۸ء میں اقم دہلی حاضر ہوا تھا، حضرت علیہ الرحمہ کے کاغذات میں سوانحی مواد کی تلاش کے دوران جناب کاظمی صاحب کا ایک مکتوب گرامی نظر آیا جو انہوں نے حضرت کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا، یہاں قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

(مکتوب گرامی)

بعض سرکار و ولہدار و زیب سندرھریہ، قیمتی طریقہ احمدیہ، وارث نسبت صدیقہ، چشم چراغ دودمان
مجذبیہ، مصداک کمالات صمدیہ، سیدنا و سندا، حضور پر نور، لامع النور، فیض گنورا، کریم موفور،
لجائنا و ملاذنا مفتی اعظم اعلیٰ حضرت منظر اللہ شاہ صاحب دامت اقبالہم دامت برکاتہم العالیہ۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عید گاہ ماغریباں کوئے تو عشرت صد عید دیدن روئے تو
صد ہلال عید قربانت کنم اسے ہلال عید ما ابروئے تو

عید آمد و افروز غنیم را غنیم دیگر

ما تم زدہ را عید بود ما تم دیگر

ساقیا! آمدین عید مبارک بادت واں مواعید کہ کرمی نہ رود از یادت

بعد ادائے آداب قدم بوسی و اظہار مراسم سجدہ پاشی فقیر سراپا تقصیر عرضیہ می دارد کہ ہر دو مکتوب

قدیم منسوب موصول شدہ نہ چنان اہنسا و ظاہری و اہتہاج باطنی دست واد کہ از حیطہ تحریر بیرون است

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

خداوند عالم ذات شریف را ہموارہ بر ماغیر بیان و در افتادگان سایہ گستر دارد، از ہر لفظ مکاتیب قدسی اسالیب فقیر حقیر محسوس می شود کہ نسبت شریفہ حضور در پہناست قلب لقای شود، و درین عالمہ خاندان عالیہ حضور اعلیٰ نقشبندیہ مجدیہ اختصاص کلی دارد، زیرا کہ مشائخ ایں گروہ، ملک شکوہ از دور القاء نسبت می فرمایند ایں کار نزد اک بزرگ گال از بازئی طفلانہ است، امام شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ معترف ایں کمال نقشبندیہ ال بودہ است چنان کہ در کتاب قول الجلیل خود تحریری فرمایند:

وَالنَّقْشَبَنْدِيَّةُ تَصْرَفَاتُ عَجِيبَةٍ مِنْ جَمِيعِ الْهِمَمَةِ عَلَى مَرَادِ فَيَكُونُ عَلَى وَفْقِ الْهِمَّةِ وَالتَّأْثِيرُ فِي الطَّالِبِ وَدَفْعُ الْمَرَضِ عَنِ الْمَرِيضِ وَإِفَاضَةُ التَّوْبَةِ عَلَى الْعَاصِي وَالتَّصَرُّفُ فِي قُلُوبِ النَّاسِ حَتَّى يَحْتَبُوا وَيَعْظُمُوا فِي مَدَارِكِهِمْ حَتَّى يَتَمَثَّلَ فِيهَا وَاقِعَاتُ عَظِيمَةِ الْإِطْلَاعِ عَلَى نَسَبَةِ أَهْلِ اللَّهِ مِنَ الْأَحْيَاءِ وَأَهْلِ الْقُبُورِ وَالْإِشْرَافُ عَلَى خَوَاطِرِ النَّاسِ وَمَا يَخْتَلِمُ فِي الصُّدُورِ وَكَشْفُ الْوَقَائِعِ الْمُسْتَقْبَلَةِ وَدَفْعُ الْبَلِيَّةِ النَّاتِلَةِ وَغَيْرُهَا وَنَحْنُ نَبْهَكَ عَلَى عَمُودِ جَمْعِهَا:

دریں باب ہمیں جا تحریری فرمایند:-

وَإِذَا غَابَ الطَّالِبُ فَانْتَهَمَ يَتَخِيلُونَ صَوْتَهُ وَيَتَوَجَّهُونَ إِلَيْهَا.

(قول الجلیل، ص ۵۴-۵۵)

ازیں جا معلوم شد کہ معیار کشف و کرامات مشائخ نقشبندیہ چہ قدر بلند و بالا است، چوں ایں فقیر از پنج یا شش سال نیز پرورش و تربیت حضور است و حضور الا ایں فقیر از شجرہ شریفہ و نسبت منیفہ مشرف گردانیدہ اند پس چہ را بردارے دیگران بر دم، آں چہ حضور الا در مکتوبات شریفہ تعلیم فرمودہ اند برآں عمل پیراستہ و انشاء اللہ تا زیست بریں گل و نسبت خواہم ماند:-

بریں بودہ ام ہم بریں بگذرم یقین دال کہ خاک ہے منظر ہم

فقیر قبل نسبت حضور الا بسیار مشائخ و سالکین دیدہ است لیکن قلب بے حاصل را از پیچ جا اکسیر مراد دست نہ داد تا آن کہ از عنایات الہی ذات شریفہ را یافتہ و دریں باب ملوک بذریعہ مراسلات و مکاتیب حضور الا ایں عاجز را سرفراز فرمودند۔ از خواندن شجرہ شریفہ حضور حالت عجیب پیدا و رفتہ رفتہ در محمولات زندگی انقلاب عظیم پیدا شد و دشمنان و دوستان ایں انقلاب معلوم و محسوس کردند و در محافل و مجالس ذکر با جاری کردند فقیر از پنج یا شش سال

دریں معاملہ حسب ہدایات حضور در ذکر اسم ذات شریف و ذکر نعتی و اثبات و تہذیب لطائف خمسہ
مصرف شدہ بود، و یونہی و یونہی ارتقاءے روحانی پیدا شد کہ از حد امکان خارج بود ازین بہت
فقیر حقیر از ذات گرامی حضور اعتقاد عظیم دارد و خدا داند کہ در بارہ حضور چہ خیال دارد :-

آقا قہا گردیدہ ام بہر تال و رزیدہ ام
بسیا خواب دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری
(امیر خسرو)

چون این فقیر قبل از پنج یا شش سال بصورت معنوی از حضور بیعت شدہ و حضور والا
ارتقاءے نسبت روحانی بطریق نقش بندہ اولیہ فرمودند پس چرا بر در غیر بر دم زیرا کہ
دل یک است و الفت بیش از یکے در دل کجا گنجد ؟ - برائے اتمام کار فقیر یک نگاہ حضور
کافی است :-

چسپن اہتمامت کار جامی طفیل عاشقان یا بدتمای

رہن از عکس جمالت عالم امکان ما یک نگاہ ناز جانان قیمت ایمان ما
تقاضائے اجازت دادن برائے آمدن دہلی شریف ازین سبب است کہ بسا اوقات
قلب بے اختیار شود و سراسیمگی و بیقراری بخند و افرود نماید ازین بہت اجازت خواہم کہ از
دولت دیدار شرف شوم، صحبت حضور و طلعت حضور عقدہ کشائے معاملات دل است :-
فرض کردم کہ بیا تو دلم خور سندا است لیکن این دیدہ دیدار طلبے اچہ علاج ؟
سوائے ذات شریفہ حضور از غیر کارے ندارم، امید اتق است کہ این نسبت و عقیدت
در دنیا و آخرت قطعاً دست گیر خواہد شد :-

من بہ دست مظہر اللہ شاہ دستے دادہ ام
مرشد من، خضر من، مہدی من مولائے من

حضور والا حسب فرمان امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رضی اللہ عنہ در صوت مثالی این
فقیر را توجہ دہند زیرا کہ حوصلہ این فقیر بس نکند ہمہ شبہا در مساجد گورستان قیام کنم لیکن
طبع حزن سیر نمی شود، از کرم حضور سبختم مجددیہ شریف و ختم خواجگان شریف ہر روز تنہا بخوانم
۱۔ حضور والا نود نام شریف تحریر فرمودہ اند آیا نود نام خوانم یا نود و نہ نام خوانم زیرا کہ
در کتب فقیر نود و نہ نام نوشتہ اند - اگر حضور والا نود نام فرمودہ اند آن چہا اند؟ تصریح

فرمانید۔

۲۷ نقشے کہ حضور والا تحریر فرمودہ انداز چہ زبان اظہار تشکر و امتنان نمایم درین نقش پاک
ذہن فقیر از فہمید چندان مورق قاصراست و چونہا "یا اللہ یا رحمن یا رحیم یا کریم" و رب العالمین ہر نقش و
از کریم از کریم از کریم "بزرگترین نقش بنو سیم یانہ ؟

نقشے کہ باعداد (۳۴) حضور والا پیر فرمودہ اندایں برائے

۸	۱۱	۱۲	۱
۱۳	۲	۷	۱۲
۳	۱۶	۹	۶
۱۰	۵	۴	۱۵

رققار است تاکہ اندازہ رفتار شود و ازین رفتار پیر کنیم یا

چیزے دیگر است ؟۔ اسے کہ از اسماء شریف الہی پیر کنیم

در مربع باشد یا در مثل ؟۔ حرف را پیر کنیم یا اعداد ؟ اگر

اسم شریف الہی پنج حرفی باشد پس چہ پیر کنیم، در مربع ؟۔ حضور والا از مثال تصریح فرمایند۔ مثلاً در

باب "اتحاد زوجین" یک نقش پیر فرمایند تا آبسانی در فہم عاجز نیاید، عین بندہ پڑری است۔

۲۸ استخارہ مسنونہ کہ حضور والا تحریر فرمودہ اند در کہ اسم اموری نمایم۔ برائے کشف قاض

آئندہ استخارہ مجربہ و معمولہ مشائخ نقشبندیہ چیست ؟۔ آں احضور والا نیز تحریر فرمایند۔

در استخارہ مسنونہ کہ دو رکعت بہ نیت استخارہ ادا کنیم چہ سوتہاے قرآنیہ بخوانم ؟ آیا

درین استخارہ تخصیص خواندن سوت است یا نہ ؟

حضور والا راوشہزادگان و اہل مجلس حضور والا را عید قرباں مبارک باد۔

فقط سنگ بارگاہ منظرہ

فقیر الہ الکمال احمد سی کاظمی طہرانی نقشبندی مجذبی منظرہ

عمر الشہد

جناب الحاج حکیم محمد ذاکر صاحب

۲۸ فروری ۱۹۱۹ء میں کوئٹہ رحمان (دہلی) میں ولادت ہوئی، اسی محلے میں آپ کی ذاتی

حویلی بھی تھی، سات برس کی عمر میں مدرسہ نوحانیہ (دہلی) میں داخل ہوئے جہاں تقریباً سات سال

تک قرآن کریم اور کتب دینیہ کی تحصیل کی، فارغ ہونے کے بعد ذریعہ معاش کے طور پر کام

کرتے رہے، کچھ عرصہ بعد "فاکر ہونری ورکس" کے نام سے ایک کارخانہ قائم کیا اور فراخی

کے ساتھ گزر بسر ہونے لگی۔

Click For More Books

حکیم صاحب کو ابتداء ہی سے صوم و صلوٰۃ کا شوق تھا، اس ذوق و شوق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد سے اب تک کہ تقریباً پچیس سال ہوتے ہیں نماز باجماعت کبھی قضا نہیں کی، حکیم صاحب نماز کے لئے اکثر مسجد فتحپوری آتے تھے جہاں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی اقتداء میں اکثر نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت علیہ الرحمہ کی نگاہ کرم نے دل کو موہ لیا۔

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا

چناں چہ ۱۹۱۷ء میں آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجذبیہ میں حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے، اور حضرت کی صحبت کی کیا اثر سے بیس سال مستفیض ہوئے، خصوصاً جب ۱۹۲۵ء میں حضرت حج کے لئے تشریف لے گئے تو حکیم صاحب بھی اسی سال تشریف لے گئے ویاہر مقدس میں مختلف مقامات پر مختلف صحبتوں میں حضرت نے خوب خوب نوازا۔

حکیم صاحب تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں مستقل طور پر سکونت اختیار کی، یہاں آکر اپنا پرانا کام شروع کرنا چاہا مگر حالات نے مساعدت نہ کی، ناچار عالم حرم ان نصیبی میں حضرت کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے حضرت نے چند تعویذات مرحمت فرمائے اور خدمت خلاق کا حکم دیا چناں چہ کراچی آکر حکیم صاحب نے عملیات کا سلسلہ شروع کر دیا، اور حکمت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، اسکھوں کے امراض میں آپ خاص مہمات رکھتے ہیں، ہزاروں مریض مستفید ہو چکے ہیں اور براہر ہو رہے ہیں۔

حکیم صاحب کے پاکستان آنے کے بعد حضرت نے بڑی محبت و شفقت کے ساتھ یاد فرمایا جس سے دلی تعلق کا پتہ چلتا ہے، یہاں ایک مکتوب گرامی پیش کیا جاتا ہے :-
مرسلہ مارچ ۱۹۵۸ء

محبتی گرامی قدر خجستہ سیر فضلكم اللہ تعالیٰ من مكررات الدارين

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ————— مکتوب گرامی موصول ہو کر باعث مسرت ہوا، افسوس تم جیسے احباب نے مفارقت کر کے دنیا سے دل سڑ کر دیا، ایک زمانہ تھا کہ بعد جبہ احباب کا مجمع ہوتا تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ اگرچہ مجمع تو خاصا ہوتا ہے لیکن احباب میں خال خال ہی نظر آتے ہیں باقی سب دوسرے لوگ ————— خیر جہاں رہو خوش رہو، فقیر کے لئے دعا کرتے رہو، اگرچہ تمہاری مفارقت ہیچین کرتی ہے لیکن تمہیں اطمینان سے دیکھتے ہوئے چن بھی آجاتا ہے، اپنے اوراد

Click For More Books

محمد منظر الله

اسلام علیکم وعلیٰ اہل بیتہ السلام، بفضلہ تعالیٰ فقیرِ مخیریت ہے۔۔۔۔۔ جو لوگ مرید ہونا چاہتے
 (ہیں) اگر ان میں خلوص ہے تو تم ان کو توبہ کرا دو، توبہ کرتے وقت اپنی جگہ مجھے خیال کر لینا۔
 مجھے تو یاد نہیں رہتا کوئی تمہارے پاس آنے والا نظر آئے تو اس کو لکھ دیں وہ میرے پاس
 سے شجرے لے کر پہنچا دے گا، اپنے بھائیوں سے ملنے رہو اور اگر کسی دن جمع ہو کر ختم تھا جگا
 پڑھیں اور مسائل میں بہارِ شریعت اور تصوف میں جو کتاب ملے اس کو پڑھتے رہیں تو زیادہ بہتر ہو۔

فقط والسلام

(نام)

محمد منظر ع

نومبر ۱۹۶۱ء میں ایک تقریر کے جواب میں بھی یہ الفاظ تحریر فرمائے :-

”اپنے ہاتھ پر میری بیعت لے لیا کرو، اس کی تم کو اجازت ہے“

سفرِ ثنا اجازت ملنے کے بعد حکیم صاحب نے سلسلہ بیعت و ارشاد شروع کر دیا اور سریدین کی فہرست حضرت کی خدمت میں ارسال کرتے رہے۔ ۱۹۶۴ء میں جب حضرت دوبارہ پاکستان تشریف لائے تو خدمت بابرکت میں برابر حاضری دیتے رہے اور مستفیض ہوئے، حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی تو تیسری بار حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے، مقامات مقدسہ کی زیارت سے سکون ملا، وطن واپس آئے، چند سال بعد ۱۹۶۶ء میں جب حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال کی خبر سنی تو اضطراب و یحیانی حد سے بڑھ گئی، کسی طرح چین نہ آتا۔ چنانچہ پھر جو تھی بار سکون قلبی کی تلاش میں زیارت حسین شریفین کے لئے تشریف لے گئے، حج سے واپسی کے بعد خاموشی کے ساتھ خدمت خلق میں مصروف ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کے فیض روحانی کو جاری رکھے اور ہمیش از ہمیش ترقیات سے نوازے، آمین۔

جناب قاری حافظ سید نواب علی صاحب

سید صاحب ۱۹۰۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے، والد ماجد کا اسم گرامی قاری عبدالغنی لوطی تھا ابتدائی پندرہ سال لکھنؤ میں گزارے پھر بیس سال اکبر آباد رہے اور یہیں قاری علی بلا لک صاحب قرأت اور علم تجوید کی تحصیل کی اور کمال حاصل کیا اس کے بعد دہلی چلے آئے، ۱۹۵۹ء تک یہاں رہے، یہاں تجارت بھی کی، کچھ عرصہ علی گڑھ بھی رہے، ۱۹۵۹ء میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے اجازت لے کر پاکستان آ گئے، آج کل لطیف آباد، حیدر آباد (سحر نی پاکستان) میں مقیم ہیں۔

سید صاحب تقریباً تیس سال قبل حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے، ۱۲ سال حضرت کی خدمت میں حاضر رہے اور منازل سلوک طے کئے، ۱۹۵۶ء کے قریب حضرت نے سفارتاً اجازت مرحمت فرمائی اور مستقل اجازت کے لئے بھی ایک دوسرے مکتوب میں وعدہ فرمایا، جس مکتوب میں سفارتاً اجازت عطا فرمائی ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔

مرسلہ ۴۱۲ جولائی ۱۹۵۶ء

محبتی سلام و اوصالکم الی عایتہ مایتمناکم

اسلام علیکم وقلبی لدیکم۔ تمہاری مرضی اگر یہی ہے کہ میں خود بیعت کروں عبدالعزیز سلیم کو تو پھر ایسا ہی کیا جائیگا، لیکن اب میں لوگوں کو کم بیعت کرتا ہوں اس لئے مناسب تو یہی تھا کہ تم خود ہی میری بیعت لیتے۔ فقط والسلام

محمد منظر الحق

جس زمانے میں سید صاحب حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں دہلی حاضر تھے اس زمانہ کا ایک واقعہ خود سید صاحب نے بیان فرمایا ہے جس سے ان کی قلبی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے ولقد یہ ہے۔

علی گڑھ میں ایک وکیل صاحب کالٹر کا کھو گیا تھا، چناں چہ چند لوگ تعویذ کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، سید صاحب بھی موجود تھے، حضرت نے تعویذ کے لئے قلم اٹھایا ہی تھا، کہ سید صاحب نے ایک ذاتی مشاہدے کے تحت ان لوگوں سے لڑکے کا نام پوچھا جواباً انیسین الرحمن بتایا گیا، تو اس پر سید صاحب نے اچانک کہا کہ لڑکا ۱۲ بجے تک جائیگا

حضرت نے فرمایا کہ اگر لڑکانہ آئے تو پھر تعویذ لیجائے۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت نے جب سید صاحب سے استفسار کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ ابھی ابھی ایک قدا اور بزرگ نظر آئے جن کے سر پر عربی عمامہ تھا، چہرہ پرناک کے قریب موٹا مسٹہ تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ لڑکا بارہ بجے آجائیکا، میں نے وہی بات کہہ دی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ دادا پیر حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ تھے اور سید صاحب کی پیٹھ تھپکی۔

سید صاحب کی اولاد میں ایک صاحب اد سے محمد مطلوب بقید حیات ہیں، مریدین متعین دہلی، علی گڑھ، کانپور، اور حیدر آباد میں موجود ہیں۔

جناب قاضی صفدر حسن صاحب صدیقی

قاضی صاحب کی دہلی میں ولادت ہوئی، آپ نسبا صدیقی، مسلک حنفی اور مشربا نقشبندی مجذبی ہیں، آپ کے والد ماجد قاضی حید حسن صدیقی بڑے نیک اور متقی تھے، آپ کے اسلاف میں بہت سے اولیاء اللہ گزرے ہیں، آپ کے نانا مولوی احمد بن رحمۃ اللہ علیہ زبردست مقرر اور متورع انسان تھے، بیٹنی کی کسی مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

قاضی صاحب کی تعلیم تو آئی۔ کام تک ہے مگر قریب کافی ہے، تقریباً ۳۵ سال سرکاری ملازمت کرتے ہوئے گئے، آجکل دفتر ڈی، پی اینڈ ٹی (لاہور) میں اسٹینوگرافر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور اس وقت عمر تقریباً ۵۶ سال ہے۔

قاضی صاحب ابتداء ہی سے حضرت کے معتقد تھے اور اس گھرانے کا خاص احترام کرتے تھے، پانچ سال کی عمر سے ہی اپنے دادا مرحوم کے ساتھ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تھے، مگر حقیقی بیعت پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۶ء میں ہوئی، قاضی صاحب ابتداء سے صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے مگر ظاہر شریعت کے مطابق نہ تھا، انگریزی تہذیب کے دلدادہ تھے، لیکن جب بیعت سے مشرف ہوئے تو کایا ہی پلٹ گئی، اتباع سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا سرشار کیا کہ انگریزی تہذیب کے لبادے کو اتار چھینا اور اللہ کے رنگ میں رنگ گئے، پچ ہے ۵

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پر وا نہ دل

Click For More Books

چوں کہ قاضی صاحب لاہور میں مقیم تھے اور حضرت علیہ الرحمہ دہلی تشریف رکھتے تھے اس لئے دوری کی وجہ سے براہ راست صحبت سے مستفیض نہ ہو سکتے تھے چنانچہ حضرت ہی کے حکم سے مولانا عبدالغفور مدنی کے خلیفہ حضرت مولانا علاؤ الدین نے منازل سلوک طے کرائے پھر جب ۱۹۶۱ء میں حضرت مرحوم پہلی بار پاکستان تشریف لائے تو ایک اجتماع میں قاضی صاحب کو سفارتاً اجازت سے نوازا۔

قاضی صاحب سے حضرت کو بید محبت و انسیت تھی اس کا اندازہ ان خطوط گرامی سے ہوتا ہے جو حضرت مرحوم نے قاضی صاحب کے نام ارسال فرمائے ہیں، یہاں صرف دو مکاتیب گرامی پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱)

مرسلہ ۱۱۱

عزیزی ارشدی سلمہم رفع قدریم ونور قلبہم

وعلیکم السلام ورحمتہ ربکم المنعم وبرکاتہ علی التمام، العزیز کی خیریت اور اپنے مولیٰ کی طرف توجہ تمام کا علم باعث خوشنودی ہوا، مولیٰ تمہیں اپنی طرف متوجہ رکھے، یہ بڑی دولت ہے، اپنے تئیں عاجز خیال کرنا، قوت لایہی میسر آنے کا نہایت عمدہ ذریعہ ہے، بیشک تمہیں ہر آن ترقی میسر آنے والی ہے، فقیر تمہارے لئے دعا کرتا ہے، وہ تعالیٰ تمہیں اپنے محبوبوں میں داخل فرمائے اور تمہیں فقیر ناکارہ کا وسیدہ گردانے، تہجد کے وقت دلائل خیرات پڑھنے کی اجازت ہے، فقیر کے لئے بھی دعا کرتے رہیں، فقط والسلام مع الدعاء

محمد منظر الحق

(۲)

مرسلہ ۱۱۲

فروغ صبح سعادت ثبۃ اللہ علی طریق السواء

وعلیکم السلام ورحمتہ ربکم المنعم۔ بعد دعوات استقامت بربادۂ نبوی مطالعہ کریں کہ باطنی کیفیت کے اضافہ کی خیر باعث مسرت ہوئی اللہم نادفنا، جس قدر ہو سکے مراقبہ میں اضافہ کریں تمہارے اعمال محبوب ہیں لیکن یہ مراقبہ کے لئے صرف تائید میں اہل شئے مراقبہ ہے، فقط والسلام

محمد منظر الحق

قاضی صاحب کو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ اور حضرت نقشبندیہ خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے جو علاقہ خاص ہے اس سلسلے میں موصوف ہی کے نوشتہ دو واقعات پیش کرتا ہوں :-
ایک اہل خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم الشان محفل منعقد ہے، حضرت قبلہ علیہ الرحمہ قاضی صاحب کا بازو پکڑ کر محفل کے دروازے میں داخل کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں، ”گھبراؤ کیوں ہے اندر جا۔“
جب قاضی صاحب اندر گئے تو رنگ محفل دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دروازے کے قریب جو حضرات بیٹھے تھے جب قاضی صاحب نے ان سے صاف کرنا چاہا تو حضرت مرحوم نے فرمایا نہیں نہیں وہ دیکھو حضرت مجدد الف ثانی تشریف فرما ہیں ان کی دست بوسی کرو۔ چنانچہ تعمیل حکم میں دست بوسی کا شرف حاصل کیا اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے دعا فرمائی :-

جب یہ خواب حضرت کی خدمت میں دہلی عرض کیا گیا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا کہ ”مبارک ہے اس سال سرہند شریف کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔“ اُس سال جو جماعت سرہند شریف جانے والی تھی اس کے تمام کاغذات وغیرہ مکمل ہو چکے تھے مزید کسی شخص کی گنجائش نہ تھی، جب قائد جماعت سے قاضی صاحب نے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”اس تنگ وقت میں آپ کے لئے کچھ نہیں ہو سکتا۔“ قاضی صاحب نے جواباً کہا کہ میں خود نہیں آیا مجھے بھیجا گیا ہے، انشاء اللہ ضرور جاؤں گا ورنہ جماعت نہیں جائیگی۔“ چنانچہ ایسا ہی ہوا راہیں کھل گئیں اور قاضی صاحب کے لئے بروقت عینیت انتظام ہو گیا اور وہ تشریف لے گئے۔

قیام سرہند شریف کے دوران ایک رات درگاہ شریف میں قاضی صاحب مراقبہ کر رہے تھے درگاہ بند کرنے کا وقت آیا تو مجاور نے سب لوگوں کو باہر چلے جانے کی ہدایت کی، قاضی صاحب سے بھی کہا، مگر وہ خاموشی کے ساتھ مراقبہ میں مصروف رہے، مجاور چلا گیا، قاضی صاحب کہتے ہیں کہ اس عالم تنہائی میں انہوں نے چشم سر دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی سامنے تشریف فرما ہیں، اُس وقت اس خواب کی تعبیر کھلی آنکھ دیکھ رہے تھے جو سر سرہند شریف کی تہیہ بنا تھا۔

دل کو امید وصل ہے تہیہ اضطراب

تسکین اضطراب ہے تائید اضطراب

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات خواب میں وسیع و عریض میدان دیکھا جہاں چھڑکاؤ کیا

گیا ہے، بیچ میں ایک محفل سجدی ہوئی ہے، ہر طرف نور ہی نور نظر آتا ہے، ایک عالی شان چاندی کا تخت ہے، دور سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز

ہیں اور دائیں بائیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں، بڑا بھاری دربار لگا ہوا ہے۔ ایک طرف یہ دربار ہے اور دوسری طرف حضرت قبلہ علیہ الرحمہ قاضی صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر اس دربار میں جا رہے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ”میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ“۔ یہاں تک کہ دربار نبوی کے قریب پہنچ گئے، حضرت مرحوم نے قاضی صاحب کو جناب رسالت مآب میں پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ”حضور یہی آپ کے غلاموں میں ادنیٰ غلام ہے“۔ اس کے بعد دعا مانگی گئی۔

اس خواب کے کچھ عرصہ بعد حضرت پاکستان تشریف لائے تو لاہور کے ایک اجتماع میں قاضی صاحب کو سفارت سے نواز اگیا قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت نور کا وہی سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا جو خواب میں ملاحظہ کیا تھا۔

جناب محمد صاحب قریشی

آپ کے جد امجد قاضی فیاض احمد صاحب مرحوم اہل دلی تھے، دہلی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، والد ماجد نور احمد صاحب مرحوم تجارت پیشہ تھے اور دہلی کے مشہور عالم حضرت شاہ کرامت اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے لیکن مرحوم حضرت قبلہ قدس سرہ سے کمال عقیدت و محبت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مرحوم کے دونوں صاحبزادگان جناب بشیر احمد صاحب اور جناب محمد احمد صاحب حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت میں۔ قریشی صاحب نے قرآن کریم کا آغاز حضرت ہی کی محبت کیا اور کچھ فارسی کی کتابیں بھی پڑھیں، کچھ عرصہ مدرسہ نعمانیہ (دہلی) میں بھی پڑھا لیکن بعد میں حضرت کے ایماء پر آپ کے والد مرحوم نے مسلم ہائی اسکول مسجد فتحپوری دہلی میں داخل کر دیا تھا جہاں سے میٹرک کیا، پاکستان آنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور سے ایف۔ اے پاس کیا پھر قریشی فیاض کا امتحان بھی پاس کیا، ۱۹۵۹ء میں سٹی ایڈکلڈ۔ لندن سے ریڈیو انجینیئرنگ کا امتحان پاس کیا اور اس میں بڑی مہارت پیدا کی۔

ملازمت کا آغاز دہلی سے ہوا ۱۹۴۱ء میں سرکاری ملازمت میں بحیثیت لوٹروڈ وین کلرک داخل ہوئے، ۱۹۴۵ء میں اپر ڈوٹیرن کا امتحان پاس کیا، پاکستان آنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں ایس۔ اے۔ ایس (سپاؤنٹ اکاؤنٹس سروس) کا امتحان پاس کیا اور

۴۲۴

رفتہ رفتہ ترقی کر کے آج بفضلہ تعالیٰ محکمہ ڈاک میں اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹس آفیسر لگے ہوئے ہیں۔
جیسا کہ عرض کیا گیا، بچپن ہی سے حضرت علیہ الرحمہ کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے، لیکن
انگریزی تعلیم اور دفتری ماحول نے اپنا اثر دکھایا جب بیعت کا خیال دل میں آیا تو عزم مصمم کیساتھ
سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا اور پھر ۱۹۴۷ء میں حضرت کے دست مبارک پر سلسلہ نقشبندیہ
مجددیہ میں بیعت ہوئے، کچھ عرصہ بعد اہل خانہ کو بھی بیعت کرا دیا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے
قرشی صاحب کی بڑی شفقت و محبت کے ساتھ تربیت فرمائی اس کا اندازہ ان مکاتیب گرامی
سے ہوتا ہے جو قرشی صاحب کے نام حضرت نے ارسال فرمائے ہیں۔ ہم یہاں صرف تین مکاتیب
گرامی پیش کرتے ہیں۔

(۱)

مرسلہ ۱۹ اگست ۱۹۵۷ء

ساکساک طریقت عزیز دل نواز جہانگیر اللہ من اولیائے

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ — صحیفہ رفیعہ موصول ہو کر باعث بے حد مسرت ہوا اللہ
نہاد فرزند، جو حالت تم نے اپنی لکھی ہزاروں میں سے کسی کو حاصل ہوتی ہے، متوجہ الی اللہ ہیں
اور ترقیات لامتناہیہ کے لئے خواہاں۔ امید ہے کہ وہ تعالیٰ تمہیں اپنے محبوبوں میں اٹھائے
فقط والسلام

محمد مظہر اللہ

(۲)

مرسلہ ۲۸ اگست ۱۹۵۷ء

محبت صادق مال بلیق

السلام علیکم وعلیٰ اہل بیتکم۔ فقیر تمہارے خلوص سے بھی واقف ہے اور اضطراب سے بھی
لیکن مرضی مولیٰ تعالیٰ کے آگے سر نیاز خم ہے، فقیر کب چاہتا ہے کہ تم جیسے محبوب سے مفارقت ہے
جدائی کے وقت کی حالت کا جو ذکر کیا ہے اس کا علم تمہارے بیان سے پہلے ہی حاصل ہے
فقیر نے تو اس ہی وجہ سے تمہاری طرف زیادہ التفات نہ کیا کہ پھر تم کو وقت مفارقت زیادہ
حزن و ملال پریشان نہ کرے۔

محمد مظہر اللہ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

سالك مسالك طریقت نور قلبہ بنور البقین

وعلیکم السلام ورحمتہ ربکم المنعم۔ سیر و سلوک کے واقعات سے اطلاع پاکر بغایت درجہ مسرت حاصل ہوئی۔ اللہ عز و جل فرما دے کہ یہ سب کچھ محبت کی فراوانی کا ثمرہ ہے جس قدر محبت میں زیادتی ہوگی منزل ترقی پر عبور ہوتا رہے گا اور ہر روز ترقی ملاحظہ کریں گے۔ فقط والسلام

محمد مظہر الحق

منازل سلوک طے کرانے کے بعد ۱۹۳۵ء میں حضرت نے سفارتاً اجازت سے نواز اوج حضرت کے تعلق قلبی کا آئینہ وار ہے، اس سلسلے میں حضرت نے جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا تھا وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے :-

عزیز گرامی قدر خجستہ سیر سلک الملک المقدر

وعلیکم السلام ورحمتہ ربکم المنعم۔ تمہارے حالات پڑھنے سے بہت مسرت ہوئی ہے، تمہیں سفارتاً اجازت دی جاتی ہے کہ کوئی بیعت ہونا چاہے تو اپنے ہاتھ پر میری بیعت لے لو اور اس کو توجہ دیتے رہو اور علاقہ حضرت مولیٰ وعلیٰ مرشدی حضرت (سید صادق علی شاہ) رحمۃ اللہ علیہ سے مضبوط رکھو۔ فقط والسلام

محمد مظہر الحق

قریشی صاحب کو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ اور آپ کے بزرگان سلف سے جو تعلق و محبت ہے اس کا اندازہ ان دو واقعات سے لگایا جاسکتا ہے جو خود قریشی صاحب نے احقر کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمائے ہیں :-

ایک دفعہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر استحان کی وجہ سے حضرت مرحوم کی خدمت اقدس میں ٹہلی حاضر نہ ہو سکے، اس محرومی کا قلب پر گہرا اثر تھا اور سخت قلق و اضطراب کا عالم تھا، اسی روز رات خواب میں حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت نے دلاسا دیا اور تشریف لے گئے، صبح قریشی صاحب جب بیدار ہوئے تو ان کی چچی مرحومہ نے فرمایا کہ آج تو تمہارے حضرت صاحب تشریف لائے تھے، انہوں نے حضرت کا حلیہ مبارک حتیٰ کہ طریقہ نشست اور نشست کی جگہ سب ہی بتائی جو قریشی صاحب نے خواب میں ملاحظہ کی تھی۔

دوسرے واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے قریشی صاحب کو داد پیر حضرت سید صادق علی شاہ

Click For More Books

رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری کی شدید تاکید فرمائی، حضرت ممدوح کا مزار مبارک موضع رترچہتر (مکان شریف) ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب بھارت میں واقع ہے، یہاں مسلمانوں کا نام نشان نہیں، ان علاقوں میں جانا بھی خطرے سے خالی نہ تھا، ویزا کا حاصل کرنا بھی مشکل ترین امر تھا مگر جب ارشاد گرامی کے مطابق دل میں لگن لگی تو تمام مشکلات اور رکاوٹیں خود بخود ختم ہوتی چلی گئیں اور حکومت کی طرف سے فوراً اجازت مل گئی۔ چنانچہ پاکستان اور ہندوستان کے سریدین پر مشتمل ایک جماعت حضرت کے صاحبزادہ گرامی مفتی محمد شرف احمد صاحب کی قیادت میں مکان شریف حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوئی، اس علاقے میں اس جماعت کی جو قدر منزلت ہوئی اس نے اور حیرت زدہ کر دیا، ڈیرہ باباناک تھانہ کے انچارج نے تو اپنے ہاں قیام و طعام کے لئے بھی درخواست کی، ان واقعات سے جہاں اہل تعلق کے تعلق قلبی کا اعجاز مشاہدے میں آتا ہے وہاں بزرگان دین کے تصرفات باطنیہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

قریشی صاحب کو حضرت کے خانوادہ عالی سے بھی بے انتہا عقیدت و محبت ہے راقم الحروف کے ساتھ خاص تعلق و انسیت ہے اس فقیر پر قریشی صاحب کے بہت سے احسانات ہیں، فخر اہم اللہ ان الجزائر۔ آج کل قریشی صاحب لاہور میں مقیم ہیں ماشاء اللہ صاحب و اولاد ہیں دو صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سعادت دارین سے نوازے، آمین۔

جناب حکیم محمد علی قلی صاحب منظر سمری چشتی

حکیم صاحب کے جلال علی نواب بنحیلہ لدولہ خاں مرحوم کے ہمراہ قصبہ جھنڈا سے آئے جو مغربی پاکستان میں پشاور کے نزدیک واقع ہے، حکیم صاحب کے اجداد کا تعلق خاندان سادات سے ہے، موصوف کے اسلاف میں میاں احمد صاحب ولی کامل بزرگ گزرے ہیں، ممدوح کے دو بھائی تھے میاں منٹا صاحب اور میاں زکریا صاحب یہ بھی ولی کامل تھے۔ میاں احمد صاحب کے ایک صاحبزادے میاں محمد شعیب تھے، یہ بھی بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں، دھام پور (ضلع بجنور بھارت) کی جامع مسجد کے امام بھی رہے، مہراب مسجد کے کتبے پر موصوف کا نام کندہ ہے، دھام پور میں ان کی کرامات مشہور خاص عام ہیں، محمد شعیب صاحب کے بعد ان کے صاحبزادے میاں محمد سعید صاحب جامع مسجد کے امام ہوئے پھر ان کے بعد ان کے

کے صاحب نے اسے مہیاں محمد عمر صاحب امام ہوئے جو بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں اگرچہ امامت سے سبکدوش ہو چکے ہیں، حکیم محمد عیاض صاحب موصوفی کے فرزند ارجمند ہیں، سدا کا غنی اور شریبا چشتی ہیں دھامپور میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہیں، اس وقت ان کی عمر تقریباً پچاس سال ہوگی۔

حکیم صاحب طبیبہ کالج (دہلی) کے سبدا یافتہ ہیں، ۱۹۴۱ء سے دھامپور میں بڑی کامیابی کے ساتھ مطب فرما رہے ہیں۔ دینی خدمات میں بھی حکیم صاحب پیش پیش ہیں جہاں جہ دھامپور میں حضرت علیہ الرحمہ کے نام نامی پرایک نئی مدرسہ کی بنیاد رکھی جو مدرسہ مظہر العلوم نوریہ کے نام سے مشہور ہے، اس میں قرآن حکیم کے علاوہ معقولات و منقولات کا درس دیا جاتا ہے اور اطراف و اکناف کے طلبہ استفادہ کرتے ہیں، یہ مدرسہ برسوں سے بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

۱۹۴۱ء میں جب کہ حکیم صاحب طبیبہ کالج میں تعلیم پڑھتے تھے تو دہلی میں تقریباً تین سال مسلسل قیام فرمایا جہاں چہ اس عرصے میں برابر جمعہ کے روز حضرت کی مجلس میں شریک ہونے مسجد فتحپوری تشریف لاتے رہے اور حضرت کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے ۱۹۴۶ء میں وطن عزیز دھامپور واپس آ گئے، اور یہاں مطب کا آغاز کیا۔

حکیم صاحب کے والد ماجد مہیاں محمد عمر صاحب اکثر مرید ہونے کے لئے تھریا ترقیب فرماتے رہتے، شیخ طریقت کے انتخاب میں ذرا تذبذب تھا کبھی حضرت صدق الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سامنے آتا تو کبھی حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان یلوی کا، بالآخر جب استخارہ کیا گیا تو حکیم صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ قدس سرہ مسجد فتحپوری میں لوگوں کو بیعت فرما رہے ہیں، چوں کہ یہ خواب حضرت ہی سے بیعت کے لئے مشیر تھا اس لئے حکیم صاحب نے جاکر حضرت کے دامن مبارک سے ہاتھ ہو گئے، بیعت کے وقت جو کیفیت گزری وہ خود حکیم صاحب نے اس طرح تحریر فرمائی ہے :-

بیعت ہوتے وقت راقم الحروف پر عجیب کیفیت طاری تھی، ایک نور کی بارش اور عجیب سا سماں تھا جو لائق بیان نہیں (مکتوب محرمہ اگست ۱۹۴۶ء دھامپور) بیعت کے بعد حضرت نے طریقہ ذکر تلقین فرما کر رخصت فرمادیا، کچھ عرصہ بعد حکیم صاحب کو صرف جو کھانے کی ہدایت فرمائی، پھر رات سوئے تو وقت حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی تصانیف کے مطالعے کی ہدایت فرمائی، جب اس ہدایت پر عمل کیا تو عجیب و غریب مشاہدات پیش آئے ایک اقدوس خود حکیم صاحب کی زبانی سنئے :-

”اکسیریدایت کا مطالعہ کر رہا تھا کہ موسم سسری کا آگیا، ایک ات بعدِ شام ایک صاحب آگئے۔۔۔۔۔ کبیل پوش، گھنی دائرھی، گٹھیلے، چہرہ باریک، آنکھیں نہایت چمکیلی، چارپائی کو جنبش دے کر فرمایا کہ ”دیکھ غزالی کھڑا ہے۔۔۔۔۔ بس پہلی نظر تو ان پر پڑی پھر۔۔۔۔۔ یہ حال کہ خود قابو میں نہ رہا۔“

(مکتوب مذکور)

حضرت نے دھانی تربیت کے بعد حکیم صاحب کو سفارثاً اجازت مرحمت فرما کر دولت بکیراں سے نوازا، حضرت علیہ الرحمہ کو حکیم صاحب بڑی انسیت و محبت تھی اس کا اندازہ ان کلمات سے ہوتا ہے جو خود حکیم صاحب نے تحریر فرمائے ہیں، مکتوب مذکور (محررہ اگست ۱۹۳۷ء از دھام پور) سے یہاں تین اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

① ”حضرت کو احقر کا بہت خیال تھا، فرماتے تھے کہ میں نورات کو بھی تیرے قریب ہوتا ہوں تو سوتا ہے اس وقت بھی تیری نگرانی کرتا ہوں، تو اپنے پریم کو قیاس کر۔“

② ”ایک بار احقر دہلی پہنچا اور بصدور یافت کیا کہ حضور کو حالات کا علم کیوں کر ہوتا ہے، فرمایا کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہم میں درتیم میں کیا فرق ہو۔۔۔۔۔ لال قلعہ، گنگا جنا،

اور جنگل پہاڑ ہماری راہ میں حائل نہیں ہیں، ہمیں اپنے پر قیاس نہ کرو۔“

③ ”ایک بار فرمایا کہ اکثر حضرت سید شاہ صادق علی رحمۃ اللہ علیہ آتے ہیں تو وہ بھی تمہارے حالات بیان کر دیتے ہیں۔“ راقم الحروف نے عرض کیا ”ان کا تو

انتقال بھی ہو گیا۔“ ارشاد فرمایا کہ ”وہ عالم برزخ میں ہیں۔“

حکیم صاحب نے بیعت ہونے بعد جو مشاہدات کئے اور جو کرامات ان کے سامنے آئیں ان کو بھی مختصراً بیان کیا جاتا ہے :-

①

ایک روز بٹورہ شریف پڑھ کر سو گئے، خواہاں کیا دیکھتے ہیں کہ بہت سے بزرگ، بلند قامت نورانی صورت، ایسی ہی دائر حیاں نیچے نیچے کرتے پہنچے جمع ہیں، اسی مجمع میں سے کسی نے آواز بلند کیا کہ

”خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لارہے ہیں۔“

یہ آواز اس طرح پیدا ہوئی کہ سب اہل خانہ بیدار ہو گئے

(۲)

حکیم صاحب پر ایک دور ایسا آیا کہ مریضوں سے دل اچاٹ ہو گیا، طبیعت تنہائی پسند ہو گئی، خلوت پسندی نے معاش سکے استے بند کر دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ نان جویں بھی مشکل سے میسر آتی لوگوں نے حضرت کی خدمتیں دہلی عرض کیا، وہاں سے حکیم صاحب کے نام حکم آیا کہ فلاں تاریخ کو سرہند حاضر ہو جاؤ۔ حضرت بھی اسی تاریخ کو سرہند تشریف لے جا رہے تھے، چنانچہ حکیم صاحب نے سرہند شریف کا مصمم ارادہ کیا اور اہلیہ سے کہا کہ حضرت کو کھلانے کی نیت سے جو مرغ پالا ہے اس کو ذبح کر کے پکا دو، انہوں نے جواب دیا گھر میں نمک، مرچ گھی وغیرہ کچھ بھی تو نہیں، پکاؤں کس طرح؟ کسی نہ کسی طرح پکا بھی دوں تو حضرت کے ساتھ بہت سے لوگ ہوں گے، کس طرح کفایت کرے گا؟۔ پھر دلی میں مگر کس طرح کر دے گا؟ اور راہ بھی تو نہیں وغیرہ وغیرہ۔ حکیم صاحب نے کہا "تمہیں حکم میرا کام ہے اور بس۔"

چنانچہ کسی کسی طرح مرغ پکا دیا گیا، حکیم صاحب شام پانچ بجے دلی گاڑی سے سوار ہونے کے لئے جو بہارن پور جاتی تھی، گھر سے چل پڑے۔ ہاتھ خالی ہیں لیکن کشش آرزو کشاں کشاں لیے چلی جا رہی ہے، راستے میں ایک شخص ملا اس کو معجون بنوانی تھی حکیم صاحب کو تیس روپے پیش کئے، تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ ایک صاحب عبدالوحید قریشی ملے، ان کو جب معلوم ہوا کہ حکیم صاحب سرہند شریف جا رہے ہیں اور حضرت بھی تشریف لارہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں بھی چلتا، حکیم صاحب نے کہا چلو کرایہ میں دے دوں گا "وہ بھی ساتھ ہو لیے، ابھی کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ایک اور شخص ملا، اس کو بھی کوئی دوا بنوانی تھی، حکیم صاحب کو چالیس روپے پیش کئے۔ اس طرح اسٹیشن پہنچتے پہنچتے ستر روپے ہو گئے۔ گھر سے خالی ہاتھ چلے تھے، راستے میں دامن مراد بھر دیا گیا، حکیم صاحب اپنے رفیق کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گئے اور بہارن پور پہنچے یہاں گاڑی تبدیل کر کے اس گاڑی میں بیٹھنا تھا جو دہلی سے آ رہی تھی اور جس میں حضرت تشریف فرما تھے لیکن جب گاڑی آئی تو حضرت کو نہ پایا، ناچار خود ہی سوار ہو گئے کہ حکم ہی تھا، جب سرہند شریف کے اسٹیشن پہنچے تو وہاں حضرت کو موجود پایا، سخت حیران ہوئے، سلام عرض کیا، دعا سے نوازا، نماز فجر اسٹیشن پر ہوئی پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

کے روضہ شریف پر حاضر ہوئے، بعد میں ناشتے کی تیاری شروع ہوئی، ہر شخص نے اپنا اپنا ناشتہ پیش کیا، حضرت نے فرمایا کہ حکیم صاحب کہاں ہیں؟ — حاضرین نے ایک دور حکیم جیسے لئے کہا یہ حاضر ہیں۔ فرمایا نہیں، ہمارے ایک حکیم صاحب وہ ہیں۔ چناں اب حکیم محمد عاقل صاحب متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ غلام حاضر ہے۔ حضرت نے فرمایا :-

”لاڈمیاں، کہاں ہے مرغ؟ — بہت زور دیا جا رہا تھا کہ پکاؤ“

یہ سن کر حکیم صاحب حیران رہ گئے، کہاں دہلی، کہاں دھام پور! مرغ کے سلسلے میں بات بھی ہوئی تو گھر کی چھانڈیواری میں حضرت نے کہاں سے سن لیا؟ — ہاں جب چشم بھٹیرا ہو جاتی ہے تو جو اس شخصہ میں قیامت کی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں، یہ بات اہل دل ہی سے سمجھ میں آسکتی ہے، اہل عقل کیا جانیں کہ ان کا بھروسہ ظاہری اسباب علی پر ہے، باطنی علت و معلول کی دنیا ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔

(۳)

سرنہ شریف سے چلتے وقت جب اسٹیشن پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مراد آباد جانے والی گاڑی آرہی ہے، حکیم صاحب کو اسی گاڑی سے جانا تھا، حضرت کو دوسری گاڑی سے جو بعد میں آنے والی تھی — حکیم صاحب نے عرض کیا :-

”تیں اس گاڑی میں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ حضو والا میرے بعد جائیں گے یہ بے ادبی مجھ سے ہو سکے گی۔“

دریائے محبت جوش میں آیا، حضرت نے حکیم صاحب کو قریب بلا کر گلے لگا لیا اور فرمایا کہ تم راضی و خوش ہیں؟ پھر فرمایا سوار ہو جاؤ، وہی ہو گا جو تم چاہتے ہو۔ — حکیم صاحب سوار ہو گئے، گاڑی چل پڑی، ابھی دو تین اسٹیشن گزرے ہوں گے کہ ایک اسٹیشن پر روک دی گئی — معلوم ہوا کہ پہلے دہلی والی گاڑی جائیگی پھر یہ گاڑی چلے گی — وہی ہوا جو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا۔ دہلی پہنچ کر حکیم صاحب کے نام جو حضرت کا مکتوب گرامی آیا، اس میں تحریر تھا :-

”فقیر تمام راستے تمہارے قلب پر مطلع ہوتا رہا، دیکھا کہ ہماری گاڑی آگے نکل گئی اور تمہاری بعد میں چلی۔“

(۴)

۱۳۷۲ھ میں ۲۷ رمضان المبارک کو دوپہر کے وقت حکیم صاحب قیلولہ کر رہے تھے، گرمی سخت تھی، ٹوچل نہ ہی تھی، اچانک ایک نڈا سے غیبی سنی، کہنے والا کہہ رہا ہے :-
”سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔“

آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام جگہ بقعہ نور بنی ہوئی ہے نہ وہ مکان ہے جہاں سو رہے تھے، نہ وہ جگہ ہے، ایک سمع و عرض میدان ہے، دھوپ خوب کھل رہی ہے مگر تیزی بالکل نہیں، آنکھ سے دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ کھلتی نہیں چکا چونڈ ہو ہو جاتی ہے۔ یہ گمان ہوا کہ شاید عالم خواب ہے مگر جب انگلی کو دانتوں میں دبایا تو معلوم ہوا کہ عالم بیدار ہی ہے بہت دیر تک یہ حالت قائم رہی۔

(۵)

ایک فوج حضرت دھام پور تشریف لے گئے، بکثرت لوگ مرید ہوئے، جس مکان کی بالائی منزل پر حضرت کو ٹھہرایا تھا اس کے مالک اور ان کی اولاد حضرت غوث اعظمؒ سے خاص محبت رکھتے تھے، جب حضرت سے ان لوگوں کو داخل سلسلہ کرنے کے لئے عرض کیا گیا تو فرمایا :-
”میاں حکیم صاحب ان کو تو خاندان قادریہ میں بیعت کرنا ہوگا، اس لئے ان سب کی رشتہ اسی طرف پاتا ہوں۔“
حضرت کے علم میں بظاہر ان لوگوں کے رجحانات نہ تھے مگر علم باطن سے سب کچھ دریافت فرمالیا۔

(۶)

قیام دھام پور کے زمانے میں حکیم صاحب نے اپنے پانچ سالہ صاحبزادے کو بیعت کے لئے پیش کیا، تو فرمایا :-

”ابھی اس مسافر کو نہ بھیجو، جلدی نہ کرو۔“

اس واقعہ کے ایک سال بعد ہی صاحبزادے کا انتقال ہو گیا، انتقال سے قبل اس سے جو باتیں خدو میں آئیں وہ اس عمر کے بچوں سے مستبعد ہیں۔ صاحبزادے کے انتقال کی خبر جب حضرت کو ملی تو حکیم صاحب کو صبر کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ ”جو کی کو صبر کرو“۔ چنانچہ صاحبزادے کے انتقال کے آٹھ روز بعد ان کا بھی

انتقال ہو گیا۔

④

بیوی کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد جب حکیم صاحب نے دوسری شادی کرنا چاہی اس سلسلے میں حضرت کو خط لکھا تو جواباً تحریر فرمایا :-

”کہیں پیغام نہ دو، اگر فقیر کو راضی رکھنا چاہتے ہو تو جو گھر میں ہے اسی سے شادی کر لو، تمہیں نہیں نہیں معلوم کہ مرحومہ نے اپنی بہن کو کیا وصیت کی ہے۔“

حکیم صاحب کی بیوی کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا، ایک سالی تھیں جو حکیم صاحب کی کفالت میں آگئیں، حضرت کا اسی طرف اشارہ تھا۔ حکیم صاحب نے اپنی والدہ سے حضرت کے مکتوب گرامی کا ذکر کیا تو انہوں نے مرحومہ کی بہن سے حقیقت حال دریافت کی، معلوم ہوا انتقال الیٰ ات مرحومہ نے اپنی بہن سے کہا تھا :-

”یہاں کا نمک کھایا ہے اب یہاں سے نہ جانا، پوری طرح خدمت کرنا۔“

⑤

ایک دفعہ حکیم صاحب نے فتوحات رجوعات کے لئے عمل کیا، کامیابی کے بالکل قریب تھے کہ حضرت کا والا نامہ صادر ہوا جس میں تحریر تھا :-

”فقیر کو راضی رکھنا چاہتے ہو تو جو کچھ بھی پڑھ رہے ہو ختم کر دو اور راضی بننا ہو۔“

⑥

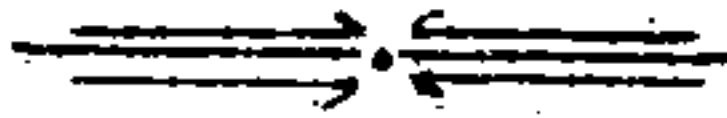
ایک دفعہ معام پور کے صوفی غلام محمد مرحوم کے صاحبزادے سبحان علی سخت بیمار ہو گئے تمام آسمے ٹوٹ چکے تھے، ڈاکٹروں نے جواب دیا تھا حضرت کی خدمت میں دوا کے لئے دہلی عرض کیا گیا، خط یہ بھیجنے کے دوسرے ہی روز صبح نماز فجر کے بعد صاحبزادہ موصوف پر غشی طاری ہو گئی، برابر سیہوش پڑے رہے، کافی دیر بعد عزیزوں نے بشکل بیدار کیا تو آنکھیں کھولیں اور کہا :-

”میں اچھا ہو جاؤں گا، میں نے پہچان لیا ہے، حکیم محمد عاقل منہری مجھے علاج کے لئے دہلی لے گئے ہیں مگر وہاں ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو مجھے مسجد فتح پوری میں لیجا کر ڈال دیا کہ اس کمزوری کی حالت میں کہاں لیجاؤں، جب حضرت صاحب نے مجھے دیکھا تو مسکرائے، میرے بدن پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ یہ اچھا ہو گیا، پھر حکیم صاحب مجھے اپنی

۴۳۳

پیٹھ پر اٹھا کر لے آئے، اتنے میں مجھے تم لوگوں نے جگا دیا۔
اس واقعہ کے دوسرے روز حضرت کا گرامی نامہ ملا جس میں تحریر تھا :-
”دعا کی جارہی ہے، خدا صحت فرمادے گا۔“
دعاؤں کی تاثیر دیکھنی ہو تو حضرات اہل شہر کے ہاں دیکھئے، قرآن کریم اس پر شاہد
عادل ہے :-

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَتَ الدَّاعِ
إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلَعَلَّهُمْ يَرْحَمُونَ



سوالیہ باب

معاصرین علماء و صوفیہ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

معاصرین علماء و صوفیہ

حضرت قبہ قدس سرہ العزیز نے چوں کہ ۸۳ سال کی عمر طویل رہائی اس لئے معاصرین علماء و صوفیہ کی ایک طویل فہرست کا ابتدائی عہدہ کے علماء و صوفیہ کا علم حضرت کی تصانیف سے ہوتا ہے چنانچہ رویت ہلال کے بارے میں ۱۳۵۷ھ میں دہلی سے ایک فتویٰ شائع ہوا تھا اس میں حضرت نے ضمناً ان حضرات کا ذکر کیا ہے جو حضرت کے عہد مبارکہ میں گزرے ہیں، مثلاً :-

- ① مولانا شاہ ابوالخیر صاحب ② مولانا عبدالحکیم دہلوی ③ مولانا سید زبیر حسین ④ مولانا محمد شاہ صاحب ⑤ مولانا ابوالخیر صاحب ⑥ مولانا عبدالرشید صاحب ⑦ مولانا مفتی محمد یعقوب صاحب ⑧ مولانا کریم اللہ صاحب ⑨ مولانا محمد عمر صاحب ⑩ مولانا احمد سعید صاحب ⑪ مولانا عبدالعلی رحیم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۵ء میں دہلی سے حضرت کا ایک محققانہ فتویٰ کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اس فتویٰ پر پاک ہند کے بہت سے علماء کرام نے تصدیقی دستخط ثبت کئے تھے یہ سب کسب کشتی کسی طرح حضرت سے واقف تھے اور حضرت کی علمیت و تفقہ کے دل سے معترف چنانچہ بعض حضرات نے اس کا اظہار بھی کیا ہے، ان حضرات میں یہ علماء کرام شامل ہیں :-

- (۱) مولانا احمد علی محدث، صدر مدرسین مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتح پوری، دہلی (۲) مولانا سید حامد دہلوی (۳) مولانا یار محمد دہلوی (۴) مولانا محمد الدین سنبھلی (۵) مولانا عبدالباقی، مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری (۶) مولانا محمد نسیم احمد شاہی امام سنہری مسجد دہلی (۷) مولانا سید طاہر حسین شاہی امام عید گاہ، دہلی (۸) مولانا عبدالمجید سری، مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری (۹) مولانا محمد سلیمان چشتی پھوار، (۱۰) مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (۱۱) مولانا احمد مختار الصدیقی، صدر جمعیتہ علمائے صوبہ بمبئی (۱۲) مولانا معوان حسین مجذبی خلیفہ مولانا ارشد حسین رامپوری (۱۳) مولانا محمد ابراہیم الپاسنی، ناظم جمعیتہ الاحناف صوبہ ہند (۱۴) مولانا محمد کریم علی، ناظم علی جمعیتہ الطلاب صوبہ متحدہ (۱۵) مولانا وحی احمد (۱۶) مولانا محمد جعفر شاہ پھوار، ندوی (۱۷) مولانا ابوالنصر کمال الدین، ہاشمی مدرسہ قادریہ محمودیہ، موضع اویسی، ضلع پشاور (۱۸) مولانا

شاہ سلامت اللہ (۱۹) مولانا خلیل اللہ محدث مدرسہ مطہر العلوم، ریاست رام پور (۲۰) مولانا
محمد بیات اللہ رام پوری (۲۱) مولانا محمد رشید الرحمن ام پوری (۲۲) مولانا حبیب الدین رام پوری
(۲۳) مولانا مقصود احمد رام پوری (۲۴) مولانا یار محمد کابلی (۲۵) مولانا عبدالحکیم کابلی (۲۶)
مولانا نذیر پشاور (۲۷) مولانا احمد الدین کنجالی ضلع شاپور (۲۸) مولانا غلام احمد شاپوری
ساکن نوشہرہ (۲۹) مولانا فضل جان جلال آبادی، کابل (۳۰) مولانا سید مبارک علی بہرائی
قصوی، (۳۱) مولانا سید عبدالحق شاہ قصوی (۳۲) مولانا عبدالحق قصوی (۳۳) مولانا
عطاء محمدی (۳۴) مولانا نجم الدین ساکن بسی (۳۵) مولانا محمد صدیق دیوبندی (۳۶) مولانا
محمد ضیاء الدین چیمبر (۳۷) مولانا نظیر محمد نقشبندی سندھی، مدرس مدرسہ احمدیہ مجریہ (۳۸)
مولانا محمد احمد ہلوی (۳۹) مولانا محمد ابراہیم خلیل چشتی (۴۰) مولانا محمد شمس الاسلام منیر مولانا
عبدالحکیم ہلوی (۴۱) مولانا محمد عبدالحق خان مدرس مدرسہ اسلامیہ نعمانیہ دہلی (۴۲) مولانا
محمد شریف اللہ مدرس مدرسہ مذکور (۴۳) مولانا عبدالحق ہلوی (۴۴) مولانا محمد الفخاں،
قادیسی سرہندی مدرس مدرسہ نعمانیہ مذکور (۴۵) مولانا ریحان علی مجری (۴۶) مولانا عبدالحق
لدھیانوی (۴۷) مولانا غلام علی، مہتمم مدرسہ تفضیلیہ حنفیہ دہلی (۴۸) مولانا عبدالحق (۴۹)
مولانا محمد زین بلند شہری (۵۰) مولانا محمد اہمل قادری صہبلی۔

اسی طرح ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں حضرت قبلہ کا ایک وفتویٰ تحقیق الحق کے نام سے دہلی سے
شائع ہوا، اس میں بکثرت علماء کے تصدیقی دستخط ہیں، یہ سب حضرت کے معاصرین میں تھے اور حضرت
کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے من جہاں کے چند حضرات یہ ہیں۔

(۱) شیخ المفسرین مولانا محمد صدیق، پروفیسر دہلی کالج (۲) مولانا سید محمد شہید سی امام جامع مسجد
دہلی، (۳) مولوی قطب الدین امام مسجد شاہی ترکان دروازہ دہلی (۴) مولوی محمد عبدالمصطفیٰ عارف
مدیس مدرسہ عینیہ دہلی (۵) مولانا محمد شفیع وارثی (۶) مولانا محمد عبدالحق خٹک الرشید مولانا عبدالحق
دہلی (۷) مولانا ملا جان، مدرس مدرسہ تفضیلیہ دہلی (۸) مولانا مستجاب خان مدرس مدرسہ مذکور (۹)
مولانا محمد عبدالحق مدرس مدرسہ مذکور (۱۰) مولانا ابراہیم خلیل نقشبندی دہلی (۱۱) حافظ محمد حسین
واعظ (۱۲) مولانا محمد حمید اللہ مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری (۱۳) مولانا محمد عبدالحق، مدرس
مدرسہ مذکور (۱۴) مولانا عبدالحق مدرسہ مذکور (۱۵) مولانا عبدالحق رزاق، مدرس مدرسہ مذکور (۱۶)
مولانا غلام قادر ہلوی تلمیذ رشید مولانا محمد کفایت اللہ مرحوم (۱۷) مولانا محمد عبدالحق مدرس دارالعلوم

معینہ عثمانیہ اجمیر شریف (۱۸) مولانا سید محمد بخاری دہلوی (۱۹) مولانا حبیب اللہ قادری خطیب
خیر المساجد خیرنگر (۲۰) مولانا محمد حسین بریلوی میرٹھی (۲۱) مولانا یوسف علی مدنی مدرسہ اسلامیہ
میرٹھ (۲۲) مولانا ابوالخلیل سید محمد احمد قادری الوری (۲۳) مولانا عبدالحفیظ قادری مدرسہ
نعمانیہ دہلی (۲۴) مولانا محمد عبدلقدار فرنگی محلی (۲۵) مولانا محمد روح اللہ فرنگی محلی (۲۶) مولانا
انجلی اعظمی (۲۷) مولانا محمد علی مدرس دارالعلوم معینہ عثمانیہ اجمیر شریف (۲۸) مولانا محمد حسین
مدرس مدرسہ مذکور (۲۹) مولانا محمد حلیہ مدرسہ مذکور (۳۰) مولانا ابوالاعلیٰ زامتیاز احمد انصاری
مدرس مدرسہ مذکور (۳۱) مولانا محمد اسرار ہیم قادری بدایونی (۳۲) مولانا محمد عبدالحامد بدایونی،
شمس العلوم، بدایوں (۳۳) حضرت مولانا محمد عبداللہ مدرس مدرسہ معینہ عثمانیہ اجمیر شریف نے
تصدیق و مستحکم کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

لِلّٰهِ الْفَاضِلُ الْمَجِيبُ قَدْ سَلَكَ جَادَةَ التَّحْقِيقِ وَاجَادَ جَوَابًا
مَفْضَلًا مَبْرَهَنًا بِأُصُولِ الدِّينِ وَالشَّرْعِ، هَذَا يَنْبَغِي أَنْ يَفْضَلَ
وَلَقَدْ احْسَنَ وَمَعَانَ نَظَرَ فِي مَوَاسِدِهِ وَمَا حَدَّثَ -

(۳۴) مولانا محمد حمایت علی، مدرس دارالعلوم میرٹھ نے ان الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے۔
انی رأیت ما اجاب المفی محمد مظلوم للہ الذی ہو من العلماء
العظام الشہیر بکثرنا ہذا وعنیز فضلہ بن الخواص العوام
ومتع المسلمین اللہ تعالیٰ بطول بقائه الی یوم الدین بجاء
سید المرسلین، آمین، فالحق انہ قد تجوز واجاد فیما اجاب
وافادجن اہ اللہ تعالیٰ عن المستفیدین خیر الجزاء وجعلہ
بہ ممن یشوق المدح والثناء کاتبہ الحافظ السید محمد
حمایت علی غفرلہ الولی -

حضرت کی علمیت متفقہ اور زبردستی کا شہرہ دور دور تھا، ایک مرتبہ مولانا عبدالمجاہد
دریا آبادی نے اقم الحروف کے نام ایک مکتوب (محرر ۱۶ جولائی ۱۹۵۹ء) میں تحریر فرمایا تھا
آپ کے والد صاحب کے بھی نام سے کون ناواقف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان ہندو
بیرون ہند کے اکثر و بیشتر علماء و حضرات کی ذات گرامی سے متعارف تھے اور احترام کی نظروں
سے دیکھتے تھے، اکثر علماء کے اسماء گرامی اور ذکر کئے جاتے ہیں، جن علماء و صوفیہ کے حالات

معلوم ہو سکے ہیں جو حضرت سے خاص تعلق خاطر رکھتے تھے، ان کی اجمالی سوانح اور جن حضرات کی راقم نے خود زیارت کی ہے ان کے اجمالی خاکے پیش کئے جاتے ہیں :-

حضرت محمدؐ، حضرت خواجہ محمد مصومؒ، حضرت خواجہ محمد حسنؒ، حضرت خواجہ محمد حسنؒ، حضرت خواجہ محمد حسنؒ

حضرت خواجہ محمد حسنؒ کی ولادت باسعادت ۶ شوال المکرم ۱۲۸۸ھ کو قندھار میں ہوئی۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد اور دیگر علماء عصر سے کی، متبحر عالم اور باکمال صوفی تھے، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرماتے تھے۔ زہد علم کے علاوہ آپ کی سیرت مبارکہ کی امتیازی خوبی استقامت و ثبات قدمی تھی، ۱۳۸۸ھ میں زلزلہ کے زمانے میں آپ مع اہل و عیال کوٹہ میں مقیم تھے، گھر کے گیارہ افراد آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے لقمہ اجل بن گئے مگر ثبات و استقامت میں ذرا تزلزل نہ ہوا، اپنی نگرانی میں تہذیب و تحفہ کرائی اور اپنے ہاتھوں سے سب کو علی علیہ السلام دفن فرمایا، ایسی مثالیں تاریخ عزیمت میں بہت کم ملیں گی۔

جو مرگ آید تبسم بر لب و ست

نشان در سو من با تو گویم

صوبہ سندھ کی سیاست میں بھی آپ نے عملی و نظری طور پر حصہ لیا، آپ مولانا شرف علی تھانوی کی طرح ایسی جماعت میں شرکت جہاں سمجھتے تھے جس کی پیشوائی غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہو اسی لئے جب خلافت کمیٹی کا سرپرست آنجنابی کا ندھی کو بنایا گیا تو آپ نے مخالفت کی، جب مسلم علماء نے ہندوستان کے مسلمانوں کو افغانستان میں ہجرت کرنے کی ترغیب و تحریک کی اور لوگوں کے قافلے جوق در جوق افغانستان جانے لگے تو آپ نے سخت مخالفت کی، ترک موالات کی تحریک کو اسلامی روح کے منافی سمجھتے تھے غیر مسلموں سے موالات و مواخات اور نصاریٰ سے ترک موالات ایک عجیب و غریب بات لگتی تھی جس کو ایک مسلمان فقہیہ کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتا، آپ بڑے باکمال عن سخن و سخن گو تھے، مگر شعر گوئی کو اپنا شعار نہیں بنایا، جب کبھی شعر کہا تو ڈوب کر چناں چہ اپنے مرحوم صاحب ادب کے فراق میں جو مثنوی کہا ہے اس کا

مطلع ہے :-

بے تواسے راحت دل نعمت و نیا چہ کنم
جان شیریں چہ کنم ویدہ بینا چہ کنم
علم سے جو قلبی لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے کتب خانے
میں بیش بہا علمی نوادرات جمع تھے ساتویں صدی ہجری کے مسلمان مصنفین کی خود نوشتہ ،
تصانیف موجود تھیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خود نوشتہ مکاتیب گرامی کا ایک
اہم مجموعہ تھا جو آپ نے عزم معین الدین تومی کو لکھے تھے ، اس کے علاوہ اور بہت سے نوادرات
تھے جو اب ان کے صاحب زادگان کے پاس محفوظ ہیں ۔

آپ کی تبحر علمی کا اندازہ ان تصانیف سے ہوتا ہے جو آپ نے یادگار چھپوئی ہیں ان
میں سے چند ایک یہ ہیں :-

- (۱) شفاء الامراض (۱۲۱۴ھ) (۲) انیس لمریدین (۱۳۱۶ھ) (۳) حج گنج (۱۳۲۰ھ)
- (۴) سفرنامہ عربستان (۱۳۳۳ھ) (۵) تذکرۃ الصالحاء فی بیان الاتقیاء (۱۳۳۶ھ) (۶)
- النساب الانجاب (۱۳۴۰ھ) (۷) شرح حکم شیخ معطاء اللہ سکندری (۱۳۴۴ھ) (۸)
- الاصول الاربعہ فی تردید الولوجیہ (۱۳۴۶ھ) (۹) طریق النجات مع رسالہ التتویر فی ثبات
التغیر (۱۳۴۹ھ) (۱۰) رسالہ رقاوۃ تجوید (۱۳۴۹ھ) (۱۱) العقائد الصحیحہ فی بیان شہب
اہل السنۃ والجماعت (۱۳۶۰ھ) (۱۲) الاشواق الی البشارۃ ، (۱۳) رسالہ فی باب
صحتہ المجمعۃ فی القرئی ، (۱۴) لغات القرآن وغیرہ وغیرہ ۔

حضرت خواجہ محمد حسن جان کا وصال ۱۳۶۵ھ میں شندروسائیں (اد) (مغربی پاکستان)

ہوا ۔

حضرت خواجہ عبداللہ جان المعروف بشیخ اعظم
خواجہ محمد حسن جان رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند
اکبر ہیں ، ۸ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ میں ۔

شندروسائیں (اد) (مغربی پاکستان) میں ولادت ہوئی ۔ مادہ تاریخ ولادت ہے ”نجم برج
فضل و کمال“ ۔ ابتدائی تعلیم الدراجہ سے حاصل کی پھر گیارہ سالہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ
میں کمال حاصل کیا ، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اپنے والد مرحوم کے جانشین ہیں ، فی الحقیقت
آپ کی صحبت فیض سے خالی نہیں ۔

بڑے متوسع و متقی بزرگ ہیں فی زمانہ ایسا زہد تقویٰ شاذ و نادر ہی ملے گا، سلف صالحین کی سچی یادگار ہیں، علم ادب کا ایسا شوق ہے کہ باوجود کبر سنی اور ضعف و نقاہت مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں آپ کی گفتگو علمیت و معلومات سے بھرپور ہے، بیشمار مریدین و معتقدین ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی کتاب مونس المخلصین خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

حضرت قبلہ قدس سرہ الخیرین سے بے حد محبت و انسیت فرماتے ہیں، اس کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۷ء میں کوٹہ کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا سالم کھانہ بن حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے ہاں کھانے پر مدعو تھے یہ فقیر بھی مدعو تھا، برسوں کے بعد ہاں ملاقات ہوئی، حضرت مولانا سالمؒ نے تعارف کرایا تو بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ آپ کے والد مرحوم سے ہم کو خاص تعلق و محبت ہے اسی نسبت سے آپ سے بھی محبت ہے، ہمارے ہاں ضرور تشریف لائیں خوشی ہوگی۔ چنانچہ حاضر ہوا بڑی شفقت فرمائی اور باوجود ضعف و نقاہت ایک گھنٹے نشست رہی، خصوصی دعاؤں سے نوازا اور اپنی تالیف مونس المخلصین عنایت فرمائی۔

اللہ شہد کہ حضرت ممدوح بقید حیات ہیں اور ٹنڈو وسائیں اور (سمری پاکستان) میں اپنے والد مرحوم کی جائیداد کے فرائض انجام دے رہے ہیں تین چار ماہ کوٹہ میں قیام فرماتے ہیں اور اس علاقے کے لوگوں کو بھی اپنے علمی اور روحانی فیض سے مستفیض فرماتے ہیں۔

آپ خواجہ محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحب زادے ہیں، خوبصورت و خوب سیرت، آپ **مولانا محمد ہاشم جان صاحب** کو دیکھ کر بیسائنتہ قرآن پاک کی آیت یاد آتی ہے قَتَبْنَاكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ کی تفسیر مشاہدہ کرنی ہو تو آپ کی زیارت کی جائے۔ آپ ۱۳۲۲ھ میں ٹنڈو وسائیں (میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی پھر اجیر شریف تشریف لے گئے اور ہاں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ میں داخلہ لے لیا، مشہور فلسفی اور عالم حضرت مولانا معین الدین اجیری اور دیگر اساتذہ سے پڑھا اور سند تکمیل حاصل کی، اجیر شریف ہی میں حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین) سے فن طب کی تحصیل کی اور بڑی مہارت پیدا کی۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا صاحب ممدوح منجہ عالم، اکمال مقرر اور ماہر طبیب ہیں، ان

ان کی تقاریر سے بحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے سندھ کا باشندہ ہوتے ہوئے اردو اتنی صاف اور رواں بولتے ہیں کہ اہل زبان کا کماں ہوتا ہے موسم گرام میں کوئٹہ تشریف لاتے ہیں ورتین چا ماہ قیام فرماتے ہیں، آپ کے دولت کدے پر کتب خانہ میں بکثرت قلمی نوادر ہیں جو قابل دید ہیں۔

حضرت مولانا نے ممدوح کو حضرت قبیلہ سے خاص لگاؤ اور محبت ہے اور حضرت کو بھی بہت محبت نسبت تھی چناں چہ ایک مرتبہ جب دہلی تشریف لے گئے تو حضرت نے اپنے کمرہ خاص میں ٹھہرایا، حالاں کہ اس کمرے میں عام طور پر مہمان نہیں ٹہرتے تھے۔ بہت کم حضرات اس کمرے میں قامت گزریں ہوئے ہیں، صرف وہی لوگ ٹہرے ہیں جن سے حضرت کو بے انتہا محبت تھی، مثلاً حضرت مولانا رکن الدین شاہ الوری، حضرت نور المشائخ ملا شور بازار کابلی، مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی، حضرت صد المشائخ فضل عثمان جی دہلی، حضرت مفتی محمد محمود الوری وغیرہ وغیرہ۔

کوئٹہ کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا نے ممدوح نے اقام پر بڑا کرم فرمایا اور دوبارہ غریب خانے پر تشریف لائے، یہ اسی تعلق خاطر کا مظہر ہے جو مولانا سے موصوف کو حضرت قبیلہ سے ہے۔

حضرت مولانا بھی سنڈ و سائیں اور میں قامت گزریں ہیں، کوئٹہ میں بھی دولت خانہ ہے موسم گرام میں تشریف لاتے ہیں وراس علاقے کے لوگوں کو اپنے علمی اور روحانی فیض سے مستفیض فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ مولانا سے ممدوح کے فیض کو جاری و ساری رکھے آمین

آپ حضرت خواجہ محمد حسن جان رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا محمد اسحاق جان صاحب سرنیدی کے برادر خور و خواجہ محمد حسین جان رحمۃ اللہ

علیہ کے پوتے اور حضرت مولانا محمد اسماعیل جان سرنیدی کے فرزند رشید ہیں، آپ کے جد امجد متبحر عالم اور باکمال شاعر تھے، سرنیدی تخلص کرتے تھے، ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے جو ان کے کمال شاعری پر شاہد عادل ہے، آپ کے والد ماجد بھی باکمال شاعر تھے اور روشن تخلص کرتے تھے، ان کا دیوان بھی شائع ہو چکا ہے جس سے موصوف کی علمیت اور

لے آپ کی شاعری پر اقام کا ایک تحقیقی مقالہ بعنوان آفاق سرنیدی ماہنامہ قومی زبان (کراچی) ۱۹۶۱ء میں شائع

عکمال شاعری کا اندازہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ حضرت مولانا محمد اسحاق جان المعترف بہ پیر سہروردی
عالم اور شاعرین سخن فہمی کا بڑا نکھار ہو اذوق رکھتے ہیں، اور خوب شعر کہتے ہیں، آپ کی
تصانیف میں سفر نامہ ایران اور سفر نامہ شام قابل ذکر ہے۔

مولانا کو حضرت سے بڑی محبت و انسیت ہے، اکثر حضرت کی تعریف میں طب اللسان
رہتے ہیں حضرت بھی آپ پر بڑی شفقت اور محبت فرماتے تھے، جہاں چہ ۱۹۹۱ء میں جب
دوسری بار پاکستان تشریف لائے تو ایک وزیر پور خاص میں آپ کے ہال اقامت
گزیں ہوئے۔۔۔۔۔ حضرت مولانا بھی وہی تشریف لے گئے ہیں نو عمری کے زمانے میں
بھی اور پھر اس کے بعد بھی، اس لئے یہ تعلق و محبت دیرینہ ہے۔

مولانا نے موصوف خطوط نگاری میں بڑا کمال رکھتے ہیں اور بہت خوب تحریر فرماتے
ہیں یہاں ایک مکتوب نقل کیا جاتا ہے جو راقم کے نام ارسال فرمایا تھا :-

رفتی زودیدہ، یاد تو از دل نمی رود
از شیشہ گر گلاب رود بونہی رود

منع اخلاق و اشتقاق سلکیم بکرم ابقاکم

سلام فرما۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ پروفیسر صاحبان میری مشایعت میں چہل قدمی کرتے ہیں، وہ
اپنی صداقت و موثرت کا دم بھر تسمین عزیزم قدیر سلیم سے پیش پیش ہیں مگر آپ کے ساتھ قدیمی
محبت اور جدی رشتہ لازم ال ہے :-

پھولوں کو نار حسن اگر ہے تو ہو جگر
کانٹے بھی ہیں غرور گلستاں لٹوئے
افسردہ کے اُس طبقہ سے میری محبت ہوتی ہے جو علم و دست ہو، غرور و نوخت سے مبرا ہو۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز (جگر)
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

حضرت مرحوم والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یادوں جوں فرقت زیادہ ہوتی جائیگی اضافہ ہوتا رہے گا
کیوں کہ اس جیسا محسن عظیم کوئی نہیں تھا، جس کے نمک سے گوشت بوست بنا، جس کی تربیت کاوش
و کوشش سے انسان بنے، ایسے شخص کو بھلا ناسر اسرنا انصافی ہے میرا بھی یہی حال ہے مگر
ایام کے ساتھ یاد تازہ ہوتی جاتی ہے، کبھی کبھی خواب میں زیارت ہوتی ہے، دیر کے بیٹھنے

اوزنگ زیب کو کیا خوب جواب دیا تھا :-

ہجر دارا بر دل ماکتر از یعقوب نیست

اولی سرگم کردہ بودہ ، ما پدر گم کردہ ایم

حضرت سالم صاحب شریعت کا پیالہ میں زید صاحب اس سے بھی زیادہ — اس قحط الحال میں ان کا مثیل بھی مشکل ہے،

زاد بہ نماز و روزہ خبطے دارد عاشق بہ مئی مدام ربطے دارد

معلوم نہ شد کہ یار مسافر ز کیست ہر کس بخیاں خویش خبطے دارد

خبر نہیں کہ آپ کو کب نے انہ پانی میں پور لائے گا، موسم بہت خوشگوار ہے دن کو ہوا زیادہ ،
راتیں پُر کیف :-

خوش آں زمان کہ بیانی گویم و پرسم
خوش آمدی و خوش ہستی و خوش است (روشن)

میں نے گزشتہ سال کے سفر میں بلاد اسلامیہ کا سفر نامہ لکھا تھا جو تین چار سو صفحات پر مشتمل ہے مصروفیت کی زیادتی کی وجہ سے مکمل نہ کر سکا، سفر نامہ ایران کی آپ نے تصحیح و تدوین کی اس لئے شہر آفاق ہو گیا، ملتیں ہوں کہ اس پر بھی نظر عاطفت ہو۔ — اب تو زمینداری عذاب ہو گئی ہے اس ماہ میں فقط کل اتوار کو گھر میں رہا، اقبال تو کام کی سرغیب تیا ہے ہم گوشہ عزلت کی تلاش میں ہیں :-

توانی زندگانی نرم خیز است
حیات جاوداں نہ ستیز است

سپار بزم بر ساحل کہ آں جا
بدریا غلط با محوش در آویند

زیادہ کیا لکھیں :-

گرہ ز جبہ کشادہ بندہ رہاں بستند
عاصی دعا گو

جفا کشان محبت لب انفعال بستند

محمد اسحاق مجذبی

(محرم ۵ جون ۱۹۶۷ء، از میر پور خاص۔ کوٹہ)

حضرت ملا شوبر بازہ ارکابی قدس سرہ العزیز

بر جمادی الاول ۱۳۸۶ھ کو خانہ ان مجذبی

نور المشائخ حضرت ملا شوبر بازہ ارکابی رحمۃ اللہ علیہ

پیدا ہوئے۔۔۔۔۔ معاصرین علماء سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے بعد اپنے والد ماجد حضرت غلام قیوم رحمۃ اللہ علیہ سے علوم باطنیہ کی تحصیل کی اور کمال حاصل کیا، والد بزرگوار کے انتقال کے بعد سند شیعیت میں فائز ہوئے، آپ کے مریدین افغانستان، ایران، پاکستان، ہندوستان اور جاز میں پھیلے ہوئے ہیں، آپ کے صاحبزادگان میں حضرت صدر المشائخ فضل عثمان صاحب اور حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم صاحب نے خاص امتیاز حاصل کیا۔
دوسری جنگ عظیم کے دوران حضرت ملا شو باز ار نے نہایت جوش و خروش سے مسلمانوں کی مدد کی، اور افغانستان کے جنوبی محاذ (وزیرستان) پر عملی جہاد میں بھی حصہ لیا، انہیں کی روحانی قوت اور توفیق الہی سے انگریزوں کو شرمناک شکست اٹھانی پڑی اور افغانستان کو حقیقی آزادی نصیب ہوئی۔

شاہ امان اللہ نے ملا شو باز ار کو نور المشائخ کے خطاب سے نوازا اور تمغہ المعالی عطا فرمایا یہ تمغہ افغانستان کی تاریخ میں ج جگہ کسی کو نہیں دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود جب شاہ امان اللہ سے بچہ سقہ نے حکومت چھین لی اور امان اللہ سے چند خلاف شرع باتیں سرزد ہوئیں تو حضرت نور المشائخ بادشاہ سے ناراض ہو کر کاٹھیاواڑ تشریف لے گئے اور امان اللہ کی بے درپے درخواست کے باوجود برابر انکار فرماتے رہے آپ نے بادشاہ سے یہی کہا کہ جب تک وہ خلاف شرع باتیں ترک نہیں کرے گا وہ وطن واپس نہیں ہوں گے۔

جب امان اللہ خان اٹلی چلے گئے اور افغانستان پر بچہ سقہ قابض ہو گیا تو اس غاصبانہ قبضہ کو آپ نے گوارہ نہ کیا، بچہ سقہ کا کردار بھی اچھا نہ تھا اس لئے حضرت نور المشائخ نے محمد نادر شاہ شہید کو افغانستان آ کر حکومت سنبھالنے کی دعوت دی، محمد نادر شاہ، امان اللہ خاں کی مذہب میں مداخلت سے سخت ناراض تھے اور ترک وطن کر کے فرانس میں مقیم تھے، چنانچہ حضرت نور المشائخ کے ایما پر پیرس سے روانہ ہوئے اور افغانستان جاتے ہوئے بمبئی میں حضرت نور المشائخ سے ملاقات کی، اس کے بعد شمال مغربی سرحدی علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت نور المشائخ بھی پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان اور لکی مروت وغیرہ تشریف لے گئے اور مریدین کو نادر شاہ کیساتھ مل کر جہاد کی ترغیب کی، بالآخر نادر شاہ کو کامیابی ہوئی چنانچہ اس نے حضرت نور المشائخ کو افغانستان کا وزیر عدلیہ مقرر کیا۔۔۔۔۔ لیکن کچھ عرصہ بعد نادر شاہ کو ملک و قوم کے دشمن عبدالخالق نے شہید کر دیا، ملک میں بدمعاشی پھیل گئی لیکن اس تلخ موقع پر حضرت

نورالمشاخ نے اپنی تقاریر اور بیانات سے ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر ساری فوج اور عوام کو ظاہر شاہ کا وفادار بنا دیا۔ اور ظاہر شاہ کو تخت سلطنت پر متمکن کیا۔
حضرت نورالمشاخ نے ملت اسلامیہ کے لئے نمایاں خدمات انجام دی ہیں، بیٹی کے زائے قیام میں قائد اعظم محمد علی جناح ایک قدرے کراپ کے پاس آئے جس میں خواجہ ناظم الدین رحیم شہید ملت لیاقت علی خان اور عبدالرب نیشتر مرحوم شریک تھے، آپ نے مسلمانوں کی اعانت کا ان کو یقین دلایا چنانچہ کاٹھیاواڑ اور گجرات کے علاقوں میں آپ کے مریدین نے ملت اسلامیہ کے مقصد عالی کی پوری پوری تائید کی اوصاف ویرا سہیل خان وغیرہ میں بھی اپنے اندر سوخ سے پورا پورا کام لیا، پاکستان کی تشکیل کے بعد جب پاکستان و افغانستان کے درمیان رخس کی صورت ہو گئی تھی حضرت نورالمشاخ نے اس خلیج کو کم کرنے کی پوری پوری کوشش فرمائی، پاکستان تشریف لائے حکومت پاکستان کے سرکاری مہمان ہوئے اور جبکہ تقاریر فرما کر فضا کو طبعی حد تک ہموار کیا۔

حضرت نورالمشاخ نے وفات سے چھ سال قبل آخری اور تیسرا حج فرمایا، واپسی پر گوشہ نشین ہو گئے، وفات سے تین روز قبل فرمایا کہ آج سے تین دن بعد میں نہ ہوں گا۔ مریدین کو قرآن اور سنت کی پیروی کی تلقین و وصیت فرمائی اور بالآخر ۲۵ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ کو کابل میں آپ نے صال فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت نورالمشاخ جب بھی ہندوستان تشریف لاتے حضرت قبلہؒ سے ضرور ملاقات فرماتے دونوں حضرات عزت و تکریم میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش فرماتے جو غلوصل اور محبت حقیقی کی آئینہ دار ہے۔ تقسیم ہند سے تقریباً سات آٹھ سال قبل حضرت نورالمشاخ دہلی تشریف لائے، حضرت قبلہؒ نے کھانے پر مدعو کیا، رنگارنگ کھانے پکائے گئے، مگر سب کے سب ہوی طرز کے، ان میں سے کوئی کھانا کابلی نہ تھا۔ حضرت نورالمشاخ اور ان کے ساتھ بیس بیس کابلی مریدین دعوت کے لئے تشریف لائے مسند پر رونق افروز ہوئے، کھانا چاہا، بسم اللہ کر کے جب شروع کیا گیا تو وہ کابلی حضرات جو جفاکشی اور سختی کے عادی تھے اور اودھ پکڑے گوشت کے لداوہ، نرم نرم کھانے دیکھ کر مایوس ہو گئے، اودھ ہاتھ پیچ لیا، ہمارے لئے یہ چیز ایک ممتا تھی، حضرت نورالمشاخ نے فارسی

۱۔ پاکستان ٹائمز، ۲۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔

میں فرمایا کہ ”تبرک ہے کھاؤ“ چناں چہ ذوق و شوق سے سب نے کھایا، مگر یہ گتھی اس وقت تک سلجھی جب تک اقم کا بی کھانوں سے متعارف نہیں ہو گیا۔

حضرت نور المشائخ کی عقیدت و محبت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے کھانے کو کھانا سمجھ کر نہیں بلکہ تبرک سمجھ کر نوش فرمایا اور مریدین کو بھی ہی ہدایت فرمائی۔

آپ حضرت نور المشائخ کے سب سے بڑے صاحبزادے

حضرت صدر المشائخ فضل عثمان مجذبی

ہیں جس زمانے میں افغانستان میں عراقیت اور غیر شرعی امور کی ترویج ہوئی تو آپ نے سخت مخالفت کی چناں چہ اسی وجہ سے آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے اور پاکستان میں قیام فرمایا، لاہور میں لگی برگ میں کافی عرصہ سے مقیم ہیں، صدر پاکستان محمد یوب خاں نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی۔ حضرت صدر المشائخ کو حضرت

قبلہ سے بڑی محبت و انسیت ہے، دو تین مرتبہ دہلی بھی تشریف لے گئے اور حضرت کے کمرۂ خاص میں مقیم رہے ہیں، پھر جب ۱۹۶۱ء میں حضرت پہلی بار پاکستان تشریف لائے تو لاہور کے مانہ قیام میں حضرت کی پُر شکوہ دعوت کی اور ایک و فی جنبہ پیش کیا۔ چوں کہ حضرت نمائش و ظاہراری سے بہت بچتے تھے اس لئے زیب تن نہیں فرمایا لیکن حضرت صدر المشائخ نے ازراہ محبت و عقیدت خود اپنے ہاتھ سے حضرت کو پہنایا۔

حضرت صدر المشائخ اس اقم پر بھی بڑا کرم فرماتے ہیں، ۱۹۵۵ء میں میرپور خاص تشریف لائے تو راقم کی درخواست پر کالج تشریف لائے اور اپنے ساتھ کھانے کیلئے لے گئے، پھر دیر تک صحبت رہی، کراچی میں بھی ملاقاتیں ہیں اور لاہور میں تو بارہا ملاقاتیں ہوتی ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کے دھانی فیض کو جاری رکھے آمین۔

آپ حضرت نور المشائخ کے چھوٹے صاحبزادے

حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجذبی

ہیں اور اس وقت کابل میں قلعہ جواد میں حضرت نور المشائخ کے جانشین ہیں راقم کی صرف ایک بار میرپور خاص میں ملاقات ہوئی تھی جب مداح حضرت پیر محمد اسحاق جان کی کوٹھی پر فروکش تھے، ملاقات کر کے قلبی مستر ہوئی۔

حضرت قبلہ سے ملاقات اور دہلی حاضری کا ذکر فرماتے تھے، نہایت ہی حسین و زیبہ ہیں چہرہ پر نور ہی نور معلوم ہوتا تھا، عربی فارسی کے علاوہ کئی جدید زبانوں سے واقف ہیں، بہتر عالم و دہل دل ہیں، شریعت مطہرہ پر سزا پا عامل ہیں، جب افغانستان میں شاہ ظاہر شاہ

Click For More Books

نے عریانیت کو جبراً عام کیا تو آپ نے اس کی سخت مخالفت فرمائی، اس جرم کی پاداش میں کئی سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ بہر کیف حکومت کے باؤ کے باوجود حضرت ضیاء المشائخ اپنے مسلک پرستقیم رہے اور ذرا متزلزل نہ ہوئے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندر و کل طریق

حضرت شاہ محمد الدین عبداللہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نقشبندیہ
بندہ کے مشہور و معروف شیخ طریقت اور صاحب
کشف بزرگ تھے ترکمان دروازہ (دہلی) کے قریب خانقاہ مظہریہ سعیدیہ میں مستقلاً اقامت
گزیں تھے یہی خانقاہ ہے جہاں شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ درس حدیث دیا کرتے تھے
اور بانی مدرسہ یوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے حضرت
شاہ صاحب کا شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ یہ دونوں حضرات اس خانقاہ کا اس قدر احترام کرتے
کہ جب کبھی تشریف لاتے تو جوتیاں لگی ہیں اتار کر خانقاہ میں داخل ہوتے حالانکہ خانقاہ کے
اندرو عام طور سے لوگ جوتیاں لیجاتے ہیں اور مسجد درگاہ کے قریب لاتے ہیں، مگر یہ
حضرات احترام شکیم میں سب پر سبقت لے گئے۔

حضرت شاہ صاحب کی ولادت ۱۲۷۲ھ ۲۷ ربيع الثانی ۱۸۵۶ء میں خانقاہ شریف میں ہوئی۔
(انسابلطاہرین) والد ماجد کا اسم گرامی شاہ محمد عمر اور جد امجد کا اسم شریف شاہ احمد سعید تھا
اپنے بابا فاروقی ہیں، سلسلہ نسب اسطوں سے ہندوستان کے مشہور عالم اور صوفی حضرت
شیخ احمد مندری مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے،

حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے زہد تقویٰ اور بزرگی کا دہلی میں بڑا چرچا تھا، آپ
بڑی شان و شوکت اور سعادت کے ساتھ رہتے تھے، ارغنی حسین المعترف بہ ملا و احمدی
نے چشم دید حالات اس طرح قلم بند کئے ہیں :-

”شاہ ابوالخیر خدائی درویش تھے، پٹھانوں کی عقیدت مندی نے اور بارعب
بنادیا تھا، باہر نکلتے تو ساٹھ ستر پٹھان جلو میں ضرور ہوتے، خانقاہ
کے دروازے پر بھی پٹھانوں کا پہرہ رہتا تھا، دلی والے شاہ ابوالخیر سے

(ص - ۳۲۳)

بڑا حسن ظن رکھتے تھے۔“

لیکن باوجود اس سبب کے نمود و نمائش سے کوسوں دور تھے اور اہل دول کی صحبت سے بھی بچتے رہتے تھے چنانچہ ۱۹۱۱ء میں دربار دہلی کے موقع پر میرٹھ جا کر گوشہ نشین ہو گئے تھے کہ ہندوستان کے مختلف گوشوں سے آنے والے اہل دنیا پریشان نہ کریں۔ میرٹھ کے زمانہ قیام میں موثر انصاف کے نام سے ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے خود شیخ الہند مولانا محمد الحسن اور مولانا اشرف علی تھانوی تشریف لائے، مولانا اشرف علی کے برادر حافظ محمد احمد صاحب بھی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ان حضرات کی حاضری سے حضرت شاہ صاحب کے مقام اور مرتبہ کا اندازہ ہو سکتا ہے، مشاہیر علماء صوفیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، صوفیہ میں پنجاب کے مشہور بزرگ سیر جماعت علی شاہ، اور اچوتانہ کے مشہور و معروف صوفی اور عالم حضرت مولانا رکن الدین شاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، علماء میں شمس العلماء مولوی نذیر احمد، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مولانا عبد الباقی، فرنچی محلی، مولانا ظفر علی خاں وغیرہ حاضر ہوتے رہے ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت شاہ صاحب کا خاص احترام کرتے تھے۔

بادشاہ اور نوابین تک حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے چنانچہ ۱۹۰۳ء میں میرٹھ میں علی خاں (تاجدار حیدر آباد دکن) خود آپ سے ملنے آئے شاہان افغانستان امیر حبیب اللہ خان اور غازی امان اللہ خان آپ سے عقیدت رکھتے تھے، والی ریاست امپور نے بڑی عقیدت سے شاہانہ دعوت دی تھی۔

حضرت شاہ صاحب حضرت قبلہ قدس سرہ سے بڑی محبت و شفقت سے پیش کرتے تھے حضرت کبھی کبھی ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے، حضرت شاہ ابوالخیر صاحب کا معمول تھا کہ صبح دہلی کے روشن آراء باغ میں تشریف لیجاتے اور علیحدہ ایک گوشہ میں مراقب ہو جاتے حضرت قبلہ علیہ الرحمہ بھی تشریف لیجاتے اور ساتھ ہی ذرا پیچھے بیٹھ کر مصلیٰ پچھاتے اور مراقب ہو جاتے یہ کیفیت ایک عرصہ ہی، ایک دن حضرت شاہ ابوالخیر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ”اقتب تم ہمارے مرید ہو ہی گئے“ یہ واقعہ خود حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے شاہ ابوالخیر کے صاحبزادے حضرت زید صاحب سے بیان فرمایا، موصوف نے اقم سے بیان فرمایا، کیا ملاقات کا عجیب و غریب واقعہ حضرت شاہ صاحب کے صاحبزادے حضرت زید صاحب نے اس طرح تحریر فرمایا ہے :-

جناب مولانا مولوی مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد شریف فتح پوری، دلی، اکثر
آپ کے پاس آتے تھے اور آپ بھی ان پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے ایک مرتبہ
مولوی صاحب آئے اتفاق سے اسی وقت ایک دوسرے صاحب بھی ملاقات کیلئے
آئے ہوئے تھے دربان نے ہر دو صاحبان کی اطلاع کی، آپ نے دوسرے
شخص کے متعلق فرمایا کہ یہ اپنے گھر میں ایسے کام کرتا ہے، آپ نے اس
کی بعض خامیوں کا ذکر کیا اور یہ مجھ سے ملنے آیا ہے، یہ سن کر جناب مولوی
صاحب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ پڑھ پوشی بہتر تھی، آپ نے کیوں اس
کے عیوب کو ظاہر کیا، پھر مولوی صاحب کو دوسرا خیال آیا کہ اب اس وقت
گھروٹ جانا بہتر ہے اس دوسرے خیال کے آتے ہی آپ نے دربان سے
فرمایا مولوی مظہر اللہ کو بھیج دے، چنانچہ مولوی صاحب آپ کے پاس آگئے
چوں کہ پہلے خیال کا اثر دل میں موجود تھا آپ نے مولوی صاحب کو مخاطب
کر کے فرمایا :-

”مولوی مظہر سب ایک طرح کے نہیں ہوتے ہیں
کسی سے نرمی کسی سے سختی کرنی پڑتی ہے ہیں
کیا کروں یہ نااہل اسی قابل تھا“

یہ فرما کر آپ نے مولوی صاحب کی تشفی کر دی اور وہ خیال رفع ہو گیا۔
حضرت شاہ ابوالخیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے روحانی طور پر ایسی بالغ نظری عطا کی تھی کہ
دل کے خطرات تک دریافت کیا کرتے تھے آپ کے کشف و کرامات کے بشمار واقعات
مشہور ہیں۔

حضرت شاہ صاحب شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے مکہ معظمہ میں قیام کے دوران نصیہ
مجالس میں شریک ہوتے اور اپنے کلام بلاغت نظام سے حاضرین کو محفوظ فرماتے، ان
مجالس میں حاجی انداد اللہ مہاجر کی رحمتہ اللہ علیہ بھی شریک ہوتے تھے اور حضرت شاہ صاحب
کے اشعار سن کر آپ پرجہد کی کیفیت طاری ہو جاتی، یہ اشعار مکہ معظمہ میں اپنی مجالس میں پڑھ کر

۱۵ ابوالحسن بنید : بزم خیر و جواب بزم جمشید، مطبوعہ دہلی ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء، ص ۴۸

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

سناتے تھے۔ دلربائی میں دونوں یکساں ہیں چشم الطاف اور غضب کی آنکھ
کھل مازاع سے کھل تھی! خیر اس نیر عرب کی آنکھ
حضرت شاہ صاحب نام پور کے زمانہ قیام میں مشاعر میں شرکت فرماتے، نواب میرزا
دارغ دہلوی اور منشی امیر احمد پٹائی آپ کے اشعار پر خوب خوبے ادا دیتے، آپ کا دیوان موجود
ہے۔

حضرت شاہ صاحب ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۹۲۴ء میں خانقاہ مظہر
دہلی میں صال فرما گئے۔

حضرت شاہ ابوالخیر صاحب کے صاحبزادگان بھی حضرت کا پورا پورا
صاحبزادگان احترام اور عزت فرماتے ہیں، سب سے بڑے صاحبزادے حضرت بلال
صاحب ہیں جو کوٹہ، (مغربی پاکستان) میں مقیم ہیں۔ علم و فضل میں یکساں ہیں گوشہ نشین ہو گئے ہیں
مخلوق سے ملنا ترک کر دیا ہے، راقم کی صرف ایک بار ملاقات ہوئی، پھر ملاقات نہ ہو سکی،
محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آئے۔

منجھلے صاحبزادے حضرت ابوالحسن زید صاحب ہیں، خانقاہ مظہرہ سعیدیہ میں پتہ والد
مرحوم کے جانشین ہیں، علم و فضل، زہد و ورع ہر لحاظ سے باکمال ہیں ان کے متعلق اتنا ہی کہہ دینا
کافی ہوگا جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

جامعہ ازہر مصر کے فارغ ہیں باوجود علم و فضل بہت سادہ مزاج ہیں، شہرت اور
نام و نمود سے ہمیشہ گریز فرماتے ہیں، گوشہ عزلت سے مہتاب بن کر چمکے ہیں حضرت قبلہ
آپ سے اور آپ حضرت قبلہ سے سید محبت فرماتے تھے حضرت کے پاس اکثر تشریف لائے
تھے اور جب بھی ملاقات ہوتی تو حضرت کی سہرتوں کا اندازہ تبسم پہناں سے چل جاتا، یہ
حضرت کے تعلق خاطر کا اعجاز ہے کہ حضرت کی نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی، اور اس
طرح حق محبت ادا کیا۔

حضرت مولانا تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے ہیں، مطالعہ کا بڑا شوق ہے، آپ
کا کتب خانہ علمی نوادر سے مہو ہے، کئی سو قلمی کتابیں موجود ہیں، آپ کی کئی تصانیف بھی
ہیں، آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید بھی فرماتے ہیں، آپ کے بکثرت مریدین
و معتقدین ہیں، اہل دہلی آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں، حضرت قبلہ قدس سرہ

Click For More Books

کے بعد اپنے بی بی آپ ہی کی ذات مرجع خلافت ہے۔ اور آپ ہی کے نام سے بی بی کے بزرگانِ سلف کی یاد تازہ ہے۔

حضرت سالم صاحب حضرت شاہ صاحب کے تیسرے صاحبِ دوسے ہیں، یہ بھی عالمِ فانی ہیں اور زہدِ تقویٰ سے آراستہ پیراستہ ہیں مزاج میں بہت سادگی ہے، فی زمانہ ایسی سادگی ملنا مشکل ہے راقم الحروف پر بہت مہربان ہیں جب کبھی حاضر ہوتا ہوں شفقت بیکراں سے نوازتے ہیں، آپ کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں مقیم ہیں، آپ کے بشمار پیرین و معتقدین ہیں اخلاقہ شریف میں شہرت اتر دہا میں رہتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالسلام نیازی رح | دہلی کے اعظم علماء و صوفیہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا، ولادت تو میرٹھ میں ہوئی مگر ساری عمر ترکمان دروازہ، دہلی کے قریب ایک معمولی مکان میں گزاری، دینی والوں سے بڑھ کر دینی والے تھے عالمانہ رکھ رکھاؤ سے کوسوں دور تھے ان کو دیکھ کر علم و فضل اور زہدِ تقویٰ کا مطلق گمان نہ ہوتا، اپنا ظاہر کچھ اس طرح بنا رکھا تھا کہ عالم و صوفی کی ضد معلوم ہوتے تھے جیسے فرقہ ملائیت کا کوئی صوفی ہو۔۔۔ دیوبند کے فارغ التحصیل اور بریلی کے نیاز یہ سلسلہ میں بیعت تھے، بریلویت دیوبندیت پر غالب تھی، شاعر بھی تھے آزاد تخلص کرتے تھے۔

مولانا کا تہنادم تھا، بوی بچوں کا بکھیرا نہیں پالا، عطر کی تجارت کر کے ضرورت کے لائق روپیہ کمایا کرتے تھے اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے نیاز منڈل کے نیاز منڈ اور فرعون کے لئے موٹی، ان کے حق میں اقبال کا یہ مصرع بہت موزوں ہے
دریاؤں کے دل جس سے دل جا میں طوفان

مولویت اور درویشی کے پابند نہ تھے اس کے باوجود ان کی مولویت اور درویشی تسلیم کی جاتی تھی، راقم نے بھی ان کی زیارت کی ہے فقیرانہ اور قلندرانہ بسر کرتے تھے، اقبال کا ٹرڈ قلندر کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا عبدالسلام کو دیکھے، ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب ورہیں اپنی جگہ سے نہ ہلے اور قطب بنے رہے۔

مولانا کے علم و فضل کا ہر جگہ چرچا تھا، منطق، فلسفہ اور ریاضی میں یگانہ روزگار تھے، مفتی کفایت اللہ جیسے متبحر عالم کو خاطر میں لاتے تھے، مولانا حسین احمد دینی کو

بے دھڑکنٹ انٹ دیا کرتے تھے، ڈاکٹر سر ضیاء الدین جیسے فاضل کو بھی ایک سے زائد سوال پوچھ کر پتہ کر دیا تھا اور پھر اس سوال کا خود فاضلانہ جواب مرحمت فرمایا، سوال تھا کہ عدد کی کیا تعریف ہے؟
— مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی مولانا سے مدح سے معقولات پڑھی ہیں —
مولانا سے مستفید ہونے والوں کی خاص علامت یہ ہے کہ وہ کسی بڑے سے بڑے فاضل کو خاطر میں نہیں لاتے۔

حضرت مولانا کو حضرت قبلہ سے بڑی محبت تھی، اور حضرت کا خاص حرام کرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے، ۱۳۵۳ھ سے قبل حضرت مولانا شاہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ اور سے دہلی تشریف لائے، حضرت کے پاس یہاں تھے ایک روز مولانا علیہ السلام نیازی بھی تشریف لے آئے باتوں باتوں میں ایک علمی مسئلے پر بحث چل نکلی، مولانا چوں کہ بے باک واقع ہوئے تھے، اس لئے اپنی فطری بے باکی کے ساتھ کوئی بات کہہ گئے حضرت مولانا رکن الدین علیہ الرحمہ نے تو کچھ فرمایا لیکن حضرت کو سخت غصہ آیا اور آپ نے اسی وقت مولانا کو فہمائش کی، مولانا خاموشی کے ساتھ مجلس سے اٹھ آئے اور ایک حرف نہیں کہا — جس شخص نے ساری عمر کسی کی ڈانٹ نہ کھائی ہو اور بڑوں بڑوں کو ڈانٹ دیا ہو اس کا خاموشی کے ساتھ چلا جانا تکریم و تحريم کا آئینہ دار ہے۔

حضرت مولانا سے موصوف کافی سن رسیدہ ہو گئے تھے، تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں چند سال ہوئے دہلی میں وفات پائی، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا علیہ السلام رحمۃ اللہ علیہ | دہلی سے کچھ فاصلہ پر ایک قصبہ ہے وہاں رہتے تھے، سلسلہ قادریہ میں بیعت فرماتے تھے، زہد و تقویٰ اور عجز و انکسائی میں فقید المثال تھے، بہت سادہ مزاج اور منکسر و یکھ کر اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ کوئی باکمال اہل دل ہے، بلکہ چہرہ سے نورانیت نمایاں تھی، بہت خاموش رہتے، بولنے کم دیکھا گیا، دہلی میں ان کے بکثرت مریدین تھے۔

بالعموم جمعہ کو حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوتے، جب تشریف لاتے تو زینے سے آواز آتی "غلام حاضر ہے" — اللہ اللہ کیا عجز و انکسائی ہے ان کی آواز آج تک کانوں میں گونج رہی ہے — حضرت خبر پاتے ہی بلا لیتے اور دونوں مل کر ایسے خوش ہوتے کہ خوشی کا صحیح مفہوم واضح ہو جاتا — کبھی کبھی دوپہر کا کھانا حضرت کے ساتھ تناول فرماتے، جو

کچھ بکٹا حاضر کر دیا جاتا۔ حضرت کا معمول تھا کہ سالن میں پانی اور نمک کا اضافہ کر دیا کرتے تھے، پہلے تو کچھ سمجھ میں آیا، لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ حضرات اہل شد خود کو کھانے کی لذتوں میں گرفتار کرنا نہیں چاہتے، جو لذتِ عشق سے آشنا ہو گیا، اس کو کسی لذت کی ضرورت نہیں۔
— دونوں حضرات خوشی خوشی کھانا نوش فرماتے، کھانے کے بعد سنت کے مطابق تھوڑی سی مٹھاس بھی نوش فرماتے، کبھی معقول مٹھاس نہ ہوتی تو سوکھی ہوئی مٹھائی کے ٹکڑے یا گڑ ہی نوش فرماتے اور لذت حاصل کرتے، ہم حیران ہوتے کہ اس میں کیا لذت ہے مگر وہاں تو اتباعِ سنت کی لذت سے متلذذ تھے، جس کا بچپن میں ہم کو اندازہ بھی نہ تھا۔
کھانے سے فارغ ہو کر دونوں حضرات مسجد شریف تشریف لے آتے۔

نواب خضر مرحوم | راقم نے نواب صاحب کو بہت بچپن میں دیکھا ہے، چند باتیں حافظہ میں محفوظ رہ گئی ہیں، نواب صاحب مرحوم اچھے بزرگ تھے، فرشتہ صوّت، نیک، شیر، درگاہِ خواجہ نظام الدین اولیاء میں بائیں طرف میٹرھیوں پر چڑھ کر ایکٹ الاں میں تشریف فرما ہوتے، جب بھی حضرت درگاہِ نظام الدین تشریف لیجاتے، ان کے پاس ضرور حاضر ہوتے بڑی محبت فرماتے تھے، یہ بات کوئی آج سے تیس سال پہلے کی ہے اس وقت ان کا سن شریف اتنی نوے سے کم نہ ہوگا، انہیں ایام میں انتقال فرما گئے۔ ع
خاک میں کیا صوّتیں ہوں گی کہ نہاں ہو گئیں

خواجہ حسن نظامی مرحوم | خواجہ صاحب بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور رحمۃ اللہ علیہ کی اولادِ امجاد سے ہیں خواجہ صاحب بارہ سال کی عمر میں یتیم و یتیم ہو چکے تھے، اپنی زندگی میں جو کچھ کمایا اپنے دستِ مبارک سے کمایا، جو کچھ شہرت حاصل کی وہ اسلاف کی ہر منت نہ تھی، ”اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے“ کے مصداق ان کی زندگی تھی۔
خواجہ صاحب ہمسندہ چشتیہ کے شیخ طریقت کی حیثیت سے حاصلِ امتیاز رکھتے تھے، ان کے مریدین اور مخلصین کا حلقہ بہت وسیع تھا، مسلمانوں کے علاوہ ہندو، سکھ، غرض ہر مذہب ملت کے لوگ شامل تھے، جو سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے، ان کے حلقہ اثر میں بڑی وسعت تھی، فی الحقیقت ”اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی“ کا مظہر تھی۔

خواجہ صاحب اردو ادب میں طرز خاص کے مالک ہیں اور ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی بیسیوں تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں قرآن کریم کا ترجمہ بھی ان کے علمی کارناموں میں خاص مقام رکھتا ہے، ان کا رسالہ "منادی اردو کے مقبول جرائد میں شمار ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے صاحب ادے خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب بڑی کامیابی کے ساتھ نکال رہے ہیں۔

خواجہ صاحب کو حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز سے بڑی انسیت و محبت تھی، گاہے گاہے حضرت کے پاس تشریف لاتے اور حضرت بھی جب کبھی نظام الدین اولیاء تشریف لیجاتے تو بغیر ملے تشریف نہ لاتے، ایک مرتبہ راقم بھی حضرت کے ساتھ خواجہ صاحب کے دولت کدے پر گیا ہے اور ملاقات کی ہے، دونوں مرتبہ خواجہ صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

فالباقی ۱۹۵۷ء میں ایک روز حضرت خواجہ صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے راقم بھی ہمراہ تھا، ملاقات ہوئی اور بہت دیر تک گفتگو فرماتے رہے، اگرچہ علالت کی وجہ سے طبیعت مضطرب تھی مگر حضرت کی تشریف آوری نے اس ضحلال کو شگفتگی سے بدل دیا تھا، خواجہ صاحب نے ج میں تھے، اثنائے گفتگو میں میر عثمان علی خاں مرحوم (نواب حیدر آباد دکن) سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر سنایا، اس پر خواجہ صاحب کا نرالا انداز بیان، بہت لطف آیا۔ ایک اور واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ گروناک ٹھ سے پڑھ سکھوں کے مال ایک تقریب میں مدعو تھے اس تقریب میں خواجہ صاحب نے فضلاء تقریر کی اور گرنٹھ صاحب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہد محاسن سے متعلق اقتباسات ازبر سنائے خود سکھوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ جس وقت خواجہ صاحب واقعہ سنارہے تھے متعلقہ اقتباسات ازبر سنائے ان کی قوت حافظہ اور معلومات کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب خواجہ صاحب بستر مرگ پر زندگی کے آخری ایام گزار رہے تھے، حضرت قبلہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ خواجہ صاحب کا چہرہ درمایا ہوا تھا مگر اس کے باوجود عزم ہمت کے آثار نمایاں تھے۔

نشانِ مردِ مومن بالوگویم

ہو مرگ کی یدِ تبسم بربل و دست

Click For More Books

حسب معمول حضرت کی تشریف آوری سے خواجہ صاحب بہت خوش تھے، مہینہ گرا گیا اور واقعہ سنایا۔ ۱۹۴۷ء میں حیدر آباد دکن میں سید قاسم رضوی کے کسی جلسے میں شرکت پر حکومت ہند کی طرف سے جو عتاب نازل ہوا تھا اس کا دل چسپ انداز میں کفرمایا۔

۱۹۵۲ء میں خواجہ صاحب دہلی میں وصال ہوا، بستی نظام الدین میں ان کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے، ہر سال عرس بھی ہوتا ہے۔

جس طرح خواجہ صاحب محبت و خلوص سے پیش آتے تھے ان کے صاحبزادگان نے بھی اسی محبت و اخلاص کو قائم رکھا، بالخصوص خواجہ حسن ثانی نظامی حضرت قبلہ سے خاص انسیت و محبت رکھتے ہیں۔ اور قدر منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں، صاحبزادہ موصوفہ کورائیم اور دیگر برادران سے بھی خاص ربط خاطر ہے، حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد مرحوم کے تعلقات کو برقرار رکھ کر محبت کا حق ادا کر دیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو گوناگوں ترقیات سے نوازے آمین۔

پیر جی عبدالصمد صاحب مہتمم | پیر جی عبدالصمد صاحب خری خل بادشاہ سراج الدین ظفر
اے مرشد حضرت میاں کالے صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے

تھے، جو بلی کالے صاحب کے ضبط ہونے کے بعد یہ خاندان کوچہ پنڈت (دہلی) میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہے، پیر جی عبدالصمد صاحب بھی یہیں رہتے تھے۔ حضرت قبلہ کے پاس اکثر تشریف لاتے تھے، حضرت بھی ان کا بڑا احترام فرماتے تھے کبھی کبھی ضیافتوں میں ملاقات ہوتی تھی، وہاں بھی ایک دوسرے کا پورا پورا احترام ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ پیر جی صاحب کے دل میں حضرت کا جو احترام تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے:-

بائس کوئی (نئی دہلی) میں پیر صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالسلام کا مزار مبارک ہے چونکہ پیر صاحب سلسلہ چشتیہ میں بیعت فرماتے تھے اس لئے درگاہ میں جو سالانہ عرس ہوتا تھا اس میں قوالی کا حاصل تمام کیا جاتا تھا اور رات گئے تک قوالی ہوتی رہتی تھی، اس عرس میں حضرت بھی شرکت فرمایا کرتے تھے، حضرت قبلہ نماز عشاء کے بعد درگاہ میں تشریف لیجاتے فاتحہ خوانی اور نعت خوانی وغیرہ کے بعد حضرت واپس تشریف لے آتے اس کے بعد قوالی کا پورا گرام شروع ہوتا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حضرت کی موجودگی میں مزار میر کے ساتھ سماع ہوا ہو یہی ادب احترام درگاہ خواجہ نظام الدین میں بھی رکھا جاتا تھا جس کی

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

طرف خواجہ حسن ثانی نظامی نے سالہ سداوی (دسمبر ۱۳۳۱ء) میں اشارہ کیا ہے۔

پیر جی عبدالعزیز صاحب علی کی برگزیدہ ہستیوں میں شمار کئے جاتے تھے ان کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا، ہندو، سکھ، عیسائی سب ہی ان کے معتقد اور مخلص تھے بڑے خاموش طبع اور نیک انسان تھے، صبر و استقامت ان کی زندگی کا وہ ظرہ امتیاز تھا جو کم یاب ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے:-

آخر میں پیر صاحب سخت علیل ہو گئے تھے حتیٰ کہ منہ کے استہ کھانا پینا بند ہو گیا، طوق کے اندر سراج کر کے نلکی ڈالی گئی، اسی سے مشروبات پلائے جاتے تھے اونٹن سے سانس لیتے تھے سخت تکلیف میں تھے ہر ہسپتال میں داخل تھے حضرت عیادت کے تشریف لے گئے تو راقم بھی ساتھ تھا، اس تکلیف یل ن کے چہرہ پر طمانیت و سکون کے آثار دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، فی الحقیقت معائب و مصائب میں سیرت کے اصلی جواہر سامنے آتے ہیں۔

عرصہ ہوا پیر صاحب انتقال فرما چکے ان کے صاحب نے اد سے حاجی میاں صاحبان کے جانشین ہوئے، آپ کا بھی بلی کی ممتاز ہستیوں میں شمار ہوتا تھا، صاحب ادہ موصوف بھی حضرت سے خاص تعلق و محبت رکھتے تھے، قبلہ پیر صاحب نے جو محضات تعلقات قائم کئے تھے صاحب نے ادہ نے ان کو اپنے اخلاص و محبت سے اور مستحکم کر دیا تھا، افسوس چند سال ہوئے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

حافظ صاحب علی کے مشہور مجذوب تھے، عوام الناس میں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ | دولہا میاں کے عرف مشہور تھے، ظاہری آنکھیں بند تھیں مگر دل کی آنکھیں روشن تھیں، لباس سے بے نیاز تھے، عریاں ہتھ تھے، بخودی و سرستی نے ان کو ہر چیز سے بے نیاز کر دیا، جامع مسجد شاہ جہانی (دہلی) کے جنوبی دروازے کے نیچے ایک جگہ بیٹھتے تھے عالم جذب کیفیت میں خاک اڑایا کرتے تھے، واقعی ان کے بعد بلی میں خاک اڑنے لگی۔

حافظ صاحب حضرت قبلہ قدس سرف سے بڑی محبت فرماتے تھے کبھی کبھی اپنی مخصوص ڈہلی میں بیٹھ کر دولت کردے پر تشریف لاتے، ستر پر کپڑا ڈال لیتے تھے اہل دل، اہل دل کو خوب دانتے ہیں، حضرت سے مصافحہ کرتے اور آپس ہو جاتے، جب کبھی حضرت جامع مسجد کی طرف تشریف لیجاتے اور حضرت کی سواری حافظ صاحب کے آگے سے گزرتی تو بار بار جود لیتا

ہونے کے روشن ضمیری کا یہ عالم تھا کہ ادبے احترام کی وجہ سے فوراً کھڑے ہو جاتے۔ نہ صرف حضرت کے ساتھ یہ ادبے احترام تھا بلکہ صاحب نے دکان کا بھی پورا پورا خیال رکھتے۔ ایک مرتبہ حضرت کے صاحب نے دکان مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب مولانا مفتی... محمد شرف احمد صاحب کسی مجلس میں تشریف لے گئے، نو عمری کا زمانہ تھا۔ حافظ صاحب بھی اس مجلس میں موجود تھے، فوراً اشارہ کر کے دریافت کیا یہ کس کا بیٹا ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضرت امام صاحب کے صاحب نے دے دیے ہیں فرمایا اس کو روپے دو روپے۔ حاضرین میں کسی نے فوراً اس روپے نکال کر پیش کئے۔

حافظ صاحب کے متعلق بہت سی کرامات مشہور تھیں، یہ بھی سنا گیا کہ ابتداء میں دہلی کے انگریز حکمرانوں نے دیوانہ سمجھ کر قید خانہ میں محبوس بھی کیا مگر کمرے میں قفل موجود اور حافظ صاحب باہر چپ معلوم ہوا کہ یہ دیوانہ نہیں بلکہ ہر شے عقل و دانش ہے، اسی طرح ان کے انتقال کے موقع پر سنا گیا کہ بیٹی سے آنے والوں نے بیان کیا کہ ہم تو ان کے جنازے میں وہاں شریک ہوئے تھے، حالاں کہ حافظ صاحب دہلی میں وصال ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ حافظ صاحب ایک جلیل القدر مجذوب تھے جو کہتے تھے، پورا ہو کر رہتا تھا، جس کے سروازے پر ان کی ڈولی پہنچ جاتی اس کے وارے نیارے ہو جاتے یہ باتیں ہل عقل کے دماغ میں مشکل سے آئیں گے لیکن یہ بات قابل غور و فکر ہے کہ ایسا کیوں ہوتا تھا؟

حافظ صاحب تقسیم ہند سے پہلے ہی وصال فرما چکے تھے ان کے وصال سے دہلی کی روحانی فاضل میں بڑی کمی محسوس کی گئی۔

فروغ شمع تو قائم رہے گا روز محشر تک

مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

مولوی پٹھان صاحب رحمۃ اللہ علیہ | دہلی سے چند میل کے فاصلے پر وزیر آباد جاتے ہوئے، مارکیٹ سے ذرا آگے،

پڑھائی پر بائیں جانب ایک چھوٹی سی مسجد تھی، مولوی پٹھان اسی مسجد کے حجرے میں فروکش تھے نہ بیوی نہ بچے بس ایک خادم تھا، سن مبارک ۹۰ سال سے کم ہو گا، چہرہ بڑا پُرعب تھا، سرحدی علاقے کے رہنے والے تھے ان کو دیکھ کر ایسا

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

معلوم ہوتا تھا کہ شیر کچھار میں بیٹھا ہوا ہے، جب کبھی حضرت اس طرف تشریف لیجاتے، ان سے ضرور ملاقات فرماتے، ایسا مرتبہ یہ راقم بھی ساتھ تھا، حضرت کو دیکھ کر مولانا بہت خوش ہوتے، ان کے خلوص محبت کا سماں آج تک نظروں کے سامنے ہے ع۔
سبے لوٹ محبت کے زمانے گزر گئے

تقسیم ہند کے بعد وہ علاقہ ہنگاموں کی لپیٹ میں آگیا تھا، انہیں معلوم کچھ شہید ہوئے یا کہیں ہجرت کر گئے۔

مولوی پٹھان نام کے دہلی میں واد بزرگ تھے، دونوں حضرات، حضرت کا احترام کرتے تھے ان حضرات کی راقم نے کم ہی زیارت کی ہے اس لئے حافظہ میں کوئی نقش محفوظ نہیں جو عرض کیا جائے البتہ اتنا معلوم ہے کہ علیات میں یہ دونوں بزرگ بے مثال تھے، اور دہلی کے عوام میں ان کا بڑا چرچا تھا۔

پیر صاحب جھیل کرنجہ شریف علیہ الرحمہ | دہلی سے شاہدہ جاتے ہوئے دریائے جمن کے اُس طرف جھیل کرنجہ کے نام سے ایک بستی تھی پیر صاحب

وہاں رہتے تھے ان کی خانقاہ بھی یہیں تھی، سلسلہ چشتیہ میں بیعت فرماتے تھے، سالانہ عرس بھی ہوتا تھا، بڑی دھوم دھام مہتی تھی،

پیر صاحب بڑے متورع، متقی اور متبع شریعت تھے، عربی اور انگریزی علوم دونوں پر عبور تھا، اتباع شریعت میں اتنے سخت تھے کہ خود ان کے صاحب اد کے ایک معمولی خلاف شرع کام کیا تو اس کو گھر سے باہر نکال دیا، صحت دیکھنے کے روادار نہ تھے بلکہ کہتے تھے کہ دل چاہتا ہے کہ گولی سے ارادوں، فی زمانہ فاروقی عزم و حوصلہ ناپید ہو کر رہ گیا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد پیر صاحب پاکستان تشریف لے آئے تھے اور لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی تھی، لاہور میں ایک مندر میں اقامت گزیں تھے، تقوی و پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ اقم ملاقات کے لئے حاضر ہوا، دیکھا کہ مندر کی لائبریری میں تشریف فرما ہیں، اور تمام الماریاں منقل ہیں، معلوم ہوتا تھا کہ ایک کتاب بھی نکال کر نہیں دیکھی گئی، راقم نے عرض کیا کہ آپ یہ کتابیں تصرف میں نہیں لاتے؟ فرمایا اول تو زیادہ تر ہندی میں ہیں، انگریزی میں بہت کم ہیں، دوسرے یہ ہندوؤں کی امانت ہیں، میرے لئے تصرف جائز نہیں۔ پاکستان آنے والے بیشتر علماء اس عزم و احتیاط سے کام نہیں لیا، اہل تقویٰ قدم قدم اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے جاتے ہیں۔

پیر صاحب حضرت قبلہ قدس سرہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ وہ راقم سے بڑی محبت فرماتے اور اسی نسبت سے ادب احترام ملحوظ رکھتے، راقم کو دو تین مرتبہ زیارت کا موقع ملا ہے ایک مرتبہ جھیل کرنجہ میں در دو مرتبہ لاہور میں، چند سال ہوئے کہ پیر صاحب انتقال فرما چکے۔

مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم | علماء و فقہاء میں ہوتا تھا، موصوف و یو بندی مسلک فکر سے تعلق رکھتے تھے، مگر تشدد و تعصب کو سول دور ایک عرصہ سیاست میں بھی شریک ہے مگر بعد میں اپنا دامن الگ کر لیا، فتویٰ نویسی میں حضرت قبلہ قدس سرہ اور حضرت مفتی صاحب اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنی نظر آپ تھے، دونوں حضرات میں بڑی مماثلات تھیں، اسماء گرامی کی مماثلت، علمیت و تفقہ کی مماثلت، تحریر کی پاکیزگی اور رعنائی میں مماثلت، قناعت پسندی اور توکل میں مماثلت، اسی لئے دونوں ایک دوسرے کا پورا پورا احترام کرتے تھے۔
ارتضیٰ حسین المصطفیٰ ملا واحدی نے حضرت مفتی صاحب کو قریب سے دیکھا ہے انہوں نے اپنے تاثرات اس طرح قلم بند کئے ہیں :-

مفتی صاحب ہمیشہ میرے پڑوسی رہے، اور ان کے دلی تشریف لانے کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک میں نے انہیں مسلسل دیکھا اور قریب سے دیکھا، علم کی جگہ علم، فراست کی جگہ فراست اور مومنانہ فراست، توکل، قناعت، سادگی و صہداری، پابندی سنت، کونسی خوبی ہے جو مفتی کفایت اللہ میں نہ تھی۔

(ص - ۱۲۱)

حضرت مفتی صاحب شاہ جہاں پور کے رہنے والے تھے مگر زندگی کا بیشتر حصہ شاہ جہاں آباد میں گزرا، مولوی امین الدین مرحوم نے شاہی مسجد سنہری (چاندنی چوک) میں مدرسہ امینیہ قائم کیا تھا، ابتداء میں مولانا انور شاہ کشمیری اس کے صدر مدرس تھے، ان کے بعد مفتی کفایت اللہ مرحوم اس کے صدر ہوئے، کچھ عرصہ بعد یہ مدرسہ کشمیری گیت منتقل ہو گیا اور

حضرت قبلہ کے پوت و امداد قاری رضوان اللہ صاحب نے مولانا انور شاہ کشمیری پر اپنا کٹرٹ کا مقالہ لکھ کر علی گڑھ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

اب تک ہیں ہے۔

مدرسہ امینیہ نے علم دین کی بڑی خدمت کی، حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ پاک ہند میں پھیلے ہوئے ہیں، فارغ التحصیل طلبہ بھی آپ کے رکن میں شریک ہوتے تھے اس سے مفتی صاحب کی تبحر علمی اور تدریسی صلاحیت کا علم ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب حضرت قبلہ قدس سرہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، مسجد فتح پوری میں رمضان المبارک ورعیدین کے سلسلے میں حضرت کی صدارت میں رویت ہلال کمیٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا، مفتی صاحب اس میں برابر شرکت فرماتے تھے، تقسیم ہند کے بعد جب بعض نا عاقبت اندیش حضرات نے علیحدہ کمیٹی بنانا چاہی تو مفتی صاحب نے سختی سے مخالفت فرمائی، اور تاحین حیات اسی قدیم کمیٹی کے اجلاس میں شرکت فرماتے رہے۔

لیکن اس تعلق و محبت کے باوجود علمی یا سیاسی مسائل میں کہیں اختلاف ہوتا تو حضرت بے دھڑک اس کا اظہار فرما دیتے، اظہار حق میں کسی قسم کی رعایت نہ فرماتے، جہاں چہ تحریک خلافت کے نامے میں جب کچھ عرصہ کے لئے حضرت بھی اس تحریک سے وابستہ ہو گئے تھے اور مفتی صاحب بھی اس میں شریک تھے، ترک موالات کی تحریک نے زور پکڑا، جذبہ حب الوطنی نے لوگوں کو دیوانہ بنا دیا تھا، اسی زمانے میں دہلی میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں بدیسی چیزوں کے مکمل مقاطعہ کی تجویز زیر غور آئی تھی، لوگوں میں اتنا جوش پھیلا ہوا تھا کہ بدیسی چیزوں کو نذر آتش کر رہے تھے۔ اس جلسے کے تمام شرکاء دہلی کپڑے پہن کر گئے مگر حضرت قبلہ اس روز عداولہ سی کپڑے پہن کر گئے، جب جلسہ گاہ میں پہنچے تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کیا، سب لوگوں کی نظریں آپ کی طرف ہیں، حضرت نے فرمایا اسی لئے تو پہن کر آیا ہوں، پھر فرمایا کہ کیا آپ کے پاس نصاریٰ سے مقاطعہ اور غیر مسلموں سے موالات و مواعیات کا کوئی شرعی جواز ہے؟ — ظاہر ہے کہ کوئی جواز نہ تھا، مفتی صاحب خاموش ہو گئے، حضرت نے ہمیشہ قوانین شریعت کو پیش نظر رکھا، نواہ و کسایسی معاملات ہوں یا دینی معاملات، اصول شرعیہ کو تعلقات پر قربان نہیں کیا۔

آخری ایام میں جب مفتی صاحب علیل ہوئے تو انہوں نے تین وصیتیں فرمائیں جس میں سے دو یہ تھیں کہ میری نماز جنازہ حضرت امام صاحب مسجد فتح پوری پڑھائیں — اور دوسری یہ تھی کہ میری تربت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے کے باہر وہاں بنائی جا

Click For More Books

جہاں زائرین جوتیاں اتارتے ہیں۔۔۔۔۔ ان وصایا سے حضرت مفتی صاحب کی حضرات اہل اللہ سے محبت اور کمال تعلق کا اظہار ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ مفتی صاحب سلف صالحین کی یادگار تھے، چند سال ہوئے کہ وہی میں مفتی صاحب کا وصال ہو گیا، مزار مبارک درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین (مہرولی) میں مغربی دروازے کے باہر واقع ہے۔

مولانا محمد الیاس مرحوم | مشہور تبلیغی جماعت کے بانی مبانی ہیں اس جماعت کا مرکز بستی

نظام الدین (نئی دہلی) میں تھا، اور اب بھی وہیں ہے مولانا الیاس صاحب ہیں اقامت گزیں تھے، مولانا مسجد فتح پوری میں گاہے گاہے تشریف لاتے تھے، اور حضرت سے بھی ملاقات فرماتے، مولانا حضرت قبلہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، کراچی کے ایک عالم نے فرمایا کہ مولانا اپنی نجی محفلوں میں فرمایا کرتے تھے:-

”محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سیکھنی ہو تو بریلویوں سے سیکھے، نماز پڑھنی ہو تو اہل حدیث امام کے پیچھے پڑھے اور فیض روحانی حاصل کرنا ہو تو حضرت امام صاحب مسجد فتح پوری کی صحبت میں بیٹھے۔“

حضرت قبلہ بھی جب کبھی بستی نظام الدین تشریف لیجاتے تو گاہے گاہے مولانا کے ہاں بھی تشریف لیجاتے، خصوصاً علالت کے زمانے میں عیادت کے لئے ضرور تشریف لیجاتے حضرت مولانا الیاسؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف مرحوم ان کے جانشین ہوئے وہ بھی حضرت کا پورا پورا احترام کرتے تھے، چند سال ہوئے کہ وہ بھی انتقال فرما چکے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ | بے باک خطیب و مقرر اور سیاست کے مرد میدان

تھے ان کی علمیت کا اندازہ ان کی تصانیف سے لگایا جاسکتا ہے جو مختلف موضوعات مثلاً قرآنیات، اخلاقیات، معاشیات وغیرہ پر شائع ہو چکی ہیں۔۔۔ وہ ایک عرصہ جمعیت العلماء ہند سے متعلق رہے، کانگریس کے ہمنوا تھے مگر جب وقت آتا تو حق بات کہنے سے نہیں چوکتے۔

۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران انہوں نے مسلمانان ہلی کی جو خدمت کی وہ ناقابل

فراہم کر دی جائیگی، مولانا یہ سن کر جلال میں آگئے اور فرمایا :-
”وطن عزیز کی آزادی کی کوشش اس لئے نہیں کی تھی کہ ہم کسی کیمپ میں جا کر سپاہ لیں، ہم
اپنے مکانات اور محلوں میں رہیں گے اور صبر و استقامت سے اس بغاوت کا مقابلہ کرتے ہوئے
دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شہید ہو جائیں گے۔“ (ضمیمہ : علمائے حق)

اس واقعہ سے مولانا کی سیرت کے اصلی جواہر اور خوبیوں کا علم ہوتا ہے اس میں شک نہیں
اس بدامنی اور شورش کے زمانے میں مولانا کی استقامت قابلِ داد ہے ال کی ہمت و حوصلہ
نے سینکڑوں ساتھیوں کے حوصلے بلند کر دیئے تھے،

مولانا نے مدح حضرت قبلہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے رویت ہلال
کٹی کے اجلاس میں اکثر تشریف لاتے تھے، ویسے بھی گاہے گاہے تشریف لاتے تھے،
مولانا حضرت کے تفقہ کے قائل اور معترف تھے اپنی نجی محفلوں میں فرمایا کرتے تھے :-
”اس وقت ہندوستان میں فقہیت و فتویٰ نویسی میں حضرت امام صاحب گانانی نہیں“
تقسیم ہند کے بعد مولانا کچھ عرصہ مجلس وقاف کے صدر بھی رہے، لیکن اس کے باوجود وہ
جب بھی حضرت کے پاس تشریف لاتے دنیاوی مناصب کا ذرا بھی غور و محسوس نہیں ہوتا —
پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے اس کا بھی گھنڈہ نہ تھا، سیرت کی نشانی یہ ہے کہ وہ تمام مناصب کے
بالا تر ہو کر ملتا ہے اور جو تعلق قائم ہو گیا ہے اس کو آخر تک بنانا ہے۔

مولانا حفظ الرحمن جیسے بہادر و اور دردمند انسان کی مسلمانان ہند کو سخت ضرورت
تھی لیکن مشیت ایزدی یہی تھی کہ مرض سرطان میں مبتلا ہو کر بندوں کو چھوڑ کر مولا سے جا ملیں
۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۲ء کو مولانا کا دہلی میں حال ہوا۔

مولانا سید احمد صاحب اصل نسل سید تھے، مسجد جامع شاہجہانی
مولانا سید احمد مرحوم | دہلی کی شاہی امامت و خطابت آپ ہی کے خاندان میں نسلاً بعد
نسب چلی آ رہی تھی، راقم نے بھی اکثر زیارت کی ہے، فرشتہ معلوم ہوتے تھے، امام صاحب
کے واسطے ہند تک سے تعلقات تھے، مگر عجیبانِ وطن انگریز حکمرانوں کے ساتھ امام صاحب

کے تعلقات کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے وسیع تعلقات سے مسلمانوں کو بہت فائدے پہنچائے ہیں۔

ارتضیٰ حسین ملاو احمدی نے امام صاحب کے بارے میں لکھا ہے :-
”انگریز حکومت پر اور مسلمان ریاستوں میں امام صاحب کا غیر معمولی اثر تھا، انگریز روم کے پوپ سے انہیں کم نہیں تقصیر کرتے تھے، امام صاحب نہایت اہل لسان تھے، امام صاحب نے خود بھی ترقی کی اور اپنی ترقی سے دوسروں کو بھی فیض پہنچایا خدا مصلوہ کہتے مسلمان امام صاحب نے اعلیٰ عہدوں پر لیجا بٹھائے، امام صاحب بڑے سے بڑے کام میں ہاتھ ڈال دیتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے کام میں ہاتھ ڈالتے نہیں، ہچکچاتے تھے، وائس رے سے لے کر تھانہ دار تک سفارش کے لئے چلا جانا ان کے نزدیک یکساں تھا۔“

(میرے زمانے کی دلی، ص ۲۴۷)

اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کے تعلقات کی نوعیت خوشامندانہ نہ تھی بلکہ مصلحت اندیشانہ تھی، سرسید احمد خان بھی اسی مصلحت اندیشانہ موالاۃ و مواخات کی بنا پر ہدف ملامت بنے، لیکن ان حضرات کے دل میں مسلمانوں کے دکھ درد کا جو شدید احساس تھا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

امام صاحب کو راقم نے بہت قریب دیکھا ہے، ایک مرتبہ جب حضرت قبلہ اور امام صاحب اوقاف سے متعلق کسی معاملے کے سلسلے میں ملک فیروز خاں نون اور شہید ملت لیاقت علی خاں سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تھے تو یہ اقام بھی ہمراہ تھا، اس وقت بہت قریب دیکھنے اور بات سننے کا اتفاق ہوا، اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ جس شخص کے تعلقات کا یہ عالم ہے کہ وائس رے ہند بھی اس کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے وہ جب باتیں کرتا ہے تو طفلانہ معصومیت کے ساتھ۔۔۔ اس میں شک نہیں جن حضرات نے ان کو قریب دیکھا ہے معصوم یا بچہ۔

امام صاحب حضرت کا بڑا احترام کرتے تھے اور گاہے گاہے تشریف لاتے تھے اکثر قریب میں بھی شرکت فرماتے ان کے صاحب ادب مولانا عبدالمجید صاحب جو ان کے بچائشیں ہیں، حضرت سے خاص تعلق و محبت رکھتے ہیں، اور قدر و منزلت کی نظر

سے دیکھتے ہیں راقم پر بھی بہت شفقت فرماتے ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کو سلامت باکرامت رکھے۔
حضرت امام صاحب کا وصال ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران دہلی میں ہوا، اسی روز
دہلی کے ایک اور بزرگ حضرت شاہ کرا حسین صاحب کا بھی انتقال ہوا، اور دونوں جنازے تھما
اٹھے، شاہ کرا حسین بھی حضرت کے خاص محبت میں تھے، گاہے گاہے تشریف لاتے،
حضرت بھی جب کبھی دریا گنج تشریف لیجاتے تو خانقاہ صابریہ میں شاہ صاحب سے ضرور ملاقات
فرماتے۔

مولانا طاہر حسین مرحوم | امامت ان کے خاندان میں نسلاً بعد نسل شاہان
دہلی کی عید گاہ کے شاہی امام تھے، عید گاہ کی
مغلیہ کے عہد سے چلی آرہی تھی، امام صاحب عالم تھے اور حکمت میں درک رکھتے تھے دہلی
سے چند میل کے فاصلے پر درگاہ خزانہ رسول نما کے قریبان کا دولت کدہ تھا، حضرت
کے پاس گاہے گاہے تشریف لاتے، تقاریب کے موقع پر تو ضرور تشریف لاتے
راقم پر بھی بہت شفقت فرماتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد جب دہلی کے حالات بہت
مخدوش ہو گئے وہ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں قیام فرمایا
کافی عرصہ یہاں رہے پھر بھاگل پور نگر تشریف لے گئے، اور غالباً وہیں انتقال فرمایا۔
پاکستان تشریف لانے کے بعد جب پہلی مرتبہ دہلی تشریف لے گئے تو اس وقت
عید گاہ میں امامت کے فرائض مولانا احمد سعید مرحوم انجام دے رہے تھے، جب عید
آئی تو اہل دہلی نے چاہا کہ نماز عید مولانا طاہر حسین صاحب پڑھائیں کہ یاد ماضی تازہ
ہو جائے، مگر نہ معلوم کیوں مولانا احمد سعید صاحب اس ایثار و قربانی کے لئے تیار
نہ ہوئے۔ اور صاف جواب دیدیا گیا، ہجرت کا مقام ہے کہ جس شخص نے بیسیوں برس عید
میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ آج وہ اسی عید گاہ میں نماز عید پڑھانے
سے محروم کر دیا گیا، جب حضرت کو اس محرمی اور امام صاحب کی مایوسی کی اطلاع ملی تو
حضرت نے غمخواری و دلداری کے لئے جس ثناء و قربانی سے کام لیا وہ فتح پور کی امامت
کی تاریخ میں یکتا مثال ہے۔ عیدین کی نماز حضرت ہی پڑھایا کرتے تھے مگر اس مرتبہ
حضرت نے فرمایا کہ اعلان کرو یا جائے کہ اس مرتبہ مسجد جامع فتح پوری میں عید کی نماز،
حضرت مولانا طاہر حسن صاحب پڑھائیں گے چنانچہ نماز انہوں نے پڑھائی اور حضرت

کے بے مثال ایشار کو دیکھ کر اپنے اور بیگانے سب حیرت زدہ رہ گئے۔

دل بدست آور کہ حج و کبراست از صد ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است

کعبہ بنیاد خلیل آزر است دل گزر گاہ خلیل ب اکبر است

حضرت مولانا سنبھل کے رہنے والے تھے لیکن ایک

عصر سے دہلی میں مقیم تھے، اور مدرسہ عالیہ سجدہ فتحپوری

دہلی میں برسوں درس دیتے رہے متورخ، متقی اور متوکل تھے، ان کے بہت تقویٰ کا ایک واقعہ

ایتک یاد ہے۔

جس نے مانے میں اقم مدرسہ عالیہ سجدہ فتحپوری میں پڑھتا تھا، مولانا بھی اقم کے اساتذہ میں تھے، یاد نہیں کہ کبھی مولانا اپنا درس چھوڑا ہو، ایک روز معلوم ہوا کہ مولانا بخاری میں مبتلا ہیں طلبہ سمجھے کہ بس اب چٹھی ہے لیکن جوں ہی وقت ہوا مولانا اچانک نمودار ہوئے، رضائی میں لپیٹے ہوئے بخاری کی شدت سے کپکپا رہے تھے، افتاب و خیراں مدرسہ میں تشریف لائے اور سندر تشریف فرما ہوئے، ہم نے عرض کیا کہ حضرت بخاری تو کیوں تکلیف فرمائی؟ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ دور جدید کے اساتذہ کے لئے ایک عظیم سبق ہے فرمایا۔

”میں نے سوچا کہ اتنی سکت تو ہے کہ مدرسہ جا کر درس دیا جاسکتا ہے، اس لئے

اگر نہ گیا تو آج کی تنخواہ حرام ہوگی، جو پوری تنخواہ کو خراب کر دے گی“

اللہ اللہ یہ تھا ان حضرات کا تقویٰ جو مسلسل چھ گھنٹے پڑھایا کرتے تھے، معمولی کتابیں

نہیں بلکہ وہ کتابیں جو ہماری یونیورسٹیوں میں مہتمی طلبہ پڑھتے ہیں اور پھر تنخواہ کیا تھی؟ — مشکل

سے جو پڑھ سورتے — مولانا فقہ ادب حدیث وغیرہ پر عبور رکھتے تھے فن شعر

میں بھی کمال حاصل تھا، خود بھی شعر کہتے تھے اور سخن فہم سخن منج تھے۔

حق گوئی اور بے باکی ان کی سیرت کے خاص جواہر تھے، ایک مرتبہ اقم کو دیکھنے کا اتفاق

ہوا، تقسیم ہند کے بعد ایک مرتبہ سجدہ فتحپوری میں رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس ہوا تھا، حضرت

قبلہ صدارت فرما رہے تھے مولانا حفظ الرحمن مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے جو اس زمانے میں،

وقف بورڈ کے صدر تھے اور مدرسہ عالیہ سجدہ فتحپوری اسی بورڈ کے تحت تھا، جہاں مولانا

ولایت احمد صاحب بحیثیت استاد ملازم تھے — کمیٹی کے اجلاس میں یہ بات زیر بحث

تھی کہ گواہ کے لئے شریعت نے جو پابندیاں لگائی ہیں اس کو ذرا نرم کر دیا جائے — مولانا

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

حفظ الرحمن صاحب اس تجویز کے محرک تھے، مگر مولانا ولایت احمد صاحب نے بلا کسی رورعایت کے اس تجویز کی پرزور تردید کی اور تردید میں اپنے دلائل پیش کئے۔۔۔۔۔ آج کس شخص میں یہ جرات ہے کہ وہ اپنے افسر علی کی رائے سے محض لٹا اور اس کے رسول کے لئے اختلاف کرے اور صرف اختلاف بلکہ پوری حیثیت و غیرت کے ساتھ اس کی تردید بھی کرے۔

مولانا ولایت احمد صاحب شروع میں حضرت کے اتنے قریب تھے لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا، قریب جوتے گئے حتیٰ کہ بالکل قریب بن گئے، حضرت کا دل سے احترام کرتے تھے اور ان کے دل میں حضرت کی جو قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے کچھ کھوکھو کر پایا ہے، آخر میں حضرت صدّ المشرق فضل عثمان صاحب سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت بھی ہو گئے تھے، اور ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا، حضرت موصوف مسافر شہر بازار کابلی کے صاحب دسے ہیں دہلی میں حضرت کے ہاں مہمان تھے جب مولانا ولایت احمد صاحب بیعت ہوئے،

مولانا ولایت احمد صاحب حضرت کی اولاد اجماع میں مولانا مظفر احمد صاحب مولانا منشا احمد صاحب مولانا منظور احمد مرحوم اور راقم کے استاد گرامی تھے، اس لئے حضرت قبلہ بھی مولانا کا بڑا احترام کرتے تھے، مولانا ولایت احمد صاحب قائم پر بڑی شفقت فرماتے تھے، اور بہت مہربان تھے۔

چند سال ہوئے اپنے وطن عزیز سنبھل میں آپ کا اتصال ہو گیا، مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی کے اساتذہ اور علماء میں مولانا نے مرحوم کو تو حضرت سے خاص بطن خاطر تھا مگر دیگر اساتذہ گرامی بھی اپنے اپنے درجہ پر تعلق و محبت رکھتے تھے اور پورا پورا احترام کرتے تھے، مولانا سلطان محمد صاحب (صدّ المدین) مولانا محمد شریف لٹا، مولانا عبد الرحمن، مولانا فخر الحسن، مولانا محبوب الہی، مولانا سجاد حسین (موجودہ صدّ المدین) مولانا رحمان علی، مولانا ناصر خلیق، مولانا عبد اللہ ائم جلالی، مولانا اشفاق الرحمن، مولانا عبد السمیع صاحب، قاضی محمد نصر اللہ، مولانا محمد مسیاں، قاری محمد سلیمان صاحب، وغیرہ وغیرہ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت کے معاصرین اور محبین و غلصین میں بشمار علماء کرام اور صوفیہ کرام ہیں، گزشتہ اوراق میں معذرت سے چند حضرات کا ذکر کیا گیا ہے ان حضرات کے علاوہ بعض علماء کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں۔۔۔۔۔ بہرست حضرت سے متعارف تمام

علماء صوفیہ پر محیط نہیں صرف راقم کے علم میں جو حضرات دیرین کا ذکر کیا جا رہا ہے اہل فہرست تو بہت طویل ہو گئی بلکہ ایک مستقل کتاب -

ہندوستان کے مرحومین علماء کرام | مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا عبد المجید ابر آبادی، مولانا غلام یزدانی، مولانا سید محمد کچھوچھوی، مولانا عماد الدین سنہلی، مولانا محمد اجل سنہلی، مولانا حشمت علی (بہٹی)، مولانا خورشید وارثی، (دہلی) مولانا منظر الدین شہید (دہلی) مولوی صبغتہ اللہ فرنگی محلی، مولانا -
نذیر احمد لکھنوی، مولوی نثار احمد (دہلی) وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم

پاکستان کے مرحومین علماء | مولانا محمد نعیمی، مولانا سید طاہر اشرف، مولانا نسیم احمد، مولانا زاہد القادری بدایونی، مولانا ناصر جلالی، مولانا عبد الحفیظ (ملتان) مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد (لاہور) مولانا سترار احمد (لال پور) قاری احمد حسین صاحب فیروز پوری، (گجرات) وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین -

ہندوستان کے موجودہ علماء و صوفیہ | حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان (بریلی)، مولانا صوفی اخلاق احمد صاحب (احمد آباد) قاری محمد اسماعیل مجددی مدنی، (رام پور)، مولانا رجب علی صاحب، قاضی محمد محبوب صاحب (امروہہ) حضرت سید عبد الغنی صاحب (اندور) مفتی ضیاء الحق (دہلی) مفتی عتیق الرحمن (دہلی) مولانا عبد الحسین صاحب (دہلی) حافظ محمد عبد اللہ صاحب (دہلی) علامہ اخلاق حسین (دہلی) مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلی) پیر ضامن نظامی (دہلی) جناب خوند صاحب (دہلی)، قاری محمد ادریس صاحب وغیرہ وغیرہ -

(کراچی)

پاکستان کے موجودہ علماء و صوفیہ | حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی، ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری، مولانا محمد شفیع اکاوڑی، مولانا سید زواریں صاحب مولانا زین العابدین صاحب مولانا سید حامد جلالی، مولانا محمد مسعود احمد مولانا ضیاء القادری بدایونی، عزیز الملک مولانا محمد یوسف سلیمانی، پنڈت محمد فاروق صاحب مولانا شبیر احمد صاحب - وغیرہ وغیرہ

(حیدرآباد)

حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب مولانا خلیل احمد صاحب برکاتی، مولانا فخر اسحاق صاحب مولانا ابوالاسرار صاحب مولانا فخر شمس صاحب فاضل شمس، حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سید اکبر علی شاہ صاحب۔

مولانا سعید احمد کاکملی (بھاول پور) الحاج قاری سید حفیظ الرحمن صاحب (بھاول پور) مولانا جمیل الدین صاحب (بھاول پور) حضرت مولانا محمد منظور احمد کاکملی (ساہیوال)۔

(لاہور)

ابوالبرکات مولانا سید احمد صاحب، مولانا سید محمد محمود ضوی، مولانا خلیل احمد مفتی محمد حسین نقوی، سیف الاسلام مولانا منور حسین صاحب مولانا گلزار احمد صاحب مولانا اعجاز ولی صاحب، مولانا محمد شریف صاحب مولانا جمیل الرحمن شرف پوری، مولانا محمد عمر الفاروقی شرف پوری، مولانا مفتی احمد یار خاں (گجرات) مولانا حکیم محمد مختار احمد سنبھلی (گجرات)، حضرت مولانا شاہ محمد عارف مدنی (راولپنڈی)، حضرت مولانا دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین درگاہ خواجہ میری (پشاور)

حضرت مولانا عبد الغفور مدنی (مدینہ منورہ) مولانا نورانی میاں (مدینہ منورہ)، مولانا محمد صادق کابلی (مدینہ منورہ) ضیاء الشریح

حضرت مولانا محمد ابراہیم (افغانستان، کابل) وغیرہ وغیرہ

مشترحوال باب

تصانیف

Click For More Books

تصانیف

حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے اپنی حیات طیبہ میں تقریباً ساٹھ ستر سال علمی فرائض انجام دیے اور
بیشمار تحریرات یادگار چھوڑیں، حضرت کے زمانہ کے متواتر کتب کا بیشتر حصہ علمی کاموں اور مطالعہ کتب میں
صرف ہوتا تھا حتیٰ کہ یہ سلسلہ وصال سے صرف ایک دو گھنٹے قبل تک جاری رہا، پاک ہند بلکہ بلاد اسلامیہ
کے بہت کم علماء و صوفیہ نے اتنے طویل عرصہ علمین کی خدمت کی ہے، حضرت کی علمی نگارشات و
اقوال کو سات حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے، مطبوعہ و غیر مطبوعہ رسائل، علمی تحقیقی فتوے، مکاتیب
گرامی، تقاریر، ملفوظات شریف، اوراد و وظائف اور تعویذات، نصابی منظوم و غیر منظوم نوٹس۔

پیش نظر باب میں بعض مطبوعہ اور غیر مطبوعہ رسائل کا ذکر کیا جائے گا، اس سے اگلے باب
میں مجملہ فتوؤں کے بارے میں عرض کیا جائیگا، ویسے اس موضوع پر ایک علیحدہ کتاب "فتاویٰ مظہری"
کے نام سے مرتب کی جا رہی ہے، مکاتیب گرامی پر ایک باب قائم کیا گیا تھا مگر کتاب کی غیر ضروری
طوالت کے پیش نظر یہ باب حذف کر دیا گیا اور ایک مستقل اور مبسوط کتاب "مکاتیب مظہری"
کے نام سے علیحدہ مرتب کر لی گئی ہے جو عنقریب شائع کر دی جائے گی۔ تقاریر کے چند مسودے
محفوظ کر لئے گئے ہیں، انشاء اللہ رسالے کی صورت میں پیش کر دیئے جائیں گے۔ سالہا
سال تک حضرت جمعہ کے دن نماز کے بعد اپنے حجرہ شریف میں حاضرین مجلس کو پند و نصائح فرماتے
تھے، یہ سلسلہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا، اگر ابتداء سے یہ ملفوظات شریف
جمع کئے جاتے تو کئی مجلدات ہو جاتیں مگر افسوس اس کا اہتمام نہیں کیا گیا، اب مختلف احباب
اور مرید معتقدین سے دریافت کر کے ایک سالہ مرتب کیا جائیگا، حضرت کو عملیات میں بڑا ورک تھا
جہاں چاہے اس سلسلے میں لاکھوں تعویذات اور اوراد و وظائف تحریر فرمائے، بعض دعائیں و وظائف
جو مکاتیب شریف میں نظر آئے وہ "مکاتیب مظہری" کے مقدمہ میں ایک مستقل عنوان کے تحت پیش
کر دیئے گئے ہیں، متفرق دعائیں جو مختلف لوگوں کے پاس محفوظ ہیں، جمع کر کے ایک علیحدہ رسالے
کی شکل میں پیش کر دی جائیں گی۔

حضرت نے عربی طلبہ کی سہولت کے لئے مختلف فنون معلوم (مثلاً صرف و نحو، فقہ، منطق،
میراث، توقیت وغیرہ) میں نصابی نوٹس تحریر فرمائے ہیں جن میں بیشتر منظوم ہیں تاکہ جلد ذہن نشین
ہو سکیں، یہ نوٹس آج کل کے مروجہ نوٹس کی طرح نہیں جو اصل سے کئی درجہ بڑھ جاتے ہیں،

بلکہ نہایت جامع اور مختصر ہیں، عالمانہ ذہنی کاوش کا نتیجہ ہیں، گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے، یہ نوٹس بھی محفوظ کر لئے گئے ہیں اور انشاء اللہ کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں گے۔

اسہم تاریخی ترتیب سے رسائل کا ذکر کرتے ہیں، جو رسائل معلوم ہو سکے یہاں صرف انہیں کا ذکر کیا جا رہا ہے اصل تعداد کا صحیح علم نہ ہو سکا۔

①

”ارکان دین“ مطبوعہ ہلالی پریس دہلی، ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

صفحات ۳۲ ————— کتابی سائز ۵x۸

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ دین کے ارکان پر مشتمل ہے اس میں دیباچے کے علاوہ گیارہ ابواب ہیں اور ہر ایک باب کے ذیل میں فصلیں بھی ہیں، ابواب کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا باب ————— شرع کے حکموں کے بیان میں

دوسرا باب ————— نجاست اور پاکی کے بیان میں

تیسرا باب ————— وضو کے بیان میں

چوتھا باب ————— غسل کے طریقہ کے بیان میں

پانچواں باب ————— تیمم کے بیان میں

چھٹا باب ————— نماز کے بیان میں

ساتواں باب ————— نماز کے طریقہ وغیرہ کے بیان میں

آٹھواں باب ————— رمضان کے مہینے کے روزوں کے بیان میں

نواں باب ————— زکوٰۃ کے بیان میں

دسواں باب ————— حج کے بیان میں

گیارہواں باب ————— قرآنی کے بیان میں

حضرت قدس سرہ نے تمام ارکان کو نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا اور تطویل و لاٹال سے اجتناب فرمایا ہے اس سے مقصود طلبہ کو تعلیم دینا ہے اس لئے ان کی ذہنی سطح کو دیکھتے ہوئے مختصر لکھا گیا ہے۔

منظر الاخلاق فی طبوہ الی پریس دہلی، سالہ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

صفحات ۴۴ ————— سائز ۸x۵

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس سالہ کا موضوع اخلاقیات ہے، اس کے شروع میں دیباچہ ہے جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے، اس کے بعد پندرہ ابواب کے تحت موضوع پر بحث کی ہے۔ دیباچہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین اما بعد
جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو عقل اور نفس دو جوہر ایسے عنایت فرمائے ہیں جس سے ہر
اچھی بُری چیز کا امتیاز حاصل ہو جاتا ہے، عقل موجودہ فائدہ پر نظر نہیں رکھتی بلکہ اس کے انجام کو دیکھتی
ہے برخلاف نفس کے وہ موجودہ راحت و آرام مد نظر رکھتا ہے پس غور کرنے سے تمام چیزیں
چار طرح کی نظر آتی ہیں :-

ایک وہ جس سے عقل ارضی ہے اور نفس بیزار جیسے وہ نکالیف جو خدا
کی فرماں براری کے وقت ہوتی ہیں کیوں کہ اگرچہ اس وقت یہ بہت ہی گراں معلوم
ہوتی ہے لیکن اس نتیجہ بہت عمدہ ہے۔

دوسرے وہ جس کو نفس پسند کرتا ہے، عقل ناپسند کرتی ہے جیسے وہ سرور
جو خدا کی نافرمانی کے وقت حاصل ہوتا ہے کیوں کہ اگرچہ یہ بالفعل بہت خوشنما
معلوم ہوتی ہیں لیکن آخر ان کا بہت خراب ہے۔

تیسرے وہ جس کو عقل و نفس دونوں پسند کرتے ہیں، جیسے علم کیوں کہ اس
کی موجودہ اور آئندہ دونوں حالتیں عمدہ ہیں۔

چوتھے وہ جس کو عقل و نفس دونوں ناپسند کرتے ہیں، جیسے جہل، اس واسطے
کہ اس کے دونوں پہلو بُرے ہیں۔ (ص-۱)

دیباچہ کے بعد مندرجہ ذیل پندرہ ابواب ہیں :-

پہلا باب ————— اخلاق ذمیمہ کے بیان میں

دوسرا باب	اخلاق حسنة کے بیان میں
تیسرا باب	بیان ان آداب کا جو زبان سے متعلق ہیں
چوتھا باب	بیان ان آداب کا جو کان سے متعلق ہیں
پانچواں باب	بیان ان آداب کا جو آنکھ سے متعلق ہیں
چھٹا باب	بیان ان آداب کا جو پیٹ سے متعلق ہیں
ساتواں باب	بیان ان آداب کا جو متعلق ستر کے ہیں
آٹھواں باب	بیان ان آداب کا جو پاؤں کے متعلق ہیں
نواں باب	آداب متعلق پوشش و زینت
دسواں باب	آداب متعلق ملاقات و دستاویز مجلس وغیرہ
گیارہواں باب	لیٹے مہمانوں کے آداب
بارہواں باب	آداب حقوق اور جو اس کے مناسب ہے
تیرھواں باب	آداب متفرقہ
چودھواں باب	بیان نصائح و نکات

اس رسالے کا جدید ایڈیشن اسی سال (۱۹۶۸ء) مدنیہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی نے شائع کر دیا ہے اس ڈیشن کو راقم نے از سر نو مرتب کیا ہے اور حضرت کی مختصر سوچ بھی شامل کر دی ہے

(۳)

”منظر العقائد“ مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی، ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

صفحات ۳۲ — سائز ۴ × ۸

اس سالے کا ایک نسخہ ہارڈنگ لائبریری، دہلی میں محفوظ ہے، راقم فروری ۱۹۶۸ء جب دہلی گیا تھا تو اس سالے کا مطالعہ کیا تھا اس کی تفصیل یہ ہے :-
ابتداء میں مقدمہ ہے پھر کتاب کو سات ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے آخر میں مختصر تذکرہ الکتاب ہے اور پھر ترمیم، ابواب کو اسباق کی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے اور سوال و جواب لکھا گیا ہے سائل شاگرد ہے اور مجیب استاد اسباق یا ابواب کی تفصیل یہ ہے :-

① عبادت اللہ اور تعالیٰ کی عبادت، کلام الہی وغیرہ ② وہابی

وخالق ہے (۳) وہ قادر ہے (۴) مقام رسالت پہنچی (صلی اللہ علیہ وسلم) (۵) اکابر اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) (۶) ایمان (۷) عقیقی و آخرت و متعلقات۔
آخری صفحہ کے اسل قبباس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سالہ محولہ بالادونوں رسالوں کے بعد شائع ہوا ہے۔

”یہ رسالہ اور رسالہ منظر الاخلاق جس میں اخلاق کا بیان ہے اور رسالہ ارکان دین جس میں دین کے ارکان کا ذکر ہے اسی ضرورت کے واسطے تالیف ہوا۔“
مندرجہ بالا تینوں رسائل یعنی ارکان دین، منظر الاخلاق اور منظر العقائد مدرسہ ضیاء الاسلام (دہلی) کے طلبہ کے لئے لکھے گئے تھے جیسا کہ تتمہ سے اندازہ ہوتا ہے۔

(۴)

کشف المحجوب عن مسئلۃ لبناء القباب مطبوعہ مطبعہ جدیدیں دہلی

تالیف ۱۰ اصغر المنظر ۱۳۲۷ھ / ۱۹۲۵ء

سائز ۸x۵

صفحات ۳۲

یہ رسالہ مزارات پر قبوں کی تعمیر کی حلت و حرمت اور انہدام سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا جو دہلی کی جمعیت خدام الحرمین کے اراکین کی طرف سے حاصل کیا گیا تھا، غالباً یہ وہ زمانہ تھا جب سرزمین حجاز میں صحابہ اور دیگر مقدس ہستیوں کے گبنڈوں کو منہدم کیا جا رہا تھا جو ترکوں کی محبت و عقیدت کا شاہکار تھے، حضرت قبلہ قدس سرہ نے اس کا بڑا مدلل جواب مرحمت فرمایا ہے جس پر پاک ہند کے اکثر علماء کی تصدیقات ہیں، ہم یہاں اس سالہ کے بعض جدیدہ اقتباسات پیش کریں گے جس سے حضرت کے انداز تحقیق اور مسلک کا اندازہ ہو سکے گا۔ اصل رسالہ فتاویٰ مظہری میں شال کر دیا جائیگا۔

(۱)

قبو پر مطلق بنامباح الاصل ہے، حدیث پاک اور ائمہ کرام کے کلام میں اگر اس کی ممانعت ہے تو کسی عارضی فتح اور خارجی حلت کی وجہ سے ہے۔ ان علتوں میں سے جو حرمت اور کراہت کی مقتضی ہیں، شراح حدیث نے اور فقہانے ایک علت یہ بیان

(P)

ندیکھی) تو کھلوا دیا، محمد بن حنیفہ نے حضرت ابن عباس کی قبر پر خیمہ نصب کیا۔ (ص ۹۷۸)

(۳)

اب دیکھنا یہ ہے کہ صلحائے امت خیر الانام علیہ التیمۃ والسلام کے مزارات مقدسہ پر جو قبے بنے ہوئے ہیں ان میں کوئی غرض صالح پائی جاتی ہے یا نہیں یا ان کے بانیوں کی غرض اس سے محض تفاخر ہی تھا پس جہاں میں غرض صالح پاتے ہیں تو ہرگز گمان نہیں کر سکتے کہ تفاخر ان کی بنا ہوئی کہ فطنوا المؤمنین خیرا۔ اور غرض صالح یہاں یہ ہے کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اصحاب باطن یہاں حاضر ہو کر فیض یاب ہوں ورنہ دونوں باتیں اہل سنت کے نزدیک جائز ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب حصۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر غریزی میں فرماتے ہیں :-

”از اولیائے مدفونین انتفاع جاری است“

نواب قلم الدین صاحب حصۃ اللہ تعالیٰ علیہ ظاہر الحق میں فرماتے ہیں :-

تیسری قسم زیارت کی برکت حاصل کرنے کے لئے ہے وہ زیارت اچھے لوگوں کی قبروں کی ہے اس لئے کہ ان کے لئے برزخ میں تصرفات و برکات بیشمار ہیں نہ ہی اور رد المحتار میں امام غزالی سے (یہ قول نقل کیا ہے) ہے :-

انهم متفادون فی القرب من اللہ تعالیٰ ونفع المزارین

بحسب مقامہم واسماہم۔ (ص ۱۰)

(۴)

اولیاء اللہ، قرب باری تعالیٰ اور اپنے زیارت کرنے والوں کو نفع پہنچانے میں اپنی معرفت اور رموز کے لحاظ سے متفاوت درجہ رکھتے ہیں۔

تقریر میں تفسیر روح البیان سے نقل فرمایا :-

قال الشیخ عبدالغنی النابلسی فی کشف النور عن اصحاب القبور ما خلاصتہ ان البدعة الحسنۃ الموافقة لمقصود الشرع تنسیبہ فبناء القبور علی القبور الاولیاء والعلماء والصلحاء امر جائز انتہی
— وقال العکابا جویری فی حاشیہ نعم استناہما

بعضہم للانبیاء والشہداء والصلحین ونحوہم انتہی۔

ترجمہ :- کتاب کشف النور عن اصحاب القبور شیخ عبدالغنی نابلسی نے کہا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بدعت حسنہ جو مقصود شرع کے موافق ہو وہ سنت کہی جاتی ہے لہذا اولیاء، علماء اور صلحاء کی قبروں پر قبول کا بنانا جائز ہے۔

اور علامہ تاجوری نے شرح ابن قاسم میں اپنے حاشیہ میں کہا، ہاں بعضوں نے انبیاء، شہداء، صلحاء اور ان کے امثال کی قبروں پر قبول کے بنانے کو حدیث المنہی سے مستثنیٰ کر لیا ہے۔

اور مجمع البحار میں ہے :-

وقد اباح السلف البناء علی قبور الفضلاء والاولیاء والعلماء
لیزوروا الناس ویستتریحون فیہ انتہی ۔

ترجمہ :- بلاشبہ سلف صالحین نے فضلاء، اولیاء، علماء کی قبروں پر بنا کرنے کو روا رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کرنے آئیں (اور اس میں آرام پائیں)۔

اسی طرح مرقات شریف میں ملا علی القاری علامہ تورشتی سے نقل فرماتے ہیں :-

وقد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ والعلماء المشہورین
لیزورہم الناس ویستتریحوا بالجلوس فیہ انتہی ۔

ترجمہ :- سلف نے مشہور و معروف علماء و مشائخ کی قبروں پر بناء کو جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں و وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔ (از مؤلف)

اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرح سفر السعاده میں فرماتے ہیں :-
در آخر زمان بہت اقصا نظر عوام بر ظاہر مصلحت و تعمیر ترویج مشاہد و مقابر مشائخ
و عظماء ویدہ چیز با افزو وند تا آن جا آہست و شوکت اہل اسلام و ارباب صلاح پیدا آید
خصوصاً در دیار ہندوستان کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند و ترویج و اعلائے
شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشان است و بسا اعمال افعال اوصیاء
کہ در زمان سلف مکروہات بودہ و در آخر زمان از مستحبات گردیدہ آہی ۔

تلخیص و ترجمہ

آخر زمانے میں اس لئے کہ عوام الناس ظاہر سے اثر قبول کرتے ہیں، مشائخ
عظام کی قبروں پر بناء کو جائز قرار دیا گیا تاکہ اس سے اولیاء اللہ اور اسلام

کی شان و شوکت کا اظہار ہو خصوصاً ہندوستان میں کہ یہاں اسلام کے دشمن ہنود اور کفار بہت ہیں اس لئے ان مقامات مقدسہ کی تزیین رعیت و بدبے کا باعث ہوگی بہت سی ایسی باتیں اور ایسے طریقے جو پچھلے زمانے میں مکورات میں سے تھے آخر زمانے میں مستحکات میں شمار کئے جانے لگے۔ (ص ۱۲۹۱۱)

(۵)

مطلقاً ممانعت کی بھی کیسے جاسکتی ہے کہ جب خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حجرہ شریف رکھا گیا اور پھر حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس پر بنا کی اور ان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پرانے حجرہ شریف کو منہدم کر کر از سر نو اس کی تعمیر کی اور کسی نے اس پر انکار بھی نہ کیا تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مطلقاً ہر شخص کی قبر پر بنا ممنوع و حرام ہے اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے اس کا ارتکاب کیوں کر ہو سکتا ؟

قال عمر بن دینار وعبد اللہ بن ابی یزید لم یکن علی العهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی بیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حائط فکان اول من بنی علیہ جندراً اعمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال عبید اللہ کان جندراً قصیراً ثم بناہ عبد اللہ بن الزبیر وفرد فیہ وعن رجال من حیوة قال کتب الولید بن عبد الملک الی عمر بن عبد العزیز وکان قد اشتري حجران واجر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ھما ووج بنا المسجد فقعد عمر فی ناحیة ثم بناہ کما امراد فلما ان بنی البیت علی قبر وھدم البیت الاول ظہر القبر الثلاثہ الخ (عینی)

ترجمہ :- عمر بن دینار اور عبد اللہ بن ابی یزید نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مائے میں حجرہ نبویہ پر دیوار نہ تھی، اولاً حضرت نے (نشت خام سے) دیوار بنائی، عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کی بنائی ہوئی دیوار چھوٹی تھی، پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر نے دیوار بنائی اور اس وقت دیوار میں اضافہ کیا، رجال من حیوة سے

ترجمہ امر عبد اللہ بن زبیر نے دیوار بنائی اور اس وقت دیوار میں اضافہ کیا

منقول ہے کہ ولید بن عبد الملک (خلیفہ اموی) نے عمر بن عبد العزیز (عال بدین طیب) کو جو ازواج مطہرات کے حجروں کو خرید چکے تھے، لکھا کہ حجروں کو شہید کر کے مسجد کی توسیع کرو، عمر بن عبد العزیز ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور حجروں کے گرانے کا حکم یاہیں نے کسی رونے والے کو اس زور سے زیادہ روتا ہوا نہیں دیکھا پھر جس طرح چاہا مسجد کو تعمیر کیا جب سابق مکان کو گرا کر قبر شریف پر نئی تعمیر شروع کی تو تینوں قبریں ظاہر ہو گئیں۔ (ص ۱۳ و ۱۴)

اب یہ کہ ان کا انہدام کہاں تک جائز ہے تو اس میں اصلاً شک نہیں کہ اگر یہ متیقن ہو کہ یہ زمین عامہ موقوفہ میں بہ اجازت مستحقین بنایا گیا ہے تب تو اس کا انہدام جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

لا ضاعة المال ولا هانة صاحب لقبر وكل اهلها امر۔

قبروں پر تعمیر ہو جانے کے بعد بوجہ نقصان مال و امانت صاحب قبر ہم ناجائز ہے کیوں کہ مال کا ضائع کرنا اور صاحب قبر کی توہین کرنا حرام ہے۔

وقال لشافعي في كتاب الآلة فان كانت القبور في الارض

يملكها الموتي في حياتهم او ورثتهم بعد هدم لم يهدم شيء

وانها يهدم ان هدم ما لا يملك احد افهدمه لئلا يحجر على

الناس موضع القبر فلا يدفن فيه احد، فيضيق ذللك با

الناس انتهى ما فيه۔

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر مردوں کی قبریں ان کی یا ان کے ورثہ کی

مملکت میں ہیں تو ان پر کی عمارت سے ہرگز کچھ نہ گرایا جائیگا، اگر گرایا ہی

ہے تو انہیں عمارت کو گرایا جائیگا جو موقوفہ زمین میں ہیں تاکہ لوگوں پر تنگی نہ

واقع ہو۔

وقال في الاكمال وافتى بن راشد بوجوب هدم ما يبني في

مقابر المسلمين من المسقائف والقبب والروضات والنقش

لربه قال فان كان في ملك الرجل فحكمه حكم بناء الدمار

انتهى۔

جو چھتیں اور قبے اور چمن مسلمانوں کے موقوفہ مقابر میں بنائے جائیں ان کے

گرا دینے کے جو بکا ابن رشد نے فتویٰ دیا اور ٹوٹان کی ان کے مالک کو دلائی
اور کہا کہ اگر وہ عام قبرستان نہ ہو بلکہ اس شخص کی ملک ہو تو اس کا حکم گھڑوں کی
تعمیر کے مانند ہے (یعنی وہ جائز ہیں پس ان کو نہ گرایا جائے)

لیکن صرف اس خیال سے کہ یہ زمین موقوفہ میں پائے جاتے ہیں ان کو منہدم کرنے
کی جرأت نہ کی جائیگی چنانچہ حاشیہ علامہ باجوری میں ہے :-

ولو وجد بناء في ارض مستبلة ولم يعلم اصله ترك لاحتمال
ان يكون وضع بحق قبل تسبيلها - انتہی -

ترجمہ :- اگر کوئی بنا مسبلہ میں ہو اور اس حقیقت معلوم ہو کہ مملوکہ زمین میں ہے
یا غیر مملوکہ زمین میں تو اس کو بحالہ چھوڑ دیا جائے کیوں کہ احتمال ہے کہ بناء اپنے
ملک میں فی سبیل اللہ کر دینے سے پہلے ہوئی ہو -

پھر ایسے قبول کے ہدم میں جو زمین موقوفہ میں نہیں ہیں، علاوہ اضاعتہ مال کے بغیر حق شرع
صاحب قبر کی سخت اہانت بھی ہے جو حرام ہے -

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لان يجلس احدكم على
جمرة فتحري ثيابه فتخلص الى جلد خيل له من ان يجلس على
قبر (رواه مسلم)

ترجمہ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر پر بیٹھنے کی بہ نسبت بہتر ہے کہ تم
میں سے کوئی آگ پر بیٹھا اور اس کے کپڑے جل کر آگ کا اثر جلد تک پہنچ جائے
وروی انہ (علیہ السلام) ، آی مہجلا متکثرا علی قبر فقال لا
تؤذ صاحب قبر قال لطیبتی ہونہی عن اجلوس علیہ لما
فیہ من الاستخفاف بحق اخیه -

ترجمہ :- آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو قبر سے ٹکیہ
لگائے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ صاحب قبر کو تکلیف نہ دے، طبیعت کہتے ہیں
کہ یہی مطلب قبر پر بیٹھنے سے منع کرنے کا ہے کیوں کہ اس میں حق برادر کی توہین
ہے -

علامہ اجل سیدی عبدالحی نالہسی، حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں :-

Click For More Books

معناه ان الاموال و اح تعلم بترك اقامة المحرمات والاستهانة فتاوى
بذلك انتهى -

ترجمہ :- مطلب ہے کہ ارواح کو ان کے احترام نہ کئے جانے اور اہانت کئے جانے کا
ادراک ہوتا ہے اور اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے -
علامہ اجل، شیخ الہند حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلوی قدس سرہ العزیز شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :-
شاید کہ مراد آنست کہ روح و سے ناخوش میدارد و راضی نیست بتکلیف کردن بر
قبر و سے از جهت تضمن اہانت و استخفاف را بوسے، انتہی
شامی میں ہے :-

لان المیت یتاذى بما یتاذى به الحي
اس لئے کہ جو چیزیں زندہ کے لئے باعث تکلیف ہیں وہ مردہ کے لئے بھی باعث
تکلیف ہیں - (ص - ۱۷۱۶)

(۷)

اگر ان عمارات کے ڈھانے کے لئے یہی حید نکالا جاتا ہے کہ حضور نے ان کو ناپسند
فرمایا ہے تو چاہیئے کہ جس جس کی عمارت بلند اور پختہ دیکھی جائے بے دھڑک ڈھانی شروع
کر دی جائے کہ حضور نے ایسی تمام عمارات کو ناپسند فرمایا ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ سے کلام ہو کر
فرمایا اور جب تک انہوں نے اپنی اس عمارت رفیعہ کو ڈھانہ دیا ان سے کلام نہ فرمایا چنانچہ انس
بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا پورا قصہ ابوداؤد شریف میں مروی ہے جس کے آخر میں
حضور کے یہ کلمات روایت کئے گئے ہیں :-

اما ان کل بناء و بال علی صاحبہ
الامالا یعنی ما
لابد مندہ -

ترجمہ :- آگاہ ہو جاؤ کہ ہر غیر ضروری عمارت اپنے مالک پر وبال ہے مگر وہی جس کے
بغیر چارہ نہیں -

احادیث کے سمجھنے کے لئے فقہیت درکار ہے، حضور نے عمارات
پختہ کو اس لئے ناپسند نہیں فرمایا کہ وہ ناجائز تھیں بلکہ اس لئے کہ اگر ابتدائے اسلام میں
لوگوں کو آسائش کی خاطر توجہ ہو گئی تو اسلام کی ترقی میں نقصان پہنچے گا - (ص - ۱۸، ۱۹)

Click For More Books

(۸)

اگر ایسے قبہ جات کا ہم ضروری ہی تھا تو کیا وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اپنے غلبہ و سطوت اور فتح کے اور باوجود شدت اتباع سنت کے بیت المقدس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کے اور دیگر انبیائے کرام کے قبہ جات شریفہ کو شہید کرنے کا حکم نہ فرمایا، چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بشارت تخریر کے صفحہ ۹۹۸ پر فرماتے ہیں :-

”مولانا احمد بن حسن ترمذی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب مصباح الاطلاع میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک شام کو فتح کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر اور ان کے سوا اور انبیاء کی قبروں پر جو قبے تھے ان کو ڈھانے کا حکم نہیں دیا۔“ انتہی

(ص - ۱۹)

(۹)

آج کل قبوں کے ہم کے جواز پر بہت کچھ زور دیا جا رہا ہے جس کا اصل منشاء یہ ہے کہ وہ قبہ شریفہ جس کو قبہ خضر کہتے ہیں اور جس پر ہر مسلمان کہ جس کے دل میں حقیقی ایمان جلوہ گر ہے، اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہے اگر خدا نخواستہ منہدم کر دیا جائے تو مسلمانوں میں اضطراب نہ پیدا ہو، — آہ یہ گنبد اقدس ہے جس پر نظر کرنے کو ہمارے علماء اسی طرح عبادت لکھ رہے ہیں جس طرح بیت اللہ پر نظر کرنے کو عبادت کہتے ہیں چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ محقق مابین ہمام رحمۃ اللہ علیہ منہاج المسلمین وطلا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں :-

ولیغتنم ایام مقامہ بالمدينة المشرفة فیحرص علی ملازمة المسجد والاعتکاف وانحتم ولومرقة منہ واحیاء لیلہ وادامة النظر الی المصحح الشریف (ای ان تیسرے) والقبۃ المنیفة (ان تیسرے فاللتنويع) مع المہابة والخضوع (ای ومع الخشۃ والخشوع ظاہراً وباطناً) فانہ (ای النظر لمنذ کور) عبادۃ کا النظر الی لکعبۃ الشریفۃ انتہی۔

ترجمہ :- مدینہ شریف میں اپنے قیام کے دنوں کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور مسجد نبوی میں برابر،

حضوری اور اس اعتکاف و ختم قرآن اگرچہ ایک بار ہو اور شب بیداری اور حجرہ شریف کی طرف اگر یہ میسر ہو یا قبہ بلند کی طرف اگر حجرہ شریف کی جانب نظر و شوار ہو برابر نگاہ جمائے رکھنے کی حرص ہونی چاہیے کیوں کہ حجرہ شریف یا قبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے جس طرح کعبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے۔

بلکہ بعض علماء ادب کی راہ سے آنکھ اٹھانے کی بھی اجازت نہیں دیتے چنانچہ علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری مواسب لدنیہ اور علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں :-
یلزم الادب الخشوع والتواضع غاض البصر كما كان يفعل بنو
یہ فی حیاتہ (اذھوئی) ویستحضر علمہ بوقوفہ بین یدہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام وسماعہ لسلامہ کماھو فی حیاتہ
انتہی۔

ترجمہ :- زائر کو چاہیے کہ اس دربار عالی میں دب عاجزی و تواضع کو لازم پکڑے، نظر نیچی رکھے جس طرح حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں کرتا، کیوں کہ حضور ابھی زندہ ہیں اور اس بات کو دل میں جمائے رکھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی درگاہ میں میری حاضری کا علم اسی طرح ہے، اور میرے سلام کو اسی طرح سنتے ہیں جس طرح کے آپ اپنی حیات ظاہری میں دیکھتے اور سنتے تھے۔

(ص-۲۴ و ۲۵)

(۱۰)

افسوس جس بارگاہ بکیں پناہ کے حضور علماء زور سے بات کرنے کو بھی ناجائز جانیں وہاں یہ ستم کہ لوگوں کی دل ہلا دینے والی آوازیں گونج رہی ہیں، تفسیر شرح البیان میں ہے :-
وقد اکر بعض العلماء رفع الصوت عند قبره عليه السلام
لانہ حی فی قبرہ۔ انتہی

ترجمہ :- بیشک بکروہ جانا ہے بعض علماء نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر شریف کے نزدیک آواز کے بلند کرنے کو کیوں کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔
خدا کی قسم کہ میں اس سے کہ اس قبر شریف کی توہین سے متعلق کچھ سنتا یہ بہتر جانتا تھا کہ میرے کان پھوٹ جاتے بلکہ اس سے پہلے میرا وجود ہی نہ رہتا۔

سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر سے

جانا ہے سر کو جلا چکے دل کو قرار آئے کیوں

فقط واللہ تعالیٰ بالصواب اعلم علمہ اتم واحکم - تحریر بتاریخ: ۱۳۴۲ھ

حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ نقشبندی مجددی

امام مسجد فتح پوری، دہلی -

حضرت کے اس جواب با صواب پر پاک ہند کے علماء کی تصدیقات ہیں جو مندرجہ ذیل شہروں سے حاصل کی گئیں ہیں۔ دہلی، سنبھل، پھلواری شریف، مراد آباد، بمبئی، پشاور، نوشہرہ، رام پور، قصور، جہلم وغیرہ وغیرہ، ان تصدیقات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ۳۷ سال کی عمر میں حضرت نے وہ تبحر اور علمیت پیدا کر لی تھی کہ پاک ہند کے دور دراز علاقوں کے علماء بھی آپ کی فتاویٰ سے بے حد متاثر تھے، تمام تصدیقات کا نقل کرنا تو ممکن نہیں صرف دو علماء کی تصدیقات نقل کی جاتی ہیں۔

(۱)

حضرت مولانا مولوی محمد عطاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے:-

اتباعہ میں حقیر و فقیر نے عالم نبیل، ارب نبیہ فاضل جلیل، ادیب فقیہہ
حقیقت آگاہ، فضیلت پناہ مولوی مولینا حافظ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب مفتی اہل
سنت پیش نام مسجد فتح پوری، مولوی جنتی نقشبندی مجددی متع اللہ المسلمین
بطول بقائہ واستعمالہ فی رضائہ کا جو جواب با صواب بڑے غور سے مطالعہ کیا
سبحان اللہ سبحان اللہ کیا سمجھ و حق، دھن دوز، فتن سوز، جواب ہے، کہ
حقیقت نفس لامری کا انکشاف فرما دیا اور یہ آپ کی ذات ستودہ صفات کی
پہلی ہی برکت نہیں بلکہ ہمیشہ ایسے معرکہ الآراء مسائل کے حل فی ہر آپ کا یہی
تفسیر انداز ہے، واللہ تعالیٰ بالصواب اعلم علمہ جل مجدہ اتم و
احکم وانا الفقیر القادر صری محمد بن المداعو بعماد الدین،
الحقہ اللہ تعالیٰ بسلفہ الصالحین - فقط

(ص - ۲۷)

(۲)

حضرت العلامہ مولانا مولوی محمد اجمال قادری رضوی سنبھلی قدس سرہ العزیز نے جن الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اس کے ابتدائی کلمات یہ ہیں :-

امعنت النظر في اجوبة الفاضل لاجل العالم الاجل قدوة
المثالكين واسوة الراغبين مفتي اهل السنة والجماعة حضرت
الشيخ محمد مظهر الدين اذ الله خير الجزاء - فوجدتها مملوءة
بالدلائل الساطعة والبراهين القاطعة لا ينكرها الا من لا يميز
الغث والسمين ولا يلتفت الى الشمال واليمين فلاح في الجيب
وسخطه على من يريب -

(۵)

”تحقیق الحق“ مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء

سائز ۵x۶

صفحات ۳۰

حضرت غوث اعظم فی الدین گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کے لئے
گیارہویں شریف کے اہتمام کے بارے میں ایک فتویٰ لیا گیا تھا جس کا پہلا جواب مولانا مفتی
کفایت اللہ مرحوم نے دیا ہے، دوسرا جواب مولوی محمد عبدالرشید لکھنوی کا ہے اور تیسرا مفصل
و مبسوط جواب حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کا ہے جس پر بیسیوں علماء کی تصدیقات ہیں، جن کا ذکر
ہم نے معاصرین علماء کے باب میں کر دیا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم نے نفس فاضلہ اور گیارہویں شریف کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ
تقریر فرماتے ہیں :-

۱- ایصال ثواب شریعت میں جائز بلکہ مستحسن ہے (ص-۴)

۲- ہاں اگر زیادت ثواب کے لئے نہ موثر سمجھے اور نہ حصول ثواب کی شرط قرار

دے، صرف اتفاقی طور پر یا سہولت کارکنے کے لئے مقرر کرے اور وہ گیا ہو

ہی کو مقرر ہے تو اس کا فعل فی حد ذاتہ جائز ہو گا۔ (ص-۵۴ و ۵۵)

مفتی صاحب نے اصل اختلاف جو فرمایا وہ تخصیص یوم کے بارے میں ہے یعنی دن کو

اس لئے مخصوص کرنا کہ یہ جب ہے یا اس میں ثواب زیادہ ملتا ہے غیرہ وغیرہ — حضرت

قبلہ قدس سرہ العزیز نے مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے تخصیص و توقیت کی

مزید شرح اس طرح فرمائی ہے :-

(۱)

توقیت

توقیت یعنی ”وقت معینہ پر کسی کام کو کرنا“۔ دو حال سے خالی نہیں یا شرعی ہوگا یا عادی، توقیت شرعی یہ کہ شارع نے کسی کام کے لئے خود وقت مقرر فرمادیا خواہ اس طرح کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں وہ کام ہو ہی نہیں سکتا جس کے لئے وقت معین کیا ہے جیسے قربانی کے لئے ایام نحر پس گرایام نحر کے سوا دوسرے ایام میں جانور ذبح کیا جائے گا تو قربانی نہ ہوگی یا اس طرح کہ دوسرے وقت میں وہ کام تو ہو سکتا ہے لیکن بلاعذر تقدیم و تاخیر جائز نہیں جیسے پنج وقتہ نمازوں کے اوقات معینہ یا تقدیم و تاخیر بھی جائز ہے لیکن زیادتی تو اباسی وقت معینہ میں ہے جیسے نمازوں کے لئے اوقات مستحبہ۔ غرض ان مذکورہ صورتوں میں سے اگر کوئی صحت ہے تو وہ توقیت شرعی ہے نہ عادی۔

توقیت عادی کا مطلب ہے کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے توقیت اجازت ہے لیکن مصلحت یا مناسبت کی وجہ سے کسی قوم یا کسی خاص شخص نے اس کام کے لئے ایک وقت خاص اختیار کر لیا ہے، مثلاً وعظ و نصیحت کرنا ہر وقت جائز ہے لیکن اس زمانے میں کثر علماء نے نمازوں کے بعد وعظ فرمانا اختیار کر لیا ہے سو ایسی تقریر تعین ممنوع نہیں، گیارہویں اعراس و سوم و چہلم وغیرہ میں تخصیص یوم ابھی قبیل سے ہے پس ممنوع نہیں۔

(ص - ۸)

(۲)

غرض کہ توقیت و تخصیص یوم نہ مطلقاً بدعت ہے اور نہ مجہول (معتق کفایت اللہ صاحب) نے اسے بدعت کہا بلکہ جو توقیت بدعت نہ تھی اس کا صاف اظہار کر دیا قطع نظر اس کے شارع ایسی تخصیص کی کراہت پر بھی کوئی دلیل نہیں چھ جائے کہ حرمت پر۔ اگر تمتع کیا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانے میں کروڑوں

ہی صحابہؓ است ایسے ملاں گے جو ہمیشہ ایسی تخصیص پر کاربند رہے پس اس کو بدعت کہہ کر کہا جاسکتا ہے بلکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے چنانچہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ :-
سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن
صوم الاثنين فقال فيه ولدت وفيه انزل القرآن
علیّ - رواہ المسلم

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور یہ کیا وجہ ہے کہ آپؐ پیر کے دن روزہ رکھتے ہیں فرمایا اس روز میں نے اپنے جلوہ سے اس دنیا کو روشن کیا ہے اور اس ہی روز بھر پر کلام الہی نازل ہوا ہے، تو اس کے شکریہ میں میں اس روز روزہ رکھتا ہوں۔

اب دیکھئے کہ شکریہ کا روزہ رکھنے کے لئے ہر دن کو استحقاق مساوی درجہ کا حاصل تھا لیکن حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف اس مناسبت سے کہ جس کے شکریہ میں یہ روزہ رکھا جاتا ہے اس کا حصول پیر کے روز ہوا ہے لہذا اس روزہ کے لئے پیر کا دن اختیار فرمایا اور اس میں اپنی امت کو ارشاد فرمادیا کہ ایسی تخصیص تمہارے لئے جائز ہے۔ (ص - ۱۰)
الحاصل تخصیص عادی کی شارع سے سماعت نہیں اور تخصیص عادی کو تخصیص شرعی کے حکم میں جاننا کھلی بدعت ہے یہی حال تخصیص شے متعلقہ کا بھی ہے کہ اگر عادتاً تخصیص واقع ہوئی۔ جائز اور اس کے ساتھ شرعی تخصیص کے احکام میں سے کسی حکم کو لاحق کیا تو بدعت ہے۔ (ص - ۱۰)

④

رسالہ در علم توقیت مؤلفہ ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء (قلمی)

== صفحات ۱۷ ==

یہ رسالہ علم توقیت سے متعلق ہے ابھی تک شائع نہیں ہوا، قلمی ہے اس رسالے میں پہلے ویجاہ ہے اس کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، چوتھا اور پانچواں باب اس میں نہیں ہے

Click For More Books

باقی ابواب کی تفصیل یہ ہے :-

- ۱۔ باب اول مصطلحات علم توقیت کے بیان میں
 - ۲۔ باب دوم قواعد کے بیان میں
 - ۳۔ باب سوم استخراج اوقات کے بیان میں
 - ۴۔ باب ششم طریقہ جدید کے بیان میں
 - ۵۔ باب ہفتم میل شمسی و تعدیل الایام
 - ۸۔ باب ہشتم جداول ریاضیہ وغیرہ
- اس سالہ کا دیباچہ چوں کہ فائدے سے خالی نہیں اس لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ الذی جعل لشمس ضیاء والقمر نورا وقد
منّٰہ لتعلموا عدا السنین والحساب والصلوة والسلام
على السراج المنیر محمد والہ واصحابہ الی یوم الماب
اما بعد ارباب بصائر پر پوشیدہ نہیں کہ جس طرح ہر مسلمان پر نماز فرض ہے
اسی طرح نماز کے اوقات کا علم بھی فرض ہے، شریعت مظہر نے ان اوقات
کے علم کے لئے جو علامات بیان فرمائیں جب تک صحیح و صوب گھڑی اور بلند
مقام میں نہ آئے وہ علامات بھی معلوم نہیں ہو سکتیں، اس دشواری کے رفع کرنے
کے لئے ماہرین نے فن توقیت مدون فرمایا لیکن افسوس عوام درکنار علماء میں
بھی شاذ و نادر ہی اس کا جاننے والا نظر آتا ہے کہ اس کے قواعد پر عمل میں سخت
دشواری پیش آتی ہے نہ اس فن میں آج تک کسی کی اردو میں تصنیف نظر سے
گزری، اس لئے احقر عباد اللہ فقیر محمد مظہر اللہ بن علامہ وحید عصر حضرت مولانا
محمد سعید شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ امام العارفین، حجتہ العلماء الراستخانی
غنیث الجود، وغوث البیوت حضرت مولانا محمد مسعود نور اللہ برہانہ نے مناسب
جانا کہ اس فن میں کوئی مختصر رسالہ لکھ دیا جائے تاکہ عوام تک اس سے مستفید
ہو سکیں امید ہے کہ اس سے فائدہ حاصل کرنے والے فقیر کو دعائے خیر سے نہ
بھولیں گے فاللہ المستعان وتعالیہ التکلیل

Click For More Books

حضرت قدس سرہ کو علم توقیت میں مہارت تامہ حاصل تھی چنانچہ حضرت کی ایجاد پسند طبیعت نے اس میں ایجادات سے کام لیا اور ایسے طریقے ایجاد فرمائے کہ مشکل ترین سہل ترین ہو گیا۔۔۔ اس علم کو سیکھنے کے لئے حضرت کے پاس باہر سے بھی لوگ آتے تھے لوگوں کی دل چسپی ہی نے حضرت کو اس طرف متوجہ کیا کہ سہل طریقے اختراع فرمائیں، حضرت نے اس سالہ میں خود ایک جگہ اس کا ذکر فرمایا ہے :-

البتہ چوں کہ اصل قواعد میں تصرفات واقع ہوئے ہیں اس لئے دو چار سیکندوں کا فرق ضرور پڑے گا جو لا بعجا بہ ہے، اور ان تصرفات کا باعث یہ ہوا کہ بعض اصل قواعد پر عمل سخت دشوار ہے چنانچہ نواح کابل سے ایک عالم اس کے سیکھنے کی غرض سے تشریف لائے لیکن جبل انہوں نے ان دشواریوں کو ملاحظہ کیا بلا تحصیل ہی واپس ہو گئے، اس کو دیکھتے ہوئے اس کی ضرورت واقع ہوئی۔۔۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ عرض بلد غیرہ کے درجات بھی ایسے نہیں ملتے جس میں ثانیوں تک کا فرق نہ ہو، و قائلوں تک کے فرق ہوتے ہیں، تو اس صوت میں لائن دشواریوں میں پڑنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے، بلکہ میں تو اس کے باوجود ابھی اس میں دشواریاں پاتا ہوں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزید تصرفات کر کے اس کو اور زیادہ آسان کثروں، اس خیال کے پیش نظر آئندہ ابواب میں اس کو ایک جدید صورت میں پیش کرتا ہوں تاکہ طالبین پر اور زیادہ آسان ہو جائے اور ہندوستان کے بلاد کے اوقات نکالنے کے لئے جن جس کتاب کی ضرورت پیش آتی ہے اس سے بھی وہ مستغنی ہو جائیں

البتہ اس میں یہ سقم ضرور رہے گا کہ کچھ زمانہ کے بعد دو چار سکند کا اور بھی زیادہ فرق ہو جائے اس لئے کہ اس سال رواں ۱۹۳۱ء کی المنک سے میل شمسی اور تعدیل زمانہ لیا گیا ہے اور ہر سال اس میں کچھ نہ کچھ فرق دیکھا جاتا ہے اگرچہ وہ خفیف ہی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ زیادہ مدت کے بعد یہ فرق ہو جائے لیکن وہ بھی ایسا فرق نہ ہو گا جو دس پندرہ سکند کے فرق کو پہنچ جائے۔

(ص - ۲۷)

پہلے باب میں حضرت نے علم توقیت کی جن مصطلحات پر بحث کی ہے ان کی تفصیل یہ ہے :-
درجہ و دقیقہ وغیرہ، خط استوا، خط نصف النہار، خط اول نصف النهار، خط سرطان، خط
جدی، عرض بلد، طول بلد، میل شمسی، بعدی، بعد سمتی، انحراف شعاع، انحراف المنظر،
نصف قطر آفتاب، تعدیل الايام، جداول ریاضیہ، وقت ظاہری، وقت بلد،
فرق طول، وقت راجح، فاصلہ قطبی، وقت خاص، زائد متزائد وغیرہ۔

اسی طرح مختلف ابواب میں مختلف مسائل پر بحث کی ہے، سب کا بیان طوالت کا باعث ہو گا، اس
رسالہ کے آخر میں حضرت نے ایک نقشہ تحریر فرمایا ہے جس کا عنوان ہے :-
”نقشہ منظر سمت قبلہ بلاد ہندوستان“

چوں کہ یہ افادیت عامہ کا حال ہے اس لئے نقل کیا جاتا ہے :-

نقشہ منظر سمت قبلہ بلاد ہندوستان

اس نقشہ سے سمت قبلہ معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس بلد کا سمت قبلہ دریافت کرنا
ہو اول اس کے طول بلد کے درجات کے اگر دقیقے ہوں ان کو عرض موقع کے دقیقوں کے
فرق میں ضرب کر حاصل کو عرض موقع کے درجات میں درجہ گارٹم محفوظ کے فرق میں ضرب
دے کر حاصل کو لو گارٹم میں جمع کر لیں پھر عرض موقع اور عرض بلد کے درجات کے تفاضل
کی جیب لے کر اس کو محفوظ سے منہا کر دیجئے، حاصل کے قوس ظل لے کر اس کا توڑ دیجئے
بک تمام لیجئے، یہ اس بلد کا قدر انحراف ہو گا، عرض بلد اگر عرض موقع سے کم ہے تو انحراف شمالی
ہو گا اور زائد ہے تو جنوبی اور برابر ہے تو کچھ نہ ہو گا۔

درجات طول بلد	عرض موقع		لو گارٹم محفوظ	فرق فی دقیقہ محفوظ
	درجہ	دقیقہ		
۶۶	۲۳	۳۲	۹ ۵ ۶ ۲ ۷ ۲۰ ۱	۳۰ ۷ ۵ ۶ ۵
۶۷	۲۲	۲۲	۹ ۵ ۶ ۶ ۵ ۶ ۶ ۰	۲۹ ۹ ۶ ۵ ۳
۶۸	۲۱	۱۵	۹ ۵ ۶ ۸ ۲ ۶ ۳ ۲	۲۹ ۱ ۵ ۵۰
۶۹	۲۰	۷	۹ ۵ ۷ ۰ ۱ ۱۰ ۲	۲۸ ۳ ۵ ۵۰
۷۰	۱۹	۰	۹ ۵ ۷ ۱ ۸ ۱ ۱ ۲	۲۷ ۷ ۵ ۳ ۳

درجات طول بلد	عرض موقع		لوگاریتم محفوظ	فرق فی دقیقه محفوظ
	درجه	دقیقه		
۷۱	۲۴	۳۳	۹۵۷۳۴۷۵۸	۲۷۰۵۹۰
۷۲	"	۳۷	۹۵۷۵۱۰۱۲	۲۷۵۵۹۲
۷۳	۲۵	۱	۹۵۷۷۷۹۷۷	۲۸۰۵۳۲
۷۴	"	۱۵	۹۵۷۸۲۵۲۷	۲۸۵۵۴۷
۷۵	"	۲۲	۹۵۷۹۷۹۰۳	۲۹۰۵۵۷
۷۶	"	۲۹	۹۵۸۱۲۹۳۷	۲۹۵۵۶۸
۷۷	۲۶	۷	۹۵۸۲۷۷۷۴	۳۰۰۵۷۹
۷۸	"	۲۵	۹۵۸۴۲۳۱۰	۳۰۵۵۹۰
۷۹	"	۳۲	۹۵۸۵۷۷۸۹	۳۱۰۶۰۱
۸۰	۲۷	۳	۹۵۸۷۰۹۳۵	۳۱۵۶۱۲
۸۱	"	۲۴	۹۵۸۸۴۵۳۳	۳۲۰۶۲۳
۸۲	"	۳۷	۹۵۸۹۸۷۷۷	۳۲۵۶۳۴
۸۳	۲۸	۸	۹۵۹۱۲۵۱۹	۳۳۰۶۴۵
۸۴	"	۳۲	۹۵۹۲۷۰۷۰	۳۳۵۶۵۶
۸۵	"	۵۷	۹۵۹۴۱۹۵۰۲	۳۴۰۶۶۷
۸۶	۲۹	۲۳	۹۵۹۵۷۸۳۱	۳۴۵۶۷۸
۸۷	"	۵۰	۹۵۹۷۳۰۷۰	۳۵۰۶۸۹
۸۸	۳۰	۱۸	۹۵۹۸۷۹۲۳۳	۳۵۵۷۰۰
۸۹	"	۲۷	۹۵۹۹۳۳۲۲	۳۶۰۷۱۱
۹۰	۳۱	۱۸	۱۰۰۰۵۳۱۳	۳۶۵۷۲۲
۹۱	"	۵۱	۱۰۰۰۱۸۱۷۸	۳۷۰۷۳۳

مثال

اس نقشہ سے دہلی کی سمت قبلہ کے انحراف کے درجے نکال کر تحریر کئے جاتے ہیں :-

$$\text{عرض بلد} = ۲۸ - ۲۹$$

$$\text{طول بلد} = ۷۷ - ۱۷$$

دہلی

عرض موقع	محفوظ	۱	۲
۲۴ - ۲۹	۹۵۸۲۷۷۷۷	۰۵۳۲	۲۴۲۵۲۴
۲۴ - ۲۹	۳۱۱۸	۳۵۲	۲۴۲۵۲۴
۲۴ - ۲۹	محفوظ = ۹۵۸۳۱۸۹۲	۵۲۴	۲۴۲۵۲۴
۲۴ - ۲۹	جیب = ۸۵۴۲۰۹۱۱	۲	۲۴۲۵۲۴
۲۴ - ۲۹	ظل = ۱۱۵۲۰۰۹۸۱	۱۷	۲۴۲۵۲۴
۲۴ - ۲۹		۱۷۹۵۵۸۲	۲۴۲۵۲۴
۲۴ - ۲۹		۲۴۲۵۲۴	۲۴۲۵۲۴
۲۴ - ۲۹		۲۴۲۵۲۴	۲۴۲۵۲۴

قدرا انحراف جنوبی

⑤

”موجودہ مصائب کا واحد علاج“ مطبوعہ جدید قریبی پریس دہلی ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء

صفحات ۱۶

دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ اس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہندوستان کے مسلمان بھی کچھ کم مصیبت میں نہ تھے، گرائی سے معیشت کو خطرہ، جنگ سے جان کو خطرہ، ہندوستان کے ہر گوشے اور چھوٹے شہروں میں لا تعداد پناہ گاہیں بنائی گئیں تھیں، جنگ کا پورا پورا اہتمام تھا، خوف و وحشت کے ان موقعوں پر اسلام نے جو علاج پیش کیا ہے وہ توجہ الی اللہ ہے جو سارے درددلوں کا مداوا ہے، پاک ہند کی جنگ ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہم خود مشاہد کر چکے ہیں لیکن انسان کی یہ فطری خامی ہے کہ وہ خوف سے مرغوبیت کے وقت ایسا جو اس باختم ہو جاتا ہے کہ اپنے غذا کو بھول کرادی اسباب کی فراہمی میں لگ جاتا ہے۔

Click For More Books

اللہ کو پاموشی مومن پہ بھروسہ

ابلیس کو یوں کی مشینوں کا سہارا

بہر کیف ایسے نازک موقعوں پر خود فراموشوں کو خدا کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے یہ فرض
اہل اللہ نے ادا کیا ہے اور خود پیکر استقامت بن کر دوسروں کے لئے نمونہ بنے۔ خواجہ میر درد
رحمۃ اللہ علیہ و شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسی مقدس ہستیوں نے دہلی کے پُر آشوب انقلابات
دیکھیں ہیں مگر پائے استقامت متزلزل نہ ہو سکا، اسی طرح جن لوگوں نے ۱۹۴۷ء کے فسادات
اور ۱۹۶۵ء کی جنگ کے زمانے میں حضرت مرحوم کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ خوف و ہشت کی
تاریکیوں میں حضرت کی ذات گرامی آفتابِ ایت اور مہتابِ طہانیت تھی، بات یہ ہے کہ انسان عالمِ مریگی
میں اپنی طرف نظر رکھتے ہوئے حفاظت کی فکر کرتا ہے وہ "غیر" پر نظر رکھتا ہے اور جب حافظِ حقیقی کی
طرف نظر رکھتا ہے تو اس کی نظر غیر پر نہیں پڑتی ہے، جب تک غیرت پسندی رہے گی پس
خاکِ آتش حزنِ طلال میں جلتا رہے گا، اور جب عنیت پسندی ہوگا تو اس کی ذات آتشِ نیرِ خرمین
ہوگی، اسی لئے تو فرمایا ہے :-

الَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَآخُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

پیش نظر سالہ میں حضرت مرحوم نے جنگ سے بائوس ہونے والوں کی ڈھارس باندھی ہے،
اور ان دعاؤں کو کجا کر کے پیش کیا ہے جو احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں،
دعا کی تاثیر کی طرف خود قرآن کریم نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے :-

اَمَّنْ يَحْتَبِلْ لِمُضْطَلٍّ اِذَا دَعَاہُ وَلْيَكْشِفَنَّ السَّوْءَ

اب ہم اس سالہ سے اقتباس پیش کرتے ہیں :-

(۱)

اس زمانے کی جنگِ عالم گیر جنگ ہے جس کے اثرات سے دنیا کے کسی گوشہ کا
رہنے والا بھی مامون نہیں ایسی ہمہ گیری کو جنگ سے کیا علاقہ کہ یہ تو غضبِ الہی
کا خاصہ ہے پس حقیقت یہی ہے کہ ہماری بد اعمالیوں کا یہ ثمرہ ہے جو جنگ کی صورت
میں نمودار ہوا ہے اور جس کی وجہ سے خطرات گونا گوں کی اندھیروں میں ہر فرد
بشر حیرانِ خوف زدہ نظر آتا ہے تو

میرے عزیزو! اگر عافیت چاہتے ہو تو وہ یوں ہرگز میسر نہ آئیگی کہ گھبراہٹ

Click For More Books

اور پریشانیوں کا اظہار کرو یا کسی محفوظ کی تلاش ہی کو ذریعہ نجات سمجھو بلکہ اس کا تو
صرف واحد علاج یہ ہے کہ اس کے سبب کو دور کر دینی معاصی کی طرف توجہ کیجئے
اور جہاں تک ہو سکے صدقات دیجئے کہ صدقہ غضب الہی کی آگ کو بجھاتا ہے ،
کثرت سے استغفار کیجئے کہ استغفار ہر سختی کو دور کرنے والا ہے اپنے اوقات
کو دعا سے معمور رکھیئے کہ ربلا میں دعا سے زیادہ کوئی موثر شے نہیں اس پر
عالی گرفتار بلا میں سے اس طرح صحیح سلامت نکل جاتا ہے کہ دیکھنے والے متحیر
رہ جاتے ہیں، چناں چہ زخموں میں اس جنگ کی وجہ سے جو تباہی ظہور میں آئی وہ کسی
پرپوشید نہیں جن مظالم کا وہاں مظاہرہ کیا گیا اس کے تصور سے بھی دل کا نہپ
اٹھتا ہے، بے شمار نفوس مارے گئے لاکھوں مظلومین بے طن ہوئے، اکثر مقامات
وہاں کے یران اور کھنڈر پڑے ہیں، لیکن بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس
ہی میں ایک محلہ ایسا بھی ہے جس پر اس سانحہ ہوش ربا کا مطلق بھی اثر نہ ہوا تحقیق
سے معلوم ہوا کہ اس کے رہنے والے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کئے ہوئے اہل تہذیب
سے غافل نہ رہے اور اس کے جناب میں خضوع و خشوع سے نماز روزہ، درود
و استغفار کے ساتھ استعانت کرتے ہوئے دعاؤں میں مصروف رہے، اسی کا
یہ نتیجہ تھا کہ ان پر آج بھی نہیں آئی ۔

پس میں بھی اس آفت کا مقابلہ نہیں چیزوں سے کرنا چاہیے لیکن نہ
رسمی و رلا پڑا ہی کے طور پر بلکہ اس طریق سے جو نتیجہ خیز ہو ۔

(ص - ۳۹۲)

۸

”خزینۃ الخیرات“، مطبوعہ علی پریس دہلی، ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء

صفحات ۱۶ _____ سائز ۶x۴

یہ رسالہ حضرت مرحوم نے فسادات ۱۹۴۷ء کے زمانہ میں تالیف فرمایا اس میں چند مفید دعاؤں
کو جمع کر کے پیش کیا ہے یہاں دیباچہ سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله السميع المجيب الصلوة على حبیبہ الشفیع النجیب علی
الہ واصحابہ مع الحبیب البیب، اما بعد مسلمان بچہ زمانے سے جن
پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور مصائب بلیات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کا
علاج تو صرف یہ ہے کہ جن اعمال قبیحہ کی بدلت یہ آفات و بلیات پیش آ رہے ہیں
ان کو ترک کر دیں اور اپنے مولاؑ کے حضور صمیم قلب سے بدرجہ غایت
تضرع و زاری و عاجزی و انکسائی کے ساتھ استغفار اور دعا کریں کہ یہ نسخہ
خود اسہی کا بتلایا ہوا ہے ممکن ہی نہیں کہ یہ خطا کر جائے اور تم بلاؤں میں پھنسے
رہو، چناں چہ وہ فرماتا ہے :-

”جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تھی تو وہ گڑ گڑائے کیوں نہیں؟“
بلکہ استغفار و دعا کا ترک کرنا اگرچہ چاروں طرف سے نعمتوں کی بارش ہی کیوں
نہ ہو ہی ہو، خودی مسلمان کے لئے ایسا ہے کہ اس پر بلاؤں کا دروازہ کھول
دیتا ہے چناں چہ حدیث قدسی میں ہے :-

”جو مجھ سے دعا نہ کرے گا اس پر غضب فرماؤں گا“

اعاوذنا اللہ تعالیٰ

تو میرے عزیز و ماغور کرو کہ کیا یہ مصائب یوں جائیں گے کہ بجائے اس کے کہ ان
کے دور کرنے کی تدبیر کی جائے اور بھی زیادتی کے اسباب پیدا کئے جارہے ہیں
معاصی کے ارتکاب میں فرق ضرور پیدا کر دیا ہے مگر یوں کہ بہ نسبت پہلے کے کچھ
زاہد کرہیے اور اس کریم کے حضور بجائے تضرع و زاری کے اس سے دشمنوں
کے منہ پر اس کی شکایتیں کی جانے لگیں، کسی پر اپنے سے ظلم ہو گیا ہے تو بجائے
اس کے کہ اس سے معاف کرایا جائے اور ظلم کا اضافہ کر دیا، افسوس ان باتوں
سے یہ امراض و رہوں گے یا اور ترقی پائیں گے ؟

یہ صحیح ہے کہ اب پریشانیاں قابل برداشت نہیں ہیں لیکن اس کا کیا علاج
کہ خود ہی تو تم نے اس تعالیٰ سے طلب کی تھیں وہ تو محیباللذات ہے جو طلب
کیا تھا وہ تمہیں مل گیا، اب اس کی جناب میں شکایت کا کیا موقع، اگر یہ چاہتے
ہو کہ یہ مصائب و رہوں تو اس کی بارگاہ میں اس کی طلب کرو، وہ تعالیٰ

تہیں اس میں کامیاب فرمائے گا مگر شرط یہ ہے کہ طلبہ ہی طریقہ پڑھو، وہ طریقہ
اختیار کیجئے جو آپ کے ساتھ ایسا منگتا اختیار کرتا ہے جس کو سوائے آپ کے در
کے کوئی در نہیں دکھلائی دیتا کم از کم وہ ہیئت تو بنائیے جو آپ کی ایک جلیل
القدر بادشاہ کے حضور ایسے وقت ہوتی ہے جب کہ بغاوت کے جرم میں آپ
کو پیش کیا گیا ہو، اس بارگاہ کے آداب کا پوری طرح خیال رکھیں، اگر اس
میں کچھ قصور ہوا جس سے دعارد کر دی گئی تو شکایت کی گنجائش نہ ہو گی کہ
خود اپنا ہی قصور ہے۔ (ص - ۲۵۲)

⑨

”اِسْتِغَاةُ الْحَالِ فِي رِيَاةِ الْهَلَالِ“ مطبوعہ جدیدی پریس دہلی

مؤلفہ ۶ رزی الحجۃ ۱۳۷۵ھ سن ۱۹۵۵ء

سائز ۴x۴

صفحات ۳۲

یکم فی الحجۃ ۱۳۷۵ھ کو شہر جے پور کے قاضی عقیل احمد عثمانی نے حضرت مرحوم کو ایک فتویٰ ارسال کیا
تھا جس میں سوال کیا گیا تھا کہ تار، ٹیلیفون، خطوط اور ریڈیو کی خبر یعنی شہادت کی طرح معتبر اور قابل
عمل ہے یا نہیں، حضرت نے اس کا مدلل جواب مرحمت فرمایا تھا جو دہلی سے شائع بھی ہو گیا تھا،
حضرت کے لائل کا بیان تفصیل طلب اس لئے یہاں صرف اسہ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جس
سے اس سلسلے میں حضرت کی شرعی خیالات کا اندازہ ہو جائے، اصل رسالہ فتاویٰ مظہری میں شامل
کر دیا جائے گا۔

(۱)

اصل اس باب میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے کہ :-

لَا تَصُومُ مَنْ حَتَّى تَرَى الْهَلَالَ وَلَا تَفْطُرَ وَاحْتَى تَرَوَهُ فَإِنْ غَمَرَ عَلَيْكَ

فَاقْدِرْ، وَالْهَلَالُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ فَالْهَلَالُ الْهَلَالُ (متفق علیہ) ای

حَتَّى يَثْبُتَ عِنْدَكَ مَرَوِيَّةُ هَلَالِ بِشَهَادَةِ (مہقات)

مترجمہ :- یعنی (بیت رمضان) روزہ رکھو تا وقتے کہ چاند نہ دیکھ لو اور نہ افطار کرو جب تک

اسے نہ دیکھ لو (یعنی تمہارے نزدیک جب تک ثابت نہ ہو جائے) تو اگر تم پر (مطلع

Click For More Books

صاف نہ ہونے کی وجہ سے) چاند پوشیدہ کر دیا جائے تو اس کے لئے اندازہ کر لو،
یعنی تیس روز سے پورے کر لو۔

اس حدیث پاک کا مضمون تو ظاہر ہے کہ وزہ رکھنے اور اس کے ترک کرنے کی ممانعت رؤیت
بلال کے نہ ثابت ہونے پر فرمائی ہے، نیز ارشاد ہے کہ:۔

اگر چاند تمہارے دیکھنے میں نہ آئے تو تم تیس روز سے پورے کر لو تمہارے تار
وغیرہ سے اس ٹٹول کا حکم نہیں دیا جاتا کہ چاند کہاں ہوا کہاں نہیں؟ کہ یہ تمہیں
کچھ مفید نہ ہوگا۔ (ص - ۳۹۲)

(۳)

رہا ریڈیو تو اس کی حقیقت یہی تو ہے کہ اس میں ایک غائب آدمی کی آواز سُنی جاتی ہے جس
کی مخلقت کا علم ہو سکتا ہے اور نہ اخلاق کا اور اوپر گزرا کہ جانا پہچانا آدمی بھی اگر دیوار کی پیچھے
سے بولے تو اس باب میں اس کا کچھ اعتبار نہیں جس میں ریڈیو جیسے سبھی آلات کا حکم تو موجود ہے
سمجھنے کے لئے فہم درکار ہے ورنہ فقہائے کرام (شکرا اللہ مسامحہم) نے تو ہمارے اجہڑاؤ
کے لئے کوئی ضرورت بھی باقی نہ رکھی۔ (ص - ۹)

(۴)

بعض حضرات کو ایک شبہ یہ بھی واقع ہوتا ہے کہ ظاہر الروایۃ میں اختلاف مطالع کا
اعتبار نہیں اس لئے کہ فقہا تصریح کرتے ہیں کہ اگر کسی مقام پر چاند ثابت ہو جائے تو مشرق سے
مغرب تک ہر اس مقام کے رہنے والوں پر چاند کا ماننا لازم ہو جاتا ہے جن کو ان کی خبر پہنچے
ہذا ان ذرائع سے جہاں خبر پہنچے گی ان پر چاند کا ماننا لازم ہوگا، اس کا جواب ہے کہ یہ
توصیح ہے کہ ظاہر الروایۃ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کہ ہر طرح کی
خبر سے چاند کا ماننا لازم ہوتا ہے بلکہ خبر مستفیض سے اور خبر مستفیض کی تعریف ہم بحوالہ شاہی
و متحدہ انقلاقی بتا چکے ہیں کہ متعدد جماعت کا خبر دینا سب سے ہر ایک خبر — منجہ الخالق میں ہے۔

کل من استفاض عندہم خبر تلك البلدة یلزم منهم اتباع
اھلھا و یدل علیہ قولہ ویلزم اھلھا لمشرق برویۃ اھل المغرب
اذا یسر للمل د باھل لمشرق جمیعہم بل بلدة واحدة تکفی کہا
لا یغنی۔ انتہی

اور اسی میں ہے :-

لا يجوز الاستفاضة لانها قد تكون مبنية على اخبار رجل واحد مثلاً فيشيع الخبر عنه ولا شك ان هذا لا يكفي بدليل قوله اذا استفاض وتحقق فان التحقق لا يكون الا بما ذكرنا

(ص - ۱۷) (ج - ۲، ص - ۲۷۰)

(۵)

کیا کبھی کسی سرکاری محکمہ کو دیکھا ہے کہ ان ذرائع سے کسی مقدمہ میں شاہدوں کی شہادت مان کر کوئی حکم نافذ کرتا ہو، اگر نہیں تو وہی احکام نافذ کرنے کی اس سے کیوں توقع کی جاتی ہے؟ اور اگر دنیاوی معاملات پر ہی قیاس کی تطبیق ہے تو پھر چاند دیکھنے اور ریڈیو سننے کی تکلیف بھی کیوں گوارا کی اس باب میں تو خبریوں پر عمل درآمد ہے تو چاہیے کہ رویت کے مسئلے ہی کو ختم کر دیا جائے، جتنی دیکھی و رعید کر لی کہ اس میں تو بعض فقہاء بھی آپ کی تائید فرماتے ہیں، مراقی الفلاح میں ہے :-

وقول اولى التوقيت ليس بهوجب وقيل نعم و

البعض ان كان يكثر و - (ص - ۱۸)

(۶)

وہ کون مجتہد ہے جس کے نزدیک پٹریوں کی خبر سے سلطان تمام ملک میں رویت ہلال کے ثبوت کا اعلان کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کر سکتا ہے؟ — درختار میں ہے :-

الأصل ان القضاء يصح في موضع الاختلاف لا الخلاف و

الفرق ان الاول دليل لا الثاني

علاوہ ازیں سیاسی اور انتظامی امور کا یہ مسئلہ نہیں ہے جس میں اس کا حکم نافذ ہو جاتا ہے اس کا تعلق حقائق سے ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ لایت خاصہ و لایت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے دلی خاص کے ہوتے ہوئے دلی عام کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے :-

الولاية الخاصة اقوى من الولاية العامة ولهذا قالوا

ان القاضي لا يزوجه اليتيم واليتيمة الا عند عدم ولي

Click For More Books

لہما فی النکاح ولو زاحم محرّجاً واما او معتقاً وعلیٰ ہذا ان
القاضی لا یملک التصرف فی مال لوقوف مع وجود ناظر ولو
من قبلہ - انتہی

اور پھر سلطان کو بھی اگر اختیار ہے تو ایسے امور میں صرف اسی قدر جس قدر قاضی کو ہے بلکہ
اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ عالمگیری میں ہے :-

السلطان اذ حکم بین اثنين لا ینفذ وافی ادب لقاضی
للخصاف فیخذہ ہوا الا صحہ رباہ یفتی کذا فی الخلاصہ -
شامی میں ہے :-

لو کان امرائی اماماً فلا یامل لئاس بالصوم ولا بالفطر اذا
ما اء وحده ویصوم ہو کما فی الامداد - انتہی
اور فتح القدیر میں ہے :-

لا فرق بین کون ہذا الرجل من عرض لئاس او کان الامام
فلا ینبغی للامام اذا ما اء وحده ان یامل لئاس بالصوم و
کذا فی الفطر بل حکمہ حکم غیرہ - انتہی

(ص - ۲۲ و ۲۱)

(۷)

یہاں تک تو کلام اس بنا پر تھا کہ ظاہر الروایۃ میں اختلاف مطلع کا مطلقاً اعتبار نہ تھا اور
اسی پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے لیکن جوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ہر مقام کا مطلع جدا ہوتا ہے اور ایک
مقام میں جس روز چاند نظر آتا ہے بعض بہت سے دوسرے مقامات میں اس روز چاند نظر نہیں آتا،
آپ نے ہمیشہ سنا ہوگا کہ مکہ معظمہ میں یہاں سے ایک دن پہلے چاند ہوا لیکن باوجودیکہ ایک
جماعت عظیم آپ کے آکر اس کی خبر دیتی ہے اپنے لئے آپ بھی اس پر عمل کو جائز نہیں رکھتے علاوہ ازیں
بہت سے محققین فقہانے بھی اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ دو شہروں کے
درمیان فاصلہ کثیر ہو تو ایک شہر کی رویت دوسرے کے لئے معتبر نہیں (اور اس فاصلہ کثیر
کا اندازہ چوبیس گز یا ایک ماہ کی مسافت بتلائی ہے) چنانچہ علامہ زیلعی اور صاحب
التجیر اور صاحب الفیض وغیرہم اسی کو موافق حدیث و قیاس و راۃ شنبہ مکی کہتے ہیں اور

ظاہر الروایۃ کو اسی صوت پر مبنی کرتے ہیں جب کہ وہ بلادوں کے درمیان فاصلہ بعید ہو، یہاں تک کہ محقق رافع الظلام علامہ ابن ہمام نے بھی اس کو اولیٰ فرمایا :-

حيث قال ومختار صاحب التجريد وغيره من المشايخ اعتبار اختلاف المطالع وعرض عليهم بحديث كريب (الحديث) ولا شك ان هذا اولي لانہ نص في ذلك محتمل لكون المراد امر كل اهل مطلع بالصواب فيهم كذا في فتح القدير۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے :-

اهل بلدة مامر للرؤية بثلاثين يوماً واهل بلدة اخرى تسعة وعشرين يوماً للرؤية فعلى هؤلاء قضاء يوم الا اذا كان في البلدتين تباین بحيث يختلف المطالع انتهى مستخلص میں ہے :-

والعمل بقول من راي لا بقول من لم ير هذا اذا كان بين البلدتين تقارب بحيث لا يختلف المطالع وان كان يختلف لا يلزم ما اهل احد من البلدة حكم الاخر هذا كلامه ولا خفاء في انه قد اعتبر اختلاف المطالع كذا في المستخلص ناقلاً عن الفتاوى الكبير - (ص ۲۶۲ تا ۲۶۴)

(۸)

اور مولانا گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو معتبر رکھا ہے، تو عید اضحیٰ میں تو اگر ریڈیو ایسے مقامات سے سویت ہلال کی خبر دے جس کا مطلع جدا مانا گیا ہے تو اس صوت میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہی اقویٰ ہے کہ وہ علماء جو مطلقاً اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کرتے وہ بھی اس جگہ اعتبار کر رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب هذا ما عندی وعلم حقيقة المسئلة عند ربی۔

حررہ محمد منظر اللہ

مسجد جامع فتح پوری، دہلی

۶ ذوالحجۃ ۱۳۷۰ھ

(۱۰)

”فتویٰ رویت ہلال“ مطبوعہ بریلین دہلی ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۹ء

مسجد جامع فتحپوری دہلی میں سالہا سال سے حضرت مرحوم کی سرپرستی میں رویت ہلال کمیٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا اور اسی فیصلے کے مطابق چاند کے ہونے نہ ہونے کا اعلان کیا جاتا تھا۔ حضرت مرحوم کے نزدیک چوں کہ ریڈیو اور ٹیلیفون وغیرہ کی خبر معتبر نہ تھی اس لئے زمانے کے حالات سے بعض علماء نے اس سے اختلاف کیا اور ایک عرصہ بعد دوسری رویت ہلال کمیٹی قائم کی جس کا پہلا اجلاس جامع مسجد ہلی میں ہوا، اخبار المجمعۃ موضحہ ۱۹ مارچ ۱۹۵۹ء میں اس کی تفصیلات موجود ہیں اس کمیٹی نے جو فیصلہ کیا تھا وہ یہ ہے :-

مجلس نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے ہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کرایا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلمان معتد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے قصبوں و شہروں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو اس پر عمل کیا جائے یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔

(ص - ۳)

اس فیصلے پر ۲۲ علماء کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں، اس فیصلے کے پیش نظر دہلی کے ایک صاحب محمد عاشقین نے حضرت سے چند استفسارات کئے ہیں، مذکورہ بالا رسالہ میں حضرت نے اسی کا مختصر جواب دیا ہے، یہ رسالہ صرف ۶ صفحات پر مشتمل ہے، فتویٰ ۲۰ مارچ ۱۹۵۹ء کو پیش کیا گیا تھا، یہاں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱)

اس فیصلے پر تو بانیسٹل علماء کا اتفاق نظر آتا ہے لیکن اگر اس کو ریڈیو کا ہم نوا تسلیم کیا جائے تو اس کے مخالفینوں نہیں سینکڑوں در ہزاروں علماء کا اتفاق نظر آتا ہے، اسی آپ کی دہلی میں کیسے کیسے بڑے بڑے فضلا گزر رہے ہیں مثلاً مولانا ابوالخیر شاہ صاحب مولینا مسعود

Click For More Books

شاہ صاحب مولانا عبدالحکیم صاحب مولانا سید زحیر حسین صاحب مولانا محمد شاہ صاحب مولانا ابو محمد عبدالحق، مولانا عبدالحق صاحب مولانا مفتی محمد یعقوب صاحب مولانا کریم الدین صاحب، مولانا محمد عمر صاحب مولانا احمد سعید صاحب مولانا عبدعلی صاحب وغیرہم اور ان کے علاوہ دوسرے مقامات کے تو اس قدر علماء ہیں جن کا شمار میں آتا ہی دشوار ہے مثلاً مولانا احمد رضا صاحب بریلوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عبدالحق صاحب لکھنوی، مولانا محمد قاسم صاحب یوہندی مولانا محمود الحسن صاحب یوہندی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، وغیرہم ان حضرات کے زمانے میں تارٹیلیفون موجود تھے لیکن کسی نے بھی چاند کے باب میں ان کا اعتبار نہیں کیا اور ان کے غیر معتبر ہونے پر ہی فتویٰ صادر کئے بلکہ بعض نے اس پر مستقل رسالے شائع کئے۔

(ص - ۵)

(۲)

میری نظر سے متعدد رسائل اس مسئلے میں گزرے جن میں علماء کے فتاویٰ جمع کیا گیا ہے سب میں علماء کو اس پر متفق پایا کہ ریڈیو ٹیلیفون جیسے آلات کی خبر سے چاند کی رویت کا ثبوت نہیں ہو سکتا، مولانا عبدالحق صاحب خطیب جامع رنگون نے علمائے عرب ترکستان ہندوستان بڑے بڑے چالیس سے زیادہ علماء کے فتاویٰ عربی کے مرتب کئے، مولانا سید شاہ محمد حسن صاحب نے رسالہ مسمیٰ بہ "جامع الاقوال" مرتب کیا جس میں بتیس علماء کے فتاویٰ جمع کئے اور قیس محمد خان شہناقدی نے رسالہ مسمیٰ بہ "تعید کا چاند" تالیف کیا جس میں ۱۹۵ علماء کے فتاویٰ اور تصدیقات ہیں، اسی طرح اور بھی حال میں کئی رسالے ایسے نظر سے گزرے جن میں بیسیوں علماء کے فتاویٰ اور تصدیقات اس پر ہیں کہ چاند کی رویت کا ثبوت تارٹیلیفون اور خطوط سے نہیں ہو سکتا۔

(ص - ۶)

(۳)

بلکہ بعض علمائے متبحرین تو جواز بھی ان کو روزہ کے باب میں قابل اعتبار نہیں جانتے اور خبرستغیث میں اہل نہیں فرماتے، چنانچہ مولانا مشتاق احمد کانپوری فرماتے ہیں۔
دموح علمائنا الکرام بان فی الامور الشرعیۃ ہذا المخطوط
لیست بمعترضة اصلاً۔

اور حضرت مہر علی شاہ صاحب (گوڑہ شریف) فرماتے ہیں :-
والکتاب لم یصل بالواسطۃ مثل التلغراف فی کل الصنوع -
یونہی بکثرت علماء کلاہی مسلک ہے - (ص ۷۰)

(۴)

نواب حیدر آباد ہمیشہ چاند کے ہونے کا تار بھیجتے رہے نہیں مانا گیا، آخر نواب صاحب موصوف دہلی
آئے اور مفتی صاحب (مولوی کفایت اللہ مرحوم) کو اور فخر کو بلایا، مفتی صاحب تشریف لے گئے لیکن
میں نہیں گیا (کہ اپنے میں اس کی قابلیت نہ پائی) جب مفتی صاحب لی کر تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ
کیوں بلایا تھا، فرمایا کہ تار کے متعلق پوچھتے تھے میں نے کہہ دیا کہ شرعاً یہ معتبر نہیں -

(ص ۸۰)

اس سال کے آخر میں حضرت مرحوم نے مسلمانوں کو بڑی دل سنوئی کے ساتھ وصیت فرمائی
ہے کہ وہ ان لوگوں کی پیروی کریں جن کی روش مجتہدانہ نہیں بلکہ سلف کے استہ پر گامزن ہیں،
فرماتے ہیں :-

(۵)

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تو تشریف لے جا چکے اب فقیر بھی اپنی عمر پوری کر چکا ہے آج
نہیں کل اپنے مولیٰ کے حضور میں حاضر ہو جائیگا، اس لئے تمہیں وصیت کرتا ہے کہ تم ایسے امور
میں ان علماء کی پیروی کرنا جو مجتہدانہ روش نہیں جا رہے بلکہ سلف صالحین کے پیرو ہیں -

(ص ۱۲ و ۱۳)

محمد مظہر اللہ
سید جامع فتح پوری
۲۳ مارچ ۱۹۵۹ء

(۱۱)

قصد السبیل، مطبوعہ علی پریس، دہلی، ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء

سائز ۴x۴

صفحات ۲۴

مکراچی سے قیصر حسین نامی ایک صاحب نے ایک فتویٰ حضرت کی خدمت میں ارسال کیا تھا،

Click For More Books

جس میں لاؤڈ اسپیکر پر نماز اور اذان وغیرہ کے جواز و عدم جواز کے متعلق استفسار فرمایا تھا ،
تقسیم ہندوستان سے قبل ہندوستان کی مساجد میں بالعموم بغیر لاؤڈ اسپیکر کے نماز ہوتی تھی
مگر تقسیم کے بعد جب ملت کا رجحان تجدید پسندی کی طرف ہوا تو مختلف سوالات سامنے آئے
جن میں ایک سوال بھی اہمیت کا حامل تھا ، حضرت مرحوم نے اس سوال کا شافی جواب مرحمت
فرمایا جو ۱۳۹۶ھ میں علی سے شائع ہوا ، یہاں ہم اس سالہ کے جدیدہ اقتباسات پیش کرتے
ہیں :-

(۱)

اگر نظر غائر سے کام نہ لیا جائے تو ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ و اذان میں سرائے کا
استعمال مضائقہ نہیں رکھتا لیکن اگر بغور ملاحظہ کیا جائے تو اس کے جائز ہونا کراہت ہونے کی
کوئی صحت نظر نہیں آتی اس لئے کہ شریعت مظہرہ نے ان افعال کو ایک خاص ہیئت کیساتھ
مخصوص فرمایا ہے جس میں کسی قسم کے تغیر کو جائز نہیں کیا ہے وہ ہے کہ جب فقہانے دیکھا
کہ حضور علیہ السلام نے قیام کی حالت میں خطبہ فرمایا ہے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنے کو مکروہ فرمایا ،
اسی طرح جب دیکھا کہ دو خطبوں کے درمیان قعود فرمایا ہے تو اس کے ترک کو مسموع قرار دیا
اور باوجودیکہ قیاس چاہتا تھا کہ اردو میں خطبہ یا اس کا کوئی حصہ غیر عربی میں پڑھا جائے لیکن
جب دیکھا کہ عجم میں پہنچ کر صحابہ نے اس قیاس پر عمل نہ کیا تو غیر عربی میں خطبہ کو خلاف سنت اور
مکروہ قرار دیا ، بلکہ صاحبین کے نزدیک بلا عذر غیر عربی میں خطبہ جائز ہی نہیں و یہی وجہ ہے
کہ اس زمانے میں اس مسئلے میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اذان خطبہ کا مقام کہاں ہونا چاہیئے کہ
حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں تو خارج مسجد ہی جاتی تھی ، اسی طرح اور بہت سے
مقام ہیں جس میں اس زمانہ پاک پر نظر رکھتے ہوئے اس کے خلاف مکروہ قرار دیا گیا ہے
چنانچہ انہی میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے جس میں کلام کیا جا رہا ہے کہ باوجودیکہ اذان
میں رفع صوت مطلوب ہے چنانچہ شامی میں ہے :-

وَيَنْبَغِي لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يُؤْذِنَ فِي مَوْضِعٍ يَكُونُ أَسْمَعُ لِلْجَمْعِ
وَيُرفَعُ صَوْتُهُ

لیکن اس کے اسطے بھی ایک حد مقرر ہے کہ مؤذن اپنی قوت کے موافق اس میں وا ز بلند
کرنے اس سے زیادہ تکلف کرے کہ وہ اس میں نہیں جاتا کیونکہ :-

”وَيَكْرَهُ لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ فَوْقَ الطَّاقَةِ“

پس اس پر نظر رکھتے ہوئے فقہانے باوجودیکہ نکل جیسی ایسی چیزیں پائی جاتی تھیں جو آواز کو بلند کرنے والی تھیں لیکن ان کو اختیار نہ کیا اور انسانی قوت سے زیادہ جہر مفرط کے متعلق فرمایا کہ یہ کلام کے حکم میں ہے اور کلام اذان میں مکروہ ہے چنانچہ درختا میں ہے :-

”الصَّبَاحُ مُلْحَقٌ بِالْكَلَامِ فَتَحُ“

اور اوس میں ہے :-

”وَلَا يَتَكَلَّمُ فِيهَا فِي الْإِذَانِ وَالْإِقَامَةِ أَصْلًا وَلَوْ رَأَى السَّلَامُ“

اور بھی اوس میں ہے :-

”يَكْرَهُ تَكْلِمَةً فِيهَا (أَيُ فِي الْخُطْبَةِ) إِلَّا مَرَّ مَعْرِفُ“

یونہی خطبہ کے درمیان سننے والے پر بھی کلام اور اس کی طرف التفات بلکہ ہر وہ شے جو اس کے لئے خطبہ سننے میں حارج ہو مکروہ ہے، منجہ الخالق میں ہے :-
قال في البدائع يكره الكلام حال الخطبة وكذا قراءة القرآن وكذا الصلوة وكذا ما يشغل باله عن سماع الخطبة انتهى
اور طحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے :-

وفي الشرح الزاهدی يكره لمستمع الخطبة ما يكره في

الصلوة من اكل وشرب وعيب والتفات ونحو ذلك و

في الخلاصة كل ما حتم في الصلوة حرام حال الخطبة انتهى

اور رعایت درجہ ظاہر کہ ہونہیں سکتا کہ اس آلہ کی آواز اور اس کے تغیرات کی طرف التفات نہ ہو تو اس صوت میں خطیب و سامعین دونوں ہی اس فعل مکروہ کے مرتکب ہوں گے۔

(ص - ۳۳ تا ۳۴)

(۲)

علاوہ ازیں یہ شے اور بھی مفید عظیمہ کی سبب ہوتی ہے جس کی وجہ سے نمازیں قرآن کیم کو جہر قوی کے ساتھ پڑھنے کی مسافحت فرمائی گئی ہے کہ مخالفین اسلام کو

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اس کے ساتھ استہزاء اور گستاخی کا موقع ملتا ہے لہذا ایک مقدار جہر سے جب غفلت واجب یا سنت ادا ہوگی تو اب اس سے اندبہر بلا ضرورت ہوگا جس کی اس مفسدہ کی وجہ سے اجازت نہیں دی جاسکتی فقال تعالیٰ ناھیا :-

”لَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَافُتَ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا“
وفی التفسیر الاحمدی وبیانہ ما قیل ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یرفع صوته بقراءة فاذا سمع المشرکون لغوا وعلوا
فامر بان ینخفض من صوته بهذا الایة - والمعنی لا تجهر بقراءة
صلواتک حتی لیسامع المشرکون ولا تخافت بها حتی لا یسمع من خلفک
وابتغ بین ذلك ای بین الجهر والاختفاء سبیلاً وسطاً -
وفی النوار التنزیل فان الاقتصاد وجب مع الامور محبوب
انتهی، هكذا فی عامة التفاسیر۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفاسیر نے جس حد پر تنبیہ فرمائی ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں
(ص-۵۴ و ۵۵)

نوٹ :- حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے بلا ضرورت تلاوت و تکبیرات وغیرہ میں آواز بلند کرنے کی ممانعت اور کراہت کی یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ اغیار شعائراً سلام کے ساتھ استہزاء کرنے لگیں، لیکن پاکستان میں تو یہ خیال ہو گیا ہے کہ اس آلہ کے کثرت استعمال کی وجہ سے اغیار تو اغیار مسلمانوں نے استہزاء و تشخیر شروع کر دیا ہے۔ (مؤلف)

(۳)

اس سے پہلے کہ اس دعویٰ کے لئے دلیل پیش کی جائے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ آواز کیا شے ہے اور وہ کیوں کر پیدا ہوتی ہے اور کہاں تک کام کرتی ہے ؟ تو یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کیا شے ہے رہا اس کے پیدا ہونے کا سبب ہو اس کا سبب قرع یا قلع ہے، ایک شے کا مقابلہ الی شے سے سختی کے ساتھ ملنا قرع کہلاتا ہے اور اس سے بہ سختی جدا ہونے کو قلع کہتے ہیں، متکلم کے گلو و زبان کی حرکت جو ہوائے دھن پر قرع کرتی ہے تو اشکال، حرفیہ پیدا ہو کر کلام کی صوت جلوہ گر ہوتی ہے پھر اس سے جدا ہو کر ہوائے مجاور کو قرع کرتی ہے، یوں ہی جب تک قرع اول کی قوت پاری دیتی ہے ہوا کے اگلے حصوں میں قس

وقلح ہوتا ہوا چلا جاتا ہے جس سے ہوا کے اندر ایک توج اور لہر پیدا ہو جاتی ہے پھر جس قدر اس میں
ضعف آ جاتا ہے یہ لہر بھی ہلکی پڑتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک حصہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہے یہی وہ لہر ہے
جس کے ہر حصہ میں متکلم کی آواز اور اس کا کلام ساری ہوتا ہے کہ پہلے قرع سے جو کلام پیدا ہوا تھا
اسی ہی کا سلسلہ یہاں تک پہنچا ہے پس اس لہر کے درمیان اگر کسی کا کان واقع ہو جاتا ہے تو وہ
یہ کلام سن لیتا ہے اور جس کے کان تک یہ سلسلہ نہیں پہنچتا وہ نہیں سن سکتا اور ضعف کی حالت
میں پہنچتا ہے تو کچھ سننا بھی ہے تو سمجھ نہیں سکتا، شرح مطالع میں ہے :-

والمشہود ان السبيل لا كثرى للصوت هو توج الهواء بقرع
او بقاع عنيف والتوج عبارة عن امر يحدث في الهواء بصد
بعد صد وسكون بعد سكون وهذا التوج سببه القرع وهو
امساس عنيف او القلح وهو تفریق عنيف فان القرع و
القلح كل منهما يوج الهواء الى ان ينقلب من المسافة التي
سلكها القارع (انتهى مافيه، ص-۹۱) (ص-۷۶)

(۴)

اس توج کی حالت میں جس میں یہ مسوع ہوتا ہے اس کو فونو گراف کی پلیٹوں میں محفوظ
کر لیا جاتا ہے پھر اس قدر مدت کے بعد کہ اس کا متکلم انتقال بھی کر جاتا ہے فونو گراف کے ذریعہ
پھر اس پر جدید قرع واقع کیا جاتا ہے تو پھر ہی کلام سننے میں آنے لگتا ہے تو کیا اب بھی آپ
فونو کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ مرنے والا کلام کر رہا ہے، ہرگز نہیں کہ کلام تو متکلم
ہی کا ہے، لیکن اس کا پہنچانے والا فونو گراف ہے پھر یہاں کیوں تامل ہے اور لاؤڈ سپیکر
کو کیوں کالعدم کئے دیتے ہیں؟ — کہ حالت تو دونوں ہی کی یکساں ہے، دونوں ہی
نے اس لہر سے کلام حاصل کیا ہے جو متکلم کی قرع نے پیدا کی تھی اور دونوں ہی متکلم اور مسوع
کے درمیان واسطہ پڑے ہیں، الحاصل اس بیان سے ثابت ہوا کہ یقیناً اس قدر مسافت
بعیدہ پر یہ آلہ امام کی آواز اس کی تکبیرات وغیرہ پہنچانے کے لئے واسطہ ہو گا اور یہ ظاہر
ہے کہ یہ آلہ امام اور مقتدیوں کا غیر ہے اور امام کا غیر مقتدی کے قول پر اور مقتدی کا غیر
امام کے قول پر عمل کرنا مفسد صلوٰۃ ہے پس اس آلہ کی آواز پر جو لوگ ارکان ادا کریں گے
ان کی نماز نہ ہوگی، چناں چہ رد المحتار میں ہے :-

(وکنذ الاخذ) ای اخذ المصلی غیر الامام بفتح من فتح علیہ
مفسدًا ایضاً کما فی البحر عن الخلاصة و اخذ الامام بفتح
من لیس فی صلاتہ کما فیہ عن القدیة۔ انتہی
(ص-۱۰۹)

(۱۲)

”شجرہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ“ مطبوعہ امپریل پریس، دہلی

صفحات ۳۴ ————— سائز ۶×۴

اس مجموعہ میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ مسعودیہ کے مفصل و مشجل منظوم شجرے ہیں، پہلا شجرہ
مخمس کی صورت میں ہے، اس کے بعد سلسلہ قادریہ و سلسلہ چشتیہ کے منظوم شجرے ہیں،
پھر بعض اصطلاحات تصوف کی تشریح ہے، جس میں لطیفہ قلب، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ
اخفی کا ذکر ہے، اس کے بعد دائرہ عالم امکان کا خاکہ دیا ہے، پھر اعمال سمیگانہ رابطہ
ذکر، مراقبہ کی تشریح ہے، آخر میں بعض اعمال ضروریہ کا بیان ہے، ہم اس مجموعہ سے یہاں
چند اقتباسات پیش کرتے ہیں :-

(۱)

انسان کی پیدائش سے مطلب صرف اللہ تبارک تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا ہے جتنا بچہ
خود وہ فرماتا ہے :-

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ (ای لیوحدون
ولیعرفون)

یہاں یہ آیت عبارت عرفان کے معنی میں ہے، چناں چہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے
ہیں :-

”كُلُّ عِبَادَةٍ فِي الْقُرْآنِ وَهِيَ تَوْحِيدٌ“

اس سے معلوم ہوا کہ انسان و جنات محض تحصیل معرفت کے لئے پیدا ہوئے ہیں
اور دوسرے مادی امور سب کے فائدے کے لئے ہیں، آج کل دیکھا جاتا ہے اکثر لوگ
مادی منافع کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اگلے زمانے میں اکثر لوگ معرفت کے حاصل

کرنے میں کوشاں تھے جس کے لئے پیدا ہوئے ہیں، چنان بکثرت اولیاء اللہ اہل معرفت گزر کر
برخلاف اس ماننے کے —————

خالق کائنات نے امتحان کے لئے قلبے یا ہے جس کے دو پہلو ہیں، ایک شیطانی جو عقل
کے برخلاف برائیوں کی طرف مائل کرتا ہے جسے نفس کہتے ہیں، اور دوسرا رحمانی اور ملکی پہلو
جو ہلائیوں کی طرف رغبت دلاتا ہے اور عقل اور روح کی تابعداری میں اپنے مقررہ
کام کو انجام دیتا ہے، میں یہاں یہ بتلا دوں کہ ان کی تخلیق کا منشاء کیا ہے؟ اس کی
پیدائش میں خود اس ہی کا فائدہ مد نظر ہے کہ مولیٰ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے بہشت
کی ابدال آباد اسی نعمتوں کا مالک ہو جائے جس کا اس کے دل پر خطرہ بھی نہ گزر سکتا ہو۔
مخلوق کی پیدائش کا سلسلہ یوں ہے کہ جب ب تبارک تعالیٰ کے سوا کسی شے
کا وجود نہ تھا لیکن وہ بے چوں تھا اور کسی شے میں اس سے مناسبت نہ تھی کہ چوں تھی اور یہ
عالم لاہوت تھا اس لئے اسماء و صفات کے ظلال سے اعیان ثابتہ کا ظہور فرمایا اور عالم کو پیدا
فرمایا اور اعیان ثابتہ کو دو قسم کا قرار دیا، ایک قسم لطیفہ وحدت کہ مراد جمالی صفات سے ہے اور
یہ حقیقت ٹھٹھ ہے کہ احدیت (ذات بحت) اور وحدت کے درمیان برزخ ہے، اور دوسری
قسم لطیفہ احدیت جس کی صفات میں ایک دوسرے سے امتیاز ہے اور اس قسم میں دوسرے
پیغمبروں کے خالق ہیں۔ ان دو مرتبوں کو عالم جبرت کہتے ہیں، جو عرش کے اوپر ہے، انہی
میں اعیان ثابتہ ہیں جن میں تمام اشیاء کی حقیقتیں ہیں جو عرش کے نیچے ہیں —————
اور عرش کے نیچے جو اشیاء ہیں وہ بھی تین مرتبہ رکھتی ہیں، اول مرتبہ ارواح اور
ملاکہ۔ یہ لطیفہ تنقیص ترکیب کی صفت نہیں رکھتا اس عالم کو عالم ملکوت کہتے ہیں۔ اس میں ارواح
وملاکہ کا وجود ہے اور اس میں (انسان) صفت لوامہ سے متصف ہوتا ہے اور اس مقام میں
علم الیقین حاصل ہوتا ہے، دوم مرتبہ عالم مثال کہ اس میں ارواح بصوت لطیفہ ظاہر ہوتی
ہیں اور یہ بھی تنقیص تجزئی سے متبر ہے اور اسے عالم مثال کہتے ہیں، تیسرا مرتبہ جسم کا ہے
جو جو ہر کثیفہ عناصر کا مقام ہے جس میں جسم انسانی و حیوانی وغیرہ ہیں اس میں انسان جامع
مراتب اور جمیع صفات کا ظہور ہے اور اس عالم کو عالم ناسوت کہتے ہیں۔ یہاں انسان صفت
امامہ بالسود سے متصف ہوتا ہے جس کا تصفیہ اتباع شریعت سے ہوتا ہے۔

انسان کے لئے بجز اتباع شریعت چارہ نہیں ہے۔ اور انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں

کہ مجموع کائنات کے لطائف عشرہ کا جامع ہے، پانچ عالم امر کے قلب روح سر و خفی و اخفی کے بالائے عرش ہیں و پانچ عالم خلق کے کہ نفس اور عناصر اربعہ ہیں کہ جسم انسان میں ہیں عالم خلق کے لطائف کو عالم امر کے لطائف سے نقش و یا گیا ہے پھر اس اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے قالب کی درستی کے بعد پانچوں لطائف عالم خلق کے ہر مناسب مقام کو اس طرح مبروظ فرما دیا جس کا بیان لطائف کے بیان میں آتا ہے۔

(ص ۱۸۰ تا ۲۰۱)

(۲)

قلب انسانی

انسان کا قلب بمنزلہ آئینہ کے ہے جس طرح آئینہ کے مقابل جو شے آتی ہے وہ اس میں جلوہ گر ہو جاتی ہے مگر صحیح کہ کوئی شے اس کے مقابل تو ہو، اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ خود آئینہ بھی نقش و نگار سے پاک ہو، رنگ آلود نہ ہو، اس پر کوئی پردہ نہ پڑا ہو، ہو، دونوں کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ ہو، اگر ان امور میں سے کسی امر کا وجود ہوگا تو ظاہر ہے کہ آئینے میں کسی شے کا عکس کیسے پایا جاسکتا ہے، یہی قلب انسانی کا حال ہے، پس اگر قلب کا رخ صومکنات کی طرف ہوگا، اور پشت محبوب حقیقی جل مجدہ کی طرف تو وہ محبوب اس میں جلوہ گر کیسے ہو سکتا ہے بلکہ اگر رخ بھی اس کی جانب کر لیا لیکن خود اس کا حال یہ ہے کہ صور ممکنات کے نقوش سے منقش ہو رہا ہے یا معاصی کی وجہ سے رنگ آلود ہو رہا ہے، یا غفلت کا دبیر پردہ اس پر ڈال رکھا ہے یا شہوتہائے نفسانیہ کی دیوار آہنی درمیان میں حائل ہے تب بھی اس نور مطلق کی چمک سے یہ کیوں کر منور ہو سکتا ہے البتہ یہ صحیح ہے کہ جب کسی قلب میں مقابل ہونے کی طاقت ہی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ چناں چہ آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے تو کسی نظر کو یہ قوت نہیں ہوتی کہ وہ اس کے مقابل ہو سکے، پس جب ادنیٰ مخلوق کے مقابل نظر کا یہ حال ہے تو اس خالق بے ہمتا کے مقابل یہ قلب ضعیف کیا حیثیت رکھتا ہے جس کے ادنیٰ جلوے نے پہاڑ کے ٹکڑے کر دیئے لیکن قلب انسانی، نظر انسانی سے زیادہ طاقت ور ہے، دوسرے جس طرح نظر انسانی بواسطہ پانی کے یا اس شیشے کے جس کی ایک جانب ہلکی سیاہ ہو، آفتاب کے مقابل ہو سکتی ہے، یوں ہی قلب

انسانی بواسطہ ایسی ذات کے جو اس تعالیٰ کے جلووں سے منور ہو چکی ہے اس کے مقابل ہو سکتا ہے اور اگر موانع مذکورہ کا وجود نہ آئے دے تو ضرور اس واسطہ سے اس تعالیٰ کے جلوے حاصل کر لے گا کہ ایسے آئینے کے مقابل جس کو نور شدید جہاں تاب نے منور کر رکھا ہے جب دوسرا آئینہ آجاتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے شیخ کامل کا واسطہ لا بدی ہے۔

پھر برخلاف آئینے کے قلب انسانی اور بھی عجیب عجیب صفات کا حامل ہے جس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب اس سے کام لیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حقائق صفات الہی اس پر منکشف ہونے لگتے ہیں اور اصلی غرض تصفیہ قلب ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ وہ قوتیں جن کا اوپر ذکر ہوا وہ تو اس کے صدقے میں حاصل ہوتی ہیں پھر ان کی ہمیشہ یہ شان بھی نہیں ہوتی۔ جب مولیٰ تعالیٰ چاہتا ہے ان قوتوں کا ظہور ہوتا ہے بلکہ ایسے قلب اے کی کبھی یہ شان بھی ہوتی ہے کہ معمولی قوتوں سے بھی کام نہیں لے سکتا، (جس کے متعدد وجوہ ہوتے ہیں) بقول اے کہ ۵

گہے بر طارم اعلیٰ الشیخ
گہے بر پشت پائے خود نبینم

(ص - ۳۲ تا ۳۴)

نوٹ ۱۔ حضرت قبلہ قدس سرہ کی بعض تصانیف ابھی تک پر وہ مخفا میں معفی ہیں، تذکرہ ہذا کی کتابت کے بعد معلوم ہوا کہ تقریباً پچیس تیس سال قبل حضرت نے قرآن پاک کے فارسی ترجمہ (از شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کے اردو ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی تھی اور حواشی میں تفسیر بھی تحریر فرمائی تھی اس کے علاوہ اقدس رکن دین کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا جو احمد آباد سے شائع ہوا تھا۔

اٹھارہ سوں باب

فتاویٰ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

فتاویٰ

حضرت کے مطبوعہ فتوؤں کے علاوہ بے شمار قلمی فتوے پاکستان ہند کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں جو اگر جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم مجلدات مرتب ہو سکتی ہیں، ان کا حاصل کرنا ابتداء میں کچھ مشکل نظر آیا اس لئے یہی سوچا کہ تذکرہ ہذا میں فتاویٰ سے پر ایک باب قائم کر کے جتنے فتوے دستیاب ہوں سب کو یکجا کر دیا جائے، لیکن تلاش و جستجو کے بعد بکثرت قلمی فتوے دستیاب ہو گئے، اس لئے اب یہ خیال ہوا کہ اس باب میں شامل کرنے کے بجائے کیوں نہ ایک مستقل کتاب کی صورت میں پیش کئے جائیں چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر اس باب کو مختصر کر کے صرف دو قلمی اور ایک مطبوعہ فتویٰ رہنے دیا گیا، انشاء اللہ قارئین کرام حضرت کے فتوے ”فتاویٰ منظرہ“ میں مطالعہ فرمائیں گے جو مستقبل قریب میں شائع کر دی جائیگی۔
اب ہم منتخبہ فتوے نقل کرتے ہیں :-

①

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :-

- ۱۔ گائے کی قربانی شریعت غرامیہ اسلامی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتی ہے ؟
- ۲۔ اگر حکومت اپنی طاقت سے بند کرنا چاہے تو اس وقت مسلمانوں پر کیا فرض عائد ہوتا ہے ؟
- ۳۔ کیا مسلمان اسلامی اخلاقی اعتبار سے صرف دیگر اقوام کی خوشی کے لئے خود گائے کی قربانی ترک کر سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو جو مسلمان اس فعل کے مرتکب ہوئے ہیں یا آئندہ ہوں ان کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے ؟

غرض گائے کی قربانی وعدم قربانی کے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب صادر

سائل
فضل احمد

فرمائیں ۔

الجواب

۱۔ گائے کی قربانی دین الی کا نشانہ نہیں ہے ایک نشانہ ہے لقولہ تعالیٰ

Click For More Books

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَالْبُذُنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ يَعْنِي اُونٹ اور گائے کی قربانی کو تمہارے لئے دین الہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بنایا ہے جس میں تمہارے لئے بھلائی ہے، درختا میں ہے بدنہ ہی الابل والبقر سمیت بہا الفخا متہا بدنہ اُونٹ اور گائے ہے ان کے ذیل دار ہونے کے سببان کا یہ نام ہوا۔

۲۔ ایسی صورت میں مسلمانوں پر جب ہوگا کہ ہر ممکن کوشش سے اس اسلامی نشان کی محافظت کریں کہ اس سے لاپرواہی عقاب الہی کا موجب و عقاب الہی کا خوف اس کی حفاظت کا سبب، چنانچہ ارشاد ہے وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ جو شخص اللہ کے دین کی محترم نشانیوں کی محافظت کرے گا تو یہ محافظت کرنا دلوں کے خوف کا مقتضی ہے۔

۳۔ اس کا جواب تو بہت ظاہر ہے کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ دین الہی کی نشانیوں کو مٹانا اور اس کے بجائے کفری نشان قائم کرنا کس طرح غضب الہی کا موجب ہوگا، جس طرح گائے کا ذبیحہ اسلامی نشان ہے یوں ہی اس کا بت کرنا کفری نشان ہے پس اس کی بندش کا اقدام تو بڑی شے ہے اس کی جانب قلب کا میلان بھی عذاب نار کا موجب ہے یہ خیال کہ اس سے ہمیں حکومت ہند کی حمایت و خوشنودی میسر آجائے گی محض ایک شیطانی دھوکہ ہے ایسی حالت میں حمایت درکنار ان لوگوں کا کوئی رفیق بھی نہیں ہو سکتا لقولہ تعالیٰ وَلَا تَكُونُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسْكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ اس مقام پر حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے اصحاب کے واقف پر غور کیجئے کہ جب وہ یہودیت سے تائب ہو کر مشرق باسلام ہوئے تو انہیں خیال آیا کہ اُونٹ کا گوشت شریعت موسوی میں حرام ہے اور اسلام میں محض مباح تو کیا حرج ہے کہ ہم اُونٹ کا گوشت کھائیں اس پر نہایت عتاب میرا انداز میں ممانعت فرمائی گئی چنانچہ ارشاد ہوا۔ یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ یعنی ایمان والو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو (اور ایسے خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم نہ چلو یقیناً وہ تمہارا گھلا ہوا دشمن ہے، پھر اس کے بعد بھی کہ تمہیں وضع دلائل پہنچ جائیں

اگر لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے (اس کے عذاب کا کوئی روکنے والا نہیں) حکمت والا ہے (کہ بقضائے حکمت جب قرآن مجید سنا دیتا ہے) اس فتحِ اقدس میں اور متنازع فیہ اقدس میں اصلاً فرق نہیں جس طرح عبد اللہ ابن سلام نے اونٹ کے گوشت کو مباح سمجھا اور غلطی یہ کی کہ شعرا اسلام نہ سمجھتے ہوئے ترک کا راوہ کر لیا وہی قصہ یہاں ہے، پس جس طرح وہ مور و عتاب ہوئے جو لوگ اس کو ترک کریں گے وہ بھی یقیناً مور و عتاب ہوں گے بلکہ مستحق عذاب کہ یہاں اس سے بڑی ایک شے اور بھی موجود ہے اور وہ ہنود کے عقائد باطلہ کی ترویج ہے جو اللہ معاصی ہے اور عصیان میں کسی کا بھی حکم کیوں ہو اس کی پیروی جو بے استحقاق عذاب ہے کہ ان الحکماء الا للہ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے اور تمام مخلوق، اسی کی محکوم، مشرکین مکہ نے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کیا ہوا تھا اللہ تعالیٰ ان کی اس تحریم کی بھی تردید فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہے یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً الا یہ یعنی لوگوں جو چیزیں زمین میں حلال پاکیزہ موجود ہیں ان میں سے کھاؤ اور ان کی تحریم کا ارتکاب کر کے شیطان کی پیروی نہ کرو یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے (کہ ایسے اہیات خیالات سے تم کو ہر طرح کا نقصان دے رہا ہے) وہ تو تمہیں نہیں باتوں کی تعلیم کرے گا جو (میرے نزدیک) بُری اور بے حیائی کی ہیل وریہ (کر دے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جس کی تم سب سے نہیں رکھتے۔ (جیسے گائے کی حرمت کہ من جانب اللہ تمہارے پاس کی کوئی سبب نہیں) اسی یہ کیرہ میں جس طرح مشرکین مکہ کو حکم ہے کہ تم حلال جانوروں کو حرام ٹہرا کر شیطان کی پیروی نہ کرو اور اللہ پر بہتان نہ باندھو یوں ہی ہندوؤں کو بھی حکم ہے کہ گائے کے باب میں لینا معاملہ نہ کرو پس جب خود ہنود کو یہ حکم ہے تو مسلمانوں کے لئے کب جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے ان کے اس ناپاک عقیدہ کو قوت پہنچائیں اور شیطان کے اتباع اور خدا پر بہتان بند ہی میں ان کا ساتھ دیں۔ مانا کہ مسلمان اس کو حرام جان کر ترک کریں گے لیکن اس ترک میں قرآنی حکم کے خلاف غیر قرآنی حکم کی تقویت تو ہے اور سن چکے کہ آسمانی کتاب کے حکم منسوخ پر بھی عمل حرام کر دیا گیا ہے تو پھر کسی انسانی حکم اس کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن سلام کے اقد پر پھر غور کی نظر ڈالیں کہ باوجودیکہ اونٹ کی حرمت ایک آسمانی کتاب میں موجود تھی لیکن چوں کہ اس کی حرمت منسوخ ہو چکی تھی اس لئے یہ اصحاب اسلامی حکم سے اس کو حلال ہی سمجھتے تھے، غلطی یہ ہو گئی کہ اس کو شعائر اسلام نہ سمجھا اور ترک ارادہ کر لیا، جس کو تہدیدِ شیطان کا اتباع قرار دیا گیا اور اپنے غضب کا اظہار فرمایا گیا، اونٹ کچھ بہو کے معبودوں سے نہ تھا پس یہاں عتاب تو صرف اس پر ہے کہ حکم منسوخ پر عمل کا کیوں ارادہ کیا گیا اور گائے کا تو معاملہ ہی جدا گانہ ہے کہ اس کی حلت تعلیم توحید اور ایک شرکِ جلی کے ابطال پر ہے تو اب مسلمان خود ہی غور کرے کہ اس کا ترک کیا معنی رکھتا ہے یہی کہ اس میں توحید کا ابطال و شرک کا اعلان ہے یہ حکم تو مطلقاً ذبیحہ گاؤ کے ترک کا ہے لیکن اس پر قربانی کا ترک حکم میں اس سے بھی اشد ہے کہ وہ عبادت الہی ہے پس اس کے ترک میں ایک مخصوص عبادت کا ترک ہے تو مسلمان کو یہ پوچھتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ اس کو میں ترک کر سکتا ہوں یا نہیں۔ یقیناً اپنی خوشی سے جو اس کو ترک کریں گے یا اس میں اعانت کریں گے، وہ سخت گنہگار ہوں گے اور یہ خیال کہ غض صنود کی خوشی حاصل کرنے کے لئے اس کی قربانی کا ترک مقصود ہے اور کسی کی خوشی حاصل کرنا تو کوئی جرم نہیں تو اول تو حق تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلے میں کسی کی رضا کی طلب خود ہی حرام ہے دوسرے وہ محض اتنی بات سے کہ آپ ذبیحہ گاؤ کو ترک کر دیں پوری طرح خوش بھی نہیں ہو سکتے کہ حقیقت میں ان کو صرف گائے کی قربانی کا ترک مطلوب نہیں بلکہ ایک بہت بڑی مہتم بالشان قربانی مطلوب ہے یعنی ایمان کی قربانی لقولہ تعالیٰ وذوالنکفرین یعنی ان کی خوشی تو اس میں ہے کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ چناں چہ آج مسلمان اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، تو کیا مسلمان اس کو برداشت کر کے جہنم میں پناٹھکانہ بنا سکتے ہیں۔۔۔۔۔ میرے دوستو! امور دنیوی میں آپ کو ان سے مدارا سے کوئی نہیں روکتا کیجئے اور ضرور کیجئے تمہیں ایسی مدارا جس سے کوئی شعائر اسلامی چھوٹے اور امور مذہبی پامال ہوں ہرگز جائز نہیں، آپ کو ان کی خوشی اسی لئے تو درکار ہے کہ اتفاق میسر آجائے جس کی آج سخت ضرورت ہے لیکن کیا وہ یوں حاصل ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ ؟

ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں، کہ یہ شے تو اور اختلاف کی بنیاد مضبوط کرنے والی ہے اتفاق حاصل کرنے کی تو صرف ایک ہی صوت ہے اور وہ یہ کہ جس طرح تم ان کے مسلمات میں کوئی دخلت نہیں کرتے اسی طرح ان کو بھی چاہیے کہ اسلام احکام کے بجائے میں ہم سے کچھ تعرض نہ کریں ان کو بتلائیے کہ فروعیات ایک طرف ہے اصول پر نظر ڈالیں کہ شرک بدین شے ہے جس میں معبود برحق کے مقابلہ کا اعلان ہے لیکن جب مشرکین ہمیشہ ہو جاتے ہیں تو کیا کوئی مسلمان ان سے تعرض کرتا ہے کہ اپنے بت خانے توڑو، شرک چھوڑو ہم سے معبود برحق کا مقابلہ نہیں دیکھا جاسکتا؛ پس جب مسلمانوں کی طرف سے اس قدر وہ آزاد ہیں تو ان کے لئے کیا گنجائش کہ ہم سے مطالبہ کریں کہ گائے کی قربانی ترک کرو حالانکہ اس ہی کے نام پر قربانی کی جاتی ہے جس کو وہ بھی معبود جانتے ہیں اور خود ان کے اکابر سے بھی یہ فعل ثابت ہے جو اپنے مقام پر بدلائل واضح ہو چکا ہے۔

الحاصل مسلمانوں کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنی رضا سے گائے کی قربانی ترک کریں بلکہ ہنود کو سمجھائیں کہ وہ اس کے ترک پر اصرار کر کے ایک نیا فتنہ کھڑا نہ کریں کہ یہ ہمارے مذہب میں مداخلت ہے جو قانوناً بھی ممنوع ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر غفرلہ
مسجد جامع فتح پوری دہلی

مہر

۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ آج کل جب کہ دنیا کے کفر و پوسے طاقت کے ساتھ مسلمانوں کو کچل دینے پر آمادہ ہے مسلمانوں کو اپنی جائز حفاظت کے لئے ہندوستان کے ایک خاص فرقہ کی طرح ہر حالت میں تلوار اپنے ساتھ رکھنا مذہبی حیثیت سے واجب یا نہیں؟

بیاد و توجہ و
المستفتی مسلمانان دہلی

اس سوال کا مختصر جواب مولوی محمد کفایت اللہ مرحوم نے نہایت فرمایا ہے پھر حضرت قبلہ
قدس سرہ العزیز نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے تفصیلی طور پر اس انداز سے تحریر فرمایا ہے :-
جواب صحیح ہے مگر چاہئے بچاؤ اور دشمن پر اظہار قوت کے لئے یہ امر تو مسلمانوں
پر ہمیشہ لازم ہے کہ وہ مدافعت کے سامان سے ہر وقت تیار رہیں جیسا کہ آیت کریمہ
واعدوا للہم ما استطعتم من قوۃ ومن مہابط الخیل ترہبون
بہ عدواللہ وعدوکم کا مفاد ہے، اگر مسلمان اس پر عمل ہوتے تو ہر
گزدشمن کو یہ جرأت نہ ہوتی جو آج دیکھنے میں آ رہی ہے کہ نرگہ عضو ضعیف پر ہی گرتا
ہے لیکن ایسی حالت میں کہ دشمن ان کے مقابل کھڑا ہو گیا اور ان کو نقصان بھی پہنچانے
لگا تو اس صورت میں تو یہ امر اور موکد ہو جاتا ہے لقولہ تعالیٰ خذوا حذرکم
یعنی مسلمانو اپنے بچاؤ کے ہتھیار رکھو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے والذین کفروا
لو تغفلون عن اسلحتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدا یعنی کفر
چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ ہی تم پر
حملہ کر دیں۔ یہ آیت کریمہ نہایت وضاحت اور تاکید کے ساتھ مسلمانوں کو متنبہ
فرما رہی ہے کہ خوف کے وقت کبھی بھی اپنے سے ہتھیار جدا نہ کرنا اور اپنے بچاؤ
سے ہرگز غافل نہ ہونا، غرض احکام الحاکمین نے تو مسلمانوں پر اپنے تحفظ کیلئے
ہر قسم کے سامان کا تیار رکھنا لازم کیا ہوا ہے اب یہ ہماری غفلت یا مجبوری
ہے، ہم اس پر عمل سے قاصر ہیں، خیر اب تک جو فروگزاشت ہو گئی، آئندہ مسلمانوں
کے فرائض سے ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کریں کہ کم از کم تلوار یا بندوق رکھنے
کی اجازت دی جائے تاکہ مخالف کو ہم پر ظلم و تعدی کی جرأت نہ ہو سکے اور
امن قائم ہو جائے، تعجب ہے کہ انتظام کر فیو آرڈر جاری کر کے مسلمانوں کے
مذہب میں تو مداخلت کی جائے اور ان کو حملہ کی مسجد میں نماز کے لئے جانے سے
روکا جائے حالانکہ اس میں عامہ کے خلل کا ادنیٰ ادنیٰ بھی اندیشہ نہیں
اور غیر کو مذہب کے نام پر وہ آلات دے دئے جائیں جس سے سارا انتظام ہی
درہم برہم ہو جائے نہ اس کی تحقیق کی ضرورت بھی جائے کیونکہ ان کے
مذہب میں لازم بھی ہے یا نہیں؟ نہ ان سے پوچھا جائے کہ پہلے تیرے پاس

کرپان تھی اب نیا حکم تلوار کا کہاں سے آیا؟ اور پھر وہ بھی تنگی تلوار کا، پس حکومت کو چاہیے کہ ان امور پر غور کرے، فقط واللہ اعلم

محمد منظر اللہ

جامع مسجد فتحپوری دہلی

نوٹ :- یہ فتویٰ ۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء کے قریب لیا گیا تھا جبکہ دہلی میں فسادات کا سخت اندیشہ تھا، سکھوں کو عام طور پر تلوار رکھنے کی اجازت تھی، لیکن مسلمانوں کو ہر قسم کا ہتیار رکھنے کی ممانعت، آزادی ہند کے بعد سٹراپٹیل کے مذہبی تعصب نے سکھوں کو اور چھوٹ دے دی، اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ ایک نوحہ چکاخ استان ہے۔

(۳)

۱۹۵۹ء میں محمود عباسی نے خلافت یزید پر ایک کتاب لکھی تھی جس کو مصنف اپنا تحقیقی مقالہ کہتا ہے لیکن تحقیق میں حقائق کے اظہار کے ساتھ ساتھ جن آداب کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اس کی ہوا بھی نہ لگی، مصنف نے اپنی کتاب میں یزید کے نام کے ساتھ امیر اور امام کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور حضرت امام حسین کو بڑی بے ادبی سے صرف حسین لکھا ہے ان کی تحقیق یہ ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا، حد وجہ کریم النفس، حلیم الطبع اور متین تھا، حضرت امام حسین نے جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا وہ مصنف کی نظر میں انوکھی نظر سے اُوٹنے لگی ہے، اس لئے وہ حضرت امام حسین کو نہ امام کہنے کے لئے تیار ہے اور شہید وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین کے متعلق آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے سب غلط ہے۔

بہر حال اس کتاب اور مصنف کے خیالات کے متعلق کراچی سے محمد اسماعیل خاں عاقل اکبر آبادی کا ایک فتویٰ حضرت کے پاس گیا تھا، حضرت نے اس کا جواب مرحمت فرمایا جو کراچی کے ماہنامہ اذان کے نومبر ۱۹۵۹ء کے شمارے میں شائع ہوا، ہم وہیں سے جواب کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں (مؤلف)

(۱)

یزید پر کید کے فاسق ہونے میں اصلاً کلام نہیں، کتب تواریخ اور آثار صحابہ ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ علم عمل، زہد و تقویٰ، جود و سخا، شجاعت و قوت، اخلاق و معرفت، صبر و شکر، عفت و حیا، وغیرہ اوصاف حسنہ میں سے کوئی صفت ایسی ہے کہ جو اس بارگاہ کی کنیزوں میں سے

Click For More Books

نہ ہو، اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ ان کے فضائل شریفہ حدِ صبر سے خارج ہیں، ذرا ذرا سی بات پر کنیزوں کو آزاد کر دینا تو آپ کے لئے ایک معمولی شے تھی، ان کی ایک ایک صفت سے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اگر وہ ایک جاقلم بند کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو، میرا کیا زہرہ کہ ان کے کچھ فضائل بیان کر سکوں جب کہ ان کا مولیٰ خود ان کی اور ان کے والدین، ان کے برادر عالی وقار کی صفت و ثناء فرمائے انما یرید اللہ لیدھب عنکم الرجس لھلالبیت ویطہرکم تطہیراً طہراً اہل بیت سے مراد بالمعنی الاخص یہی حضرات مراد ہیں، جس پر بکثرت احادیث وال ہیں، یوں ہی آیت کریمہ مباہرہ فقل تعالوا نذع ابناؤنا و ابناؤکم۔ الایہ میں بھی یہی حضرات مراد لیے گئے ہیں و آیت کریمہ قل لا استئذکم علیہ اجر الا المودة فی القربیٰ میں بھی مسلمانوں سے اپنی ذوات عالیہ کی محبت مطلوب ہے، اور مولیٰ علی کریم اللہ تعالیٰ وجہ الکرم کے فضائل تو علماء نے اور بھی بکثرت آیات سے ثابت کئے ہیں و ان حضرات کی شان میں احادیث کا تو شمار ہی کون کر سکتا ہے، چند حدیثوں کا ذکر کروں :-

۱۔ فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو بکپڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، ایک قرآن کریم ہے دوسری اہل بیت، یعنی جب تک احکام قرآنیہ کو بجالاتے اور اہل بیت سے محبت کرتے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔
(ترمذی)

۲۔ اور فرمایا میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں میرے اہل بیت کے حقوق کے بارے میں قصور نہ کرنا
(ترمذی)

۳۔ اور فرمایا اشتد غضب اللہ علی من اذانی فی عشرتی۔

۴۔ اور فرمایا ان سے محبت مجھ سے محبت ہے اور ان سے بغض مجھ سے بغض ہے۔

اور علی الخصوص حضرت امام ہمام کی شان میں فرمایا کہ حسین (علیہ السلام) سے جو لڑے اس سے میں لڑنے والا ہوں (معاذ اللہ)

یہ ہیں مختصر فضائل اہل بیت کے اور اگر کسی کو بالتفصیل دیکھنا ہو تو وہ کتب سیر مشل تاریخ الخلفاء، صواعق محرقہ ہی کو ملاحظہ کر لے۔

لیکن یزید پلید کے فضائل میں وہ کونسی آیت یا حدیث یا کسی مستند کتاب کی تاریخی آیت ہے جس میں یزید خبیث کے ان فضائل کا ذکر ہے جو یزید سر ابا کبیر بیان کرتا ہے۔

ہم نے تو بعض حدیث میں یزید میرد کے متعلق یہ پیش گوئی پائی ہے۔ فرمایا کہ ہمیشہ میری امت اٹھائے
پر قائم رہے گی یہاں تک کہ بنی امیہ میں ایک شخص جس کا نام یزید ہوگا وہ اس زمین میں رخنہ کرے گا
اور وہ میری سنت کو بدلے گا۔

(صواعق المحرقہ)

(ص - ۱۷۱۶)

(۲)

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی فرماتے ہیں امتیع الحسین علیہ السلام من
بیعتہ لانہ کان فاسق مد من اللہ ظالمًا۔ (سر الشہادۃین)۔ بلکہ خود اس کے لڑکے
معاویہ ابن یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرماتے ہوئے خلافت کو ٹھکرا دیا کہ میں اسی خلافت کو
کیوں کر قبول کر سکتا ہوں جس کی بدولت میرے باپ یزید نے جو نا اہل تھا، سرکار اقدس کے نواسے
سے منازعت کی اور عترت رسول کو قتل کیا۔ (ص - ۱۷)

(۳)

غرض ہمیں تو اس بد نصیب کے یہ مناقب ملتے ہیں اور اس کے فسق میں کسی کا بھی اختلاف
نظر نہیں آتا ہاں البتہ اس کے کفر میں اختلاف ہے چنانچہ صواعق محرقہ میں ہے ان اہل السنۃ
اختلفوا فی تکفیر یزید بن معاویہ فقالت طائفة انہ کافر (والیضا) وبعد
اتفاقہم علی فسقہ اختلفوا فی حیوانہ لعنہ (انتہی ملتفتا) جو حضرات اسے
کافر کہتے ہیں ان کے دلائل دیکھتے ہوئے تو انہیں کا قول راجح معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب
اس نے محرمات قطعہ کو حلال کر دیا اور حضرت سید الشہداء اور آپ کے ساتھیوں کو ظلماً شہید کرایا
اور حضرت کے سر اقدس کے ساتھ بے ادبی کے ساتھ پیش آیا نہ صرف یہ بلکہ اس کے بعد اس جرم پر
کہ۔۔۔۔۔ اہالی حریم شریفین نے اس کی بیعت سے انکار کیا، حریم شریفین میں قتل
عام کرایا جس میں سینکڑوں صحابہ و قراء شہید کئے گئے، بلکہ اس کے علاوہ بھیجے گئے جو مظالم اور
شرمناک افعال شنیعہ کرائے وہ قابل بیان نہیں تو ایسی صورت میں اس کے کفر میں کیا شک
رہ گیا؟۔ لیکن بایں ہمہ پھر بھی بر بنائے شک محتاط علماء فرماتے ہیں کہ اس کے باب میں سکوت
ہی بہتر ہے اور اس کے معاملے کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں یہ ہے وہ جس کی زید پر کید صفت و ثناء
کرتا ہے، اس کے مظالم کی داستان اگر دیکھنی ہو تو کتب سیر، صواعق محرقہ وغیرہ میں ملاحظہ کریں

جس سے آپ کو اس پلید کی پرہیزگاری اور صوم و صلاۃ کی پابندی اور کریم النفسی کا ڈھونگ بخوبی ہویدا ہو جائیگا اور حضرت امام ہمام علیہ السلام کے فضائل جلیلہ کی بھی سیر ہو جائیگی۔ (ص-۱۷)

(۴)

خلیفہ برحق امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جو خلفائے راشدین میں شمار کئے گئے ہیں ان کی مجلس شریف میں کسی نے یزید کو امیر المؤمنین کہہ دیا تھا تو امیر المؤمنین نے اس کو صرف اتنی بات پر بیٹس تازیانے لگوائے تھے کہ تو ایسے ناپاک کو امیر المؤمنین کہتا ہے (صواعق مخرقہ)

(ص-۱۷)

(۵)

کہتا ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا، اس کی خلافت کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہ کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے بعض شرائط پر خلافت عطا فرمائی تھی، جن میں ایک شرط یہ تھی کہ ان کو یہ حق نہ ہوگا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنائیں اور ان کے بعد مسلمان مختار ہوں گے جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں اور بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ یہ شرط تھی کہ ان کے بعد پھر خلافت ہماری ہوگی تو اس صوت میں تو حضرت معاویہ کا یزید کو خلیفہ بنانا ہی صحیح نہیں ہوا کہ اذافات الشرط فافات المشروط، نیز اہل حل و عقد اور عام اہل حرین نے بھی اس کی خلافت کو نہ مانا، چنانچہ کتاب الامامۃ والسیاست میں حضرت ابو محمد عبداللہ بغدادی جو دوسری یا تیسری صدی کے ایک بڑے فاضل ثقہ گزرے ہیں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے جب بیعت یزید حاصل کرنے کا فرمان مروان عامل مدینہ کو لکھا تو اس نے جواب دیا کہ آپ کی قوم یزید کی بیعت سے انکار کرتی ہے تو اس کو معزول کر کے سعید بن العاص کو مقرر کیا اور ان کو لکھا کہ بزرگان امت کو تو نہ چھیڑ، باقی لوگوں سے سختی کے ساتھ بیعت یزید حاصل کر اور انصا و مہاجرین اور ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ چھوڑ، تو انہوں نے بھی جو کچھ سختی کرنی تھی کی، لیکن کچھ نہیں بنا، تو ناچار انہوں نے بھی حضرت معاویہ کو لکھ دیا کہ لم یبا یعنی احد وانما الناس تبع لہم ولاء النضر فلو بایعوك بایعك الناس جميعا ولم یخلف عنك احد یعنی لوگ تو بزرگوں کے تابع ہیں گریہ بیعت کر لیں تو پھر تو ایک بھی بیعت سے انکار نہ کرے گا۔ آخر خود حضرت معاویہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے،

اور بہت کچھ ترکیبیں کہیں کہ اکابر امت سے یزید کی بیعت حاصل کریں لیکن ناکام رہے (انتہی خلاصہ)
ان حالات میں یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا۔ (ص ۱۸)

(۶)

اور یزید کا یہ قول بھی محض باطل کہ حضرت حسین نے اس عوی کی بنا پر یزید پر خروج کیا کہ
سرکارِ اقدس کا نواسہ اور حضرت علی کا فرزند ہوں، حضرت امام ہمام ہرگز لشکر لے کر اس کے مقابلے
کو نہ نکلے تو جب شامیوں نے یزید کو خلافت کا گڈا بنا کر بٹھایا تب بھی خاموش ہی بیٹھتے ہوئے
تھے لیکن جب آپ کے قتل کی تدبیریں کی جانے لگیں تب آپ بنظر تحفظ مکہ معظمہ تشریف لے گئے
اور جبے ہاں بھی اندیشہ دیکھا اور کوئیوں کے پے درپے ایچی اور خلوط آئے اور آپ نے یہ
ملاحظہ فرمایا کہ حالت موجودہ میں مجھے ان کی درخواست کا رد کرنا جائز نہیں تو مجبوراً آپ نے
بذریعہ امام مسلم ان کی بیعت لینا قبول کی جس کا انکار اہل حل عقد میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں
ہاں یہ ثابت ہے کہ انہوں نے کوفہ جانے سے ضرور منع کیا تھا لیکن آپ نے فرمایا کہ اہل بات
یہ ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا ہے کہ حضور نے فرمایا ہے کہ مکہ میں ایک مینڈھا ہوگا
جس کی وجہ سے کعبہ کی حرمت حلال ہو جائیگی، (یعنی ایک شخص ہوگا جو مینڈھے کی طرح ذبح
ہوگا اور کعبہ کی بے حرمتی ہوگی) ایسا نہ ہو کہ وہ مینڈھا میں ہی ہوں، اور میری وجہ سے کعبہ کی
بے حرمتی ہو، عرض جب آپ کی طلب پر یزید تقاضے ہوئے تو آپ نے اہل مکہ کو شدید آہ و
زاری میں چھوڑ کر اپنے اقارب و بعض احباب کے ہمراہ کوفہ کا قصد کیا تھا، پھر جب آپ محصور
کرتے گئے تب بھی آپ نے ہرگز جدال کا قصد نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ یا مجھے واپس جانے دو
یا یزید کے پاس لے جاؤ اور اگر تم مجھے دنیا میں دیکھنا ہی نہیں چاہتے تو مجھے ترکستان وغیرہ
کی طرف جانے دو تاکہ کفار سے جہاد کر کے ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں، اور تمہاری مراد
برائے تم خود کیوں اس گناہ عظیم کے مرتکب ہوتے ہو؟ لیکن انہوں نے ایکٹ سُنی اور پھر جو
کچھ مظالم نہ کرنے تھے کیے اور سب اول بن سعد نے آپ کی طرف تیر پھینکا اور مفرج کو گواہ
کر کے کہا کہ تمہیں گواہی دینی ہوگی کہ سب پہلے امام کی طرف ابن سعد نے تیر چلایا تھا، اب
اس واقعہ کو کون ایسا بیوقوف ہے، سوائے یزید کے کہ وہ امام کا یزید پر خروج کہے گا اور
یوں بکے گا آپ نے یزیدی فوج پر اچانک قاتلانہ حملہ کیا اور آپ کی موت معاذ اللہ جاہلیت
کی موت تھی، لعنة الله على الكاذبين۔ آپ یقیناً نہ صرف شہید بلکہ الشہداء ہیں۔

(۷)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات کے مکتوب نمبر ۵۴ میں فرماتے ہیں :-

یزید بیہوشیت از اصحاب نیست و زید بختی او کرا سخن است ؟ -
کار سے کہ آں بد بخت کردہ ہیچ کافر فرنگ نکند، بعضے کلاز علمائے
اہل سنت در سخن او توقف کردہ اند نہ آں کہ و سے از و راضی
اند بلکہ عایت احتمال توبہ کردہ اند -

زید پر بھی لازم ہے کہ توبہ بلکہ احتیاطاً تجدید اسلام کرے اگر باز نہ آئے تو مسلمانوں کو اس
سے قطع تعلق کرنا لازم ہے - فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب -

(ص - ۱۹)

محمد منظر اللہ
(دہلی)

انیسواں باب

شجرہ ہائے طریقت

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

شجرہ طریقت خاندان علی حضرت مفتی محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ

نقشبندی مجددی اماسی
(شجرہ منشور بزبان فارسی مطبوعہ مطبع حسنی)

الحمد لله الذي هدانا لهذا ناصراط المستقيم وتوسر قلوب العارفين والصلوات
السلام على رسول خاتم النبيين وآله واصحابه اجمعين أما بعد فهذه
سلسلة من المشتات في الطريقة النقشبندية من ضوان الله تعالى عليهم
اجمعين - الهني بحرمة سيد لکونين، رسول الثقلين، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم الهني بحرمة
صاحب لغار والحوض بالتحقيق امير المؤمنين وامام السقيين ابی بکر الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
الهني بحرمة شمس العارفين پارسى حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ الهني بحرمة مقتدائے ارباب تحقيق
ونصديق حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہم الهني بحرمة آل جميع اسرار نظام
وباطن را حاذق حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ الهني بحرمة آل مست جان ناکامی، قطب جدت
حضرت خواجه بايزيد بسطام رحمۃ اللہ علیہ الهني بحرمة عارف نوراني، غوث وقت خواجه ابو الحسن نرقاني
رحمۃ اللہ علیہ الهني بحرمة واقف اسرار احمدی، امام الوقت حضرت شيخ بو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ الهني
بحرمة مخوشه ذات سبحانی، پیشوا و قوم، حضرت خواجه يوسف بهدانی رحمۃ اللہ علیہ الهني بحرمة شمع
نور روحاني، مقتدائے قوم حضرت خواجه عبدالخالق غجرواني رحمۃ اللہ علیہ الهني بحرمة دربر کرده از
حق خلعت سروری، مقتدائے وقت حضرت خواجه عارف ريوگرمی قدس سرہ الهني بحرمة مخزن
علوم صومى و معنوى، قطب افراد، حضرت خواجه محمود ابوالخير فغنوى قدس سرہ الهني بحرمة ممتاز
بعشق و جوال سرمدی، مرشد وقت، حضرت خواجه عزيزان علی رايتنى قدس سرہ، الهني بحرمة آل
منقل از عالم مجازى، محبوب حق، حضرت خواجه محمد بابا سحاسی قدس سرہ العزيز الهني بحرمة مشاہد
ذوالجلال، مقتدائے صاحب کمال، حضرت خواجه امير سيد کمال رحمۃ اللہ علیہ الهني بحرمة سطرقة عارفان
حق پسند، قطب الاوليا، حضرت خواجه بهاء الدين نقشبند قدس سرہ الهني بحرمة فارغ از حوا و ثبات چرخ
پیشوايے اوليا، حضرت خواجه يعقوب چرخى قدس سرہ الهني بحرمة معدن عشق و اسرار، مقتدائے اہل
ابرار حضرت خواجه عبید اللہ احرار قدس سرہ الهني بحرمة بہر عابد زائد علی الدوام حق را حاد حضرت

Click For More Books

خواجہ محمد اہد قدس سرہ الہی بحرمتہ تیر خورده دل ریش، قطب وقت حضرت خواجہ درویش قدس سرہ
الہی بحرمتہ وارث علوم رسول عربی، مرکز دائرہ قطبیت حضرت مولانا خواجہ انگلی قدس سرہ الہی
بحرمتہ مالک لایت صافی، فانی فی اللہ و اہل اللہ، افراد وقت حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس
سرہ، الہی بحرمتہ وارث علوم ربانی، مجددین صمدانی، محبوب یزدانی حضرت خواجہ احمد محمد الف
ثانی قدس سرہ الہی بحرمتہ جمیع مرادات ماساختہ معہم، پیشوائے عارفین حضرت خواجہ محمد معصوم
رحمۃ اللہ علیہ الہی بحرمتہ مستشرق ذات احدیہ سیراویا حضرت خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ
الہی بحرمتہ متخلق باخلاق منیف، قطب وقت حضرت خواجہ محمد حنیف رحمۃ اللہ علیہ الہی بحرمتہ کاشف
اسرار نہال، امام الوقت حضرت خواجہ محمد ازوال رحمۃ اللہ علیہ الہی بحرمتہ رازدان اسرار
احمدی، قطب الاولیاء حضرت خواجہ محمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ الہی بحرمتہ فخر زمین و زمان، قطب
دوران حضرت خواجہ محمد زمان رحمۃ اللہ علیہ الہی بحرمتہ واقف رموز سرمدی، عاشق زار احمدی
پیشوائے عارفین حضرت خواجہ احمد متقی رحمۃ اللہ علیہ الہی بحرمتہ سلطان کشور معرفت و توحید
سیران، مدعاہوتیت و تجرید، مصدولایت، منبع قناعت و قطب افراد، مجمع اہل ارشاد، خلاصہ دومان
حسن حسین خواجہ حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ الہی بحرمتہ قطب لاقطب، غوث الشیخ و الشاب
سلطان العارفین، سمرغ قاف یقین، مقتداء اولیاء کاملین، پیشوائے اہل دنیا و دین، امام
المتقین، خلاصہ احفاد و مطفوی، سلالہ اولاد و مقتضوی جناب حضرت فیض مآب خواجہ سید
امام مہدی قدس سرہ الہی بحرمتہ مقنن قوانین شریعت و مدلل آئین طریقت حضرت شیخ محمد مسعود
فرد الافراد۔

(مطبوعہ مطبع حسنی)

ایضاً

(شجرہ منظوم بزبان فارسی مطبوعہ مطبع حسنی)

کہ پاویں او گشت عرش بریں	الہی بحق رسول امیں
شد از جاں فدائے شہ سرسلیں	الہی بصرہ برین اکبر کہ او
ز سر تا قدم عین صدق یقین	بسمان و قاسم بہ بھضر کہ بود

بسر حلقہ اولیاء پایزید
حق آگاہ، حق عاشق، حق گزین
بحسن صفائے دل بو آسن
بعشق دل بو علی شاہ دیں
بحق ابو یوسف حق پرست
بآں عبد خالق شہ حق گزین
بعارف کہ معروف از اولیاء است
بمجد و مسدوح اہل یقیں
بحق عزیزان کہ در عشق دوست
دل اندوہ گین و اشتی جان حزیں
بہ بابا شمس و سید کمال
کہ شستہ ز دل نقش ہر بغض و کین
بآں پیر پیراں شہ نقشبند
باوج کسالات ماہ مبیں
بہ یعقوب چرخ و الامقام
کہ عالم شد از خرمش خوشہ چیں
بآں شیخ احرار خواجہ عبید
بآں خواجہ کہ زہد ست نازاں ازو
بآں خواجہ خواجگان خواجگی
بہ سعی مجہد کہ از جان دل
الہی بآں خواجہ معصوم پاک
الہی بحق محمد حنیف
الہی بآں منظرے و محمد زماں
بآں متقی حاجی احمد کہ بود
بشاہ حسین احسن اولیاء
بحق امام خلائق علی
بزدہ محمد کہ سچو ہست
بہرت پیرانوار گرداں دلم
بجال عاشق خاتم المرسلین
بصبر و رضاء اکمل الکاملین
کہ ملکات دلش گشت زیر نگین
بذاتش متین گشتہ دین مبیں
ز اندوہ خویشم کن اندوہ گین

ایضاً

(شجرہ منظلوم بزبان اردو قلمی)

کچھ نہیں سہا یہ ہے روز جزا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے شرم آتی ہے دعا کے واسطے

Click For More Books

در پہ آیا ہوں خدا غفور و عطا کے واسطے

بار عصیان و دش پر اور دل میں ہے حرص ہوا کینہ و بغل و ریا میں ہوں سراسر مبتلا

در گزر کمر چھب سے ختم الانبیاء کے واسطے

رات دن یہ حب دنیا ہے مرے جی کا وبال میری کشتی کو الہی بحر عصیان سے نکال

حضرت صدیق اکبر با صفا کے واسطے

شرک و بدعت اور ضلالت سے الہی نور رکھ نور ایمان سے خدا یا دل مرا مہمور رکھ

حضرت سلمان صحابی مصطفیٰ کے واسطے

صبر و شکر و صدق پر ثابت قدم رکھنا مجھے اور توفیق حیا و حلم بھی دینا مجھے

حضرت قاسم امام الاتقیاء کے واسطے

نفس و شیطان اہزن ہیں اور برے پسینے کا رکھ مجھے محفوظ ان سب سے خدا وندا امام

حضرت جعفر امام اولیاء کے واسطے

کوئے عصیاں میں الہی خاک چھانی در بدر باز رکھ اب اس یارب مجھ کو اور روانہ کر

بائزید قطب عالم مقتدا کے واسطے

رنج و غم میں مبتلا ہوں کیا کہوں میں اپنا حال اس مصیبت سے خدایا تو مجھے جلدی نکال

بوا الحسن خرقانی شاہ اصفیاء کے واسطے

تیری رحمت کے سوا یا رب نہیں حاجت مجھے کرمنایت یا الہی دین کی عزت مجھے

بوعلی فارمد فیض خدا کے واسطے

مال و دولت عیش و عشرت کا نہ ساماں چاہیے مجھ غریب بے نوا کو نور ایماں چاہیے

یوسف ہمدانی شیخ اولیاء کے واسطے

کیسی دولت کیسی حشمت اور کہاں کا جاہ مال طالب یدار ہوں تیرا ہی رب ذوالجلال

عبد خالق عجد وانی رہنما کے واسطے

اپنی نار عشق سے کرے مرے دل کو کباب تانیا یہ جز وصال تو دلم را صبر و تاب

خواجہ عارف ریوگر محو خدا کے واسطے

ہر گھڑی، ہر وقت، ہر لحظہ ترا مجھوں ہوں یہ دعا مقبول ہو یا رب ترا مفتوں ہوں

فیضی محمود ابخیر و عطا کے واسطے

Click For More Books

عشق احمد کا الہی ہو سرے دل کو سرور اور نظر آوے مجھے ہر چیز میں تیرا ظہور
شہ علی راہیتی خیر الوریاء کے واسطے
کردے فانی اس قدر عشق خسد میں مجھے موت آجائے خیال شکل احمد میں مجھے
خواجہ بابا سہاسی مقتدا کے واسطے
نامہ اعمال ہے میرا گناہوں سے سیاہ ز آب رحمت کن سفیدش اسے رحیم اسے الہ
خواجہ سید کمال دل ربا کے واسطے
رات دن یہ التجا ہے اس دل غم ناک کی دے مجھے اپنی محبت اور شہ لولاک کی
شہ بہاؤ الدین شیخ اولیاء کے واسطے
ہر بلائے دین دنیا سے مجھے محفوظ رکھ دولت ایمان سے یارب دل مرا محفوظ رکھ
خواجہ یعقوب چرخ دلفا کے واسطے
یہ تمنا اور خواہش ہے مری صبح و مسا جام وحدت دے پلا اور غیر کو دل سے بھلا
شہ عبید اللہ ذی الجود و علا کے واسطے
آرزو ہے تو یہی ہے اور یہی ہے التجا عشق دے اپنا الہی اور اپنا لے بنا
خواجہ زاہد ولی و پارسل کے واسطے
دین احمد پر خدا یا میں ہوں ثابت قدم اس قدر مجھ بے نوا پر جو ترا فضل و کرم
حضرت دولش خواجہ بے ریا کے واسطے
مطلع نور شید جت مجھ پہ چمکا دے ذرا یعنی دیکھوں روضہ اقدس شہ ہر دوسرا
خواجہ امکنگی شہ اہل رضا کے واسطے
جلد وہ دن ہو طواف کعبہ جو حاصل کروں اور رسول کبریا کے درکامیں سائل رہوں
باقی باللہ مقتدا کے اتقیا کے واسطے
یا الہی مجھ کو پہنچا دے مدینہ پاک میں خاک ہو کر جا پڑوں کوئے شہ لولاک میں
اوس مجدد شیخ احمد مقتدا کے واسطے
وے وہ بینائی کہ جس سے میں ترا دیکھوں حال دل نہ دے کہ جس میں گزرے ٹٹے احمد کا خیال
خواجہ معصوم با حکم و حیا کے واسطے
ہر غریب بنستہ پر لطف عنایت کی نظر یاد میں یارب تری قائم رہوں شام و سحر

خواجہ عبدالاحد قطب لوراء کے واسطے
جب دنیا سے دنی نے کر دیا مجھ کو تباہ دور رکھ اس سے خدایا اور عطا کر اپنی جا
شہ حنیف مقتدرائے اصفیاء کے واسطے
دن قیامت کے الہی آبرور کھ لیجیو! غرق دریائے معاصی ہوں عنایت کیجیو!
شہ محمد ازوال ستر خدا کے واسطے
کیا کہوں غفلت کی ہے دل پر گھٹا پھائی ہوئی رحم کریا رب لبوں پر جان ہے آئی ہوئی
شہ محمد مظہری پیر مدہی کے واسطے
دونوں عالم میں نہیں تیرے سوا مشکل کشا رحم کی بچہ پر نظر کر بخش دے میری خطا
حضرت خواجہ زماں مخورضا کے واسطے
دین و دنیا کی سعادت کر مجھے یارب عطا نخل مید آب رحمت سے ہے پھولا پھلا
حاجی احمد متقی باآقا کے واسطے
ہوں گنہ گار و خطا وارے مرے پروردگار کشتی طوفانیم راکن ز دریا برکنار
خواجہ حاجی شہ حسین با خدا کے واسطے
سخت حیراں ہوں عجب مشکل مجھے آکر پڑی تو کرے رحمت تو پھر آساں ہوئے ہر کڑی
شہ امام باعلی نور الہدی کے واسطے
دولت ایماں تری درگاہ سے ہووے عطا خاتمہ بالخیر ہووے بس مرا جب یا خدا
خواجہ مسعود شاہ دوسرا کے واسطے
(سلوک مسعودی، قلمی، ص ۱۷۹-۱۸۳)

ایضاً

شجرہ مختصر منظوم بزبان (ہندی)

حضرت صدیق و سلماں با خدا کے واسطے	بخت سے یارب محمد مصطفیٰ کے واسطے
بوعلی و خواجہ یوسف رھنما کے واسطے	حضرت قاسم و جعفر بایزید و ابوالحسن
شیخ شماسی اور کلال مقتدا کے واسطے	عبد خالق عارف و محمود علی رامیتنی

شہ بہاؤ الدین و یعقوب اور عبداللہ شہ
باقی باللہ احمد و معصوم اور عبداللہ
شہ محمد نظری و شہ زمان و متقی
حضرت سید اسام باعلی پیر ہدی
زاہد درویش و انگلی صفا کے واسطے
شہ حنیف و راز داں راز خدا کے واسطے
خواجہ حاجی شہ حسین دل ربا کے واسطے
فضل کر سعود شاہ اولیاء کے واسطے
(سلوک مسعودی، قلمی، ص - ۱۷۵)

وفیات الاولیاء نقیۃ شنبہ

- ۱- وصال آں حضرت صلی اللہ وسلم بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱۰۰ھ و بقول صحیحہ ۲ ربیع الاول — مزار پُر انوار مدینہ منورہ میں ہے، عمر شریف ۶۳ سال۔
- ۲- وصال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۲۲ یا ۲۳ جمادی الثانی ۱۱۰۰ھ، بروز دوشنبہ یاشب سہ شنبہ، مزار مبارک مدینہ منورہ میں ہے، عمر ۶۳ سال۔
- ۳- وفات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ۱۰ رجب ۱۱۰۰ھ، مزار شریف مدائن میں عمر شریف بقول اصح ۲۵۰ سال۔
- ۴- وفات حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ ۲۴ جمادی الاول ۱۱۰۰ھ یا ۱۱۰۱ھ، مزار مبارک مدائن میں ہے، عمر شریف ۷۲ سال۔
- ۵- وفات حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵ رجب المرجب ۱۱۰۱ھ بروز دوشنبہ مزار مبارک مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں ہے عمر شریف ۶۵ یا ۶۸ سال۔
- ۶- وفات حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ ۵ شعبان المعظم ۱۱۰۱ھ (باختلاف روایات) مزار مبارک بسطام میں ہے۔
- ۷- وفات حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ۵ رمضان المبارک یا محرم الحرام ۱۱۰۵ھ شنبہ شنبہ، مزار مبارک بسطام کے پہاڑی علاقے میں خرقان نامی ایک قریہ میں ہے۔ عمر شریف ۷۳ سال۔
- ۸- وفات حضرت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ ۴ ربیع الاول ۱۱۰۶ھ، مزار مبارک طوس میں ہے، عمر شریف ۷۱ سال۔
- ۹- وفات خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ رجب المرجب ۱۱۰۵ھ (یا غفر المظفر)

مزار مبارک مرو میں ہے، عمر شریف ۹۵ سال۔

۱۰۔ وفات خواجہ عبدالخالق عجدانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۵۵ھ، مزار مبارک عجدان

میں ہے، یہ قریہ بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔

۱۱۔ وفات خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ غرہ شوال مکرم ۱۱۶۶ھ، مزار مبارک ریوگر

میں ہے جو بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔

۱۲۔ وفات خواجہ محمد ابوالخیر فتویٰ، ۷ ربیع الاول ۱۱۷۵ھ، مزار مبارک ابکنی میں ہے جو

بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلے پر ہے، مولد شریف فضلۃ نواب بخارا میں واقع ہے۔

۱۳۔ وفات خواجہ عزیزاں علی راہیتی رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۸۵ھ (بقول صح) مزار

مبارک خوارزم میں واقع ہے، مولد شریف راستن ہے جو بخارا سے دو فرسنگ کے

فاصلے پر واقع ہے، عمر شریف ۱۳۰ سال۔

۱۴۔ وفات حضرت بابا سہاسی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۱۸۵ھ، مزار مبارک طوس کے

قریہ سہاس میں واقع ہے۔

۱۵۔ وفات خواجہ امیر کمال رحمۃ اللہ علیہ ۸ جمادی الاول ۱۱۸۶ھ صبح پنج شنبہ امیر تیمور

صاحب قرال کے عہد میں وصال فرمایا، مزار مبارک سوخار نامی گاؤں میں واقع ہے۔

جو سہاس سے پانچ منزل پر واقع ہے۔

۱۶۔ وفات حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳ ربیع الاول ۱۱۹۱ھ شب

دوشنبہ امیر تیمور کے عہد میں وصال فرمایا، مزار مبارک قصر عارفان میں ہے جو بخارا سے

ایک فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے، عمر شریف ۷۴ سال، حضرت خواجہ مدوح فرماتے

ہیں کہ میں اور میرے والد کچھ بانی کا کام کرتے تھے، اس لئے نقشبندی مشہور ہو گئے۔

۱۷۔ وفات حضرت یعقوب چرخي رحمۃ اللہ علیہ ۵ صفر المنظر ۱۱۸۵ھ، حصار کے علاقے میں بلقو

نامی ایک گاؤں میں مزار مبارک ہے، مولد شریف چرخ ہے جو غزنی کے علاقے میں واقع

ہے۔

۱۸۔ وفات خواجہ عبداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ ۲۹ ربیع الاول ۱۱۹۵ھ، مزار مبارک پھر قندیں

واقع ہے، عمر شریف تقریباً ۹۰ سال۔

۱۹۔ وفات مولانا زاہد رحمۃ اللہ علیہ غرہ ربیع الاول ۱۱۹۳ھ، مزار مبارک خوش میں واقع ہے

- اس کو دشوور ابھی کہتے ہیں، افغانستان میں واقع ہے۔
- ۲۰۔ وفات خواجہ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ ۱۹ محرم الحرام ۱۰۷۷ھ، مزار مبارک الفراز میں ہے جو کش کے علاقے میں واقع ہے۔
- ۲۱۔ وفات حضرت خواجہ امکنگ رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۰۷۸ھ، مزار مبارک موضع امکنگ میں واقع ہے جو شہر سبزووار کے قریب واقع ہے اس کو امکنہ بھی کہتے ہیں۔
- ۲۲۔ وفات حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۷۸ھ، مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہ خاص عام ہے، عمر شریف ۶۰ سال۔
- ۲۳۔ وفات حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ صفر المنظر ۱۰۷۹ھ روز دوشنبہ، مزار مبارک شہر سرہند میں واقع ہے، عمر شریف ۶۳ سال۔
- ۲۴۔ وفات خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ ۹ ربیع الاول ۱۰۸۰ھ، مزار مبارک سرہند شریف میں ہے، عمر مبارک ۷۲ سال۔
- ۲۵۔ وفات خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ رذی الحجہ ۱۱۲۲ھ، مزار مبارک سرہند شریف میں ہے، صاحب روضۃ القیومہ نے تاریخ وفات ۲۷ رذی الحجہ ۱۱۲۲ھ لکھی ہے۔
- ۲۶۔ وفات خواجہ محمد حنیف رحمۃ اللہ علیہ غرہ صفر المنظر ۱۱۲۳ھ، مزار مبارک موضع بامیاں میں واقع ہے جو کابل کے نزدیک ہے۔
- ۲۷۔ وفات خواجہ محمد کی رازداں رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۲۳ھ، مزار مبارک موضع انگی لاتی میں واقع ہے، جو حجاز مقدس میں ہے۔
- ۲۸۔ وفات خواجہ محمد ظہری سندھی رحمۃ اللہ علیہ ۹ رذی الحجہ ۱۱۲۹ھ، مزار مبارک مکہ معظمہ میں ہے۔
- ۲۹۔ وفات خواجہ محمد مال رحمۃ اللہ علیہ ۲ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ، مزار مبارک قصبہ لواری تریف میں واقع ہے، جو مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سندھ میں بدین کے قریب ہے۔
- ۳۰۔ وفات حضرت خواجہ احمد متقی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ، مزار مبارک موضع قاضی احمد میں واقع ہے، جو سابق صوبہ سندھ کے شہر لالہ پور سے کچھ فاصلہ پر ہے۔
- ۳۱۔ وفات حضرت حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ ۷ صفر المنظر ۱۱۷۲ھ، مزار مبارک موضع رتھپتر میں ہے جس کو کلاں قریب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ موضع مشرقی پنجاب

کے ضلع گورو اسپور میں واقع ہے۔

۳۲۔ وفات حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۳ اشوال المکرم ۱۲۸۲ھ یوم پنج شنبہ۔ مزار مبارک مکان شریف میں واقع ہے۔

۳۳۔ وفات حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ رجب المرجب ۱۲۹۹ھ مزار مبارک دہلی میں واقع ہے۔

(سلوک مسعودی، قلمی، ص ۱۷۵-۱۷۸)

شجرہ طریقت خاندان حضرت مولانا کرن الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

(نقشبندی مجددی مسعودی)

شجرہ منظوم بزبان اردو مرتبہ مولوی ارشاد علی مرحوم

بخشدے یارب محمد مصطفیٰ کے واسطے
خواجہ سلمان خواجہ قاسم خواجہ جعفر کے طفیل
ازپے محبوب سبجال شاہ خرقاں بوالحسن
پیر برحق عبد خالق خواجہ عارف کے طفیل
قدوۃ اہل صفا خواجہ عسلی راہیتی
فخر جسد خواجگان خواجہ بہاؤ الدین شاہ
حامی دین متین خواجہ عبید اللہ شاہ
خواجہ درویش خواجہ امکنگی کے صدقہ میں لہ
ابر رحمت خواجہ سریندا احمد کے طفیل
خواجہ معصوم اور عبد الاحد محبوب حق
ازپے خواجہ محمد رازداں پیر صمدی
ازبرائے شہ زمان و حاجی احمد ستی
ازبرائے حضرت سید امام باغلی
دسے مجھے سوز محبت تاتے ہوئے خیر

حضرت صدیق اکبر با خدا کے واسطے
رحم فرما بایزید رہنما کے واسطے
بوعلی و خواجہ یوسف مقتدا کے واسطے
خواجہ محمود حبیب کبریا کے واسطے
بابا سہاسی کلال مقتدا کے واسطے
خواجہ یعقوب امام الاولیا کے واسطے
خواجہ زاہد پیر برحق پارسا کے واسطے
رحم فرما باقی باللہ با خدا کے واسطے
غازن الرحمت سعید با صفا کے واسطے
شہ حنیف رازداں راز خدا کے واسطے
شہ محمد پیر برحق با صفا کے واسطے
خواجہ حاجی حسین دل ربا کے واسطے
فضل کر مسعود شاہ اولیا کے واسطے
کن الہی پیر برحق پارسا کے واسطے

Click For More Books

فاک پائے خواجگان ارشاد علی الوری ! چاہتا ہے مغفرت آل عبا کے واسطے

(ایضاً)

شجرہ طریقت خاندان عالیہ توریہ

(منظومہ جمیل دہلوی)

حضرت مولا علی مشکل کشا کے واسطے	بخشدے یارب محمد مصطفیٰ کے واسطے
سید الشہداء حسین دل ربا کے واسطے	قافلہ سالار اور سبط نبی حضرت حسین
جعفر و کاظم علی موسیٰ رضا کے واسطے	داروئے امراض زین العابدین باقر امام
اور جنید و خواجہ شہبلی رہنما کے واسطے	خواجہ معروف کرخی اور سمری سقلی کے طفیل
رحم فرما ابو سعید با صفا کے واسطے	عبدالاحد اور یوسف اور قرشی بو الحسن
عبدالرزاق غمبیر اولیاء کے واسطے	حضرت محبوب سبحان عبد قادشاہ دین
شہ بہاؤ الدین عقیل مقتدا کے واسطے	شاہ شرف الدین حضرت سید عبدالہاب
شمس دین ثانی گدار حسن عدا کے واسطے	شمس الدین و شہ گدار حسن اول کے طفیل
حضرت احمد مجدد و باخدا کے واسطے	شہ فضل و شہ کمال شہ سکند کے طفیل
اور اسماعیل مذبح خدا کے واسطے	خواجہ معصوم و خواجہ صبغتہ اللہ با کمال
عبدالباقی اور عطا معصوم علا کے واسطے	شہ غلام حضرت معصوم اور حاجی صفی
رکن دین منظور احمد پارہا کے واسطے	قطب وقت خواجہ معصوم ضیاء نور حق
چاہتا ہے مرضی مولیٰ خدا کے واسطے	کس مہر پس و ہمیکس و خادم جمیل بے نوا

(ایضاً)

شجرہ طریقت خاندان عالیہ چشتیہ

(منظومہ جمیل دہلوی)

حضرت مولا علی مشکل کشا کے واسطے	بخشدے یارب محمد مصطفیٰ کے واسطے
---------------------------------	---------------------------------

۲۰ رسالہ آداب سالک، مطبوعہ دہلی، ص ۲۰

Click For More Books

حضرت خواجہ فاضل پارسا کے واسطے
شہ امین الدین اور ہبیرہ باصفا کے واسطے
اور ابوالحسن شہ دین خدا کے واسطے
قطب دین مودود چشتی با خدا کے واسطے
خواجہ شمس الدین شاہ اتقیا کے واسطے
حضرت شیخ محمد مفتی را کے واسطے
خواجہ عبدالاحد نور محمدی کے واسطے
خواجہ معصوم پیر رحمتا کے واسطے
خواجہ اسماعیل شاہ اصفیا کے واسطے
عبدالباقی اور عطا معصوم علا کے واسطے
رکن دین منظور احمد پارسا کے واسطے
چاہتا ہے مرضی مولا خدا کے واسطے

حضرت خواجہ حسن اور عبد واحد شاہ دین
خواجہ ابراہیم اور حضرت حذیفہ کے طفیل
صدقہ ابراہیم دینوری و ابواسحاق کا
بو محمد اور شاہ ناصر دین حسین
صدقہ حاجی شریف و حضرت محمد علی
شہ جلال الدین عبدالحق عارف پرنسپا
عبدقدوس اور حضرت رکن دین محبوب حق
حضرت احمد مجتبیٰ الف ثانی کے طفیل
از پے خواجہ محمد صبغتہ اللہ شاہ دین
شہ غلام حضرت معصوم اور حاجی صفی
حضرت خواجہ ضیا معصوم محبوب خدا
کس مہر و بیس و خادم جمیل بے نوا

شجرہ طریقت خاندان حضرت مفتی اعظم الحاج مولانا مفتی

محمد ظہیر اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی

خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی

یا الہی ہاتھ اٹھاتا ہوں دعا کے واسطے
کھول دے اپنے خزانے مجھ گدا کے واسطے
رحمت عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے
مانگتا ہوں وہ جو مانگا ہے رسول پاک نے
دور رکھ جس سے پناہ مانگی شہ لولاک نے
حضرت بو بکر شاہ اولیاء کے واسطے
ہر مہم میں میرے یارب تو مرا ہو جا کفیل
انت حبیبی انت مہربانی انت لی نعم الوکیل
حضرت سلمان امام الاتقیا کے واسطے
مشکلوں میں آپھنسا ہوں مرے بیس نوار
چارہ سازی کر غریبے ناتواں کے چارہ ساز
خواجہ قاسم فرد کمال بے ریا کے واسطے

خطہ رسالہ آداب سادک، مطبوعہ دہلی، ص ۲۰۔

ہیں معاصی اس قدر اعمال نامہ ہے سیاہ یا الہی بخشہ سے ورنہ ہوا بس اب تباہ
حضرت جعفر سراج الاولیاء کے واسطے
شرک بدعت کفر و ذلت ہے نیا سے بچا اور حمیدہ محمد کو سب خلاق کر یا رب عطا
کنز عرفاں پانزیہ رھنما کے واسطے
معصیت سے پھیرے دل کو مرے طاعت کی سب سے اے دلوں کے پھیر والے بڑا قادر ہے تو
شاہ خرقاں بوالحسن نور خدا کے واسطے
نفس و شیطان راہ زن ہیں اور کٹھن ہے راستہ کر دے بعد المشرقین ان سے مرا تو فاصلہ
بو علی کنز الیقین جان ہدی کے واسطے
میرے ظاہر کو شریعت سے تو کر آراستہ نور مطلق کی چمک سے باطن کو کر پیرا ستہ
منظر حق خواجہ یوسف مہ لقا کے واسطے
کام وہ مجھ سے کرا ہو جس راضی مجھ سے تو تیرے محبوبوں کے سب انداز آئیں ہو ہو ہو
عبد خالق قدوہ اہل صفا کے واسطے
اہل سنت کے طریقہ پہ ہیں ثابت قدم یا الہی رکھ کہیں لیسا نہ ہو ڈگ جاؤں ہم
خواجہ عارف سمائے ارتقا کے واسطے
عشق ایسا دے مجھے حضرت رسول اللہ سے ان کی ہر سنت پہ مٹ جاؤں پھر مل بدنام سے
خواجہ محمود مفتاح عطا کے واسطے
اک سر مو تیری طاعت میں نہ مجھ سے فرق ہو راہ میں تیری مراد دل یا الہی برق ہو !
شہ علی راہیتنی مرد خدا کے واسطے
راستہ پر اپنے محبوبوں کے مجھ کو ڈال کر اے سرے ہادی مجھے پھر اسے تو گمراہ نہ کر
بابا سٹامسی چراغ اصفیاء کے واسطے
راستہ پیروں سے میرا ایسا مستحکم ہے طے کراتا منزل صد سالہ جو ہر دم رہے
حضرت سید امیر رہنما کے واسطے
اپنا ذوق و شوق درد و سوز یا رب کر عطا اپنے ذکر و فکر انس و معرفت کا دے مزا
شہ بہاؤ الدین غوث اولیاء کے واسطے
توبہ زہد و ورع صبر و قناعت کر عطا شکرو تسلیم و رضا و عزت تو کل اے خدا

شہ عطاء الدین عطار و لا کے واسطے
مورد الطاف میرے سب لطائف کر خدا قلبے روح و سرو خنی انحنی مقام نفس و
حضرت یعقوب چمرنی با صفا کے واسطے
مجھ کو خلوت انجمن میں و روٹن میں سے سفر دائمی اپنی طرف میری توجہ رکھ مگر
شہ عبید اللہ نور کبریا کے واسطے
اپنی نار عشق سے کر سوختہ دل کو مرے تا ہمیشہ کے لئے وہ نار و دوزخ سے بچے
خواجہ زاہد ماجی حرص ہوا کے واسطے
یاد میں اپنی الہی ایسا استغراق دے ذات واحد کے سوا جو تجھ سے سب کچھ گم ہے
خواجہ درویش جان ارتقا کے واسطے
جام وحدت کا پلا کر دے بخود مجھ کو یوں غیر کا خطرہ نہ آئے دل پر ایسا مست ہوں
شاہ امکنگی کبیر الاولیاء کے واسطے
زندگی جتنی بڑھے طاقت بڑھے اتنی بزم موت جب آئے تو آئے چین اسے بے نام
باقی باللہ شاہ ذوالجود صلا کے واسطے
جس مقام قرب میں پہنچوں کہوں ہل من مزل میری ہر شب ہو شب قدر اور ہر دن روز عید
حضرت احمد مجد مقتدا کے واسطے
خاتمہ بالخیر ہو سکرات کی سختی نہ ہو روح جب تیری طرف جائے اسے پستی ہو
حضرت معصوم کوہ اعتلا کے واسطے
قرب جہینے مجھے ہونے لگے مجھ سے سوال کیجیو میری مدد اس وقت میرے ذوالجلال
حضرت عبدالاحد مخدوم کے واسطے
روز محشر کا مجھے ڈر کھائے جاتا ہے خدا اس کی ہر سختی سے یارب لیجیو مجھ کو بچا
شہ حنیف فخر ارباب ہدی کے واسطے
شمس ہو جب میل بھر محرم پسینہ میں غرق تیرا سایہ چاہتا ہے یہ کمینہ عار خلق
شہ محمد راز داں راز خدا کے واسطے
نصیب میرے کریں مجھ سے طلب اپنے حقوق ان کو راضی نہ کر دیکو کہ ہے تجھ پر شوق
شہ محمد مظہری محو رضا کے واسطے

جس مقام سخت میں پہنچوں شفیع عاصیاں ہو مدد پہ میری سنتے ہوں میری آہ و فغاں ،
شہ زماں سلطان خواباں با خدا کے واسطے
جب تیری سرکار میں حاضر ہوں میں لیکر کتاب حکم ہو جاہم نے بخشا ہے حساب بے عتاب
حاجی احمد ستی نور الہدی کے واسطے
تو لے جائیں جب میرے اعمال میرا میں خدا پتہ نیکی کو بوجھل کر کے ہلکی کر خط
خواجہ حاجی حسین دل ربا کے واسطے
جب سر پہ میں چلوں تو ہو میرا محبوب سا تھ یوں زبان پر میں بیتاں ہا تھیں ہو میرا ہاتھ
شہ امام باعلی بحر عطا کے واسطے
وہ جنہم کا بنتی ہے جس سے دنیا کی یہ آگ میرے مولا دور رکھیو مجھ سے تو اس کا عذاب
حضرت مسعود شاہ اولیاء کے واسطے
پیا اس کی شدت ہو جب تو آب کوثر ہو عطا تا ابد لیتی رہے میری زباں اس کا مزا
سید صادق علی مشکل کشا کے واسطے
روز محشر مثل لمحہ مجھ پہ گزرے یا خدا آخرش فردوس اعلیٰ میں مجھے دی جائے جا
شاہ رکن الدین محبوب خدا کے واسطے
مجھ سا منگتا بھی کہیں اس در سے جاتا ہے خدا تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جاوے کر عطا
سنہ محمد مظہر اللہ پیشوا کے واسطے
مجھ کو اور اس کو کہ جس کا مجھ پہ کچھ حق ہے خدا جو طلب میں نے کیا یہ سب بھی کو ہو عطا
اپنی ذات پاک کے کل اولیاء کے واسطے
نوٹ ہے :- اس شجر سے کے تیسرے اڈیشن میں جو امپیریل پریس دہلی سے شائع ہوا، حضرت نے
ترمیم و اضافہ فرمایا ہے ۔

مندرجہ بالا نشان زدہ اشعار یا مصرعوں میں جو ترمیم کی گئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے :-

- ۱۔ میری ہر شکل میں یارب تو ہی ہو مرا کفیل انت مہربانی انت حبیبی انت لی نعلی لوکیل
- ۲۔ مشکوں نے مجھ کو آگھیر لیا ہے اسے بکس نواز اتر
- ۳۔ اور سب اخلاق اچھے مجھ کو یارب کر عطا اے
- ۴۔ سعیت پھیرو دل کو مرے کرنیک خواجہ

- ۵۵ ناتوان پس کز حفاظت تجھ کو تیرا واسطہ الخ
- ۵۶ جو گل یارب کثرل میں آخری مقصد ہو تو
- ۵۷ رہ روان راہ سنت سے نہ کمر بچھ کو جدا
- ۵۸ عشق شاہ دوسرا سے جگمگائے دل مرا
- ۵۹ ذرہ بھر تیری اطاعت میں مجھ سے فرق ہو
- ۶۰ راستہ پر اپنے محبوبوں کے مجھ کو ڈال کر
- ۶۱ رابطہ پیرل سے میرا ایسا مستحکم ہے الخ
- ۶۲ جس طرف دیکھوں نظر آئے مجھے ہر سو تو ہی
- ۶۳ ورد و فرقت میں ترے اس زندگی کی شام ہو
- ۶۴ قبریں کفر شتے جب کریں مجھ سے سوال
- ۶۵ روز عشر انبیاء جس سہم جاں گے آہ
- ۶۶ میل بھر سوچ ہو اور ہر طرف آہ و بکا
- ۶۷ سیر دشمن جب کریں مجھ سے طلب اپنے حقوق الخ
- ۶۸ جب ترازو میں سزا اعمال ہوں پیش سے خدا
- ۶۹ جب سپرل میں چلوں نہ کی نگاہیں ساتھ ہوں
- ۷۰ روز محشر ایک پل کی طرح گزرے اسے خدا
- ۷۱ پھوڑ کر دو رکوتے جلے کہاں تیرا گدا
- ۷۲ جو طلب میں نے کیا، سب کچھ یہ سب کو عطا الخ
- تیرے محبوبوں کے سبب نذر پاؤں ہو ہو
- نقش پا اور ہر قدم پر جان دل سے ہوں خدا
- ہر اداسیل ن کی پہاں ہو مے دل کی دوا
- یاد میں تیری سرا دل یا الہی برقی ہو
- اسے مے ہادی نہ پھر مجھ کو کبھی گمراہ کر
- دید و دل میں مگر اس طرح جن جائے تو
- موت جب آئے صبح و صیل کا پیغام ہو
- تب مد فرما یتو بہر کرم اسے ذوالجلال
- اس کی ہر سختی سے یارب کبھی اپنی پناہ
- سایہ دامان سے اس پیکر بے سایہ کا
- ہر خطا کے بدلے مل جائے ترے دست عطا
- ہر سدا کی صدا میں ہر قدم سے تھما ہوں
- اور پھر فردوس علی میں مجھے دی جائے جا
- تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں اپنے جلو سے کر عطا

پیسوال باب

شجرہ ہائے نسب

شجرہ نسب حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ

①

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مورث اعلیٰ مشہور ولی کامل حضرت جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کا شجرہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، حضرت جلال الدین علیہ الرحمہ سے حضرت شاہ صاحب کے جد امجد شیخ احمد علیہ الرحمہ تک جو کڑیاں ہیں ان کا علم نہ ہو سکا، کیوں کہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں حضرت شاہ صاحب کے مکان شریف کا سارا اثاثہ تلف ہو گیا تھا جس میں شجرہ بھی شامل تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے جد امجد شیخ احمد کے ہاں ایک صاحب ادبے ہوئے جن کا اسم گرامی شیخ الہی بخش تھا، آپ کے ہاں ایک صاحب ادبے حضرت شاہ صاحب (شیخ رحیم بخش الملقب بہ محمد مسعود شاہ) اور دو صاحب ادبیاں رحیم النساء اور افضل النساء (زوجہ حافظ عبدالعزیز خاں) تولد ہوئیں۔

②

حضرت شاہ صاحب کے ہاں زوجہ اول عائشہ خانم (بنت مولانا حید شاہ خاں، امام شاہی مسجد فختپوری دہلی، کے بطن سے ایک صاحب ادبے مولانا محمد سعید تولد ہوئے جن کے ہاں دو صاحب ادبے مظہر قیوم اور حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ تولد ہوئے اول الذکر بچپن میں فوت ہو گئے، حضرت مفتی اعظم نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں، جس کی تفصیل یہ ہے۔

③

زوجہ اول انور جہاں بیگم کے بطن سے دو صاحب ادبے مولانا محمد مظفر احمد اور مولانا محمد مشرف احمد اور ایک صاحب ادبی اختر بیگم تولد ہوئیں۔ مولانا محمد مظفر احمد کے ہاں تین صاحب ادبے مولانا محمد مظفر احمد، محمد انظر احمد، محمد نذر احمد اور پانچ صاحب ادبیاں زبیدہ بیگم (زوجہ محی الدین غازی) عبید بیگم، (زوجہ مکرم احمد علی) وحیدہ بیگم مرحومہ، سالمہ بیگم اور عالمہ بیگم، تولد ہوئیں۔ مولانا محمد مشرف احمد کے ہاں چار صاحب ادبے مولانا محمد اکھف جہاں، احمد میاں، محمد احسن، محمد اسلم، محمد اکرم اور چار صاحب ادبیاں عابدہ خاتون (زوجہ ڈاکٹر

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>



<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

مولانا احمد مرحوم، مولانا منظور احمد مرحوم، راقم الحروف محمد مسعود احمد، ڈاکٹر محمد سعید احمد اور چچہ صاحبزادیاں
آئینہ بیگم مرحومہ (زوجہ حاجی عبدالخالق) خدیجہ بیگم مرحومہ، صدیقہ بیگم (زوجہ نوابہ اودہ فرید الدین مرزا)
امینہ بیگم (زوجہ سید عبدالعزیز) اور نسیم بیگم (زوجہ محمد نسیم صاحب) تولد ہوئیں۔
مولانا محمد احمد صاحب کے ہاں پانچ صاحبزادے مکرم احمد، معظم احمد، بشیر احمد، مبشر احمد، محمود احمد
اور چچہ صاحبزادیاں عشرت بیگم مرحومہ، شمیمہ بیگم، وسیمہ بیگم، فہیمہ بیگم، سلیمہ بیگم اور رضیمہ بیگم تولد ہوئیں
مولانا منور احمد اور مولانا منظور احمد مرحوم جوانی میں انتقال فرما گئے اول الذکر کا مزار دہلی
میں ہے، اور موقوفہ الذکر کا مزار حیدر آباد (مغربی پاکستان) میں۔ محمد مسعود احمد کے ہاں ایک
صاحبہ ادی کوکب جہاں اور ایک صاحبہ ادی ثروت جہاں تولد ہوئیں۔ ڈاکٹر
محمد سعید احمد کے ہاں ایک صاحبہ ادی غنصر احمد اور ایک صاحبہ ادی بشری بیگم تولد ہوئیں
صدیقہ بیگم کے ہاں چار صاحبہ ادی سلیم الدین، رفیع الدین، نجم الدین، حفیظ الدین
اور دو صاحبہ ادیاں طیبہ بیگم اور صبیحہ بیگم تولد ہوئیں۔ امینہ بیگم کے ہاں ایک صاحبہ ادی
اور ایک صاحبہ ادی تولد ہوئیں۔ نسیمہ بیگم کی حال
ہی میں شادی ہوئی ہے۔

④

حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری زوجہ مرحومہ افضل بیگم کے بطن سے چار
صاحبہ ادی مولانا احمد سعید مولانا عبدالحمید مولانا عبدالرشید مولانا جمیل صاحب اور ایک صاحبزادی
سعید النساء تولد ہوئیں۔ مولانا احمد سعید لا ولادت ہوئے، مولانا عبدالحمید کے ہاں تین
صاحبہ ادی مولانا عبدالحمید، حبیب الرحمن مرحوم، عبدالودود مرحوم اور دو صاحبہ ادیاں۔
سعید بانو (زوجہ مشرف حسین مرحوم) اور حمیدہ بانو (زوجہ بابو عبدالغفور صاحب) تولد ہوئیں
تمام صاحبہ زادگان لا ولادت ہو گئے، صاحبہ زادیوں میں سعیدہ بانو کے ہاں ایک
صاحبہ ادی مکرم حسین اور ایک صاحبہ ادی رشیدہ بانو تولد ہوئیں، رشیدہ بانو کے ہاں
ایک صاحبہ ادی فخرہ بیگم تولد ہوئیں۔ دوسری صاحبہ زادی حمیدہ بانو کے ہاں دو
صاحبہ زادے محمد احمد مرحوم، عبدالباقی، اور چار صاحبہ ادیاں خدیجہ بیگم، رقیہ بیگم، رضیمہ
بیگم اور زبیدہ بیگم تولد ہوئیں۔ حضرت مولانا عبدالحمید کی یہ دونوں صاحبہ ادیاں
اور ان کی اولاد حیدر آباد میں مقیم ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے چوتھے صاحب ادسے مولانا عبدالرشید کے ہاں ایک صاحب زادے
محمد ادریس تولد ہوئے جو صاحب اولاد ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے پانچویں صاحب کے
مولانا حبیب اللہ مرحوم لا ولد فوت ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب کی صاحب ادی
سعید النساء کے ہاں کئی اولادیں ہوئیں جن میں دو صاحب زادے محمد سعید الدین مرحوم
اور محمد حید الدین صاحب اولاد ہوئے۔ اول الذکر کے ہاں ایک صاحب ادسے عطف احمد
اور ایک صاحب زادی حبیبہ خاتون تولد ہوئیں جو صاحب اولاد ہیں اور جام شورو (حید آباد)
میں مقیم ہیں۔ دوسرے صاحب ادسے محمد حید الدین صاحب کے ہاں دو صاحب زادے
عزیز احمد و خورشید احمد اور چچہ صاحب ادیاں فحیدہ خاتون، عزیزہ خاتون، محبوبہ خاتون، عقیدہ خاتون
خورشید خاتون، فریدہ خاتون اور ساجدہ جبین تولد ہوئیں، یہ سب اجمیر شریف میں مقیم ہیں،

⑤

حضرت شاہ صاحب کی پہلی ہمیشہ رحیم النساء غالباً لا ولد فوت ہوئیں، دوسری ہمیشہ افضل النساء
چوں کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نانا حافظ عبدالعزیز خاں سے منسوب تھیں اس لئے ان کی
اولاد کا ذکر نہ کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا شجرے میں مختلف حضرات کی اولاد
کی جو تفصیلات پیش کی ہیں وہ حتمی نہیں، جہاں تک معلومات حاصل ہوئیں درج کر دی گئیں۔

شجرہ نسب حافظ عبدالعزیز خاں مرحوم

①

حافظ عبدالعزیز خاں صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب کے برادر نسبتی اور حضرت مفتی اعظم
علیہ الرحمہ کے نانا تھے، ان کے تفصیلی حالات تذکرہ ہذا کے دوسرے حصے میں بیان کر دیئے گئے
ہیں۔ حافظ صاحب کے مورث اعلیٰ خان ملک شہاب خاں تھے جو ریاست سوات (مغربی پاکستان)
کے علاقے میں رہتے تھے، یہ علاقہ اس زمانے میں کابل کے زیر اثر تھا، خان موصوف نسلا
افغان، یوسف زئی، مغل تھے، یہ قبیلہ افغنہ میں نہایت معزز و محترم سمجھا جاتا ہے، اس
قبیلے کے لوگ اکثر حکمران رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ خان موصوف کے ہاں چار
صاحب ادسے ہوئے، محمد حیات خاں، غلام رسول خاں، عبدالرسول خاں اور ملک عالم خاں
محمد حیات خاں کے ہاں دو صاحب ادسے بد الدین خاں و صدر الدین خاں

Click For More Books

تولد ہوئے۔ اول ذکر کے ہاں ایک صاحب ادے احمد خاں پھران کے ہاں ایک صاحبزادے شمس الدین خاں اور پھران کے ہاں دو صاحب ادے عبدالقادر خاں و عبدالواحد خاں تولد ہوئے، دونوں کی اولاد آنولہ (ضلع بالنس بریلی، بھارت) میں آباد ہے۔ — عبدالدین خاں کے ہاں ایک صاحب ادے عبداللہ خاں تولد ہوئے۔

(۲)

خان موصوف کے دوسرے صاحب ادے غلام رسول خاں کے ہاں ایک صاحب ادے حافظ حامد خاں اور پھران کے ہاں دو صاحب ادے غلام نبی خاں اور غلام حسین خاں تولد ہوئے۔ — غلام نبی خاں کے ہاں ایک صاحب ادی امۃ الرسول تولد ہوئے اور غلام حسین خاں کے ہاں ایک صاحب ادی ام کلثوم تولد ہوئیں جن کے ہاں ایک صاحبزادے محمد یونس مرحوم تولد ہوئے (جنہوں نے ایک لڑکی پروین بیگم چھوڑی) اور دو صاحب ادیاں رابعہ بیگم اور آمنہ بیگم تولد ہوئیں۔ دونوں بہنیں راولپنڈی میں مقیم ہیں، رابعہ بیگم (زوجہ محمد شفیع) کے ہاں چھ لڑکے لئیق احمد، عتیق احمد، خلیق احمد، محمد رضی، شمیم احمد، سلیم احمد اور دو صاحب ادیاں رعنیہ سلطانہ بیگم اور رعنا سلطانہ تولد ہوئیں۔ — آمنہ بیگم (زوجہ محمد حسان) کے ہاں تین لڑکے امین الرحمن، ایاز محبوب، قمر ثابت اور ایک لڑکی رخصانہ زوجہ تولد ہوئیں۔

(۳)

خان موصوف کے تیسرے صاحب ادے عبدالرسول خاں کے ہاں دو صاحب ادے غلام محمد خاں اور نور محمد خاں تولد ہوئے۔ اول ذکر کے ہاں ایک صاحب ادے عبدالغفور خاں تولد ہوئے مؤخر الذکر کے ہاں دو صاحب ادے عبدالرزاق خاں اور عبدالوہاب خاں تولد ہوئے۔ — عبدالرزاق خاں کے صاحب ادے حافظ محمد جمیل خاں کے ہاں تین صاحب ادے محمد امیر خاں، محمد نصیر خاں اور محمد سعید خاں تولد ہوئے اور محمد سعید خاں کے ہاں دو صاحب ادے احمد سعید خاں اور عبدالرشید خاں تولد ہوئے، اول ذکر کے ہاں ایک صاحب زادے عبدالقدیر خاں اور ایک صاحب ادی زریب النساء تولد ہوئیں اور مؤخر الذکر کے ہاں ایک صاحب ادے عبدالقیوم خاں اور دو صاحب ادیاں اکبری بیگم اور اختر بیگم تولد ہوئیں، یہ تینوں بھائی بہن کراچی میں مقیم ہیں۔ ان میں سے دو صاحب اولاد ہیں۔

Click For More Books

۴

عبدالوہاب خاں موصوف (بن نور محمد خاں بن عبدالرسول خاں بن ملک شہا خاں) کے
ہاں تین صاحبے ادسے حافظ عبدالعزیز خاں (شوہر افضل النساء ہمیشہ حضرت شاہ صاحب)
عبدالکیم خاں ور عبدالکیم خاں تولد ہوئے۔ حافظ صاحب موصوف کے ہاں زوجہ
اول سے ایک صاحبے ادسے عبدالسلیم خاں تولد ہوئے اور زوجہ ثانی سے چار صاحبزادیاں
حمید النساء (زوجہ مولانا احمد سعید بن حضرت شاہ صاحب) امراؤ بیگم (زوجہ مولانا محمد سعید بن حضرت
شاہ صاحب) محفوظ النساء، مجید النساء (زوجہ مولانا عبدالحمید بن حضرت شاہ صاحب) اور
حفیظہ النساء تولد ہوئیں۔ حمید النساء، امراؤ بیگم اور مجیدہ النساء چھل کہ حضرت
شاہ صاحب کے صاحب زادگان سے ابستہ ہو گئیں تھیں اس لئے ان کی اولادوں کا ذکر
حضرت شاہ صاحب کے شجرے میں کر دیا گیا ہے۔ حافظ صاحب کی باپنجویں
صاحبے ادی حفیظہ النساء کے ہاں ایک صاحبے ادسے ریاض الدین احمد اور ایک صاحبے ادی
رضیہ بیگم مرحومہ تولد ہوئیں، اول الذکر کے ہاں چھ صاحبے ادسے مصباح الدین، مگریتہ بیگم، صبح الدین
نجم الدین، نجیب الدین، مسعود احمد اور تین صاحبے ادیاں، عتیقہ پور، رخسانہ یاسمین اور گل سنا
تولد ہوئیں، بکسب کراچی میں مقیم ہیں۔

۵

عبدالوہاب خاں موصوف کے دوسرے صاحبے ادسے عبدالکیم خاں کے ہاں دو
صاحبے ادسے محمد ابراہیم خاں اور محمد اسماعیل خاں تولد ہوئے، اول الذکر کے صاحبے ادسے
عبدالکیم خاں کے ہاں ایک صاحبے ادسے جلیل خاں مرحوم اور دو صاحبزادیاں اکرام النساء
(زوجہ حنایت اللہ خاں) اور عزیز النساء تولد ہوئیں۔ یہ دونوں صاحبے ادیاں کراچی میں مقیم
ہیں، اول الذکر کے ہاں ایک صاحبے ادسے منظور احمد اور مؤخر الذکر کے ہاں ایک صاحبزادے
اور دو صاحبے ادیاں تولد ہوئیں۔

۶

عبدالوہاب خاں موصوف کے تیسرے صاحبے ادسے محمد اسماعیل خاں کے ہاں صاحبزادیاں
سلطانہ بیگم اور رقیہ بیگم تولد ہوئیں۔ مؤخر الذکر احمد سعید خاں موصوف سے منسوب ہوئیں
جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، یہ سبکل اپنی اولاد کے ساتھ کراچی میں مقیم ہیں۔

شجرہ نسب ڈپٹی سید اکبر علی مرحوم

①

حضرت مولانا حیدر شاہ خاں، مسجد جامع فتحپوری، دہلی کے شاہی امام تھے، موصوف کی ایک صاحب ادبی فاطمہ خاتم ڈپٹی سید اکبر علی صاحب سے منسوب تھیں اور دوسری صاحب ادبی عائشہ خاتم اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب تھیں اس طرح ڈپٹی صاحب اور حضرت شاہ صاحب کے خاندان دو سگی بہنوں کی اولاد ہیں، ڈپٹی صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب کے فرزند اکبر مولانا میر سعید رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ) کے سگے خالو ہوتے تھے اسی لئے حضرت مفتی اعظم نے اس خاندان سے مخلصانہ تعلقات قائم رکھ کر وضع داری اور صلہ رحمی کا حق ادا کیا، راقم یہ شجرہ اسی لئے پیش کر رہا ہے تاکہ دونوں خاندانوں کے اختلاف کو رشتہ داریوں کا علم ہو اور اسلاف کے قدم بہ قدم چل کر صلہ رحمی کا حق ادا کریں۔

②

ڈپٹی اکبر علی صاحب کا سلسلہ نسب متعدد واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک

پہنچتا ہے، یہ سلسلہ اوپر سے نیچے اس طرح ہے —

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت امام حسین، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت سید اسماعیل، حضرت سید محمد، حضرت سید علی ثانی، حضرت سید ابراہیم، حضرت سید علی، حضرت سید حاتم، حضرت سید صالح، حضرت سید جعفر، حضرت سید موسیٰ، حضرت سید یحییٰ، حضرت سید کمال الدین، حضرت سید عبداللہ، حضرت سید محمد، حضرت عبداللہ، حضرت سید محمد، حضرت سید نور الدین، حضرت سید برہان الدین، حضرت سید ضیاء الدین، حضرت شاہ عبدالرحمن غزنوی، حضرت شاہ فتح اللہ، حضرت شاہ محمد اور میں، حضرت شاہ غلام انبیاء، حضرت شاہ بہاؤ الدین، حضرت شاہ حسام الدین، میر کلب علی، مولوی فرزند علی اور ڈپٹی سید اکبر علی۔

③

مولوی فرزند علی کے ہاں جو شاہ محمد اسحاق کے ارشد تلامذہ ہیں تھے، پانچ صاحبزادے تولد ہوئے، شاہ سبحان علی، میر سید اکبر علی، میر اعظم علی، میر امیر علی اور میر وزیر علی — یہ سب بھائی اعلیٰ بہنوں پر فائز تھے، چنانچہ مولوی اکبر علی ڈپٹی کلکٹر انھار تھے، سید امیر علی ڈسٹرکٹ

جج تھے، وزیر علی ریاست نابھ میں وزارت کے عہدے پر فائز تھے۔

ڈپٹی سید کبر علی کے ہاں چار صاحبے اسے میرا صغریٰ، میرا غنصر علی، میرا ظفر علی، میرا کابر علی اور تین صاحبے ادیاں اکبری زما نی بگیم، سکینہ بگیم اور حسینہ بگیم تولد ہوئیں۔

۴

میرا صغریٰ کے ہاں دو صاحبے اسے سید انور علی، سید صغیر علی اور تین صاحبے ادیاں فوجاں بگیم، (زوجہ حکیم جعفر علی) زمر جہاں بگیم اور بالقیس زما نی بگیم (زوجہ محمد منی مرزا) تولد ہوئیں۔ سید انور علی صاحب کا انتقال ہو گیا ان کی اولاد میں ایک صاحبے ادی زاہرہ بگیم اور دو صاحبے اسے بقید حیات ہیں اور دہلی میں سکونت پذیر ہیں۔ سید صغیر علی صاحب لائل پور میں مقیم ہیں موصوف کے ہاں نو صاحبے اسے امیر احمد، شمیم احمد، فاروق احمد، نسیم احمد، سیدہ الملتین، خیر مہدی، علیہما جید، علیہما واحد، عثمان احمد اور سات صاحبے ادیاں ام حبیبہ، ام سلمیٰ، ام عبیدہ، ام زبیدہ، بی بی بگیم، عارفہ بگیم، اور ماجدہ بگیم تولد ہوئیں۔

ان فوجاں بگیم کے شوہر حکیم جعفر علی چوں کہ اسی خاندان سے وابستہ ہیں اس لئے ان کی اولاد کا ذکر حکیم صاحب کے زمرے میں کیا جائے گا۔ میرا صغریٰ کی تیسری صاحب زادی بالقیس زما نی بگیم کا دہلی میں انتقال ہوا ان کے ہاں دو صاحبے اسے محمد رفیع مرزا اور محمد زکی مرزا اور ایک صاحبے ادی امۃ القیوم تولد ہوئیں، دونوں صاحبے ادگان بقید حیات ہیں، اول الذکر کوٹھ میں مقیم ہیں اور موخر الذکر اولپنڈی میں، دونوں کی اولاد کی تعداد بالترتیب اس طرح ہے۔

① مرزا محمد فصیح اللہ بگ، مرزا وجیہ اللہ بگ، مرزا اتقی اللہ بگ، مرزا انجیل اللہ بگ، صالحہ خاتون عابدہ خاتون، طاہرہ خاتون، زاہدہ خاتون، سلمہ خاتون، رابعہ خاتون اور حمیرہ خاتون۔

② محمد تقی مرزا، محمد رفیع مرزا، ریحانہ خاتون، رخسانہ خاتون، شاہدہ خاتون، ناصرہ خاتون، صبیحہ خاتون اور ماجدہ خاتون۔

۵

ڈپٹی صاحب کے دوسرے صاحبے اسے میرا غنصر علی کے دو صاحبے اسے میرا صغریٰ اور میرا نصیر علی اور دو صاحبے ادیاں اکبری بگیم اور اصغریٰ بگیم (زوجہ حکیم ظفر علی) تولد ہوئیں۔ میرا صغریٰ کے ہاں دو صاحبے زادیاں صدیقہ بگیم (زوجہ بدر الاسلام) اور امۃ الغنی (زوجہ سید صغیر علی) تولد ہوئیں، اول الذکر کے ہاں دو صاحبے زادے ضیاء الاسلام، نجم الاسلام

اور دو صاحب زادیاں راشد بیگم (زوجہ سید آغا نور علی) اور خالد بیگم (زوجہ سید الدین) تولد ہوئیں۔
امتہ الغنی کے ہاں پانچ صاحب ادب اوسے اکبر علی، اختر علی، افسر علی، اظہر علی، سکندر علی
اور دو صاحب زادیاں صادق بیگم اور کوثر بیگم تولد ہوئیں۔
میر غنفر علی کے دوسرے صاحب ادب اوسے میر نصیر علی کے صاحب ادب اوسے سید مبشر علی کے
ہاں چار صاحب ادب اوسے خالد نصیر، طارق نصیر، راشد مبشر، شاہد مبشر اور چار صاحب زادیاں ملکہ نصیر
رضیہ سلطانہ، نجمہ نصیر اور بیچہ تولد ہوئیں۔

(۶)

ڈپٹی صاحب کے تیسرے صاحب ادب اوسے میر مظفر علی کے ہاں ایک صاحب ادب اوسے مناظر علی تولد ہوئے
جو لا ولہ را ولینڈی میں فوت ہو گئے۔ ڈپٹی صاحب کے چوتھے صاحب ادب اوسے میر اکبر علی
کے ہاں ایک صاحب زادے حامد علی اور ایک صاحب ادب اوسے صدیق بیگم تولد ہوئیں۔ حامد علی کے ہاں
ایک صاحب زادے سعید علی اور ایک صاحب ادب اوسے تولد ہوئیں جو صاحب اولاد ہیں وراجیل کراچی
میں مقیم ہیں۔

(۷)

ڈپٹی صاحب کی صاحب ادب اوسے اکبری زمانی بیگم (زوجہ حکیم صادق علی مرحوم) کے ہاں تین صاحب زادے
حکیم حفیظ علی، حکیم ظفر علی، جمشود علی، اور تین صاحب ادب اوسے فرخ زمانی (زوجہ رشید علی) و حیدری بیگم اور
اختری بیگم (زوجہ حکیم نور علی) تولد ہوئیں۔ حکیم حفیظ علی کے ہاں تین صاحب ادب اوسے سید ہاشم علی سید
شوکت علی، سید لیاقت علی اور تین صاحب ادب اوسے فخر جہاں بیگم، فرحت جہاں بیگم اور روشن جہاں بیگم
تولد ہوئیں۔ سید ہاشم علی کراچی میں مقیم ہیں ان کے ہاں تین صاحب زادیاں تولد
ہوئیں۔

سید شوکت علی ملتان میں مقیم ہیں ان کے ہاں پانچ صاحب زادے شہزاد شوکت، شمشاد شوکت
محمد ارشد شوکت، فرید شوکت، راشد شوکت اور پانچ صاحب ادب اوسے ملکہ سرور جہاں، عشرت جہاں
مسرت جہاں، فرخندہ شوکت اور شگفتہ شوکت تولد ہوئیں۔ سید لیاقت علی کراچی میں مقیم
ہیں، ان کے ہاں تین صاحب ادب اوسے نسیم احمد، نعیم احمد، وسیم احمد مرحوم، اور دو صاحب ادب اوسے
سلمہ بیگم اور سیما بیگم تولد ہوئیں۔

اکبری زمانی بگیم کے دوسرے صاحب ادے حکیم ظفر علی کے ہاں ایک صاحب ادے سید
منظہر علی (یہ راقم الحروف کے خسر ہیں) اور ایک صاحب زادی مسعودہ بگیم تولد ہوئیں۔
سید مظہر علی صاحب کے ہاں زوجہ اول فخر جہاں بگیم (بنت حکیم جعفر علی موصوف) کے بطن سے
ایک صاحب ادی سلطانہ بگیم (زوجہ حکیم فیض الرحمن مرحوم) تولد ہوئیں، اور زوجہ ثانی فرحت جہاں
بگیم (بنت حکیم جعفر علی موصوف) سے چار صاحب ادے سید الطغر تکمیل احمد، شہزادہ، شان احمد
اور دو صاحب ادیاں نگہت بگیم (زوجہ ڈاکٹر اقبال احمد قریشی) اور نعیمہ بگیم (زوجہ راقم الحروف)
تولد ہوئیں۔ صاحب ادگان ابھی نو عمر ہیں۔ نگہت بگیم کے ہاں دو صاحب ادے جاوید اقبال
اور رضوان احمد اور چھ صاحب ادیاں نوشاہہ بگیم، ریحانہ بگیم، سلیمانہ بگیم، رخسانہ بگیم، رضوانہ بگیم اور
شبانہ بگیم تولد ہوئیں۔

حکیم ظفر علی کی صاحب ادی مسعودہ بگیم حیدر آباد کن میں مقیم تھیں اور وہیں انتقال کیا، ان
کے دو صاحب زادے عشرت علی اور نصرت علی، اور ان کی اولاد حیدر آبادی میں سکونت پذیر ہے
اکبری زمانی بگیم کے تیسرے صاحب زادے محمد علی صاحب کے ہاں ایک صاحب زادے
سعید علی، اور تین صاحب ادیاں عزیزہ بگیم، رشید بگیم اور سعیدہ بگیم تولد ہوئیں، سب جلد ولاد میں
اور کراچی میں مقیم ہیں۔

۸

ڈپٹی اکبر علی صاحب کی دوسری صاحب ادی سکینہ بگیم کے ہاں ایک صاحب ادے مسعود علی
اور ایک صاحب ادی رقیہ بگیم تولد ہوئیں۔ ڈپٹی صاحب کی تیسری صاحب ادی حسینہ بگیم
(زوجہ سید ظہیر علی) کے ہاں تین صاحب ادے بشیر علی، شویر علی، منیر علی، اور ایک صاحب ادی
جلیلہ بگیم تولد ہوئیں،۔۔۔۔۔ بشیر علی صاحب کے ہاں تین صاحب ادے منصور علی، مختار علی اور
طارق کمال اور تین صاحب ادیاں صوفیہ خالد، شکیدہ ظفر، باسمین اور ناصرہ تولد ہوئیں۔۔۔۔۔
تنویر علی صاحب کے ہاں ایک صاحب ادے شاکر علی اور منیر علی صاحب کے ہاں تین صاحب ادے
میرا میر علی، میرا صفر علی، میرا اختر علی، اور دو صاحب ادیاں طیبہ بگیم اور لثیقہ بگیم تولد ہوئیں

۹

ڈپٹی اکبر علی صاحب کے دوسرے برادر ان میں شاہ سبحان علی کے ہاں تین صاحب ادے
شرافت علی، یوسف علی، منصب علی اور احسان علی تولد ہوئے۔۔۔۔۔ منصب علی کے ہاں ایک

صاحب ادبے حشمت علی اور احسان علی کے ہاں ایک صاحب ادبے نیاز علی تولد ہوئے۔
ڈپٹی صاحب کے دوسرے بھائی میر اعظم علی کے ہاں دو صاحب ادبے حاتم زبانی بگیم اور کنڈ زبانی بگیم تولد ہوئے، اول الذکر کے ہاں دو صاحب ادبے امیر سزا اور احمد سزا تولد ہوئے اور مؤخر الذکر کے ہاں دو صاحب ادبے مختار بگیم اور خورشید بگیم تولد ہوئے یہ دونوں کراچی میں مقیم ہیں۔
ڈپٹی صاحب کے تیسرے بھائی میر امیر علی کے ہاں ایک صاحب ادبے کبیر علی اور پھران کے ہاں ایک صاحب ادبے دبیر علی اور دو صاحب ادبے بدر جہاں و شمس جہاں تولد ہوئے۔ دبیر علی صاحب کے ہاں مبشر علی، بدر علی اور شمشیر علی تولد ہوئے۔
ڈپٹی صاحب کے چوتھے بھائی میر وزیر علی کے ہاں ایک صاحب ادبے میر نذیر علی اور ایک صاحب ادبے سعید زبانی بگیم تولد ہوئے۔ میر نذیر علی کے ہاں ایک صاحب ادبے ظہیر علی تولد ہوئے ان کی اولاد کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

نوٹ ۱۔ اوپر حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے شجرہ نسب میں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے بڑے صاحب ادبے حضرت مفتی محمد مظہر احمد صاحب کی صاحب زادیوں کی اولاد کا ذکر نہیں کیا گیا، موصوف کی دو صاحب ادبوں زبیدہ بگیم اور عبیدہ بگیم کی اولاد کی تفصیل بالترتیب یہ ہے :-

- ① شجاع الدین، عجیب الدین، مصباح الدین، محسن الدین، مختار الدین اور حمیرہ بگیم۔
- ② سید عامر مسعود، سید مظہر، عظیمہ بگیم، اور صاحبہ بگیم۔

کتبیات

کتابیات

①

کتاب عربی، فارسی اور اردو

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنة طباعت
۱-	آقاخان احمد بن یار	مختار اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید	مطبوعہ تہران	۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء
۲-	ابوالکلام آزاد، مولانا	غبار خاطر	مطبوعہ لاہور	۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء
۳-	احمد جان دہلوی، منشی	طب و حانی، دفتر اول	مطبوعہ شملہ نور، بٹالہ	۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء
۴-	اخلاق حسین دہلوی علاء	"مفتی اعظم"	مطبوعہ ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی)	۱۳۸۶ھ/ جولائی و اگست ۱۹۶۶ء
۵-	ارتضیٰ حسین ملا واحدی	میرے زمانے کی دلی	مطبوعہ ماہنامہ ہمدرد صحت (کراچی)	۱۳۸۶ھ/ مارچ ۱۹۶۶ء
۶-	ارتضیٰ حسین ملا واحدی	میرے زمانے کی دلی	مشہور آفٹ پریس کراچی	۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء
۷-	ارتضیٰ حسین ملا واحدی	"تاثرات"	مطبوعہ ماہنامہ ہمدرد صحت (کراچی)	۱۳۸۶ھ/ نومبر ۱۹۶۶ء
۸-	امام بخش بن پیر بخش	حقیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار	ڈیرہ غازی خان	۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء
۹-	امام خاں نوشہری ابویحییٰ	تراجم علمائے حدیث ہند جلد اول	مطبوعہ دہلی	۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء
۱۰-	امام علی شاہ، سید	مرآۃ المحققین (علمی)	کتاب خانہ مولانا منظور احمد مکان شیرانی، ساہیوال	
۱۱-	امتیاز علی عسکری، مولانا	مکاتیب غالب	مطبوعہ بیہی	۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء
۱۲-	بزرگ بن شہر یار	عجائب الہند	مطبوعہ لیڈن	
۱۳-	بخش اللہ	سوانح حیات حضرت شاہ ابوبکر	مطبوعہ جوبہ المطابع برقی پریس، دہلی	

Click For More Books

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنة طباعت
۱۲-	بشیر الدین احمد مولوی	واقعات دارالحکومت دہلی	مطبوعہ آگرہ	۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء
۱۵-	بلاقی داس، منشی	غنجہ عشرت المعترف بہ تحفہ مرغوب (قلمی)	مطابق نسخہ مطبوعہ میور پریس دہلی	۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء
۱۶-	پوتارک، حکیم	مشاہیر نوان وردما (ترجمہ سید ہاشمی سید آبادی)	مطبوعہ دہلی	۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء
۱۷-	جلال الدین	مکتوب قلمی فارسی	دوسوہ ضلع ہوشیار پور	
۱۸-	حمید الدین حیدر شاہ	اشارات عرفاں (۱۳۰۴ھ)	مطبع مجتبیٰ، دہلی	۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء
۱۹-	//	شجرہ طریقت محمد مسعود شاہ	مطبع حسنی	
۲۰-	رحمان علی، مولانا	تذکرہ علمائے ہند	مطبوعہ لکھنؤ	۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء
۲۱-	رکن الدین شاہ	رسالہ رکن دین	فاروقی پریس، دہلی	
۲۲-	//	توضیح العقائد	مطبع علمی، دہلی	۱۳۲۵ھ/۱۹۱۶ء
۲۳-	//	مولود محمود (۱۳۳۹ھ)	افضل المطابع، دہلی	
۲۴-	//	رسالہ دافع طاعون	ناروان انڈیا پرنٹنگ پریس (لکھنؤ)	۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء
۲۵-	//	روح الصلوٰۃ	تجلی پرنٹنگ ورکس، دہلی	
۲۶-	رکن الدین نظامی	حیات دہلی	ادیس المطابع، دہلی	۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء
۲۷-	//	حیات دہلی	خواجہ پریس، دہلی	
۲۸-	زید ابوالحسن، مولانا	بزم خیر از زید در جواب بزم جمشید	مطبوعہ دہلی	۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء
۲۹-	سعادت یار خان رنگین	اخبار رنگین (۱۲۴۹ھ)	پاکستان پبلشرز سوانی کراچی	۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء
۳۰-	سید محمد خاں، سر	آثار الصنادید	مطبع سید الاخبار، دہلی	۱۲۶۲ھ/۱۸۴۷ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۳۱-	سید احمد مولوی	یادگار دہلی	مطبع احمدی، دہلی	۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء
۳۲-	سید سلیمان ندوی	خطبات مدراس	مطبوعہ اعظم گڑھ	
۳۳-	شاہ علی، ڈاکٹر	اردوین سوانح نگاری	مطبوعہ کراچی	۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء
۳۴-	شبلی نعمانی، مولانا	سیرۃ النبی، جلد اول	مطبوعہ اعظم گڑھ	۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء
۳۵-	///	الفاروق	مطبوعہ دہلی	
۳۶-	صادق علی شاہ، سید	تفسیر سمرقانی (قلمی)	مکتوبہ حافظ ابوسعید خاں	۲۵ محرم ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء
۳۷-	ضیاء الدین احمد علوی	مرآۃ الانساب	مطبع رحیمی، سبھے پور	۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء
۳۸-	ظہور الحسن، سید	تاریخ دربار دہلی	ہلالی پریس، دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۳۹-	عبدالحامد بدایونی، مولانا	سپاسنامہ	کراچی	۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء
۴۰-	عبدلرشید خاں لائق	دیوان لائق (قلمی)	مملوکہ عبدالقیوم خاں	۱۹۴۲ء تا ۱۹۵۴ء
۴۱-	عبدالعزیز	آثار دہلی	مطبع حقانی، دہلی	۱۳۴۹ھ/۱۹۱۱ء
۴۲-	///	دربار دہلی	مطبع حقانی، دہلی	۱۳۴۹ھ/۱۹۱۱ء
۴۳-	عبد الغفور، محمد	آثار المتاخرین	مطبوعہ دہلی	۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء
۴۴-	عبدلقدیر بدایونی	منتخب التواریخ جلد سوم	مطبوعہ کلکتہ	۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء
۴۵-	عبدالقیوم ندوی، مولانا	خطبات نبوی	مطبوعہ لاہور	
۴۶-	عبدلقدیر فاروقی	سوانح شیخ جمال الدین بھٹانی	مطبوعہ دہلی	
۴۷-	عبدالمجید ریا آبادی	مکتوبات سلیمانی	مطبوعہ لکھنؤ	۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء
۴۸-	عبدالمجید مولانا	وصیت نامہ (قلمی)	حیدر آباد	
۴۹-	غلام ابراہیم	شجرہ طریقت محمد حید الدین	روز بازار الیکٹرک سیران، امرتسر	
۵۰-	غلام رسول سہر، مولانا	تبرکات آزاد	مطبوعہ لاہور	
۵۱-	غلام سرور، مفتی	خزینۃ الاصفیاء	مطبع ہوپ پریس لاہور	۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء
۵۲-	فضل احمد، حاجی	قیوم عالم حضرت مرشد سید امام علی شاہ صاحب	ماہنامہ سبیل، مطبوعہ لاہور جلد ۱۰، شمارہ ۲	۱۳۸۶ھ/فروری ۱۹۶۶ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۵۳	فضل احمد	شمشیر صداقت	انیس پریس، کراچی	۱۹۵۲/۱۳۷۲
۵۴	فقیر محمد جلیبی	حدائق الحنفیہ	نول کشور پریس، لکھنؤ	
۵۵	فیروز الدین، مولوی	یادگار دربار	مطبع صدرائے ہند، لاہور	۱۹۰۳/۱۳۲۱
۵۶	قلی خاں نواب	مرقع دہلی	مطبوعہ حید آباد دکن	۱۷۳۸/۱۱۵۱
۵۷	لیاقت علی نواب زادہ	مکتوب بنام حضرت قبلہ	ازگل رخصا، دہلی	۱۹۵۱/۱۳۶۵
۵۸	مالک اسم	تلامذہ غالب	مطبوعہ دہلی	۱۹۵۷/۱۳۷۷
۵۹	محمد ابراہیم قصوی صوفی	خزینہ مصرفت	مطبوعہ لاہور	۱۹۳۱/۱۳۵۰
۶۰	محمد ابراہیم میر سیالکوٹی	تاریخ اہل حدیث	مطبوعہ لاہور	۱۹۵۲/۱۳۷۳
۶۱	محمد امین شرفپوری	تذکرہ اولیائے نقشبند	مطبوعہ لاہور	۱۹۵۲/۱۳۷۲
۶۲	محمد اقبال، علامہ	اسرار خودی	مطبوعہ لاہور	۱۹۴۶/۱۳۶۸
۶۳	"	رموز بخودی	"	۱۹۴۶/۱۳۶۸
۶۴	"	ضرب کلیم	"	"
۶۵	"	بال جبریل	"	۱۹۵۹/۱۳۷۹
۶۶	"	بانگ وراء	"	۱۹۶۳/۱۳۸۳
۶۷	محمد بکیت اللہ حاجی	مجموعۃ البرکات	مشہور آفست پریس، کراچی	۱۹۶۳/۱۳۸۳
۶۸	محمد بن منور بن ابی سعید بن ابی طاہر بن ابی سعید میمنی (م - ۵۴۴ھ)	اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید (مرتبہ ڈاکٹر فریح اللہ صفا)	مطبوعہ تہران	۱۹۱۳/۱۳۳۲
۶۹	محمد حسن قرشی	دستور الاطباء جلد اول		
۷۰	محمد سرور، پروفیسر	مولانا محمد علی	مطبوعہ لاہور	۱۹۶۲/۱۳۸۲
۷۱	محمد شفیع	شجرہ طریقت	مطبع سلطانی، بمبئی	
۷۲	محمد ذوقی، سید	ستر دل براں	مطبوعہ کراچی	

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنة طباعت
۷۳-	محمد صالح کنبوه	شاہ جهان نامہ جلد سوم	مطبوعہ لاہور	۱۲۸۰ھ / ۱۹۶۰ء
۷۴-	محمد عالم شاہ	مزارات اولیاء دہلی	جید برقی پریس، دہلی	۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء
۷۵-	محمد عمر خاں	آئینہ دربار دہلی	مطبع شمسی، میرٹھ	۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء
۷۶-	محمد مسعود شاہ، مفتی	رسالہ سلوک مستوی (قلمی)	مکتوبہ محمد عظیم گوپاموی	۱۵ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ ۶ اکتوبر ۱۸۹۳ء
۷۷-	"	رسالہ سماع و غنا (قلمی)	" ہردوئی	۸ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۳ء
۷۸-	"	رسالہ در سماع موتی (قلمی)	" تالیف ۲۴ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ھ	
۷۹-	"	رسالہ آداب سلوک (قلمی)	" ہردوئی	۱۵ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۳ء
۸۰-	"	مکتوبات مستوی (قلمی)	"	۱۷ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۳ء
۸۱-	"	فتاویٰ مستوی (قلمی)	دہلی	۱۲۹۰ھ تا ۱۳۰۷ھ
۸۲-	"	در التیم فی قرآن العظیم (تالیف جمادی الآخر ۱۲۸۵ھ)	محمد حو الطابع، دہلی	۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء
۸۳-	"	درر ثانیہ	مطبع شعبہ احباب دہلی	
۸۴-	"	آداب سالک	مطبع علمی، دہلی	
۸۵-	محمد محمود، مفتی	مصباح السالکین فی احوال رکن الملتہ والدین	انصاری پریس، دہلی	۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء
۸۶-	"	رسالہ رکن دین کتاب الصیام جلد دوم	مطبوعہ کراچی	
۸۷-	محمد مظفر احمد، مفتی	رسالہ الجہاد	مشہد آفست پریس، کراچی	

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنة طباعت
۸۸۰	محمد مظہر اللہ مفتی	شرعیۃ الخیرات	اعلیٰ پریس، دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۸۹	"	ارکان دین	ہلالی پریس، دہلی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۹۰	"	مظہر الاخلاق	"	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۹۱	"	مظہر العقائد	"	"
۹۲	"	موجودہ مصائب و احکام علاج	جید برقی پریس، دہلی	۱۳۵۶ھ/۱۹۳۹ء
۹۳	"	کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب	"	۱۳۲۲ھ/۱۹۲۵ء
۹۴	"	تحقیق الحق	اعلیٰ پریس، دہلی	۱۳۲۶ھ/۱۹۲۴ء
۹۵	"	دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ	مطبوعہ دہلی	۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء
۹۶	"	فتویٰ	مطبوعہ ماہنامہ اذان (کراچی)	۱۳۷۹ھ/نمبر ۱۹۵۹ء
۹۷	"	القول الفائق علی امامۃ الفریق	جید برقی پریس، دہلی	"
۹۸	"	انتقاء المحال فی رسمۃ الہلال	جید برقی پریس، دہلی	۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء
۹۹	"	قصد السبیل	اعلیٰ پریس، دہلی	"
۱۰۰	"	فتویٰ رویت ہلال	جید برقی پریس، دہلی	۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء
۱۰۱	محمد یوسف عزیز الملک	ادب عزیز، حصہ اول	مشہد آفست پریس کراچی	۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء
۱۰۲	میرزا حیرت دہلوی	چراغ دہلی	کرزن پریس، دہلی	۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء
۱۰۳	"	نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی (منتخبات نشر)	مطبوعہ لاہور	۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء
۱۰۴	محمد میاں، مولوی	علمائے حق، حصہ دوم	مطبوعہ دہلی	"
۱۰۵	محمد ہدایت علی نقشبندی	معیار السلوک و افح الاوامر و الشکوک	ویلڈن پرنٹنگ پریس کراچی	"
۱۰۶	مسعود عالم نموی مولانا	مکاتیب سلیمان	مطبوعہ لاہور	۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱۰۷	ناصر نذیر فراق دہلوی	یادگار دہلی	مطبوعہ دہلی	۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء
۱۰۸	نرائن بھارگو	صحیفہ نثرین	نول کشور پریس، لکھنؤ	۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء
۱۰۹	ہدایت علی جے پوری	آسن التکویم	انٹرنیشنل پریس کراچی	۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء
۱۱۰	حوی - اسے شو کو فسکی	اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید	مطبوعہ روس	۱۳۱۵ھ/۱۸۹۹ء

کتاب نگریزی (۲)

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱۱۱	ایس۔ ہنری۔ شارپ :	دہلی	آکسفورڈ	۱۹۲۸ء
۱۱۲	آر۔ ایم۔ میکن :	اسٹیز آف ڈائٹون ہنڈس جلد ۱۱ - ۱۱	لندن	۱۹۲۶ء
۱۱۳	ایم۔ گل وغیرہ :	ہائی پو مو تھرافی	نیویارک	۱۹۵۲ء
۱۱۴	پلوٹارک :	دی لائف آف نول کریشین ایڈرومنز	چیکاگو	۱۹۵۲ء
۱۱۵	جیمس باسول :	جلد ۱۲، مرتبہ آر ایم ہوچینز لائف آف سیول جانشین (جلد ۴۴)	چیکاگو	۱۹۵۲ء
۱۱۶	ڈی۔ ایس۔ مارگولیس :	مرتبہ آر ایم ہوچینز نجر ایڈ دی رائز آف اسلام	لندن	۱۹۳۱ء
۱۱۷	سی۔ کلا۔ ٹیلر :	دی ہوم یونیورسٹی انسائیکلو پیڈیا جلد چہارم	نیویارک	۱۹۳۶ء
۱۱۸	فانس ڈا :	دہلی پابلسٹ اینڈ پریزنٹ	—	۱۹۰۲ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱۱۹-	کارل بیکسن وغیرہ :	اسے ریڈرس گائیڈ ٹو لٹریچر میٹرکس	لندن	۱۹۶۱ء
۱۲۰-	فرانسس بیکن :	اڈوانسمنٹ آف لرننگ (دی ویسٹرن ورلڈ سیریز، جلد ۳۰، مرتبہ آرم چوچر)	چیکاگو	۱۹۵۲ء
۱۲۱-	کولین	اسے نارل سائیکولوجی اینڈ موڈرن لائف		
۱۲۲-	گارڈن رزلے ہرن	دی کیوین سٹیز آف دہلی	لندن	۱۹۰۶ء
۱۲۳-	—	پنجاب سٹریٹ گزیٹرس، جلد B ۱۱۱		
۱۲۴-	ملٹن - ایچ - ارسن	صفحہ ۱۷۱-xi	لاہور	۱۹۱۳ء
۱۲۵-	—	ایکسپریس ٹو مانسیرش آف سائیکولوجی		
۱۲۶-	—	آف ایوری ڈس لائف		
۱۲۷-	—	کاسٹن پکچرڈ انسائیکلو پیڈیا، جلد چہارم	امریکہ	۱۹۴۴ء
۱۲۸-	—	انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ہفتم	لندن	۱۹۶۸ء
۱۲۹-	—	انسائیکلو پیڈیا آف لیجن اینڈ ایٹھکس	نیویارک	۱۹۳۵ء
۱۳۰-	—	قرآنک اڈوائس	کراچی	
۱۳۱-	—	دی امپریل گزیٹیر آف انڈیا	آکسفورڈ	۱۹۰۸ء
۱۳۲-	—	جلد ۱۷۱-xi		

(۳)

اخبارات و رسائل

(اخبارات)

نمبر شمار	اخبار	مقام اشاعت	تاریخ اشاعت	صفحہ و کالم
۱-	استقامت	کانپور	۱۶ دسمبر ۱۹۴۶ء	
۲-	الجمعیۃ	دہلی	۲۸ نومبر ۱۹۴۶ء	
۳-	"	"	۳۰ نومبر ۱۹۴۶ء	

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

نمبر شمار	اخبار	مقام اشاعت	تاریخ اشاعت	صفحہ و کالم
۴-	الجمعیۃ	دہلی	۲ دسمبر ۱۹۶۶ء	
۵-	الروز	لاہور	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	
۶-	انجام	کراچی	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۳، ک-۸ و ۷
۷-	"	"	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۳، ک-۵
۸-	آغاز	کراچی	۳۰ نومبر ۱۹۶۶ء	ص-۱، ک-۵ و ۴
۹-	"	"	۶ دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۱، ک-۶
۱۰-	پاکستان ٹائمز	لاہور	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	
۱۱-	پیام مشرق	دہلی	۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء	
۱۲-	نیچ	"	۵ دسمبر ۱۹۶۶ء	
۱۳-	جنگ	کراچی	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۱۰، ک-۸ و ۷
۱۴-	جنگ	کراچی	۲ دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۲، ک-۶
۱۵-	"	"	۶ دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۱، ک-۵ و ۴
۱۶-	"	"	۲۶ فروری ۱۹۶۷ء	ص-۳، ک-۳ و ۴
۱۷-	"	"	۲۶ فروری ۱۹۶۷ء	
۱۸-	"	"	۴ مارچ ۱۹۶۷ء	ص-۲، ک-۲
۱۹-	دعوت	دہلی	۲ دسمبر ۱۹۶۶ء	
۲۰-	"	"	۲ دسمبر ۱۹۶۶ء	
۲۱-	غریب نواز	دہلی	۱۵ دسمبر ۱۹۶۶ء	
۲۲-	غریب نواز	دہلی	۱۵ نومبر ۱۹۶۷ء	
۲۳-	کوہستان	لاہور	۱۶ نومبر ۱۹۶۷ء	
۲۴-	مشرق	"	۱۶ نومبر ۱۹۶۷ء	
۲۵-	نوائے وقت	"	۱۶ نومبر ۱۹۶۷ء	
۲۶-	نئی روشنی	کراچی	یکم دسمبر ۱۹۶۶ء	ص-۳، ک-۳
۲۷-	"	"	۲ دسمبر ۱۹۶۷ء	ص-۳، ک-۱ تا ۴

Click For More Books

نمبر شمار	اخبار	مقام اشاعت	تاریخ اشاعت	صفحہ و کالم
۲۸-	نئی روشنی	کراچی	۲۴ دسمبر ۱۹۶۶ء	ص ۴۰، ک ۳۰
۲۹-	ہمارا دور	دہلی	۷ اکتوبر ۱۹۶۷ء	

(رسائل)

نمبر شمار	رسالہ	مقام اشاعت	شمارہ
۳۰-	آستانہ	دہلی	جنوری ۱۹۶۷ء
۳۱-	المرشد	دہلی	ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ
۳۲-	المرشد	دہلی	ج ۲، ش ۱، ۱۱ محرم ۱۳۵۴ھ
۳۳-	"	دہلی	ج ۲، ش ۸ و ۹، شعبان و رمضان ۱۳۵۴ھ
۳۴-	"	دہلی	ج ۳، ش ۴، ۴، ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ
۳۵-	"	دہلی	ج ۳، ش ۵، ۵، جمادی الاول ۱۳۵۵ھ
۳۶-	"	دہلی	ج ۳، ش ۱۰، ۱۰، شوال ۱۳۵۵ھ
۳۷-	"	دہلی	ج ۳، ش ۱۱، ۱۱، ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ
۳۸-	پیام حق	کراچی	جنوری ۱۹۶۷ء
۳۹-	رضائے مصطفیٰ	گجرات نواز	دسمبر ۱۹۶۶ء
۴۰-	حقیقت	دہلی	جولائی و اگست ۱۹۶۴ء
۴۱-	منادی	دہلی	۱۲ دسمبر ۱۹۶۴ء
۴۲-	نوری کرن	بریلی	فروری ۱۹۶۷ء

تاریخ التذکرۃ

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام على رسولہ الصاق الامین سیدنا
ومولانا محمد علی الہ اصحابہ الی یوم الدین وبعد فقد تم تالیف تذکرۃ
الجلیلۃ العظیمۃ للمؤلف الفاضل المولانا محمد مسعود احمد بن الفقی
الاعظم العلامة محمد مظہر اللہ الخطیب بشاہی مسجد جامع النوا قح
فی بلدہ ----- دہلی الہند فی سنہ ۱۳۸۷ ھجریہ وسنہ
۱۹۶۷ عیسویہ وکتبها الکاتب الضعیف الراجی عبدالباقی بن المولوی
مہر دل من سکنا کوئٹہ وكان الفءاخ من کتابتها فی آخر جمادی
الثانی سنہ ۱۳۸۸ ھجریہ النبویہ علی صاحبہا السلام وسنہ ۱۹۶۸
من عیسویہ قبل

وسبقی الخط فی لقرطاس فرا کاتیبہ مہم فی الترات
وطبعت تلک التذکرۃ الشریفۃ فی مطبعۃ مشہورہ آفست پریس لصاحبہا
الحکیم محمد تقی الدہلوی کاشن مراکزہا بکرا اتشی الباکستان
والمسؤل من اللہ العظیم ان یجعل هذه التذکرۃ المبارکۃ موعظۃ و
عبرۃ لکل ذی قلب منیب ویفعلننا باولیائہ ویجشرنانی من قرأہا ولہ
امین وصلى الله على رسولہ الکریم وعلى الہ واصحابہ اجمعین

الکاتب عبدالباقی غفر اللہ لہ

التماس

”تذکرہ مظہر مسعود“ پیش ناظرین ہے اگر کسی صاحب کے علم میں حضرت قبلہ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ کے حالات و کرامات وغیرہ ہوں یا ان کے پاس حضرت ممدوح کے فتوے اور مکاتیب گرامی محفوظ ہوں، یا ان کو حضرت مرحوم نے سفارتاً یا خلافتاً اجازت بیعت و ارشاد مرحمت فرمائی ہو اور تذکرہ ہذا میں اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو ازراہ کرم مندرجہ ذیل پتے پر مطلع فرما کر مہنون فرمائیں تاکہ دوسرے اڈیشن میں ترمیم و اضافہ کر دیا جائے۔

پروفیسر محمد مسعود احسب

فرحت منزل

۲/۴۴: بلاک-این، پی-ای-سی-ایچ سوسائٹی

کراچی-۲۹ (مغربی پاکستان)

اسلامی کتب خانہ

انجمن اسلامیہ کراچی

ناشر

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>



Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>